اصحابِ امام حسین علیہ السلام
......تالیف......
علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی

نام کتاب : اصحاب حسین علیہ السلام

تالیف : علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی

اشاعت : ۲۰۱۵ء

تعداد : ایک ہزار

کمپوزنگ : ریحان احمد

قیمت : ۸۰۰ روپے

ناشر : محسنہ میموریل فاؤنڈیشن
فلیٹ نمبر 102، مصطفی آرکیڈ،
سندھی مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی،
کراچی، فون:02134306686

website: www.allamazameerakhtar.com


---{ کتاب ملنے کا پتہ }---

| | | |
|---|---|---|
| MUSTAFA ARCADE<br>Flat #102, Plot 119-A<br>S.M.C.H.S, KARACHI<br>PAKISTAN<br>Ph# 02134306686 | IMAM BARGAH<br>DUA-E-ZEHRA<br>2 Lorne Road<br>NN 1 3RN U.K.<br>Ph# 07989344151 | Community News & Views<br>11 Amesbury Court<br>Robbinsville N.J. 08691<br>U.S.A Ph# 0016093360915 |
| H.NO.22-3-145,<br>DarabJang Lane,<br>Yakutpura,<br>Hyderabad A.P. INDIA<br>Ph# 00918099247402 | 6 Edwards Mews<br>Islington<br>London N1 1SG<br>Ph# 00447958344614<br>00442072269057 | Abbas Book Agency<br>Rustam Nagar<br>Dargah Hz. Abbas<br>Lucknow-3 U.P.<br>INDIA<br>Ph# 00919369444864 |
| Alamdar Book Depot<br>Imam Bargah<br>Shuhda-e-Karbal<br>Ancholi Society<br>Karachi<br>Ph# 02136804345 | Iftikhar Book Depot<br>43-Main Bazar<br>Islampura,<br>Lahore<br>Ph# 042-37223686 | Ahmed Book Depot<br>Phatak Imam Bargah<br>Shah-e-Karbala<br>Rizvia Society<br>Karachi |

# فہرست



﴿۱﴾

## حضرت انسؑ بن حرث

﴿صفحہ نمبر۔۔۳۹﴾

﴿۲﴾

## حضرت ابوثمامہؓ صیداوی

﴿صفحہ نمبر۔ ۸۳﴾

﴿۳﴾

# حضرت بُریرؓ بن خضیر ہمدانی

﴿صفحہ نمبر۔۔۹۶﴾



﴿۴﴾

# حضرت جونؓ (غلامِ حضرت ابوذرؓ غفاری)

﴿صفحہ نمبر۔۔۱۰۳﴾

﴿۵﴾

# حضرت حبیب ابنِ مظاہر اسدی

﴿صفحہ نمبر۔۔۱۱۰﴾

﴿٦﴾

# حضرت حُرّ جری تمیمی

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۱۷۴﴾

﴿۷﴾



﴿۸﴾



﴿۹﴾



﴿۱۰﴾



﴿۱۱﴾

﴿۱۲﴾

## حضرت مسلم ابنِ عوسجہؓ اسدی

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۲۹۲﴾



﴿۱۳﴾



﴿۱۴﴾



﴿۱۵﴾

﴿۱۶﴾

## حضرت وہب بن عبداللہ کلبی

﴿صفحہ نمبر۔۔۳۲۳﴾



﴿۱۷﴾

## حضرت ہانی بن عروہؓ مرادی

﴿صفحہ نمبر۔۔۳۵۱﴾



﴿۱۸﴾

## وہ اصحابِ رسولؐ جو واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے

﴿صفحہ نمبر۔۔۳۵۷﴾

﴿۲۱﴾

## وہ انصار جو فوجِ یزیدی کو چھوڑ کر خدمتِ امامؑ میں چلے آئے

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۳۹۳﴾

﴿۱۶﴾

## حضرت وہب بن عبداللہ کلبی

﴿صفحہ نمبر۔۔۳۲۳﴾



﴿۱۷﴾

## حضرت ہانی بن عروہؓ مرادی

﴿صفحہ نمبر۔۔۳۵۱﴾



﴿۱۸﴾

## وہ اصحابِ رسولؐ جو واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے

﴿صفحہ نمبر۔۔۳۵۷﴾

## اصحابِ امیرالمومنینؑ

(جو ہمراہِ رکابِ حسینی شرف یابِ شہادت ہوئے)

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۳۷۳﴾

﴿۲۰﴾

## وہ غلام جو معرکۂ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۳۸۳﴾

﴿۲۱﴾

## وہ انصار جو فوجِ یزیدی کو چھوڑ کر خدمتِ امامؑ میں چلے آئے

# انصارِ امام حسینؑ کے مکمل حالاتِ زندگی

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۴۰۰﴾

## (الف)

## (ب)



## (ج)

## (چ)



## (ح)



## (خ)

## (د)



## (ر)



## (ز)

## (س)

## (ش)



## (ض)



## (ط)



## (ظ)



## (ع)

# (غ)



# (ف)



# (ق)



# (ک)

## (م)

## (ن)



## (و)



## (ہ)



## (ی)

## حسینی سفیر حضرت مسلم بن عقیلؑ.................... ۵۳۰

## اصحابِ امام حسینؑ ہندوستان کے دانشوروں کی نظر میں

﴿صفحہ نمبر۔۔۵۳۹﴾



## اصحابِ امام حسینؑ ہندوستان کے علماء کی نظر میں

﴿صفحہ نمبر۔۔۵۷۶﴾

## حسینؑ کے لاثانی اصحاب

علامہ ڈاکٹر سیّد مجتبیٰ حسن کامونپوری

﴿صفحہ نمبر۔۔۵۷۷﴾



## میرے مولاؑ کے سپاہی

مولانا سیّد ابرار حسین پاروی

﴿صفحہ نمبر۔۔۶۰۳﴾

# امام کی تقریریں اور انصار کے جوابات

﴿صفحہ نمبر۔۔۶۰۹﴾

# اصحابِ حسینؑ کلامِ میر انیسؒ کے آئینے میں

## علامہ ضمیر اختر نقوی

﴿صفحہ نمبر ۔ ۶۸۲﴾



❀❀❀

## ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی:

# پیش لفظ

امام حسینؑ کے اصحاب وانصار وہ حقیقی صحابی وناصر تھے جنھوں نے بہادری، وفاداری اور اطاعت گزاری کی ایک عظیم مثال قائم کردی اور منصبِ ''اصحاب'' میں چار چاند لگادیئے۔

عظیم اصحاب وانصار کی ذاتی خصوصیات میں ہر صفت ایک مستقل فضیلت ہے، زبانِ عصمت سے جو القاب عطا کئے گئے وہ اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر فضیلت کا ایک نیا باب قائم کرتے ہیں۔ زیارت میں معصوم نے انھیں ولیٔ خدا، حبیبِ خدا، صفی اللہ، ناصرِ دینِ خدا، ناصرِ رسولؐ، ناصرِ مولا علیؑ، ناصرِ اسلام، ناصرِ فاطمہ زہراؐ، شہیدوں کے سردار، انصارِ ربانی، خاصۃ اللہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

اصحابِ حسینؑ کے یہ القاب جو اُن کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہیں اگر آیاتِ قرآنی کے آئینے میں دیکھا جائے تو اُن کی حیات کے جوہر کھلتے چلے جاتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (سورۂ آل عمران۔ آیت ۵۲)

''جب حضرت عیسیٰ نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کفر پر اڑے ہوئے ہیں تو آواز دی کون ایسا ہے جو خدا کی طرف ہوکر میرا مددگار رہے، یہ سُن کر حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں''۔

قرآن کی یہ آیت امام حسینؑ کے اصحاب و انصار کی فضیلت پر کھلی دلیل ہے جنھوں نے امام حسینؑ کی مدد کی، نصرت کی اور وہ اللہ کے ناصر کے لقب سے یاد کئے گئے۔

قانع تھے، مجاہد تھے، شجاع ازلی تھے　　ہشیار تھے اور مست مئے حُبِ علیؑ تھے

پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے　　حقا کے ولی تھے، وہ ولی تھے، وہ ولی تھے

پیدا نہ کئے مالکِ تقدیر نے ویسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ویسے

اصحابِ حسینؑ پر متعدد کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ یہ کتاب بہت پہلے لکھی گئی تھی جب اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ تقریباً بیس برس سے مرکزِ علومِ اسلامیہ نے ہر موضوع پر کتابیں لکھ کر شائع کرنا شروع کیں تو لاہور اور کراچی والوں کو جوش آگیا ہر ایک اِسی کام میں لگ گیا کہ زیادہ سے زیادہ کتابیں چھاپ کر مارکیٹ فتح کر لی جائے۔

اچھا ہے...... بہت اچھا کام ہے بھئی...... نیا کام کرو........ نئے موضوعات لاؤ...... خیر یہ تو ایک صلاح ہے۔

یہ کتاب جو آپ کے زیرِ مطالعہ ہے اس کا خاص سبب یہ ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ اصحابِ حسینؑ کے اسمائے مبارک کا صحیح تلفظ کیا ہے اور اُن کے ناموں کے معنی کیا ہیں۔ ناموں کی لغت تیار کر دی گئی ہے۔

یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ اغیار کے نام مورّخین نے شامل کئے ہیں۔ اصحاب کے ناموں میں تحریف کی گئی ہے۔

ناصرانِ امام حسینؑ کے نام لوحِ پر ازل سے لکھے تھے۔ وہ نجس نام اللہ رکھ ہی

نہیں سکتا تھا۔ سب اصحابِ حسینؑ کے پاکیزہ نام ہیں۔ خصوصاً زیاد اور یزید نام علیؑ والے رکھ ہی نہیں سکتے تھے۔

حضرت رسولِ خدا کی سیرت یہ تھی کہ بدکردار کے نام اگر کوئی رکھتا تھا تو آپ تبدیل کروادیتے تھے، آپ جانور کو بھی یزید کہہ کر پکارنے پر تیار نہ تھے، چنانچہ فتح خیبر کے بعد جو مالِ غنیمت سامنے آیا اس میں ایک قاتر بھی تھا جس کا نام یزید بن شباب تھا۔ آپ نے یہ نام سُن کر اُس کا نام "یعفور" قرار دیا۔ یعفور کا نام رسولؐ اللہ کی سواریوں میں برابر آتا ہے (بحوالہ مدارج النبوۃ)

آخر میں یہی عرض کروں گا کہ معصومینؑ نے زیارتوں میں اصحابِ حسینؑ کی جو عظمت بیان کی ہے۔ اس کے پیشِ نظر بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ زیارات میں اصحاب پر سلام اور فضیلت مندرجہ ذیل ہے:-

السّلام علیٰ الارواح المنیخة بقبر ابی عبداللہ الحسین علیه السّلام علیکم یا ابرار اللہ السلام علیکم یا طاہرین من الدنس السلام علیکم یا مھدیون السّلام علیکم وعلیٰ الملائکة الحافین بقبورکم اجمعین جمعنا اللہ وایاکم فی مستقر رحمة و تحت عرشیه انه ارحم الراحمین والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتهٗ

"سلام ہو ان پاکیزہ روحوں پر جو مزارِ امامؑ پر قیام کئے ہوئے ہیں، سلام ہو آپ پر اے خدا کے نیک بندوں، سلام ہو آپ پر اے نجاسات سے دُور پاک و پاکیزہ (افراد) سلام ہو آپ پر اے اصحابِ حسینؑ ہدایت کرنے والوں آپ پر سلام ہو، اور اُن فرشتوں پر سلام ہو جو آپ کی قبروں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ خدا

ہم کو اوران کو اپنی جائے رحمت میں زیرِ عرش جگہ دے"۔

(۳) شبِ عیدین کی زیارت میں وارد ہوا ہے۔

السلام علیکم ایہا الذابون عن توحید اللہ السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار بابی انتم و امی قرتم فوزاً عظیما (منہ صفحہ ۵۶۱)

آپ سب پر سلام ہو اے توحیدِ خدا کے حامی دنیا میں آپ نے صبر کیا یہ اسی کا صلہ ہے آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے میرے ماں باپ فدا ہوں آپ کامیاب ہوئے اور بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

امام جعفر صادقؑ نے یوسف کناسی کو جو زیارت تعلیم کی اس کے خاص فقرات یہ ہیں۔

اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ اَیُّھَا الرَّبَّانِیُّونَ اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَسَلَفٌ وَ نَحْنُ لَکُمْ اَتْبَاعٌ وَاَنْصَارٌ اَشْھَدُ اَنَّکُمْ اَنْصَارُاللہ کَمَا قَالَ اللہُ تَبَارَکَ وَکَاَیِّنْ مِنْ نَّبِیٍّ قَاتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّونَ کَثِیْرٌ فَمَا وَھَنُوا لِمَا اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَکَانُوا فَمَا وَھَنْتُمْ وَمَا ضَعَفْتم وَمَا اسْتَکَنْتُم حتی لَقِیتُمُ اللہِ

(تحفۃ الزائر صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ طہران ۱۲۷۳ھ)

"اے عالمِ ربانی آپ پر سلام ہو آپ ثواب میں ہم سے زیادہ ہو گئے اور ہم پر آپ نے پہل کی ہم آپ کے ہیں پیرو اور انصار ہم گواہ ہیں کہ آپ خدا کے ناصر ہیں جیسا کہ خداوند عالم اپنی کتاب میں فرماتا ہے ایسے پیغمبر بہت سے گذر چکے ہیں جن کے ساتھ بہتیرے اللہ والوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا اور پھر ان کو خدا

کی راہ میں جو مصیبت پڑی ہے نہ تو انھوں نے ہمت ہاری اور نہ بوداپن ظاہر کیا اور نہ دشمن کے سامنے گڑگڑانے لگے پس آپ نہ سست ہوئے نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کی"۔

زیارتِ ہفتاددودتن کا تتمہ حسب ذیل الفاظ پر مشتمل ہے:-

السَّلام علیکم یا خیرالانصار السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار بوء کم الله صبوء الابرار اشھد لقد کشف الله لکم الغطاء وَمَھَّدلکم الوطاء واجزل لکم العطاء وکنم عن الحق غیر بطاء وانتم لنا فرطاً ونحن لکم خطاء فی دار البقاء وَالسلام علیکم ورحمة الله وَبرکاتہٗ (صفحہ ۱۹۸)

"آپ سب پر سلام ہو اے بہترین انصار آپ سب پر سلام ہو دنیا میں آپ نے صبر کیا۔ یہ اس کا صلہ ہے آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے آپ کو خدا نے اپنے خوش کردار بندوں کے ساتھ ایسا بسایا میں گواہ ہوں کہ آپ کے سامنے سے پردے ہٹ گئے تھے اور خدا نے آپ کے لئے فرش عزّت بچھایا اور معزز عطیہ سے سرفراز کیا آپ کبھی جادۂ حق سے نہیں ہٹے۔ آپ منزلِ ثواب میں ہم سے بڑھ گئے اور ہم اُمید کرتے ہیں (کہ) بہشت میں آپ سے مل جُل کر رہیں"۔

زیارات مطلقہ کے سلسلے کی دوسری زیارت میں حسب ذیل الفاظ سے انصار امامؑ کو یاد کیا گیا ہے:-

اشھد انکم انصار الله جل اسمه وسادة الشھدا فی الدنیا والاخرة صبرتم واحتسبتم وَلا تھنوا ولم

تضعفوا ولم تستکینو حتی یقتم اللہ (تحفۃ الزائر صفحہ ۱۷۱ طبع ایران)

''میں گواہ ہوں کہ آپ خدا کے ناصر ہیں جس کا نام جلیل ہے اور آپ دنیا و آخرت میں شہیدوں کے سردار ہیں آپ نے صبر کیا اور محاسبۂ نفس میں کامیاب ہوئے اور جنگ میں سست نہیں ہوئے۔ اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمن سے دبے یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کی''۔

# حضرت انسؑ بن حرث

## خبرِ غیب کی دینی و عقلی قوت:

انس بن حارث نے ایک غیبی خبر کی بنیاد پر کربلا میں اپنی جانِ عزیز جہانِ آفریں کے سپرد کی اس لیے خبرِ غیب کے دینی مقام پر سرسری طور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ انسان کے پاس جو ذرائع معلومات ہیں وہ براہِ راست غیبی باتوں کا سراغ لگانے سے عاجز ہیں، غیب کا علم خدا سے مخصوص ہے وہی جسے چاہے غیب آشنا بنا سکتا ہے۔ انسانی فکر اپنی ذاتی کوشش سے اس "طارمِ اعلیٰ" تک پرواز نہیں کرسکتی۔ جب کوئی غیب کی باتیں بتاتا ہے اور وہ ٹھیک بھی ہو جاتی ہیں تو اس سے عقلِ انسانی حیرت میں پڑ جاتی ہے اور اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ اس غیبی خبر کا فاش کرنا اس کی کوشش سے ممکن نہیں۔ بشریت میں دوسرے انسان بھی اس کے شریک ہیں اور ہر درجے کی صلاحیت کے انسان موجود ہیں لیکن کسی کا طائرِ علمِ غیب کے بلند آشیانے تک نہیں پہنچتا اس لیے ضرور ہے کہ اس مخبرِ "غیب" کا "غیب الغیوب" کے سرچشمے سے کوئی واسطہ ہے۔ گذشتہ زمانے کی ان معلومات کا بیان کرنا جس کے دوسرے ذرائع نہیں ہیں، آنے والے زمانے کے متعلق کسی امر کی پیشین گوئی کرنا اور اس کا پورا ہونا ذہن کو اس یقین کی طرف کھینچ لاتا ہے کہ اس شخص پر

پردۂ غیب سے معلومات کا انعکاس ہوتا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے موید ہے۔

قرآن وحدیث کی سچائی کے جہاں بہت سے ثبوت ہیں وہاں ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان دونوں نے غیبی خبروں کا ایک خزانہ عطا کر دیا ہے۔ قرآن وحدیث میں ''غیب الغیوب'' خدا کی ذات وصفات کے متعلق جو معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ غیر موید انسان کی فکرِ تخلیق کی سطح سے بہت اونچی ہیں۔ روح در روحانیت اور فرشتوں کے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں انسان کے پاس کون سی ایسی کمند ہے کہ ''ملا اعلیٰ'' کی دنیا سے ان معلومات کے ذخیرے کو کھینچ لائے۔ انسان ارضی مخلوق ہے بغیر تائیدِ الٰہی کے وہ ان مسائل تک نہیں پہنچ سکتا۔ گذشتہ قوموں کے واقعات جن کی انسانی تاریخ نے تدوین نہیں کی ہے ان کی خبر دینا اور بعد میں ان کا صحیح ثابت ہو جانا انسان کی نگاہ کو غیبی امداد کی طرف موڑ دیتا ہے۔ جو واقعات ابھی مستقبل کے ذہن میں ہیں ان کو ابھی فاش کر دینا انسان کو اس تصدیق پر مجبور کرتا ہے کہ ان معلومات کا ماخذ وہ نہیں زمانے کی حدوں سے بالا ہے، اُس کے سامنے ماضی وحال ومستقبل سب ایک سطح پر ہیں۔

سورۂ روم میں قرآنِ مجید نے پیشینگوئی کی تھی۔

(الٓمّ) الف۔ لام۔ میم۔ یہاں سے بہت قریب ہی ملک میں رومی، نصاریٰ ایرانی آتش پرستوں سے ہار گئے۔ مگر یہ ہارنے کے چند ہی برسوں کے بعد پھر ایرانیوں پر غالب آجائیں گے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد (ہر زمانے میں) ہر امر کا اختیار خدا ہی کو ہے (سورۂ روم۔ آیت ۱ تا ۴)

جنابِ رسولؐ خدا کی بعثت کے نو سال بعد روم کی عیسائی حکومت اور ایران کی آتش پرست حکومت کے مابین فلسطین میں جنگ ہو گئی۔ رومی اہلِ کتاب تھے

اس لیے مسلمان ایرانیوں پر ان کی فتح کے خواہش مند تھے لیکن ان کی خواہش کے برعکس ایرانی غالب آئے۔ عرب کے مشرکوں نے اس کو اپنے حق میں فالِ نیک سمجھا۔ انھوں نے قیاس کیا کہ جس طرح ایرانی مشرک روم کے اہلِ کتاب پر غالب آگئے ہیں ہم سب مسلمانوں پر غالب آ کر رہیں گے۔ مشرک سرداروں نے اپنے عوام کے حوصلوں کو بڑھانے اور مسلمانوں میں احساسِ شکست پیدا کرنے کے لیے اس واقعے کو خوب خوب اچھالا۔ اس سے مسلمان افسردہ ہوئے۔ قرآن نے اس سورۃ میں یہ پیشین گوئی کی کہ چند ہی دنوں میں رومیوں کو فتح ہوگی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ پیشین گوئی پوری ہو کر رہی اور نو سال کے اندر رومیوں نے ایران کو مغلوب کر لیا۔ مستقبل کی وہ معلومات جن پر غیب کے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں ان کی پیشین گوئی اور اُن کی صحیح علامات کا تعین عقلِ بشری نہیں کر سکتی۔ قرآن نے اس کی اطلاع فراہم کر دی۔

''خدا ہی کے پاس قیامت کے آنے کا علم ہے۔ وہی مناسب موقعے پر پانی برساتا ہے اور نر ہو یا مادہ جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُسے جانتا ہے۔ انسان کو تو اتنا بھی علم نہیں کہ وہ خود کل کیا کرے گا۔ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ خدا ان سب باتوں سے آگاہ و خبردار ہے''

(سورۂ لقمان آیت ۳۴)

ذیل کی آیت میں قرآن نے جو غیبی خبر فراہم کی تھی دنیا کے اہلِ علم اس سے بے خبر تھے۔

''تم پہاڑ کو جامد سمجھتے ہو یہ ابر کی طرح اُڑے اُڑے پھرتے ہیں۔

(سورۂ نمل آیت ۸۸)

فضا کے زمین سے کافی فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اس کی معلومات سے

انسان بے خبر تھا۔ بغیر مادّی ذرائع کے قرآن نے اس کی اطلاع فراہم کردی۔

قرآن نے زندگی بعدِ مرگ اور برزخ اور جنت و دوزخ کے متعلق اطلاع فراہم کیں جس تک علمِ الٰہی کے سوا کسی کی رسائی ممکن نہیں۔

''خدا کی قدرت کی نشانیوں میں آسمان وزمین کی خلقت اوران جانداروں کا پیدا کرنا جواس نے آسمان وزمین میں پھیلا رکھے ہیں اسے قدرت ہے کہ وہ جب چاہے انھیں جمع کرلے''۔ (سورۂ شوریٰ۔ آیت ۲۹)

یہ وہ معلومات ہیں کہ قرآن کے انکشاف سے پہلے انسانی علم وفن کی رسائی ان تک ممکن نہ تھی ان غیبی معلومات کا فراہم کرنا اس کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ غیب مطلق کے خزانے سے حاصل ہوئی ہے اور خدا کے فیض نے ایک مخصوص انسان کے ذریعہ ان حقیقتوں کو آشکارا کیا ہے۔

قرآن کی طرح حدیث کی صحت کی یہی غیبی معلومات ایک کسوٹی ہیں۔ حدیث میں جو غیبی باتیں بتائی گئی ہیں وہ انسانی علم کی دسترس سے باہر ہیں۔ خدا کے مخصوص فیض ہی سے یہ انکشاف ممکن ہوا لہٰذا یہ اپنی صحت پر خود دلیل ہیں۔

آج ہم اس کسوٹی پر واقعۂ کربلا کو کستے ہیں اور مسلمان مفکّروں کے لیے واقعۂ کربلا پر نظر وفکر کے لیے ایک نئی شاہراہ کھولتے ہیں اور ایک ایسی بزرگ شخصیت کی گواہی پیش کرتے ہیں جو غیبی خبر کی شمعِ فروزاں ہاتھ میں لے کر کربلا کی قتل گاہ میں سربکف پہنچ گئی اور جس نے بڑی آن بان اور بڑی جرأت و ہمت سے شہادت کا آبِ حیات پیا۔

## انس کربلا کے متعلق پیشین گوئی کے امین:

انس ایک اہم ترین روایت کے راوی و مبلّغ بلکہ اس روایت ہی نے ان کو

شہادت کا جامِ شیریں پلایا:

انس بن حارث صحابی کو رسولؐ خدا کی ایک پیشین گوئی کربلا تک لائی اور یہ خونی کفن شہید جرأت و ہمت وخلوص سے امرِ الٰہی کی تعمیل کے لیے منیٰ کی قربان گاہ میں سرِ تسلیم جھکانے کے لیے پہنچ گئے۔ انس جس روایت کے مبلغ ہیں وہ سینکڑوں توہمات کے پردے چاک کر دیتی ہے اور مسلم فکر کو جو غیبی خبر پر عقیدہ رکھتی ہے تذبذب و تردد و شک کی وادی سے نکال کر یقین کی پرنور فضا میں پہنچا دیتی ہے۔ اس روایت سے سچائی کا جو سیلاب اٹھتا ہے وہ تاریخی شکوک و تضاد کے خس و خاشاک کو بہالے جاتا ہے۔ اس سے یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جس طرح حضرت اسمٰعیلؑ منیٰ تک دعوتِ الٰہی کا خیر مقدم کرنے کے لیے گئے تھے اسی طرح امام حسینؑ بھی خدا کی طرف سے مامور تھے کہ کربلا کی حق و باطل کی آخری جنگ میں اپنی قربانی سے سچائی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فتح مند بنا دیں۔ انس کی روایت اور انس کی شہادت شک کے اُن مکڑی کے جالوں کو، جن کو مصنفِ خلافتِ معاویہ و یزید محمود احمد عباسی ملعون نے اور اُس کے بعض اسلاف نے تنا تھا، ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ امام کو سفرِ کربلا سے روکنے والوں کی بھیڑ دکھا کر عباسی ملعون نے غلط فہمی پیدا کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے اس کے تار پود بکھر جاتے ہیں۔

## انس کی زندگی واقعۂ کربلا کے بصیرت آموز مطالعے کا ذوق پیدا کرتی ہے۔

ایسے انسان کی معرفت دلوں میں نورِ یقین پیدا کرے گی جو ایک فیصلہ کن وقت کے انتظار میں جی رہا تھا، جو اپنی خاک کو کیمیا بنانے کی آرزو میں گردشِ

شب وروز کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

امام حسینؑ کے ساتھیوں میں سے کچھ ایسے تھے جنھیں ۶۱ ھ کا انتظار تھا، یہ اپنی آخری سانسوں کو ۶۱ ھ کی امانت سمجھتے تھے۔ کچھ وہ تھے جو راستے میں امام کے ساتھ ہو گئے تھے اور بعض تو وہ تھے جو شبِ عاشورا امام کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ انس ان لوگوں میں تھے جن کو رسولؐ کی پیشین گوئی پر کامل یقین تھا اور زندگی کی منزل متعین تھی۔

تاریخ وادب وسیرت وجغرافیہ وعلم الانساب وغیرہ کی مدد سے انس کی پوری پوری معرفت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی زندگی کے ہر گوشے پر نصف النہار کی روشنی میں نظر ڈالنا ہمارا فریضہ ہے اس لیے کہ کردار سازی میں ہمیں ان کے عزم وخلوص وبے خوفی سے مدد ملتی ہے۔

## انس کا خاندان اور وطن:

یہ خوشی کی بات ہے کہ انس کا پورا نَسب نامہ تاریخ نے آج تک یاد رکھا۔ ہم کو ان کا نَسب نہ بھی معلوم ہوتا تو کوئی افسوس نہ ہوتا اس لیے کہ انس خود اپنی زندگی کے معمار ہیں۔ ان کی زندگی کے مطالعے میں خود اس قدر محویت وسوز وساز ہے کہ ان کے گردوپیش پر نظر کرنے کی فرصت کم ملتی ہے۔ ان کے شجرۂ نَسب میں ہمیں یہ نام ملتے ہیں۔ انس بن حرث بن نبیہ بن کاہل بن عمرو بن صعب بن اسد بن خزیمہ اسدی کاہلی"۔

بعض معمولی اختلافات ان کے نسب میں ملتے ہیں جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اور ان اختلافات کو دور کرنا بھی آسان ہے۔ مثلاً ان کے باپ کے نام میں کہیں حرث لکھا ہے اور کہیں حارث، ہر اختلاف کا سبب پرانا رسم تحریر ہے جس

میں الفِ مکتوبی نہیں ہوتا لیکن تلفظ میں ظاہر ہوتا تھا۔اسی طرح ان کے باپ کے نام میں اختلاف ہو گیا ہے کوئی حرث لکھتا ہے کوئی ہزلہ لکھتا ہے۔ابو احمد نے کہا ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انس ہزلہ کے بیٹے ہیں (أسد الغابہ)

جزری نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حارث و ہزلہ یہ ایک ہی آدمی کے دو نام ہیں (أسد الغابہ)

جزری نے اپنی رائے کی تائید میں ابو احمد کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک عالم و فاضل شخص ہیں۔اگر انھیں معلوم ہوتا کہ یہ دو نام الگ الگ شخصیتوں کے ہیں تو وہ یہ نہ کہتے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں۔اس کے ثبوت میں وہ یہ بھی کہتے ہیں۔کہ انس بن حارث و انس بن ہزلہ دونوں کے ذکر میں یہ مشترک بات ملتی ہے کہ وہ حضرت حسینؑ کے ہمراہ شہید ہوئے۔(۱۸۶/ا ترجمہ اسد الغابہ)

حضرت انس کے نام میں بھی بعض مصادر میں عرصے سے غلطی چلی آرہی ہے۔امالی شیخ صدوق، میں مالک بن انس کاہلی لکھا ہے مقتل الحسین خوارزمی اور مناقب ابن شہر آشوب میں بھی یہ تسامُح ہوا ہے۔صحیح نام انس بن حارث ہے یہی کربلا میں شہید ہوئے۔مالک بن انس کسی شہید کا نام نہیں۔سپہر کاشانی نے بھی ناسخ التواریخ میں اس غلطی پر توجہ دلائی ہے۔

انس کوفے کے رہنے والے تھے۔قبیلہ بنی اسد کی نئی شاخوں سے کئی نمایاں لوگوں نے امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں حصہ لیا۔حبیب بن مظاہرِ اسدی، مسلم بن عوسجہ اسدی، قیس بن مسہر صیدادی، عمرو بن خالد اسدی صیدادی کربلا کے نامور شہدا میں ہیں۔ان حضرت کی شہادت نے ان کے قبائل کو دائمی عزت بخشی۔

انس نے بھی قبیلۂ بنی اسد کی ایک شاخ ''کاہل'' کا اپنی شہادت سے سر اونچا کیا۔
کاہل بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر قبیلۂ بن اسد کی ایک شاخ
کے جدِ اعلیٰ تھے (تنقیح المقال)

## انس اور صحابیت:

صاحبُ الاستیعاب اور ابو احمد عسکری اور ابنِ حجر عسقلانی ان کو جنابِ رسولؐ
خدا کا صحابی تسلیم کرتے ہیں (اُسد الغابہ)
ابو نعیم نے غلط فہمی سے ان کو تابعین میں رکھا ہے، ذہبی سے بھی یہی غلطی
ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں ہیں اور ان کی حدیث مرسل ہے
(تجرید اسماء الصحابہ صفحہ ۳۱ مطبوعہ حیدر آباد)
ابو نعیم خصوصاً ذہبی کی اس رائے پر علما نے تنقید کی ہے اور کہا کہ انس کی
صحابیت سے ان کا انکار وہم پر مبنی ہے۔ ابن حجر ذہبی کی روایت کو ایک سامنے کی
بات سمجھتے ہیں اور ذہبی اس رائے پر تعجب کرتے ہیں کہ انس کی روایت مرسل ہے
یہ کہتے ہیں ان کی روایت کو مرسل کیسے کہا جا سکتا ہے، اُس میں تو ''سمعت'' کا لفظ
موجود ہے (اصابہ ابنِ حجر ۱/۵۹۶)

## انس اصحاب صفہ میں:

مورخ ابنِ عساکر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ انس بن حرث بن بنیہ کاہلی
بہت بڑے صحابی تھے۔ یہ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے جنابِ رسولؐ خدا کو
دیکھا اور روایت بھی کی۔ عبد سلمی نے ان کو اصحابِ صفہ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ
ابو عبد الرحمان سلمی نے اہلِ صفہ پر ایک جامع کتاب لکھی ہے اہلِ صفہ کے ذکر
میں جس کے حوالے جا بجا ملتے ہیں۔ صفہ مسجدِ نبی سے ملا ہوا ایک چبوترہ تھا۔ جو

پریشان حال مسلمان ہجرت کر کے مدینے آ گئے تھے اور ان کا کوئی سہارا نہ تھا رسولؐ اللہ نے ان کو اپنا مہمان بنا لیا تھا۔ یہ لوگ اسی چبوترے پر اپنی زندگی کے دن گزار لیتے تھے۔ یہ لوگ مختلف اوقات میں آتے رہے اور جب کسی کو کوئی سہارا مل جاتا تھا تو وہ اپنے کاروبار میں لگ جاتا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنے لگتا۔ ایک وقت میں ان کی تعداد چار سو تک ہو گئی تھی۔ رسول اللہ ان کی دیکھ بھال رکھتے اور ہر شخص کو ہر روز ایک ایک مدو کھجور دیا کرتے۔ اس وقت مسلمانوں کی اقتصادی حالت اتنی خراب تھی کہ ان کو کھجور کے سوائے کوئی دوسری چیز غذا میں نہ مل سکتی، ان کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی رسولؐ خدا رات کو اٹھ کر جاتے اور ان کی خبر لیتے۔ ایک بار رات کو حضرت کچھ غذا لے کر تشریف لائے اور دس دس آدمیوں کو نیند سے اٹھا کر کھلایا (بحار الانوار)

رسولؐ اللہ کی طرح اہلِ بیتؑ بھی ان کی خبر گیری کرتے۔ اصحابِ صفہ میں بہت سے اہلِ دل تھے جن پر رسولِؐ خدا اور اہلِ بیتؑ کی خاص نظر رہتی۔ ابو نعیم اصفہانی نے لکھا ہے کہ اہل بیتؑ میں جو فقرا اور اہلِ صفہ پر خاص توجہ رکھتے تھے ان میں حسینؑ ابنِ علی اور عبداللہ بن جعفر بھی تھے۔ یہ لوگ ان کے پاس بیٹھتے تھے اور ان سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ (حلیۃ الاولیا ابو نعیم اصفہانی)

ابو نعیم کی اس تصریح سے ہمیں یہ رائے قائم کرنے کی گنجائش ملتی ہے کہ حضرت انس اور امام حسینؑ ایک دوسرے سے عرصے تک قریب رہے ہیں۔

## انس میدانِ جہاد میں:

انس کے کان دین کی دعوت پر لگے رہتے۔ دین انھیں جس وقت پکارتا یہ حاضر ہو جاتے اصحابِ صفہ میں جو ریاضت و عبادت کا چراغ روشن کرتا تھا۔ جب

ندائے ربانی نے اسے میدانِ جنگ میں پکارا تو لبیک کہتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ بدر و حنین دو غزوں میں انس کا نام آیا ہے (رجالِ مامقانی) دوسرے غزوات میں ان کے نام کی تصریح نہ ملنے سے ان کی شرکت کی نفی نہیں ہوتی یا تو دوسرے غزوات میں تاریخ ان کا نام نوٹ کرنا بھول گئی یا قصداً ان کو نظر انداز کر دیا گیا اس لیے کہ اہلِ بیتؑ سے ان کی خصوصیت دوسرے حلقوں میں ان کی حق تلفی کی وجہ بن سکتی تھی۔ ممکن ہے کہ کوئی اور وجہ ہو۔

البتہ بعض جنگوں میں ان کا نام لیا گیا ہے ان کی کافی تاریخی اہمیت ہے۔ رسولؐ اللہ نے مکے سے ہجرت کر کے جب مدینے کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا اور مدینے اور اس کے آس پاس کے یہودیوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ اور مدینے کے گرد و پیش کے عربی قبائل سے بھی صلح کر لی تو قریش نے اسے رسول اللہ کی طاقت و کامیابی میں اضافہ تصور کیا اور ابتدا ہی میں آپ کی سیاسی زندگی کی کمر توڑنے کے لیے وہ بدحواس ہو کر مدینے میں فوج کشی کر بیٹھے۔ بدر کے واقعے کا یہی پس منظر ہے۔ یہ مسلمانوں کی موت و حیات کا فیصلہ کرنے والی جنگ تھی۔ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اپنی مدافعت کے لیے اپنی تنظیم کر سکے۔ مکے کے مشرک تقریباً ایک ہزار تھے اور مسلمان صرف تین سو تھے۔ مشرکوں کے پاس سامانِ جنگ بھی افراط سے تھا۔ سو گھوڑے ساتھ لائے تھے۔ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ مشرک ہر روز نو دس اونٹ ذبح کرتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کل ستر اونٹ تھے۔ اس جنگ کی خصوصی اہمیت کی بنا پر قرآن مجید نے بھی بڑے اہتمام سے اس کا ذکر کیا۔ جن لوگوں نے اس غزوے میں شرکت کی تھی ان کو ہمیشہ خاص عزت سے یاد کیا جاتا رہا۔ اس غزوے میں شریک ہونے

والوں کی فہرست میں صفہ کے روحانی مجاہد انس بن حرث کا نام بھی چمک رہا ہے۔

۸ھ میں فتحِ مکہ کے بعد مشرکین نے حنین میں ایک آخری زور آزمائی کی۔ بارہ ہزار مسلم فوج حنین کی طرف بڑھی۔ اِس فوج میں ہر طرح کے لوگ شریک ہو گئے تھے۔ نومسلم بھی تھے، منافق بھی تھے اس لیے ابتدا میں مسلمانوں کو شکست ہوئی پھر اللہ نے اس شکست کو فتح سے بدل دیا۔ اس غزوے میں بھی حضرت انس کا نام نامی ملتا ہے۔

## انس اور روایت حدیث:

واقعہ کربلا پر فکر ونظر کا رخ بدلنے والی حدیث:

امام حسین علیہ السلام اللہ اور رسولؐ کی طرف سے معرکۂ کربلا کی قیادت کے لیے مامور تھے اس کا علم بہت سے صحابہ و تابعین کو تھا اور بعض صحابہ جب وقت آیا تو رسولِ خدا کے فرمان کی روشنی میں اپنا اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے کربلا پہنچ گئے تھے۔

حضرت انس بن حرث سے اس سلسلے کی جو روایت ہمیں ملی ہے اس کی سند و متن یہ ہے۔

سعید بن عبدالملک حرانی کہتے ہیں مجھ سے عطا بن مسلم نے بیان کیا، ان سے اشعث بن سہیم نے، اُن سے اُن کے باپ نے بیان کیا کہ انس بن حرث کا ہلی فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرا یہ بیٹا حسینؑ ایک زمین پر قتل کیا جائے گا جسے کربلا کہتے ہیں۔ جو تم میں سے اس وقت موجود ہو اس پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرے۔

راوی کہتا ہے کہ اس بنا پر انس بن حرث کربلا گئے اور حسینؑ کے ساتھ قتل ہو گئے۔ (اصابہ ابن حجر عسقلانی)

ابنِ سکن و ابو علی سعید بن عثمان بن سعیدی کہتے ہیں یہ روایت صرف اسی طریقے سے ہے اور اس کے علاوہ انس کی کوئی اور روایت نہیں ہے۔

## حضرت رسولؐ خدا کی پیشین گوئی کی اہمیت:

صرف اسی طریقے سے اس روایت کا ہونا اور انس کی صرف یہی ایک روایت کا ہونا اس حدیث کی اہمیت کو نہیں گھٹا سکتا۔ رسول اللہؐ کے صحابہ میں سلمہ بن نعیم اشجعی، مالک بن صعصعہ، سائب بن خلاد، محجن بن اورعہ، خضاف غفاری، ذوفجر حبشی نے صرف پانچ پانچ اور مالک بن ہبیرہ کندی اور زید بن حارثہ نے صرف چار چار اور کلثوم بن حصیص غفاری، وجیہ کلبی، جدانہ بنت وہب نے صرف دو دو اور مالک بن لیار و عبداللہ بن زمعہ و کلثوم علقمہ نے صرف ایک ایک روایت کی ہے۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل صحابی جن کو عشرہ مبشرہ میں شامل کیا جاتا ہے ان کی تو ایک بھی روایت نہیں ہے لہٰذا انس کا صرف اسی روایت کا راوی ہونا اور اس روایت کا کسی دوسرے ذریعے سے نہ مروی ہونا اس کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جب کہ اس کے شواہد سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دوسرے اسناد سے بھی ملتی ہے جس میں مختلف درجۂ اعتبار و عمر کے صحابہ و صحابیاتِ رسولؐ سے اس خبر کو سنتے ہیں اور دوسرے راویوں کو اس کا امین بناتے ہیں۔ ان تمام احادیث کا ذخیرہ اکٹھا کر دینا جن میں جناب رسولؐ خدا نے اپنے اہلِ بیت و اصحاب سے شہادتِ امام حسینؑ کا ذکر فرمایا ہے چند روایتوں کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ اس وقت صرف انھیں لوگوں کی حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حضرت سے بہت قریب تھے۔ ازواج میں حضرت ام سلمہ روایاتِ شہادتِ امام حسینؑ کی مخصوص امانت دار ہیں۔ ان کے پاس اس سلسلے کے بہت سے اسرار تھے۔ ان

کی بعض روایتیں درج کی جاتی ہیں۔

## انس کربلا کی پیشینگوئیوں کی روایت کی بزم میں تنہا نہیں ہیں:

کیا ابن سکن وغیرہ کی نظر سے یہ روایتیں نہیں گذریں عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، ان سے وکیع نے، ان سے عبداللہ بن سعید نے، ان سے ان کے باپ سعید نے کہ حضرت عائشہ یا ام سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ نے بیان فرمایا کہ اس وقت میرے پاس وہ فرشتہ آیا ہے جو کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا آپ کا یہ بیٹا حسین قتل کیا جائے گا اگر آپ چاہیں تو اس زمین کی مٹی آپ کو دکھا دوں جہاں وہ قتل ہوں گے۔ فرشتے نے حضرت کو سرخ مٹی نکال کر دکھائی۔ (مُسند احمد بن حنبل)

حضرت ام سلمہ کے پاس اس سلسلہ کی غیبی اطلاعیں بہت تھیں۔

(مقتل خوارزمی)

سعد بن طریق امام محمد باقر سے اور حضرت اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اُم سلمہ نے فرمایا کہ جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے ۶۰ھ کے آغاز میں حسین قتل کئے جائیں گے۔

اس روایت میں ''راس ستین یا تو اس میں تصحیفِ واقعہ ہوگئی ہے یعنی احدی کا لفظ بدل کر راس ہو گیا ہے یا مراد یہ ہے کہ ۶۰ھ کے آغاز ہی میں ان کے قتل کی تجویز عمل ہو جائے گی۔

حضرت علیؑ مختلف مواقع پر جنابِ رسولؐ خدا کی خبر لوگوں سے بیان فرمایا کرتے تھے اس سلسلے کی ایک روایت یہ ہے:-

کامل الزیارت بن قولویہ قمی م ۳۶۷ھ وغیرہ میں اس سلسلے میں امیر المومنینؑ

کے تاثرات مختلف شکلوں میں مذکور ہیں)

عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے روایت کی۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن عبید نے، ان سے شرجیل بن مدرک نے، ان سے عبداللہ بن یحییٰ نے ان سے ان کے والد نے کہ وہ حضرت علی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ صفین جاتے وقت جب نینویٰ پہنچے تو بلند الفاظ میں فرمایا۔ ''اے ابوعبداللہ صبر کرو اے ابوعبداللہ صبر کرو۔ فرات کے کنارے''۔ میں نے کہا ''یہ کیا بات ہے''۔ فرمایا کہ ''میں ایک دن رسولِ خدا کے پاس گیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کس نے ناراض کیا ہے، آپ کی آنکھ سے آنسو کیوں جاری ہیں۔ فرمایا ابھی جبریل میرے پاس سے گئے ہیں۔ مجھ سے بیان کیا ہے کہ ''حسینؑ فرات کے ساحل پر قتل کیے جائیں گے۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ ان کی قبر کی مٹی سونگھیں گے۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ ہاتھ بڑھا کر ایک مٹھی مٹی مجھے دے دی۔ میں اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکا''۔

(مسند احمد بن حنبل، شیبانی مروزی، اخبار طوال، مقتل خوارزمی)

ابنِ عباس کا نام محمود عباسی اور ان کے اسلاف اور معاصرین نے بہت لیا ہے کہ انھوں نے امام حسینؑ کو سفرِ کربلا سے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن ابنِ عباسؓ سے اس سلسلے میں اس قدر روایتیں ہیں کہ ایک مورخ و سیرت نگار میں گھبرا کر مکّے میں امام حسینؑ کے ساتھ ان کے طرزِ عمل کے متعلق مورخوں کے بیان پر تجدیدِ نظر کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ ان سب روایات کو رد کر دیا جائے جو مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر نے اپنی احادیث کی چوٹی کی کتابوں میں درج کی ہیں یا ابنِ عباسؓ کے متعلق مورخوں کے بیانات کو شک کی نظر سے دیکھا

جائے یا اس کی کوئی تاویل کی جائے۔ محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر اور ابنِ عباسؓ کو امام ہی نے مدینہ و مکہ میں رہنے کے لیے مامور کیا تھا تاکہ یہ لوگ مرکز میں حکومت کے طرزِ عمل پر نگاہ رکھیں۔ محمد بن حنیفہ کے متعلق قدیم مصادر میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ امام کی طرف سے حالات کے جائزے کے لیے (معین) مقرر ہوئے تھے۔

مورخوں نے حالات سے بہت کچھ استنباط کیا ہے۔ ابنِ عباسؓ سے جو روایت مسلمانوں کے ہر مکتبِ خیال کی کتبِ احادیث میں نقل ہوئی ہے کیا یہ مورخوں کے بیانات پر ایک لمحۂ فکریہ کی دعوت بھی نہیں دے گی۔ ابنِ عباسؓ کی روایت کی ایک سند و متن حسبِ ذیل ہے۔

''ابو عبداللہ حافظ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھ سے ابو بکر محمد بن احمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن عبداللہ بن حجاج نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حجاج بن نصیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے قرہ بن خالد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عامر بن عبدالواحد نے، ان سے ابوالضحیٰ نے، انھوں نے ابنِ عباس سے روایت کی۔ یہ کہتے تھے کہ ہم اہلِ بیتؑ کو شک نہ رہا اور یہ بہت لوگ تھے کہ حسینؑ ابنِ علی کربلا میں قتل ہوں گے۔ (مقتل خوارزمی)

آخر میں ایک روایت مالک بن انس صحابی کی درج ہے جو رسولؐ اللہ کے دیرینہ خادم بھی تھے اور جن کی نگاہ سے بے شمار موقعے ایسے آئے ہیں جن میں جنابِ رسولؐ خدا نے اہلِ بیتؑ خصوصاً امام حسینؑ کے متعلق وحیِ الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے۔

انس کی روایت کی متن و سند حسبِ ذیل ہے جس میں ایک تاریخی واقعہ

مرضی الٰہی کی تعمیل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

''انس بیان کرتے ہیں کہ بارش کے فرشتے نے اللہ سے رسولؐ کی بارگاہ میں حضوری کی اجازت چاہی۔ اللہ نے اجازت دے دی۔ رسولؐ خدا نے اُمِ سلمہ سے فرمایا۔ ''دروازے پر نگاہ رکھو کوئی آنے نہ پائے'' حسینؑ نے آنا چاہا اُمِ سلمہ نے روکا وہ اندر آ گئے اور رسولؐ کی پشت اور شانے اور گردن پر بیٹھنے لگے۔

فرشتے نے رسولؐ سے کہا ''کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا ''ہاں'' فرشتے نے کہا لیکن آپ کی امت تو ان کو قتل کرے گی۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو ان کی قتل گاہ کی مٹی دکھادوں'۔ فرشتے نے سرخ مٹی لا کر دی۔ ام سلمہ نے اسے اپنے دوپٹے میں باندھ لیا۔

ثابت (انس کے راوی) کہتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر ملی کہ وہ کربلا ہے (ایک روایت یہ ہے) ہم سنتے تھے کہ وہ کربلا میں قتل کئے جائیں گے''۔ (مسند احمد بن حنبل)

انھیں لفظوں میں اور معمولی فرق کے ساتھ یہ روایت بے شمار کتابوں میں ملتی ہے۔ خوارزمی نے اپنے مقتل میں بھی اسے درج کیا ہے۔ کئی روایتیں امام احمد بن حنبل کی مسند سے پیش کی ہیں۔ امام احمد مسلمانوں کے چاروں فقہی فرقوں میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ خصوصاً فرقۂ حنبلی کی تو ساری عمارت ہی انھیں کے روایات پر کھڑی ہے۔

المسند امام احمد بن حنبل کی روایات کا مجموعہ ہے جنھیں انھوں نے سولہ سال کی عمر سے یعنی ۱۸۰ھ سے شروع کیا تھا اور زندگی کے آخری حصے تک اس ذخیرے کے جمع کرنے میں مشغول رہے زندگی کے آخری زمانے میں اپنے بیٹے عبداللہ کو ان احادیث کا املا کرا دیا۔ عبداللہ خود بھی علمِ حدیث کے

امام مانے جاتے ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ جو امام حسینؑ کے مخالفین کے پیشرو ہیں (اور محمود احمد عباسی ملعون نے خلافتِ معاویہ و یزید میں جن کے زہر کو اپنی تصنیف کے جام میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے)۔ مسند احمد بن حنبل کو جو اپنی مشہور کتاب منہاج السنت میں بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ مسند میں کوئی ضعیف حدیث نہیں ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے بھی القوال المدونی الذب عن مسند احمد'' میں دعویٰ کیا ہے کہ مسند میں کوئی ضعیف حدیث نہیں ہے۔

صحابہ وتابعین سے واقعہ کربلا کی پیشنگوئیاں اس قدر کتبِ احادیث وتواریخ و مقاتل میں مذکور ہیں کہ ان پر ایک مستقل کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے۔ صرف صدر الائمہ اخطب خوارزم ابوالموید موفق بن احمد موید بن ابی سعید اسحاق موید مکی خوارزمی حنفی نے اپنے مشہور مقتل الحسین (مطبوعہ نجف ۱۹۴۸ء میں صفحہ ۱۵۸ سے صفحہ ۱۷۰ تک حضرت اُمِ سلمہ واُمّ ِ فضل وحضرت عائشہ، انس بن حارث، انس بن مالک خادمِ رسولؐ، حضرت علیؑ، معاذ بن جبلہ، شیبان بن محترم، مسور بن مخزمہ۔ ابو ہرثمہ اور خود امام حسینؑ سے واقعۂ شہادتِ امام پر پیشین گوئیوں کی ایک قطار کھڑی کردی ہے۔

شیعہ مصادر میں تو نہایت تفصیل سے امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں اور ان کے قاتلوں کے متعلق پیشین گوئیوں کا ایک خزانہ ہے۔ علل الشرائع، عیون، خصال شیخ صدوق۔ ارشاد شیخ مفید، قرب الانہاد حمیری کامل الزیارت ابن قولویہ، مناقبِ ابنِ شہر آشوب، احتجاج طبرسی وغیرہ اس سلسلے کی پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں۔

## کربلا میں ایک تابعی شہید نے بھی ایک ایسی پیشین گوئی کا ذکر کیا:

زہیر بن قین عثانی مدرسے سے تعلق رکھتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے عہد میں صفِ مخالف میں تھے اور عثانی کہے جاتے تھے ۶۰ھ میں وہ حج سے پلٹ رہے تھے کہ ایک منزل پر امام حسینؑ اور ان کا ساتھ ہو گیا اور وہ امام کی دعوت سے متاثر ہوئے اور حضرت کے ساتھ انھوں نے اپنی قربانی پیش کی۔

زُہیر بن قین جب امام کی جمعیت میں شامل ہونے لگے اور اپنے کاروان کو رخصت کرنے لگے تو ۲۵ھ یا ۲۷ھ میں کربلا کے متعلق جو پیشین گوئی سنی تھی اپنے حافظے کی مدد سے اس وقت سلسلۂ کلام میں بیان کی۔ یہ پیشین گوئی انھوں نے سلمان بن ربیعہ بن یزید باہلی سے سنی تھی جسے غلطی سے لوگ حضرت سلمانِ فارسی رضوان اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ سلمان باہلی ایک مشہور شخص تھے۔ حضرت عمر نے ان کو جبل و کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔ حضرت عثان کے زمانے میں بھی وہ گورنری کے منصب پر رہے۔ ۲۵ھ یا ۲۷ھ میں جب مسلمانوں کی فوج ارمینیہ کو فتح کر رہی تھی تو اس کی قیادت سلمان باہلی ہی کر رہے تھے۔ عجلی اور ابن سعد نے سلمان باہلی کو ثقہ کہا ہے۔ سلمان کی فوج مقامِ بلنجبر (بروزن غضطر) میں تھی۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ مسلمانوں نے یہ فتح بڑی قربانی دے کر حاصل کی تھی اس لیے وہ اس وقت بہت خوش تھے۔ اس موقع پر سلمان باہلی کا ذہن ایک بڑی کامیابی کی طرف منتقل ہوا جس کی خبر انھوں نے ایک پیشین گوئی میں سنی تھی، اسے انھوں نے مجمعے کے سامنے بیان کیا۔ سننے والوں میں زہیر بن

قین بھی موجود تھے۔ حضرت زہیر نے ساتھیوں سے کہا۔

میں بلنجبر کی جنگ میں سلمان کے ساتھ تھا جب فتح ہوگئی تو ہم بہت خوش ہوئے اس وقت سلمان نے ہم سے کہا" کیا اللہ نے تمھیں جو دولت بخشی ہے اس سے تم خوش ہوئے"۔ ہم سب نے کہا۔"ہاں"۔ انھوں نے کہا"جب تم شبابِ آلِ محمد (حسینؑ) سے جنگ کو جاؤ تو ان کے ہمراہ آج کے فائدے کے مقابلے میں بہت زیادہ خوش ہونا۔ (تاریخ ابنِ کثیر)

ان تمام پیشین گوئیوں کے بعد حضرت انس بن حارث کی روایت کے متعلق یہ کہنا کہ یہی تنہا اس کے راوی ہیں اس طرح کی تمام دوسری پیشین گوئیوں سے غفلت و بے خبری کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے یا تنگ دلی کا۔

## امام حسینؑ پر الہام والقا کی بارش:

مدینے سے کربلا تک رسولؐ اللہ امام حسینؑ کے خواب میں:-

تاریخ وحدیث ومقاتل کی کتابوں میں ان خوابوں کا ایک سلسلہ ہے جو مدینے سے کربلا تک خود امام حسینؑ نے دیکھے جن میں بار بار سرورِؐ عالم کو آپ نے ہدایات دیتے ہوئے دیکھا۔ امام حسینؑ کے اہلِ بیتؑ نے بھی کئی خواب دیکھے۔

امام حسینؑ کی شہادت کے روز بھی کئی بزرگوں نے جنابِ رسولِؐ خدا کو رنج وغم کے عالم میں خواب میں دیکھا۔ خوارزمی نے مقتل الحسین میں رسولؐ اللہ کا بار بار آنا نقل کیا ہے مقتل میں حضرت زینبؑ کا خواب بھی مذکور ہے۔

یہ خواب ایک مسلم ذہن پر اثر ڈالتے ہیں کہ کربلا کے سلسلے میں امام کا نظامِ عمل الہام اور باطنی رہنمائی سے تیار ہوا تھا اور تمام پیشین گوئیوں کی کڑیوں کو جوڑنے سے ذہن کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اقتدار یا کوئی اور ادنیٰ خواہش امام کی

قربانی کی محرک نہ تھی بلکہ آپ ذبحِ عظیم تھے۔ پیغمبرؐ کے ذریعے سے وحیِ الٰہی نے امام حسینؑ کی قربانی سے اسلام کی تجدید اور حیاتِ نو کا کام لیا۔ روحِ رسالت اس سفر میں قدم قدم پر امام حسینؑ کے ساتھ تھی۔

## پیشین گوئیوں کا ایک اور حیرت ناک رُخ

انس کے حافظے میں روایات کا یہ دفتر بھی ہوگا!

خرمنِ باطل پر وحیِ الٰہی کی صاعقہ باری۔ مصورِ قدرت نے دشمنانِ ایمان کی ہو بہو تصویریں پیش کر دیں۔

احادیث کے انبار سے اس سلسلے کی چند حدیثیں صحاح و مسانید و تاریخ کی چوٹی کی کتابوں سے درج کی جاتی ہیں جس کے بعد پیشین گوئیوں کے ذریعے سے کربلا کی تصویروں کے دونوں رخ سامنے آجاتے ہیں روشن رخ بھی، سیاہ رُخ بھی۔ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے چہرے بھی اور یزید اور اس کے ہوا خواہوں کے چہرے بھی۔ ان پیشین گوئیوں کے سہارے پر ہم اپنے مسلک کی صحت اور اپنے عقیدے کے انجام پر سو فیصدی مطمئن ہیں اور ہم فخر سے یہ شعر پڑھتے ہیں۔

جس کا جی چاہے ہو یزید کے ساتھ
ہم ہیں اور دامنِ امام حسینؑ

## حواریِ رسولؐ، شہیدِ غربت حضرت ابوذر کی روایت:

سرورِ انبیا کی یہ حدیث مسلمانوں کے سب ہی مکاتب نقل کرتے ہیں۔ ابوذر سے زیادہ کسی سچے کو نہ زمین نے اٹھایا اور نہ آسمان نے اس پر سایہ کیا۔ حضرت

ابوذر اپنی صاف گوئی اور حق پرستی کے جرم میں ربذہ میں جلاوطن ہوئے اور ۳۲ھ میں خلد آشیاں ہو گئے۔ آپ کی زندگی ہی میں ۲۲ھ یا ۲۷ھ میں یزید پیدا ہوا۔ آپ سے بنی امیہ کے اس ناخلف کے متعلق رسولِ خدا کی ایک پیشین گوئی ہم تک پہنچی ہے اگر آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس پیشین گوئی کی روایت کی تو اس وقت یزید یا تو دس سال کا تھا یا پانچ سال کا۔ حدیث کی سند و متن یہ ہے۔

''ابوذر نے یزید بن معاویہ کے متعلق فرمایا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرمان دیتے ہوئے سنا ہے کہ پہلا وہ شخص جو میرے دین کو بدل دے گا وہ بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا''۔

ابو عبیدہ جرّاح کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا میری امت کا معاملہ برابر عدل پر قائم رہے گا یہاں تک کہ بنی امیہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام یزید ہے وہ اس میں رخنہ ڈالے گا۔

(صفحہ ۱۸۰ مقتل الحسین خوارزمی، بدایہ ونہایہ ابن کثیر صفحہ ۲۳۱/۸ تاریخ الخلفا سیوطی ۲۰۹ مطبوعہ کلکتہ)

ابو سعید خدری فرماتے ہیں۔ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ۶۰ھ کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو نماز کو ضائع کریں گے، خواہشوں کی پیروی کریں گے وہ گمراہ ہوں گے''۔ (بدایہ ونہایہ ابن کثیر ۲۳۰/۸)

ابو ہریرہ نے کہا میں نے پیغمبرِ صادق سے سنا کہ ''میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں (بے دینوں) کے ہاتھ ہوگی''۔

فتح الباری شرحِ صحیح بخاری ابن حجر میں ایک روایت میں غلیمہ کی صفت سفہا ہے۔ علامہ ابن حجر نے صبیان اور غلیمہ کی تشریح لفظی میں لکھا ہے۔ صبی و غلیم کا

لفظ تصغیر کے ساتھ کبھی ضعیف العقل وضعیف التدبیر وضعیف الدین کے لیے بھی بولا جاتا ہے خواہ وہ جوان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہاں یہی مراد ہے۔

حافظ ابن حجر نے حدیثِ ابوہریرہ کی تشریح میں ایک اور روایت لکھی ہے۔

ابن بطال کہتے ہیں۔ ابوہریرہ کی حدیث میں ہلاکتِ امت سے مراد خود ابوہریرہ کی دوسری حدیث سے ظاہر ہوجاتی ہے جس کو ایک اور سند سے علی بن سعید اور ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا۔

میں خدا کی پناہ ڈھونڈتا ہوں "صبیان" کی حکومت سے۔ پوچھا گیا کہ صبیان کی حکومت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا (۷ / ۱۳) فتح الباری ابنِ حجر) اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو تم ہلاک ہوجاؤ گے یعنی تمہارا دین تباہ ہوجائے گا اور اگر تم ان کی نافرمانی کروگے تو وہ تم کو مار ڈالیں گے یعنی قتل کردیں گے یا مال چھین لیں گے یا زندگی اور مال دونوں تلف کردیں گے۔

ابوشیبہ کی ایک روایت میں ہے۔ ابوہریرہ بازاروں میں کہتے پھرتے تھے۔

"پروردگار میں ۶۰ ھ میں نہ زندہ رہوں، نہ صبیان کی حکومت میں زندہ رہوں"۔

علامہ ابن حجر کہتے ہیں۔

"اس میں یہ اشارہ ہے کہ سست مذہب ۶۰ ھ میں تھا۔ ! یہ ایسا ہی ہے اسی سال یزید بن معاویہ خلیفہ ہوا۔ ۶۴ ھ تک باقی رہا۔ اس سال مرگیا"۔

(فتح الباری ۷ / ۱۳)

علامہ بدر الدین عینی حدیث امارۃ الصبیان کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

''ان میں پہلا شخص یزید ہے جس کا وہ مستحق ہے وہ اسے پہنچے۔ زیادہ تر وہ بزرگوں کو بڑے بڑے شہروں کی امارت سے ہٹاتا تھا اور اپنے کم عمر عزیزوں کو وہاں کا حاکم بناتا تھا'' (۳۳۴/۱۱ عمدۃ القاری بمبئی)

یزید کی کمینہ خواہشوں کے غلام شمر کے متعلق ایک پیشین گوئی درج کر کے ہم مطمئن ہوجاتے ہیں کہ اہلِ نظر کے لیے ہم نے تصویر کے دونوں رخ پیش کر دیئے۔ محمد بن عمرو بن حسن کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام حسینؑ کے ساتھ نہرِ کربلا پر تھے۔ امام حسینؑ نے شمر کو دیکھا اور فرمایا۔ ''اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا ہے''۔

''رسولؐ اللہ فرماتے ہیں میں ایک کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہلِ بیت کا خون چاٹ رہا ہے۔ شمر، اللہ اس کا برا کرے مبروص تھا۔ (تاریخ ابنِ کثیر)

انس بن حرث ایسا روشن ضمیر، پاک دل مومن، صافی و صحابی، وفا کیش، صاحبِ مروّت، خدا کا عاشق، رسولؐ کا فدائی، جادۂ حق کا رہرو، واقعۂ کربلا کی صداقت اور امام حسینؑ کی سچائی اور ان کی قربانی اور نصرت کی رسولؐ برحق سے پیشین گوئی سن کر پیرانہ سالی میں اپنے کو تیغ بکف کربلا میں پہنچا دیتا ہے اور کئی مشہور و معروف اربابِ معرفت صحابیِ رسولؐ حضرت انس کی صف میں کھڑے امام حسینؑ کی بارگاہ میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ کئی باا ثر اصحابِ رسولؐ امام حسینؑ کی شہادت کی خبر کی رسولِؐ خدا سے روایت کرتے ہیں اور یزید کی مذمت و بے دینی کی پیشین گوئیاں رسالتماب سے سنتے ہیں اور دوسروں تک ان کو پہنچاتے ہیں۔ کیا ان حقائق کے بعد کسی کو یہ لکھنے کا حق ہے کہ صحابی و تابعین یزید کی حکومت کے اعضا و جوارح تھے اور انھیں کے ہاتھوں میں صوبوں کی زمامِ حکومت تھی۔ رسولِؐ خدا اس حکومت کو امارۃ الصبیان فرماتے ہیں۔ علمائے حدیث

کہتے ہیں کہ زیادہ تر حکومت کے عہدوں پر یزید کے نوجوان عزیز مسلط تھے لیکن محمود احمد عباسی ایسے یزید کے رضا کارانہ ایجنٹ دو چار آدمیوں کے نام دکھا کر ایک عام دعویٰ کر لیتے ہیں کہ صحابہ و تابعین ہی یزید کی حکومت چلا رہے تھے۔ کلیدی عہدے انھیں کے پاس تھے اور میں جرأت سے کام لے کر کہتا ہوں کہ پورے ملک میں وہ دو چار آدمی جو یزید کے اشارے پر چل رہے تھے اور رسولؐ کے احکام کو نظر انداز کر رہے تھے خود اپنے عمل سے صحابیت کے منصب سے معزول ہو چکے تھے اللہ اور رسولؐ نے ان سے صحابیت کی سند چھین لی تھی۔ صحابیت کا خلعت انس بن حرث کے جسم میں درست اترتا ہے اور ان پر سجتا ہے جو کہ صحبتِ رسولؐ کا حق ادا کرتے ہیں اور امام حسینؑ کی نصرت میں اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

محمود عباسی نے (خلافتِ معاویہ و یزید صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے کہ تمام صحابۂ کرام یزید کی ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے۔ کیا رسولِ خدا کی یزید کے متعلق ان پیشین گوئیوں کے ہوتے ہوئے صحابہ کو یہ روا تھا کہ وہ اس کی ولی عہدی کو تسلیم کریں اور کیا یہ سچ ہے کہ تمام صحابہ متفق تھے۔ اگر سب متفق بھی ہوتے تو صاحب وحی سرورِ انبیا کی پیشین گوئی کے سامنے ان کے اتفاق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ محمود عباسی کے امام مورخین تو یزید کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"لما احدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابہ فی شانہ"۔ (مقدمہ ابن خلدون ۱۷۷)

"جب یزید میں فسق پیدا ہو گیا تو اس کے بارے میں صحابہ میں آپس میں اختلاف ہو گیا"۔

یہی امام المورخین لکھتے ہیں۔

حسینؑ کا معاملہ یہ ہے کہ جب یزید کا فسق اس عہد کے سب لوگوں کے نزدیک کھل گیا تو اہلِ بیتؑ کے شیعوں نے کوفے سے حسینؑ کو تشریف آوری کا پیام بھیجا''۔

نفس کی ناپاکی اور اقتدار کی رضا کارانہ غلامی کی یہ بدترین مثال ہے کہ تمام اسلامی حقائق امام حسینؑ کے ساتھ ہیں لیکن ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یزید کا جرم ہر طرح ثابت ہے لیکن اس کے جرم کے داغ کو دھونے کی طرح طرح سے کوشش کی جاتی ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ جہادِ قسطنطنیہ کی حدیث میں رسول اللہؐ نے یزید کی بخشش و مغفرت کی گارنٹی لی ہے اس طرح ایک جھوٹی حدیث کی آڑ لے کر ایک ناپاک و رُسوائے عالم مجرم کو چھڑانے کے لیے تنکے کے سہارے لیے جاتے ہیں۔ اس فرضی حدیث پر محدثانہ تنقید سے معلوم ہو جائے گا کہ جس قلعے کو آہنی سمجھا جاتا تھا وہ بالو سے تعمیر کیا گیا تھا۔ کم سے کم اور نرم سے نرم تنقید جو اس نام نہاد حدیث کی کی جا سکتی ہے وہ علامہ قسطلانی شارحِ بخاری نے کی ہے جس نے سب سے پہلے مدینۃ قیصر (قسطنطنیہ) میں جنگ کی وہ یزید تھا اور اس کی ہمراہی میں صحابہ کی ایک جماعت تھی جیسے ابنِ عمر و ابنِ عباس و ابنِ زبیر اور ابوایوب انصاری اس سے مہلب نے یزید کی خلافت اور اس کے جنتی ہونے پر استدلال کیا ہے۔

اُس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جماعت میں بنی امیہ کی حمیت کارفرما ہے۔ اِس حدیث کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ دلیلِ خاص سے وہ اس کے عموم سے نہ نکل جائے اس لیے اس پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت صلعم کا فرمانا ''مغفورلہم'' اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ اہلِ مغفرت سے ہو بھی تا کہ اگر کوئی اس

جنگ کے بعد مرتد ہو جائے تو اتفاقاً اس عموم میں شامل نہ ہو سکے ابنِ منیر کا بھی یہی خیال ہے"۔(قسطلانی)

یزید کے فسق پر سب صحابہ کا اتفاق تھا ان کا بھی جو یزید سے خوفزدہ ہو کر اس کی بیعت کر چکے تھے، ان کا بھی جو بیعت کو ٹھکرا چکے تھے۔ ائمہ مجتہدین کا بھی۔ ان کے بعد علما و محدثین میں علامہ قسطلانی، علامہ بدر الدین عینی، علامہ حجر تمیمی، علامہ ابنِ جوزی علامہ سعد الدین تفتازانی، محقق ابنِ ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیاہراس وغیرہ سب یک زبان اس کے فسق و فجور میں آلودگی کو ایک حقیقتِ ثانیہ کی طرح تسلیم کرتے ہیں۔

یزید کے وکیل کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قتل کی یزید پر کوئی ذمے داری نہیں ہے وہ ابنِ زیاد کی اس حرکت سے ناراض تھا۔ کیا اس ضمیر کش وایمان فروش وکالت سے یزید کو بچا لیا گیا۔ عدل و انصاف، سچائی اور غیر جانب دارانہ ضمیر نے قتلِ امام حسینؑ کی ساری ذمے داری یزید پر رکھی ہے اور سو فیصدی اس کو مجرم قرار دیا ہے۔

ابنِ کثیر (جن کی تحریروں میں ہیر پھیر بہت ہے اور جن کی تاریخ کا ایک شعبدہ ہے اور جن کی کتاب محمود عباسی کا اہم ترین ماخذ ہے) یزید کے متعلق لکھتے ہیں۔

"گزر چکا کہ یزید نے حسینؑ اور ان کے اصحاب کو عبیداللہ ابنِ زیاد کے ذریعے سے قتل کیا"۔(بدایہ ونہایہ ابنِ کثیر)

قسطلانی شارحِ بخاری علامہ سعد الدین تفتازانی کا ایک فیصلہ کن بیان اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔

"حق تو یہ ہے کہ امام حسینؑ کے قتل پر یزید کی رضامندی اور خوشی اور اہلِ بیتؑ

رسولؐ کی توہین معنی کے لحاظ سے متواتر ہے اگر چہ اس کے تفصیلات احاد ہیں"۔

ان حقائق کی روشنی میں جو شخص یزید اور اس کی جماعت کی طرف سے صفائی پیش کرتا ہے اور انھیں بے داغ چھڑانا چاہتا ہے اور (معاذ اللہ) امام حسینؑ پر بغاوت وخروج کی تہمت لگاتا ہے میں اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اس کی کس بات پر شک کروں۔ کیا یہ کہوں کہ وہ حدیث وتاریخ سے بالکل بے بہرہ ہے یا یہ کہوں کہ وہ ایسا سخت متعصب ہے کہ حدیث وتاریخ کی تصریحات کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

ایسے اشخاص کے حق میں ملا علی قاری شارحِ مشکوٰۃ کا فیصلہ یہ ہے۔

"بعض جاہلوں نے جو یہ کہا ہے کہ حسینؑ (معاذ اللہ) باغی تھے ہم اہلسنت والجماعت کے نزدیک یہ خیال باطل ہے۔ یہ ان خوارج کی بکواس ہے جو راہِ مستقیم سے ہٹ گئے ہیں"۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۷)

ابنِ مسکن وغیرہ پر ہم نے لمبی تنقید اس لئے گوارا کی تا کہ انس بن حارث کی حدیث کے ہر گوشے پر عقل ونقل روایت ودرایت کی پوری پوری روشنی پڑ جائے اور اس مقام سے یقین واعتبار کا وہ شعلہ بلند ہو جس سے غفلت و بہتان کے خس و خاشاک جل کر راکھ ہو جائیں۔

## انس کربلا میں امام حسینؑ تک کیسے پہنچے؟

جزری نے لکھا ہے کہ یہ کربلا میں امام حسینؑ سے ملے۔ شب میں موقعہ پا کر کئی آدمیوں کے ساتھ دشمن کی فوج سے امام کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اس سے یہ رائے قائم ہوتی ہے کہ جب امام تک رسائی کی کوئی صورت نہ نکلی تو وہ فوجِ دشمن میں شامل ہو کر کربلا میں پہنچ گئے اور وقت کے منتظر رہے۔ جب موقعہ ملا امام

کی صف میں آ گئے۔

## انس سے امام حسینؑ نے داعی کا کام لیا:

اہلِ بیتؑ کی جامعیت اور ہمہ گیر صفات کا مقابلہ وہ سر برآوردہ لوگ نہیں کرسکتے تھے۔ ائمۂ اہلِ بیتؑ کے عہد میں ریاست پر جن کا قبضہ تھا ان کے احساسِ کمتری نے ان کے مقابلہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی ایک صف کھڑی کردی، ذرّوں کو پہاڑ ثابت کیا گیا، خذف کو گہر کا درجہ دیا گیا۔ مخلص و وفادار دوست ساری زندگی میں چند ہی ہوتے ہیں، پیغمبروں، لیڈروں اور دنیا کے مشہور انسانوں میں کوئی ایک بھی نظر نہیں آتا جس نے کہا ہو کہ اس کے لاکھوں دوست ہیں یا کسی نے ان کے متعلق دعویٰ کیا ہو کہ اس کے سچے دوست ہزاروں کے عدد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مختصر سی زندگی میں اتنے دوستوں کو آزمانے کا موقعہ بھی کہاں مل سکتا ہے۔ صحابیت اپنے فطری حدود میں ایک مقدس چیز ہے اور قابلِ تعظیم و احترام ہے۔ دوست کے جو طبعی صفات ہیں وہی صحابیت کی کسوٹی ہیں۔ کسی کا دوست وہی ہے جس کی اس سے کافی معاشرت رہی ہو، جو اس سے شدت سے متاثر ہوا ہو، جو اس کے تصورِ زندگی سے ہم آہنگ ہو، جو آزمائشی اوقات میں کھرا ثابت ہوا، جس نے دوستی کے عہد کو زندگی کے آخر تک نباہا ہو۔ کون مُردہ نفس اور ناحق ناشناس ہوگا جو ایسی دوستی یا صحابیت کی قیمت نہ لگائے گا۔ صحابیت کو دوستی کے عام طبعی حدود سے باہر نکال کر اس سے سیاسی جوڑ توڑ کا تو کام لیا جاسکتا ہے لیکن اس جمِ غفیر سے نہ تو کردار متاثر ہو سکتے ہیں نہ مثالی زندگی کی کوئی تعمیر میں ان سے مدد مل سکتی ہے صرف رسولؐ کو دیکھ لینے سے یا ان کی بزم میں بیٹھ جانے سے بجلی کسی میں نہیں دوڑ سکتی۔ بنی امیہ صحابیت کا بہت ڈھنڈھورا پیٹا

کرتے تھے تاکہ اہلِ بیتؑ کا اثر گھٹائیں۔ چند لوگوں کو انھوں نے روپہلے سنہرے سکّوں سے خرید لیا تھا۔ اپنی موافقت میں ان کی آواز کی اہمیت دکھانے کے لیے فطری حدود کو توڑ کر ان کو ایسی اونچی جگہ پر پہنچا دیا جس سے ان کی صحبت کا قد وقامت بہت بلند نظر آئے۔

حقیقتاً جو لوگ صحابیت کا پروپیگنڈہ کر رہے تھے وہ اسے سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے ورنہ کربلا میں حسینؑ کی صف میں جو صحابی تھے ضرور ان کا کچھ پاس ولحاظ کیا جاتا۔ امام حسینؑ نے اموی فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے رسولؐ خدا کے ایک معمر صحابی، عابد و زاہد بزمِ صفہ کے صدر نشین، بدر و حنین کے مجاہد کو داعی (راہِ حق پر بلانے والا) بنا کر فوجِ دشمن کے سامنے بھیجا۔ امام نے حضرت انس سے فرمایا۔ ان لوگوں کے پاس جایئے اور انھیں اللہ اور رسولؐ کو یاد دلایئے۔ شاید یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے سے باز آئیں۔ آپ یہ خوب سمجھ رکھیں کہ یہ اپنے ارادے سے باز نہ آئیں گے لیکن یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں تاکہ قیامت میں ان پر میری حجت قائم ہو جائے'' حضرت انس عمرِ سعد کے پاس تشریف لائے۔ عمر سعد کو انھوں نے سلام نہیں کیا اس نے کہا کیا میں مومن و مسلم نہیں ہوں؟۔ بخدا جب سے خدا اور رسولؐ کو پہچانا ہے کبھی کفر اختیار نہیں کیا۔ عمر سعد کی یہ خود فریب گفتگو سن کر حضرت انس نے فرمایا۔ ''تم اللہ و رسولؐ کو کیا پہچانتے ہو جبکہ تمہارا ارادہ یہ ہے کہ رسولؐ کے اہلِ بیتؑ کو اور ان کے مددگاروں کو قتل کرو''۔ عمرِ سعد نے (یہ سنکر) سر جھکا لیا اور کہا ''میں یہ جانتا ہوں کہ ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہے لیکن مجھے امیر عبیداللہ کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے''۔

حضرت انس واپس چلے آئے اور امام کو ابن سعد کی باتوں کی اطلاع دی

(مقتل ابو مخنف ص ۶۱ مطبوعہ نجف ۱۰۵۵ء)

ابنِ سعد اور اس کے ساتھیوں نے حضرت انس صحابی کہن سال کی نصیحت سے کیا فائدہ اٹھایا اور ان کی ہدایت و موعظت سے ان تنگ دلوں اور کم نصیبوں کو کیا حاصل ہوا۔

## انس کا ولولۂ شہادت:

ایسا جہاد جس میں امت کے لیے نصرت کی تبلیغ کو سرور انبیاءؑ نے اپنے پیغامِ رسالت کا ایک خاص مقصد قرار دیا ہو۔ امام حسینؑ کی ولادت سے اپنی وفات تک اشک بار آنکھوں سے، گرم سانسوں سے اپنی وفادار اور راز داں بیویوں کو، اپنی بیٹی کو، اپنے وزیر و جانشین و جان نثار داماد اور بھائی کو، اپنے عزیزوں اور دوستوں کو اور اپنے خادموں کو اطلاع دیتے رہے۔ بیشک وہ ایک ایسا فیصلہ کُن جہاد تھا جس میں شرکت کے لیے عاشقانِ الٰہی اگر ممکن ہوتا تو سر کے بل آتے۔ ۶۰ ھ آ گیا، انتظار کے لمحات انس کے سینے میں نشتر بن کر چبھ رہے ہوں گے۔ جو واقعات اس سال میں پیش آئے انس کا ذہن انھیں ترتیب دے رہا ہوگا، انھیں ایک عظیم فرض انجام دینا ہے، انھیں رسولؐ کے بزم نشینوں کی لاج رکھنی ہے، انھیں جینے کی زندہ تفسیر کرنی ہے۔

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

انھیں زندگی کی زیادہ سے زیادہ قیمت لگانی ہے انھیں جان آفریں کے ساتھ متاعِ زندگی کا معاملہ کرنا ہے، وہ زندگی جو انھیں عزیز تھی ایک کسان کی طرح جس کی تعمیر میں انھوں نے سخت سے سخت محنت سے دریغ نہیں کیا، جس میں ان کے کان ہوا کی ہر اس جنبش پر لگے ہوں گے جو مدینے کی طرف سے ہو کر گزرتی ہے، یزید کا مدینے کے گورنر کو امام حسینؑ سے بیعت لینے کے لیے فرمان بھیجنا امام کا

بیعت سے انکار، امام کی مدینے سے مکے ہجرت، واقعات کی یہ رفتار انس کے جذبۂ بقیہ انوارِ الٰہی اور آرزوئے شہادت کی روحانی آگ کو بھڑکا رہی ہوگی۔ امام حسینؑ کے سفیر حضرت مسلمؑ کوفے پہنچ گئے انس کی نظر میں شہادت بالکل قریب تر ہونے لگی ہوگی۔ انس کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ امام کربلا کے قریب پہنچ گئے۔ ۶۱ ھ کا افسردہ چاند بھی چاک گریباں مطلعِ فلک پر نمودار ہوگیا۔ عروسِ شہادت کے دہن سے انس نے شہادت کا نغمہ سنا۔ پیری کو رخصت کیا عمرِ رفتہ کو آواز دی۔ تجلی گاہِ کربلا کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ گرمی افکار، اندیشۂ بیباک اور جرأتِ ایمان کی آگ کو سینے میں دبائے لشکرِ یزید میں یوں چھپ کر جیسے آفتاب کو کثیف ابر چھپا لیتا ہے وہ کربلا کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ موقعے کی تلاش میں تھے کہ کاروانِ شہادت میں شامل ہوجائیں اور میرِ کارواں کے نشانِ قدم پر قدم رکھیں۔ نویں محرم آگئی۔ اب ابنِ سعد کی فوج نے اعلان کردیا کہ کل ہمارے اور حسینؑ کے درمیان خون آشام جنگ ہوگی۔ شام کو یہ اعلان ہوا، رات آئی۔ حضرت انس دشمن کی فوج سے امام کی تجلی زار بارگاہ میں آگئے۔ رات مناجاتوں اور سجدوں اور تسبیحوں میں گزری۔ صبحِ عاشور طالع ہوئی حضرت انس کو جوانی کا جوش وخروش واپس مل گیا۔ بڑھاپے کی افسردگی رخصت ہوئی، آتشِ شوق تیز سے تیز تر ہونے لگی۔

واقعہ کربلا سرورِ عالم کی وفات کے پچاس سال بعد رونما ہوا۔ رسولؐ کا جو صحابی بھی اس جہاد میں شریک ہوا اس کی عمر پچاس ساٹھ سال سے کم نہیں ہوسکتی۔ انس اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ بزمِ رسولؐ میں، جن کے وہ ہمدم و ہمساز و ہم نفس تھے اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب ان کے قائد کے لبوں کی جنبش انھیں سرفروشی کی اجازت دے گی۔

رسولؐ اللہ کے بزم نشینوں میں حبیب ابنِ مظاہر، زاہر بنِ عمرو اسلمی کندی، شبیب بن عبداللہ، عبدالرحمان بن عبدرب انصاری خزرجی، عمار بن ابی سلامہ دالانی، مسلم بن کثیر، جابر بن عروہ غفاری سب ہی انس کی طرح شہادت کے آبِ حیات سے شوق کی پیاس بجھانے کے لیے بے چین تھے۔ ان صحابہ میں نسبتاً عبدالرحمان بن عبدرب، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور انس و جابر زیادہ معمر و کہن سال ہیں۔ جوش و ولولۂ شہادت کا یہ عالم تھا کہ جابر بن عروہ غفاری صحابی کے متعلق ابومخنف نے لکھا ہے۔ "یہ بہت زیادہ بڈھے تھے رسولؐ اللہ کے ساتھ بدر وغیرہ میں شریک تھے۔ بھویں کپڑے سے باندھ لی تھیں۔ امام حسینؑ ان کے مردانہ جہاد کو دیکھ رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ شکر اللہ یا شیخ"

(مامقانی نے) حضرت انس کے متعلق بھی لکھا ہے کہ "بہت معمر و کہن سال تھے"۔ انس کے چہرے پر خوشی کی لہریں دوڑ گئیں، ان کو امام سے اذنِ جہاد مل گیا۔ کسی نے لکھا ہے کہ یہ بریرین بن خضیر کی شہادت کے بعد میدانِ جہاد میں آئے (امالی صدوق ص ۹۷) کسی نے کہا ہے کہ قرہ بن ابی قرہ کے بعد انھیں اذن حاصل ہوا۔ (مقتل خوارزمی)

## انسؑ کا میدانِ جہاد میں شیرانہ رجز

حضرت انس گو کہ رسولؐ خدا کے مخصوص صحبت نشینوں میں تھے۔ وہ ایک عظیم الشان پیام کے امین تھے۔ فضول گوئی سے وہ آشنا نہ تھے۔ شاعری اور مبالغہ آرائی ان کا پیشہ نہ تھا۔ انھوں نے اپنے رجز میں جو کچھ کہا وہ ان کے ضمیر کی آواز تھی۔

انھوں نے جو دیکھا، جو سُنا، جو محسوس کیا، جو ان کا عقیدہ تھا اسے برجستہ رجز میں کہہ دیا۔ عرصے کے دبے ہوئے جذبات و مشاہدات اور خاندانِ نبوت اور

برسرِ اقتدار جماعت کے تاریخی کردار کو انھوں نے دو لفظوں میں بیان کردیا۔ رحمان کے ساتھی اور شیطان کے ساتھی یہ رجز شدتِ احساس اور خود اعتمادی اور دوسروں کو فرض کے انجام دینے کی تلقین و وصیت کا شاہکار ہے۔

''قبائل کاہل و دودانِ و خندف وقیس عیلان سب جانتے ہیں کہ میری قوم بہادروں کو چور چور کر دینے والی ہے، بہادروں کے لیے بلائے جان و آفت ہے، جنگ کے وقت شہسواروں کی سردار ہے، نیزے کے ساتھ موت سے ملاقات کرنے والی ہے۔ ہم نیزہ بازی کے وقت عاجزی نہیں پسند کرتے۔ اے میری قوم شیروں کی طرح دشمن پر حملہ آور ہو۔ آلِ علیؑ اللہ کی دوست (شیعہ رحمان) اور آلِ حرب شیطان کی دوست (مددگارِ شیطان ہے۔ کاہل ابنِ حزیمہ کے بیٹے کا نام ہے۔ بنی اسد کی ایک شاخ اس کی طرف منسوب ہے۔ کاہلہا کی ضمیر قبائل کی طرف راجع ہے یا عرب کی طرف۔ دودان قبیلۂ بنی اسد کی ایک شاخ کا نام ہے۔ خندف لیلیٰ بنتِ حلوان بن عمران زوجہ الیاس بن مضر کا نام ہے۔ عیلان قیس کے باپ کا نام ہے قبیلۂ مضر کے کچھ لوگ ان کی طرف منسوب تھے۔ قصم اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو اپنی ٹاپوں سے ہر سامنے پڑنے والی چیز کو کچل ڈالے۔

انس اس صف کے آدمی تھے جہاں گفتار و عمل میں بے گانگی نام کو نہ تھی۔ وہ پہلے بادل کی طرح گرجے پھر برس پڑے۔ پہلے انھوں نے اپنا آتشیں رجز پڑھا جو عزم و فتوحات و آہنی ارادے کے جذبات سے جھلک رہا تھا پھر وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بڑھاپا اور یہ جوش ایمانی اللہ اکبر۔ تاریخ نے ان کے حملے کی قوت اور اس کے انجام کو یاد رکھا ہے۔ اٹھارہ بے دینوں کو اس شیرِ ژیاں، اس

غضنفر بیشہ شجاعت نے اپنی شمشیرِ آبدار سے موت کی نیند سلا دیا۔ (امالی صدوق صفحہ ۹۷) حضرت انس نے اپنا فرض انجام دے دیا۔ رسولؐ کی جس حدیث نصرت کے پیام کے وہ امین تھے، جسے دوسروں کو سناتے تھے اس پر انھوں نے بڑے شوق وذوق سے عمل کیا۔ شہادت کا آبِ حیات پیا اور زندۂ جاوید ہو گئے۔ یقیناً روحِ پیغمبرؐ ان کی منتظر ہوگی اور وہ خود بھی اپنے محبوب سے ملنے کے لیے ہمہ شوق ہوں گے۔ منصبِ صحابیت نے ان کو مرحبا کہا، وفا نے زندہ باد کے نعرے لگائے، اسلام شکر گذار ہوا، انسانیت نے فخر سے سر اونچا کیا۔ رخصت ہوتے ہوئے کربلا کی سرزمین سے حضرت انس رضوان اللہ علیہ قدس اللہ سرہ کی روحِ پاک نے اولادِ آدم کو ایک زندہ پیام دیا۔

مذہبِ زندہ دلاں خوابِ پریشان نیست

ازہمیں خاکِ جہانِ دگرے ساختن است

نصرتِ امام حسینؑ کا جو پیام حضرت انس کربلا تک اپنے ساتھ لائے تھے وہ پیام زندہ و پائندہ ہے۔ آج بھی امام کی آوازِ استغاثہ فضا میں گونج رہی ہے اور آج بھی ان کی نصرت کی ضرورت ہے۔ نصرت کی شکل بدلی ہوئی ہے لیکن نصرت کے تقاضے نہیں بدلے ہیں۔

## انسؑ کا مطالعہ اس عہد کے بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ

کربلا میں امام کی زبانِ مبارک پر ایک حدیث کے سلسلے میں اس عہد کے بعض صحابہ کا نام آگیا جو زندہ تھے حضرت امام حسینؑ نے فوجِ دشمن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کیا تم کو میرے نانا کی یہ حدیث میرے اور میرے بھائی حسنؑ کے متعلق نہیں پہنچی ہے (ہٰذان سیّدا شباب اہلِ الجنۃ) ”یہ دونوں

جوانانِ جنت کے سردار ہیں" اور یہ کہ "میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں" کتابِ خدا اور میری عترت واہلِ بیتؑ" اگر تم میری بات کی تصدیق کرو تو خیر ورنہ جابر بن عبداللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک سے پوچھو۔ ان لوگوں نے یہ حدیثیں میرے نانا رسولؐ خدا سے سنی ہیں (مقتل ابومخنف صفحہ ۵۵)

خود امام حسین علیہ السلام کی جماعت میں کئی صحابی موجود تھے۔ امام ان کو گواہی میں پیش فرما سکتے تھے لیکن امام کی مصلحت کا یہی تقاضا ہوا کہ ان صحابہ کا نام لیں جو یہاں موجود نہ تھے اور غالباً بعض مجبوریوں کی وجہ سے امام کے ساتھ شہادت کی سعادت نہ حاصل کر سکے لیکن ان میں سے بعض کو قدرتی طور پر ایسے موقعے ملے جس میں امام سے ان کی عقیدت کا مظاہرہ ہوا۔

انس بن مالک تو رسولؐ خدا کے خادم ہی تھے۔ ہجرت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے، آٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہو گئے تھے۔ غزواتِ رسولؐ میں بھی شریک رہے۔ رسولؐ کے اہلِ بیتؑ کے متعلق ان کو بہت سی حدیثیں پہنچی تھیں۔ وہ حدیث "انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم" کی روایت کرتے تھے۔ (تاریخ ابنِ عساکر) جس وقت ابنِ زیاد کے دربار میں فرزند رسولؐ اور ان کے ساتھیوں کے کٹے ہوئے سر لائے گئے اور رسولؐ زادیوں کو اسیر کر کے لایا گیا تو اس وقت انس بھی وہاں موجود تھے۔

خود انس کا بیان ہے کہ جب حسینؑ کا سر ابنِ زیاد کے سامنے طشت میں رکھا گیا تو وہ چھڑی سے ان کے چہرے سے چھیڑ کرتا تھا اور کہتا کہ میں نے ایسا حسین چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے کہا لیکن یہ رسولؐ سے مشابہ تھے مقتل

خوارزمی اور بخاری میں انس کا بیان ہے کہ جب ابن زیاد امام کے دندانِ مبارک سے چھڑی سے چھیڑ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ دانت کیسے خوبصورت ہیں تو میں نے کہا۔ تو میں تمھیں تکلیف پہنچاؤں گا۔ میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا تھا کہ ان کے دہن پر جہاں تمہاری چھڑی ہے بوسے لیتے تھے (مقتل خوارزمی)

ایک دوسرے صحابی نضلہ بن عبید ابو برزہ اسلمی بھی اس موقعے پر موجود تھے یہ۔ فتحِ مکہ سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ رسولؐ اللہ کے ساتھ سات جنگوں میں شریک رہے۔ رسولؐ خدا کی وفات کے بعد امیرالمومنینؑ سے بھی ان کو خصوصیت رہی۔ بصرہ کو انھوں نے وطن بنالیا تھا۔ ۶۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کو بھی امام حسینؑ کی شہادت کی روح فرسا خبر سے دکھ اٹھانا پڑا اور عرصہ محشر سے زیادہ ہولناک منظر اسیریِ اہلِ بیتؑ کا دیکھنا پڑا۔ ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ ابنِ زیاد کے پاس جب حسینؑ کا سر لایا گیا تو اس نے ابو برزہ کو بلوایا اور کہا کہ "میرا اور حسینؑ کا حال کیسا ہے" انھوں نے کہا۔ "اللہ جانے۔ مجھے اس کا علم نہیں"۔ ابنِ زیاد نے کہا "میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اس بارے میں کیا جانتے ہو"۔ ابو برزہ نے کہا "جب تم میری رائے پوچھتے ہو تو میں یہ جانتا ہوں کہ حسینؑ کی شفاعت ان کے نانا کریں گے اور تمہاری شفاعت زیاد کرے گا"۔ ابنِ زیاد نے کہا۔ "یہاں سے نکل۔ اگر میں نے تجھ کو امان نہ دے رکھی ہوتی تو بخدا ابھی گردن اڑا دیتا"۔ جب وہ دروازے تک پہنچے تو ابنِ زیاد نے کہا "اگر صبح و شام مجھ سے ملتے نہ رہے تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا"۔ (مقتل خوارزمی)

زید بن ارقم انصاری خزرجی صحابی بھی اس موقعے پر موجود تھے۔ زید رسولؐ خدا کے ساتھ سترہ جنگوں میں شریک رہے۔ حضرت علیؑ اور اہلِ بیتؑ کے روایات

فضیلت کتب حدیث میں ان سے مروی ہے کہ ۶۸ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

خود زید بن ارقم کا بیان ہے کہ میں ابنِ زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ حسینؑ کا سر لایا گیا اور اس کے سامنے رکھا گیا۔ اس نے اپنی چھڑی سے ان لبوں کو چھیڑنا شروع کیا۔ میں نے کہا" تمہاری چھڑی اس جگہ ہے جہاں رسولؐ اللہ اکثر بوسے لیا کرتے تھے"۔ ابنِ زیاد نے کہا" اگر تو بڈھا اور کھوسٹ نہ ہوتا اور تیری عقل نہ چلی گئی ہوتی تو میں تیری گردن اُڑا دیتا۔ زید دربار سے یہ کہتے ہوئے نکلے۔ "غلام آزاد کا مالک ہو گیا ہے۔ اے عرب تم آج کے بعد سے غلام ہو گئے۔ فرزندِ فاطمہؑ کو تم نے قتل کیا اور ابنِ مرجانہ کو حاکم بنایا۔ اب اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ تمہارے اچھے آدمیوں کو قتل کر رہا ہے بڑوں کو غلام بنا رہا ہے۔ تم ذلت پر راضی ہو گئے۔ برباد ہو وہ جو ذلت پر راضی ہو گیا"۔ (مقتل خوارزمی)

## دربارِ یزید اور اصحابِ رسولؐ:

یزید کے دربار میں جب امام کا سر لایا گیا تو وہ بھی خیزران کی چھڑی سے امام کے دانتوں سے بے ادبی کرتا تھا۔ ابو برزہ یا کسی دوسرے صحابی نے کہا" تم فرزندِ فاطمہؑ کے دانتوں کو چھڑی سے چھیڑتے ہو۔ میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا تھا کہ ان کے اور ان کے بھائی حسنؑ کے دانتوں کو چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ خدا ان دونوں کے قاتل پر لعنت کرے اور جہنم نصیب کرے۔ اے یزید جب قیامت ہوگی تو ابنِ زیاد تیرا شفیع ہوگا اور محمدؐ حسینؑ کے شفیع ہوں گے۔ یزید نے غصے میں ان کو مجلس سے نکلوا دیا۔ انھیں گھسیٹ کر باہر نکال دیا گیا۔ (مقتل خوارزمی)

تاریخ طبری نے بھی یہی لکھا ہے کہ" ابو برزہ نے یزید کو ٹوکا تھا"۔ بعض

لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سُمرہ بن جندب نے یزید سے خطاب کیا تھا۔ اس موقعے پر کہا تھا کہ "اللہ تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے تُو ان کے دانتوں پر چھڑی مار رہا ہے جن کے رسولؐ اللہ بوسے لیتے تھے اور ان لبوں کا پیار کرتے تھے"۔ یزید نے کہا اگر تم رسولؐ اللہ کے صحابی نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا، سمرہ نے کہا "افسوس میری صحابیت کا تو یہ خیال ہے اور فرزندِ رسولؐ کی فرزندی کا کچھ پاس ولحاظ نہیں" اس پر سارا مجمع رو پڑا۔ قریب تھا کہ فتنہ برپا ہو جائے (مقتل خوارزمی)

یہ صحابی کون تھے جن کی حرارتِ ایمانی نے صحابیت کی لاج رکھ لی۔ ابھی تک کوئی مقتل نویس یا مورخ صحیح سراغ نہیں لگا سکا کہ یہ کون بزرگ تھے۔

ابو برزہ تو اس لیے نہیں معلوم ہوتے کہ ابنِ زیاد کے دربار میں ان کے متعلق تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ خاموشی سے اہلِ بیتؑ کی توہین نہ دیکھ سکیں گے۔ سُمرہ بن جندب بن ہلال فزاری بھی نہیں ہو سکتا یہ تو رسوائے صحابیت تھا یہ بندۂ دنیا تھا۔ چار لاکھ درہم پر اس نے حکومتِ شام کی خواہش پر امیر المومنینؑ کی مذمت میں ایک آیت (ومن الناس) کی شانِ نزول تصنیف کی اور ابنِ ملجم قاتلِ امیر المومنینؑ کو آیہ کا مصداق ٹھہرایا۔ (شرح حمید بن ابی الحدید) زیاد نے اسے بصرہ کا گورنر بنا دیا تھا آٹھ ہزار مومنین کو اس نے تہہِ تیغ کر دیا۔ جب کربلا کا معرکہ درپیش تھا تو یہ ابنِ زیاد کی پولیس میں شامل تھا اور امام کے خلاف عوام کو تیار کرتا تھا۔ ایسا مردہ نفس و وفا دشمن اتنا سعادت مند کب ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے آقائے نامدار یزید سے ایسی سخت گفتگو کر سکے۔ میرا خیال ہے کہ شاید حضرت سہل بن سعد ساعدی صحابی ہوں ان کو ابنِ عبدالبر و ابن منصرہ ابونعیم وغیرہ نے صحابہ کے زُمرے میں دکھایا ہے۔ وفاتِ رسولؐ خدا کے وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ۹۶ یا ۱۰۰ سال کی عمر

میں ۸۸ھ یا ۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ اس زمانے میں جبکہ واقعہ کربلا رونما ہوا عراق میں نہ تھے بیت المقدس گئے ہوئے تھے۔ راستے میں دمشق پڑتا ہے وہاں انھوں نے شہر میں سجاوٹ دیکھی اور اہلِ شہر کو خوشی مناتے ہوئے پایا۔ انھوں نے بابِ ساعات پر امام کا سر نیزے پر دیکھا، عورتوں کو اونٹوں پر سوار دیکھا یہ بھی مجمعے کے ساتھ یزید کے پاس پہنچ گئے دیکھا امام کا سر یزید کے سامنے رکھا ہے وہ کہہ رہا ہے۔ اے حسین کیسا دیکھا (مقتل خوارزمی)

غالباً انھیں سے یہ منظر نہیں دیکھا جاسکا اور انھوں نے جان کی بازی لگا کر یزید پر ملامت کے تیر برسائے۔

ہم نے کربلا میں حضرت انس بن حارث اور ان کے ساتھی رسولِ خدا کے دوسرے اصحاب کے کردار کا بھی سرسری مطالعہ کیا اور ان لوگوں کو بھی نظر کے سامنے رکھا جن کی امتحان گاہ ابنِ زیاد اور یزید ایسے ظالموں کا دربار تھا۔ ان لوگوں کے سامنے جب امام کے سرِ مبارک کی توہین ہوئی تو یہ برداشت نہ کر سکے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے، ان کے منہ سے چیخ نکل پڑی، انھوں نے ابنِ زیاد اور یزید پر تلخ تنقیدیں بھی کیں، ان کو دیوانہ، کھوسٹ کہا گیا، ان کو قتل کی دھمکی دی گئی، یہ دربار سے نکالے گئے۔

حضرت انس بن حارث اور ان کے دوسرے ساتھی جو رسولِ خدا کے صحبت نشیں تھے اور کربلا میں شہید ہوئے زندۂ جاوید ہیں۔ ابنِ زیاد اور یزید کے دربار میں ان صحابہ نے اپنے آنسو امام کی بارگاہ میں نذر کیے اور انس اور ان کے ساتھی صحابہ نے کربلا میں امام کی بارگاہ میں اپنا خون نذر کیا اور اپنی عزیز زندگی کی قربانی پیش کی۔

دنیا کی آنکھ نے دیکھ لیا کہ اموی عہد میں صحابیت کا جو ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ ضرورت کے وقت جن کے لیے کہا جاتا تھا کہ رسولؐ نے فرمایا ہے میرے صحابہ ستارے ہیں آج سرِ دربار انھیں دیوانہ کھوسٹ کا خطاب دیا جا رہا ہے اور انھیں دربار سے گھسیٹ کر باہر ڈال دیا جاتا ہے۔

میں عرصے تک ان صحابہ کے متعلق، جن کو اسیریِ اہلِ بیتؑ کے ہر موقعے پر دربارِ ابنِ زیاد و یزید میں پایا گیا ذہنی تکلیف میں مبتلا تھا۔ میں کسی ناگوار بات کو عرصے تک سینے میں چھپائے رکھنے سے بار محسوس کرتا ہوں آج میں کسی قدر اپنے کو ہلکا پا رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں اپنے دل کی بات زبانِ قلم پر لا رہا ہوں۔ مجھے صدمہ تھا کہ یہ صحابہ دربارِ ابنِ زیاد و یزید میں کیسے دکھائی دیئے ان کی جگہ تو محراب و منبر اور ہدایت کے آرزومند مومنین کی بزم میں تھی۔ خیال ہوا کہ شاید یہ درباری زندگی سے مانوس ہو گئے تھے لیکن ابو برزہ صحابی کے ذکر میں ابھی ہم نے پڑھا کہ وہ دربار میں خود تشریف نہیں لائے تھے بلکہ بلائے گئے تھے۔

## یہ خود آئے نہیں لائے گئے تھے:

کوئی تعجب نہیں ہے کہ یہ لوگ یزید و ابنِ زیاد کی قید میں رہے ہوں اس لیے شہادت کی سعادت سے محروم رہے اور ان کی دل آزاری کے لیے ان کو دربار میں بلایا گیا ہو اور ابنِ زیاد نے یہ سمجھا ہو کہ میری قہاری و جباری و ستم رانی کو شہدا کے کٹے ہوئے سروں کی صورت میں دیکھ کر یہ لوگ دہل جائیں گے اور میں عوام کو یہ باور کرا سکوں گا کہ نمایاں صحابہ بھی میرے طرزِ عمل کی صحت کے قائل تھے اس لیے ان لوگوں نے خاموشی سے یہ منظر دیکھا بلکہ کیا تعجب ہے کہ اسے یہ بھی دھوکا ہو کہ یہ لوگ خوفزدہ ہو کر میری موافقت میں گفتگو کریں گے لیکن ابنِ زیاد نے اور

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے نفس فروشی نہیں کی اور انتہائی خوفناک موقعے پر اپنے آنسوؤں سے، گرم آہوں سے، بے ساختہ چیخوں سے اور اپنے الفاظ کے تیر ونشتروں سے ابنِ زیاد و یزید کو زخمی کیا اور اس کے رسوائے عالم فعل کی تنقید کی۔

معرکۂ کربلا نے صحابہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ جو رسولؐ خدا اور دین سے مخلص تھے اور قسمت نے ان کی یاوری کی اور انھیں شہادت کی عزت حاصل ہوئی۔ اس وقت سے آج تک ان پر درود وسلام پڑھا جارہا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

۲۔ وہ صحابہ جو مخلص تھے لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے، تاریخ جس کا ابھی تک پتہ نہیں لگا سکی ہے، شہادت کی سعادت نہ حاصل کر سکے لیکن انھوں نے اپنی بقیہ زندگی میں مختلف موقعوں پر امام کے مقامِ شہادت سے دوسروں کو آگاہ کیا۔

۳۔ تیسرے وہ صحابہ ہیں جو خاموش رہے۔ انھوں نے امام کے دشمنوں کی مدد بھی نہیں کی۔ انھوں نے اپنے دل میں اتنی قوت بھی نہ پائی کہ وہ حکومت پر تنقید کر کے اس کے غیظ وغضب کا نشانہ بنتے۔

۴۔ ایسے افراد بھی اس عہد میں ملتے ہیں جنھوں نے اس محترم منصب کو رسوا کیا۔ انھوں نے بجائے مظلوم سے تعاون کرنے کے ظالم کا ہاتھ مضبوط کیا۔ انھوں نے حق کا ساتھ چھوڑا اور باطل کے مددگار بن گئے حقیقتاً ان کے افعال نے ان کو ان کے منصب سے معزول کر دیا تھا۔ وہ بغیر استحقاق کے صحابیت کے خطاب کو اپنے لیے استعمال کرتے رہے ان سے ہزار درجہ وہ تابعی بہتر تھے بلکہ ان سے بھی ان کو کوئی مناسبت نہیں ہے جن کو رسولؐ کی بزم میں حاضری کا موقع

نہیں ملا تھا لیکن انھوں نے حق کا استغاثہ سنا اور اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑے اور اپنی جانِ عزیز قربان کر کے انھوں نے دین کی حفاظت کی۔

ایسے لوگ ہرگز صرف اس بنا پر کہ کبھی انھوں نے رسولؐ کو دیکھ لیا تھا یا ان کی بزم میں بیٹھ گئے تھے اتنے مقدس نہیں ہو سکتے کہ ان کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے، انھیں اجتہاد کا سرٹیفکیٹ دے کر ہر طرح کی باز پرس سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ افسوس ہے کہ اجتہاد کا لفظ ایک سیاسی اصطلاح کے طور پر عرصے سے استعمال ہو رہا ہے اور ایسے مجرموں کو اس میں پناہ دی جارہی ہے جنھیں اخلاق و دین و مروت ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں ابنِ خلدون نے جن کے نفس کی اموی اقتدار کی آب و ہوا میں تربیت ہوئی تھی ایک نہایت پُرفریب رائے دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''تم اس غلطی میں نہ پڑ جانا۔ جو اصحاب حسینؑ کی رائے کے مخالف تھے اور ان کی مدد کے لیے کھڑے نہیں ہوئے ان کو گنہگار کہو۔ صحابہ کی اکثریت یزید کے ساتھ تھی اور اس پر خروج جائز نہیں سمجھتی تھی۔ (صفحہ ۱۸۱ مقدمہ ابنِ خلدون)

مسجد ایک مقدس و محترم چیز ہے لیکن جب وہی مسجد ضرار کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اس کا سارا احترام و تقدس ختم ہو جاتا ہے اسی طرح صحابیت کے قدم جب تک رسولؐ اللہ کے نقش قدم پر پڑیں وہ قابلِ احترام ہیں اور جب رسولؐ کے جادہ کو چھوڑ کر وہ فاسقوں اور فاجروں کی تابع ہوگئی تو اس نے اپنے عمل سے خدا و رسولؐ سے اپنی نسبت پر خطِ نسخ کھینچ دیا۔

صحابیت تو ایک معزّز منصب ہے۔ جن لوگوں نے صحابیت کا خلعت پہن کر دشمنانِ ملت کا ہاتھ مضبوط کیا وہ معمولی نیک دل مسلمانوں کی صف میں نہیں بیٹھ سکتے۔

## انس بن حرث کا تاریخ میں مقام:

انس کے بیٹے "عمیر بھی راویانِ حدیث میں تھے لیکن ان کا نام ان کے کارنامۂ شہادت سے زندہ ہے۔ صحابہ کی دوہری فہرست جو شہادت کے خونِ پاک سے تیار ہوئی ہے اس میں ان کا اسمِ گرامی درج ہے۔ عہدِ رسالت کے غزوات میں جو صحابہ شرفِ شہادت سے باریاب ہوئے انس کا نام ان میں نہیں ہے لیکن جب اسلام مٹایا جارہا تھا اور اس کی تجدید کا وقت آ گیا تھا اور وہ ایک مریض کی طرح نفس شماری کر رہا تھا اس وقت اُسے خونِ تازہ کی ضرورت تھی۔

## انسؑ کی شہادت اور زیارتِ ناحیہ میں سلام:-

انس اور ان کے ساتھیوں نے اپنی شہادت سے اسلام کو خونِ تازہ دے کر مرنے سے بچالیا۔ جب تک اسلام زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا انس اور ان کے شہید ساتھیوں کی یاد تازہ رہے گی۔ ہر آنے والی نسل ان کی شکر گزار ہوگی۔

حضرت انس نے جو تابندہ نقش چھوڑے ہیں وہ ہمیشہ دل و دماغ اور ضمیر کو روشنی پہنچاتے رہیں گے۔

کمیت بن زید اسدی مشہور شاعر متوفی ۱۲۶ھ پانچ ہزار دو سو انچاس شعر اپنی ادبی میراث میں چھوڑے ہیں۔ ان میں وہ شعر بھی ہے جس میں کمیت نے حضرت حبیب بن مظاہر اور حضرت انس بن حارث کا ذکر کیا ہے۔ شعر

سوئے عقبة فهم حبيب مزمل

وقضی نحبه والكاهلی معفر

شرف بالائے شرف اور اعزاز بالائے اعزاز اور رفعت و سعادت کی معراج یہ

ہے کہ زیارتِ ناحیہ مقدسہ (۲۵۲ھ) میں ان کو سلام کی عزت سے نوازا گیا ہے۔

السلام علی انس بن کاهل الاسدی

(بہار مجلس ۹۹ / ۴۲ تحفۃ الزار مجلسی ص ۱۹۸) مطبوعہ طہران ۱۲۷۳ھ

علامہ حجاج شیخ عبداللہ بن شیخ محمد حسن مامقانی متوفی ۱۳۵۱ھ تنقیح المقال فی اسماء الرجال میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت انس وثوق واعتبار کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ زیارتِ ناحیہ میں امام کے سلام نے ان کو شرفِ شہادت کے ساتھ ایک اور شرف کا خلعت پہنا دیا ہے۔

❁❁❁

# حضرت ابو ثمامہؑ صیداوی

## ابو ثمامہ کا نام ونسب:

صاحبِ ''اصحاب الیمین'' لکھتے ہیں:-

''اِن کا نام نامی عمرو بن عبداللہ تھا اور قبیلہ بنی صائد تھا جو قبیلہ ھمدان کی ایک شاخ تھی۔ یہ بزرگوار حضرت امیر علیہ السلام کے سرباز شیعوں میں سے تھے چنانچہ تمام جنگوں میں یہ آپ کے ہمرکاب رہے اور آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؑ کی غلامی میں رہے۔

معاویہ کی موت کی خبر جب کوفے میں پہنچی اور شیعانِ علیؑ نے سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں ایک مجلسِ مشاورت قائم کی تو۔ یہ بھی ان میں تھے اور انھوں نے بھی امام حسینؑ کو دعوتی خط لکھا تھا، حضرت مسلمؑ جب کوفے میں تشریف فرما ہوئے تو اسلحۂ جنگ کی خریداری پر بھی اِنہی کو معین کیا گیا اور باہر سے جو اموال آتے تھے ان کی وصولی بھی ان کے ذمے تھے''۔

اس رات کی ہولنا کیوں کا اندازہ کیا ہوسکتا ہے جو پیغمبر آخرالزماںؐ کے فرزند جوانانِ جنت کے سردار، ابوعبداللہ حسین ابنِ علیؑ کی شبِ شہادت کی خبر سن کر کربلا کے ریگستان میں نمودار ہوئی تھی۔ جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا اور فرات کا پانی اپنی ترنم ریزیوں کو جگر گداز فریادوں میں تبدیل کرتے ہوئے سمت الرّاس کو راہی تھا۔ کھجور کے بلند و بالا درخت ثمرات کے خوشوں سے لدے پھندے ماتم

داروں کی شکل صف بہ صف سیدھے کھڑے تھے۔ رات کی سرد ہوائیں صبحِ قتل کے بھیانک تخیل میں دم بخود ہو کے رہ گئی تھیں۔ شب زندہ دار جانور، چرند ہوں یا پرند اس قہار لشکر کی ہیبت سے اپنے اپنے مامن اور آشیانے چھوڑ چھوڑ کر دور نکل گئے تھے جو نبی زادے کے قتل پر کمر بستہ ہو کر کربلا کے بیہڑ بن میں مجتمع ہو گیا تھا۔ ان کا پڑاؤ فرات کے کنارے دور دور پھیلا ہوا تھا۔ اونٹ کے بالوں والے کمبلوں اور مختلف شامی کپڑوں کی چھوٹی بڑی چھولداریاں، فوجی سرداروں کے شاندار خیمے پہاڑی پست و بلند چوٹیوں کی طرح رات کی کھلی ہوئی مل گجی چاندنی میں مرعوب کن نظارہ پیش کر رہے تھے۔ جابجا کھجور اور خرما کی خشک لکڑیاں زہریلے سانپ کی طرح لال لال شعلے بھڑکا رہی تھیں اور ان کا غلیظ و کثیف دھواں عشِ پیچاں کے مانند پیچ در پیچ فلک پیمائی کے واسطے بلند ہو رہا تھا۔

عقل و انسانیت کے بارِ خاطر بدوی دس دس پانچ پانچ کی ٹولیاں بنائے الاؤ کے گرد بیٹھے گزرے ہوئے جنگی معرکوں کے واقعات نیز ذاتی معاملات پر مبالغوں کا رنگ چڑھاتے ہوئے فخر و مباہات کے قصیدے سنا رہے تھے۔ ان داستانوں کا سلسلہ گذشتہ زمانوں کے ماحول سے گزرتا ہوا حال کی سرحد میں داخل ہوتے ہی قلبِ ماہیت اختیار کر لیتا تھا۔ انعام و غنیمت کے مریض بادی النظر میں ایسے دوراہے پر پہنچ جاتے تھے جو حق و باطل کی منزلوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیتا ہے۔

سرداروں کے خیموں سے کافوری شمعوں کی ہلکی روشنیاں چھن چھن کر ریگستانی سطح کو دھوپ چھاؤں کا مماثل بنا رہی تھیں اور غلاموں کی چل پھر، چیخ و پکار سے فضا پُرشور ہو رہی تھی۔

پڑاؤ کی پشت پر طویلہ تھا۔ بار برداری کے اونٹ، خچر اور سواروں کے کوتل

گھوڑے چوبی میخوں کے ساتھ بندھے تھے۔ ان کی نگہبانی وحفاظت کے واسطے بدؤں کی ایک جماعت متعین تھی جو حق و باطل کے امتیاز سے بے نیاز ہوکر خرما کی سوکھی لکڑیوں کا الاؤ روشن کیے اس کے سامنے حرف حکایات میں مشغول تھی۔

اس کے بالمقابل حسینی خیمہ گاہ تھی جو دشمنوں کے نرغے میں گھری ہوئی دل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس مقدس پڑاؤ والے محصور ہونے کے باوجود جس اطمینانِ قلب کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ تاریخِ عالم میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ ہر چند مخالفین نے ان پر زندگی کی راہیں مسدود کر رکھی تھیں لیکن وہ مرعوبیت سے منزلوں دور اظہارِ حق پر کمر کسے ہوئے معبودِ حقیقی کی الوہیت و ربوبیت کا اعلان کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ ان کی زبانوں پر قرآنِ کریم کی پاک آیتیں تھیں اور قلوب میں عبادت کا ذوق وشوق بھرا تھا۔ جیسے جیسے سختیاں بڑھتی جاتی تھیں ان کا جذبۂ مواسات وقربانی پختہ ہوتا جاتا تھا۔ اس مختصر فوج کے ہر سپاہی نے علائق سے دامن گردانتے ہوئے وفاواطاعت کی قربان گاہ پر سر کٹا دینے کا عزم بالجزم کرلیا تھا۔ وہ اپنے افضل ترین عالم سردار کی حفاظت میں جانیں لڑائے تھے۔ جوانوں کا ذکر نہیں وہ تو عرب نژاد ہونے کے باعث تلوار کے دھنی اور جنگ آزما ہوتے ہی ہیں حیرت ناک جذبہ ان نادان بچوں کا تھا جنھوں نے ماں کی گود سے اتر کر صرف چلنا ہی سیکھا تھا۔ ہنوز ان کے نازک دست و بازو نے اسلحۂ جنگ کے وزن وسختی کا کوئی تجربہ حاصل نہ کیا تھا یا ان شیوخ سال خوردہ کا جوش وخروش قابلِ دید تھا جو سیلابِ عظیم کی طرح اُمنڈ کر ان کی روحوں کو ایسے ماحول کی طرف بہائے لیے جاتا تھا جہاں جور واستبداد کی خوں ریز شمشیریں انسانیت کے گلے کاٹنے میں مصروف تھیں، جہاں حق کو مغلوب کرنے اور باطل کو فروغ دینے کی سر توڑ

کوششیں جاری تھیں۔

## ابوثمامہؑ اور شبِ عاشور:-

آہستہ آہستہ رات کا دامن کشادہ ہو رہا تھا۔ حسینی خیمہ گاہ کے سرفروش منصبی فرائض انجام دینے کے ساتھ عبادت یا اسلحہ کی صیقل و صفائی میں مصروف تھے۔ اُنھیں لوگوں میں ابوثمامہ صیداوی تھے جو کبرسنی کے باوجود جنگی جوش وولولے میں جوانوں پر چشمک زن تھے۔ اُنھوں نے اوائلِ عمر میں بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے۔ اشجع عالم ومجاہدِ اعظم حضرت علی ابن طالبؑ کے ساتھ جملہ لڑائیوں میں شریک رہ کر دادِ شجاعت دی تھی۔ صرف یہی نہیں کہ شباب کے کس بل پر مردانگی کے جوہر دکھائے تھے بلکہ کہولت وانحطاط کے ایام میں بھی انھوں نے مسلم بن عقیل کی حمایت وطرف داری میں قبائلِ تمیم و ہمدان کی سرداری کے فرائض ادا کئے تھے لیکن زمانے کی نامساعدت اور اہلِ کوفہ کی بے وفائی نے لڑائی کا پانسہ ان کے خلاف ڈالا تو وہ مجبور ہو کر فرزندِ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ناچیز جان کا ہدیہ پیش کر دیا۔ اس گھڑی سے اس وقت تک ان کا دامن مضبوط تھامے ہوئے تھے۔

وہ جس مقام پر بیٹھے تلوار صیقل کر رہے تھے وہاں سے مخالفین کا پڑاؤ صاف نظر آتا تھا، سالارِ سپاہ عمر وابنِ سعد کا خیمہ سامنے تھا۔ فضا خاموش تھی اور ہوائیں ساکن البتہ کبھی کبھی بدوی عربوں کی باتیں کرنے کی آوازیں سامعہ خراش ہو جاتی تھیں یا بار برداری کے اونٹوں کے بلبلانے اور خچرّوں کے بولنے کی کرخت صدائیں کانوں کے پردے سے ٹکرانے لگتی تھیں۔

پہر رات یا اس سے کچھ زیادہ گزر چکی تھی، یکا یک صحرا کی خاموش فضا میں

ٹاپوں کی صدا گونجنے لگی، ابوثمامہ نے سر اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا۔ جن لوگوں سے معاملہ آپڑا تھا وہ کسی اصول وقاعدے کے پابند نہ تھے نہ ان کی نگاہوں میں اخلاق کوئی معنی رکھتا تھا۔ ہر چند صلح کی گفتگو جاری تھی پھر بھی یہ اعتبار کر لینا دشوار تھا کہ وہ اس گفتگو کے احترام میں کوئی جارحانہ اقدام کرنے سے گریز و احتیاط کر سکتے ہیں۔ شب خون کے خطرے نے انھیں ایک لمحے کے واسطے متفکر کر دیا اس لیے نہیں کہ وہ اپنی قلت اور ان کی کثرت سے مرعوب ہو گئے تھے بلکہ اس لیے کہ ان کی جمعیت کے افراد اچانک حملوں سے مطمئن تھے۔ اپنے دفاع کے لیے تیار ہوتے ہوتے بھی انھیں کافی نقصان پہنچ جانے کا امکان موجود تھا۔ چاند کی سیمیں کرنوں میں ایک آہن پوش و اسلحہ بند سوار، شامی گھوڑے کو سرپٹ اُڑائے حسینی خیام کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا، دور سے شناخت کر لینا تو ابوثمامہ کے لیے دشوار تھا تاہم یہ امر یقینی تھا کہ وہ دشمن کی جمعیت کا ایک فرد ضرور تھا۔ دفعتہ اُن کے قلب کو مختلف اوہام نے گھیر لیا۔ انھوں نے سنگ فساں کو سامنے سے سرکا دیا اور تلوار اٹھا کر خیمہ گاہ کے سرے پر جا کھڑے ہوئے کہ آنے والے کو وہیں روک کر اس کے ارادے سے مطلع ہو سکیں۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ سوار نزدیک پہنچ گیا لیکن ابوثمامہ کو راہ میں حائل پا کر بولا "مجھے حسینؑ ابنِ علیؑ سے اپنے سردار عمر وابن سعد کا پیغام کہنا ہے"۔

ابوثمامہ نے پہچان لیا کہ آنے والا کثیر بن عبداللہ شعبی ہے۔ یہ نہایت سنگدل، جاہل اور سفاک تھا، اس کی بے رحمیوں کے افسانے زبان زد ہو چکے تھے۔ ابوثمامہ نے سوچا کہ اس گستاخ و بے ادب، کندۂ ناتراش کا اس طرح امام کی خدمت میں پیش ہونا مصلحت نہیں نہ معلوم اس کی جہالت کیا عنوان اختیار

کرے؟ انھیں خیالات کے ماتحت انھوں نے کہا ''البتہ تم سبطِ رسولؐ اللہ کی خدمت میں پیش ہو سکتے ہو لیکن اس عزت کو حاصل کرنے کے واسطے اپنے اسلحے کو کھول کر یہیں رکھ دو''۔

''یہ ممکن نہیں'' کثیر نے تیور بدل کر کرخت لہجے میں جواب دیا۔''میں تو پیام لے کر آیا ہوں اگر تم لوگ سننا پسند کرو گے تو قاصدی کا حق ادا کر دوں گا ورنہ اپنے سردار کی طرف مراجعت کر جاؤں گا''۔

''اچھا تو پھر مجھے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ لینے دو'' ابوثمامہ نے تصفیہ کُن طریقہ اختیار کرتے ہوئے کہا ''پھر تم کو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ امام کی حضور میں حاضر ہو کر گزارش کر سکتے ہو''۔

''یہ بھی نہیں ہو سکتا'' کثیر نے جنگی درشتی کے ساتھ جواب دیا ''عجیب آدمی ہو تم کثیر نے جھڑکتے ہوئے کہا'' یہی پسندیدہ ہوتا تو میں اس قدر مسافت کی زحمت ہی کیوں برداشت کرتا؟ تمہاری جمعیت سے کسی کو بلا کر یہ خدمت سونپ دی جاتی!

''اس طرح تو میں تمھیں امام کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا''۔ ابوثمامہ نے مستقل لہجے میں کہا ''اگر تم کو مجھ سے پیام کہنے میں تامل ہے تو ہوا کرے''۔

''افسوس'' امیر نے میری گزارش پر توجہ نہیں کی''۔ کثیر نے شقاوت قلبی ظاہر کرتے ہوئے کہا ''ورنہ تم دیکھتے کہ میری تلوار کس برق وشی سے تمہارا اور تمہارے امیر کا قضیہ ختم کر کے نیام میں آسودہ ہو جاتی! بہر کیف میں بغیر پیغام رسانی کیے ہوئے واپس جاتا ہوں''۔

دوسرے لمحہ گھوڑے کی باگ اٹھا کر جس طرف سے آیا تھا واپس ہو گیا اور

ابوثمامہ اس کی کوردلی پر پیچ وتاب کھاتے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کر کے عرض کی "یا بن رسول اللہ! آپ کی خدمت میں ایسا شخص حاضر ہونا چاہتا تھا جو اپنی سنگدلی، جہالت اور سفا کی کے لیے مشہور ہے"۔

## ابوثمامہؑ اور صبح عاشور:۔

صلح کے امکانات ختم ہونے پر جنگ ناگزیر ہوگئی۔نویں کی رات مختلف اقسام کی پُرخلوص عبادتوں میں بسر ہوئی۔ جوان۔ بوڑھے، عورت، مرد، خادم، مخدوم سبھی اس یادگار رات میں خدا کی ایسی ہی عبادت کرتے رہے جیسی عبادت اس کے لیے ہونا چاہیے۔

اُدھر مشرقی افق پر صبح کی سپیدی نمودار ہوئی اُدھر خیامِ حسینی سے ہمشکلِ نبی شہزادہ علی اکبرؑ کی صدائے اذان نے نمازیوں کو فریضہ صبح بجالانے کی طرف توجہ دلائی۔اس نماز کا کیا کہنا جو پُرہول وقت میں بھی نسبتاً پُرامن کہی جاسکتی ہے کیونکہ ہنوز تیر ترکش میں خوابیدہ تھے اور تلواریں نیام میں محوِ استراحت! نیزوں کی زبانوں نے لپلپانا شروع کیا تھا نہ جنگی باجوں کے لبوں سے مُہرِ سکوت ٹوٹی تھی۔ خدائے واحد کے سچے پرستار صبحِ صادق کی مقدس فضا میں معبودِ برحق کے حضور سرِ عجز و نیاز خم کرنے میں مصروف تھے۔

نماز تمام اور مناجات ختم ہوئی تو مجاہدوں نے جلد جلد زرہیں پہن کر اپنے اپنے جسم پر اسلحہ آراستہ کر لیے۔ نبی زادے نے عہدے تقسیم کئے۔مختلف قبیلوں کے علم ان کے سرداروں کے حوالے کیے اور اپنے قوتِ بازو ابوالفضل العباسؑ کو ساری فوج کا سالار مقرر کر کے وہ علم عنایت فرمایا جسے عہدِ رسولؐ میں باری باری سے حمزہ، جعفر طیار اور علی بن ابی طالبؑ اُٹھا چکے تھے۔ میمنہ و میسرہ درست ہوا،

قلب و جناح قائم کیا گیا اور پھر آخری حجت بھی تمام کردی گئی۔

نتیجہ کیا ہوا؟ کچھ نہیں! جن قلوب پر خدا کی جانب سے مہریں کردی گئی تھیں انھوں نے حق کی طرف سے ایک کان گونگا دوسرا کان بہرا کرلیا۔ امام کی حدیث، ایمان والوں کی نصیحت سننے، سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کے بدلے استہزا و تمسخر کرنے لگے۔ سالارِ فوج نے تو یہاں تک جرأت کرلی کہ دوش سے کمان اتار کر چلّے میں تیر جوڑا اور بہ بانگ دہل افواجِ کوفہ و شام کو شاہد بناتے ہوئے وہ تیر امامؑ کی طرف رہا کردیا!!

گویا یہ علامت تھی جنگ کے اعلان کی، اس کے بعد ہی ہزاروں کمانیں ایک ساتھ کڑکیں اور ہزاروں تیر چلّوں سے چھوٹ چھوٹ کر تشنہ و گرسنہ مجاہدوں کے طیب و طاہر لہو کو کربلا کی گرم و خشک ریت پر پانی کے مانند بہانے لگے۔ معرکۂ کارزار انتہائی زور و شور سے جاری ہو چکا تھا اور چند مجاہد شہید ہو کر خاک و خون میں لوٹتے نظر آئے تو امام نے بھی جہاد کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔

اولاً تو یزیدی سپاہ کے بعض من چلے اجل گرفتہ دستورِ عرب کے مطابق انفرادی جنگ کے واسطے میدان میں آکر مبارز طلب ہوئے لیکن شاہِ کم سپاہ کے فدائیوں نے انھیں پلک جھپکاتے جہنم میں داخل کردیا اور شجاعت کا فریب کھائے ہوئے مدعیوں کی آنکھیں کھل گئیں!! انھیں بخوبی محسوس ہونے لگا کہ اگر لڑائی کا یہی طریقہ رکھا گیا تو کوفہ و شام جنگ آزما بہادروں سے خالی ہوجانے کے علاوہ برسہا برس سر نہ ہوسکے گی اور آخر میں آرزوئے فتح مندی شکستِ فاش سے تبدیل ہو کر موجبِ زوال ہوجائے گی۔

انھوں نے باہمی مشورے کے بعد متفقہ طور پر چھ سات ہزار کی جمعیت سے

حملہ کر دیا۔ ہر چند یہ حملہ نہایت شدید اور زہرہ گداز تھا لیکن حمایت اسلامی کا سچا جوش رکھنے والے بھوکے پیاسے بہادروں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ یہ بڑھتا ہوا فوجی سیلاب حسینی جمعیت سے ٹکرا کر واپس ہو گیا۔ ہزاروں سپاہی مجاہدین کے باطل شکن نیزوں کا شکار ہو کر رہ گئے لیکن نتیجے میں پچاس مجاہدوں کو جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد رن میں کھیت رہ جانا پڑا۔

یہ نقصان کچھ کم نہ تھا، حسینی لشکر نصف سے کچھ کم رہ گیا، ہنوز دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ دوبارا پھر دشمن نے تقریباً اتنی ہی تعداد سے دوسرے بازو پر حلہ بول دیا۔ اس طرف صرف بائیس مجاہدین مقابلے پر تھے لیکن اُنھوں نے اپنے بہادر سردار کی تقلید و پیروی میں نیزوں کی انیوں سے پیٹھ لگا کر اس قیامت کی تیر افگنی کی کہ حملہ آوروں کا رُخ پھر گیا۔ وہ پسپائی کی ذلت گوارا کرتے ہوئے کمالِ بدنظمی سے واپس ہو گئے اور اپنے ناپاک کُشتوں کو خاک و خون میں لوٹ پوٹ کر دم توڑتے چھوڑ گئے۔

سورج چڑھ رہا تھا اور لڑائی کے شعلے تیز سے تیز تر ہوتے جاتے تھے۔ دشمنوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد مہم سر کر لی جائے اور مجاہدوں کو کد تھی کہ وہ اپنی حیات میں کسی ایک بنی ہاشم کا رُواں بھی میلا نہ ہونے دیں گے۔ طرفین اپنی اپنی خواہش پوری کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے اور نتیجہ خدا کی مشیت میں تھا۔ حق تو یہ ہے کہ مجاہدین نے اس قیامت کی جدوجہد کی کہ لاکھوں دشمنوں کی متفقہ کوششیں بارآور نہ ہو سکیں اور یہ چند گنے چُنے نفوس جنھیں پیہم حملوں سے محض فطری شجاعت اور دست و بازو کی قوت سے خدا نے ابدالآباد تک کے لیے نیک نام بنا دیا اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ ان کی شہادت سے پہلے

رسولؐ کی آل میں کسی کو اس دار و گیر میں خراش تک نہ آسکی۔

## ابو ثمامہؑ اور نمازِ ظہر:-

صاحبِ ''اصحاب الیمین'' لکھتے ہیں:-

روزِ عاشور! جب سپاہِ حسینؑ نے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے سے شہادت میں سبقت حاصل کرنا شروع کی تو ابو ثمامہ نے عرض کی۔ آقا! میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ آپ کے قتل سے باز آنے والے نہیں ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے جامِ شہادت نوش کروں لیکن نماز کا وقت آ گیا ہے اور بہت دوست رکھتا ہوں کہ یہ ایک آخری نماز بھی آپ کی اقتدا میں ادا کرلوں۔ امام عالی مقام نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی تو زوال ہو چکا تھا۔ فرمایا اے ابو ثمامہ: تو نے نماز کو یاد کیا ہے۔ خدا تجھے نماز گذاروں میں سے کرے پس امام نے نمازِ خوف پڑھائی۔

اب نمازِ ظہر کا وقت شروع ہو رہا تھا، لڑائی کی بھٹی کچھ اور بھی گرم ہوگئی تھی۔ رسولؐ زادے کی فوج کٹ چکی تھی۔ صرف تھوڑے سے مجاہد باقی رہ گئے تھے جو حفاظت کا حق اور وفاداری کا فریضہ پورا کرنے میں بدل کوشاں تھے کہ ابو ثمامہ نے جبیں کا پسینہ پاک کرتے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی۔

''فرزندِ رسولؐ! میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اب دشمن آپ کے بہت نزدیک آ گئے ہیں۔ یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ ہم غلاموں کی موجودگی میں کوئی آنچ آپ کے دامن تک نہ آنے پائے گی اور میں آپ کے سامنے قتل ہو جاؤں گا اس لیے دل چاہتا ہے کہ یہ نماز جس کا وقت آ ہی چکا ہے آپ کی اقتدا میں ادا کرلوں پھر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں''۔ امام نے سر بلند کر کے آسمان کو ملاحظہ فرمایا پھر ارشاد کیا ''بے شک، یہ نماز کا اول وقت ہے تم نے ایسے سخت وقت میں نماز کو

یاد کیا۔ خدا تم کو یاد رکھنے والوں اور نماز گزاروں میں محسوب کرے (اصحاب سے) ذرا ان لوگوں سے نماز کی مہلت تو طلب کرو"۔

اصحابِ امام تعمیلِ امر کی خاطر آگے بڑھے لیکن ان اسلام کے مدعیوں نے نماز کی اجازت نہ دی اور کچھ ایسے نازیبا کلمات استعمال کیے جنھیں سُن کر حق شناس مجاہدین بے چین ہو گئے اور امام سے جہاد کی اجازت لیکر آتشِ حرب و ضرب میں پھاند پڑے اور غضب کی شمشیر زنی کی کہ حریف کو میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا لیکن یہ کامیابی بے حد قیمتی تھی کیونکہ حسینیوں کو حبیب ابنِ مظاہر اور حضرت حرؑ کو اس کد و کاوش میں ضائع کر دینا پڑا۔

حسینی عزم اور جذبۂ عبادت اٹل تھا۔ وہ اسی نماز کو قائم رکھنے کے واسطے جنگ کر رہے تھے۔ جب دشمنوں نے جنگ روکنے سے قطعی انکار کر دیا تو انھوں نے نمازِ خوف ادا کرنے کے لیے بقیۃ السّیف مجاہدوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے ایک گروہ کو حریف کی دفاعی خدمت تفویض کی، زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ کو سامنے کھڑے ہو کر تیروں کو روکنے کا فرمان ہوا اور دوسرے گروہ کے ساتھ میدانِ حرب میں جہاں تیروں کا مینہ برس رہا تھا اور تلواروں کی بجلیاں چمک رہی تھیں نیز سر و تن میں کمالِ سرعت سے جدائی ہو رہی تھی نمازِ ظہر کا فریضہ ادا کیا۔

نماز ختم ہوتے ہی ابوثمامہ بڑھ کر سامنے آئے، ہاتھوں کو ادب و احترام سے بوسہ دیا اور مؤدبانہ التماس کی "فرزندِ رسولؐ! اب مجھے اپنے ساتھیوں سے ملحق ہونے کی تمنا بے چین کر رہی ہے، خوف ہے کہ کہیں شومیِ قسمت سے ایسا نہ ہو کہ میں باقی رہ جاؤں اور آپ کے دشمن میرے سامنے شہید ہو جائیں"۔

"اچھا، آگے بڑھو"۔ امامؑ نے فرمایا "ہم بھی تمہارے بعد آتے ہیں"۔

## ابوثمامہؓ کی شہادت:-

صاحبِ "اصحاب الیمین" لکھتے ہیں:-

"ابوثمامہؓ نے نماز کے بعد عرض کی اے فرزندِ رسولؐ، میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملحق ہونے کے لئے بے چین ہوں اور آپ کو غریب و بے یار دیکھ کر طبیعت میں تابِ برداشت نہیں رہی امام نے اجازت دی اور ابوثمامہ نے میدانِ کارزار میں قدم بڑھایا پس فوجِ اعدا پر شیرِ ببر بن کر حملہ آور ہوا، اور بہت سے ملاعین کو قتل کیا اور بالآخر زخمی ہو کر گر گیا۔ پس قین بن عبداللہ نے اس کو شہید کیا جو ابوثمامہ کا چچازاد تھا"۔

جہاد کا حکم پاتے ہی ابوثمامہ کا زور جوانی واپس آ گیا۔ جھرّیاں پڑے ہوئے جسم کے اندر خون کی سرخیاں مسکرانے لگیں اور وہ فرطِ شجاعت سے جھومتے ہوئے دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوئے۔ بازوؤں نے وہی کس بل ظاہر کرنا شروع کر دیا جو اب سے بہت قبل علی بن ابی طالبؑ کی قیادت میں ظاہر ہوا کرتا تھا۔ وہ جس طرف شمشیر کو جنبش دیتے ہوئے جا پڑتے تھے بڑے بڑے سورما راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے حالانکہ ان کی یہ لڑائی دراصل زندگی کے لیے نہ تھی۔ وہ شہادت کے شوق میں ایک صف سے دوسری اور دوسری صف سے تیسری صف میں بے خوف و اندیشہ گھس جاتے تھے لیکن زندگی کو عزیز رکھنے والے ان کی تلوار کے آئینے میں موت کا بھیانک چہرہ دیکھ کر سامنے سے جان سلامت لے جانے ہی میں مفر جانتے تھے۔

دیر تک جنگ ہوتی رہی، ایک تو یوں ہی جگر کباب کیے دیتی تھی اس پر آفتاب کی آتش باریوں میں تا دیر برسرِ پیکار رہنے نے زخموں سے چُور چُور

کردیا۔ پیاس کی شدت بھی زیادہ سے زیادہ ہوگئی چونکہ حریف بھی بھاگ کر دُور ہٹ گئے تھے اس لیے وہ ایک مقام پر تھم کر دم لینے اور سستانے لگے۔ کاش وہ جانتے ہوتے کہ ان کا چچازاد بھائی قیس بن عبداللہ صائدی جوان کی جانب سے دل میں کینہ لیے ہوئے تھا موقعے کی تاک میں سائے کی طرح ساتھ لگا ہے۔ ابھی انھیں دم لیتے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ قیس کی تلوار چمک کے گری اور وہ عروسِ شہادت سے ہم بغل ہو گئے۔

## ابوثمامہؓ اور حضرت مسلمؑ:

جب حضرت مسلم کے حکم سے عبیداللہ بن زیاد کے قصر کا محاصرہ ہوا تو حضرت مسلم کی جانب سے قبیلہ حمدان وتمیم کا علمبردار ابوثمامہ کو بنایا گیا چنانچہ انہوں نے پُوری پامردی کا مظاہرہ کیا۔ جب لوگوں کی بے وفائی سے حضرت مسلم کو پوشیدہ ہونا پڑا تو ابوثمامہ اپنے خاندان میں چھپے رہے اور آخر کار نافع بن ہلال کے ہمراہ کوفے سے نکل پڑے اور راستے میں امام حسینؑ سے جا ملے اور جتنے دن امام کی صحبت میں باریاب رہے انتہائی وفاداری سے فرائض غلامی ادا کرتے رہے۔

## زیارتِ ناحیہ میں ابوثمامہؓ پر سلام:-

زیارتِ ناحیۂ مقدسہ میں حضرت قائم آلِ محمدؑ نے ان پر ان الفاظ میں سلام بھیجا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ ثُمَامَةَ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الصَّائِدِیْ۔

---

# حضرت بُریرؑ بن خضیر ہمدانی

## بُریر ہمدانی کا نام ونسب:-

یہ بزرگوار قبیلہ ہمدان سے تھے۔ کوفہ میں سکون پذیر تھے۔ حضرت سیّدالشہداؑ کے بزرگ ترین صحابہ میں سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ عبادت گذاروں، پرہیزگاروں اور زہاد میں سے آپ صفِ اوّل میں تھے اور ان کو سیّد القرا کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ نیز حضرت امیر علیہ السلام کے حواریین اور اشرافِ کوفہ میں سے شمار ہوتے تھے۔ ان کی وہ کتاب جس میں امیرالمومنینؑ اور امام حسنؑ کے قضایا واحکام انہوں نے جمع فرمائے ہیں۔ اصولِ معتبرہ میں سے شمار ہوتی ہے۔

## بُریر ہمدانی کی امام حسینؑ سے ملاقات:

حضرت بُریر بن خضیر کو جب معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ مکے سے کوفے تشریف لانا چاہتے ہیں تو یہ مکے میں پہنچ کر آپ کے ہمرکاب ہو گئے۔ جب منزل ذوخشب میں پہنچے اور دیکھا کہ حرؑ نے راستہ روک لیا ہے تو یہ بزرگوار کھڑے ہو گئے اور عرض کی اے فرزند رسولؐ: خدا کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں آپ پر جان نثار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی تاکہ آپ کی محبت میں ہمارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور کل بروزِ محشر آپ کے نانا بزرگوار کے سامنے ہم وفادار بن کر پیش ہوں اور وہ ہمارے شفیع ہوں۔ یقیناً پیغمبرؐ کے نواسے کو ضائع کرنے والے چھٹکارا نہ پا سکیں گے اور ان پر افسوس ہے اس دن کے لئے کہ جہنم

میں ان کے گریہ وزاری اور ہائے ہائے کی آواز بلند ہوگی۔ اور ایسی بدکردار قوم پر اُف ہو۔

نویں محرم کی رات بُریر ہمدانی اور عبدالرحمان بن عبدربہ انصاری دروازۂ خیمہ پر کھڑے تھے اور بُریر نے خوش طبعی سے عبدالرحمان کو ہنسانا چاہا تو عبدالرحمان نے کہا۔ بُریر ایسی باتیں مت کیجئے۔ خدا کی قسم یہ وقت ایسی باتوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔ تو بُریر نے جواب دیا۔ بخدا میری قوم میری جوانی اور بڑھاپے کے حالات سے آگاہ ہے کہ میں نے کبھی ہنسی مذاق سے دلچسپی نہیں لی لیکن خدا کی قسم اب تو میں خوشی محسوس کر رہا ہوں کیونکہ ہمارے اور حوروں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہ گیا ہے کہ ہم تلواریں لے کر حملہ آور ہوں اور دشمنانِ دین کے ہاتھوں مرتبہ شہادت پر فائز ہوں۔

## بُریر ہمدانی اور اہلِ حرم کی پیاس:

جب اہلِ بیت اطہار پر پیاس کا غلبہ ہوا تو بُریر نے عرض کی۔ آقا! اگر اجازت ہو تو میں عمر بن سعد سے پانی کے متعلق بات چیت کروں۔ آپ نے اجازت دی۔ بُریر عمر بن سعد کے پاس پہنچا لیکن سلام نہ کیا۔ ابنِ سعد نے پوچھا، اے برادرِ ہمدانی تُو نے سلام نہیں کیا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں اور توحید و رسالت کا ہم اقرار نہیں کرتے؟ بُریر نے جواب دیا کہ اگر تم لوگ اپنے دعویٰ کے مطابق مسلمان ہوتے تو اولادِ پیغمبر پر اس قدر سختی نہ کرتے۔ کتے اور سور یہ پانی پئیں اور اولادِ پیغمبرؐ اور ان کے خوردسال بچے پیاس کی شدت سے کراہتے ہیں؟ اور باایں ہمہ تم خدا اور رسول کی معرفت کا دم بھی بھرتے ہو؟ یہ سُن کر ابنِ سعد نے سر جھکا لیا۔ پھر کہنے لگا اے برادرِ ہمدانی ملک رے چھوڑنے کو دل نہیں

چاہتا۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کو آزار پہنچانا حرام ہے لیکن اگر ایسا نہ کروں تو ابنِ زیاد مجھے رَے کی حکومت نہ دے گا اور کسی دوسرے کو دے دے گا۔ بُریر نے واپس آکر امامِ عالی مقام کو سرگزشت سنائی اور اس کے ارادۂ فاسدہ سے اطلاع دی کہ وہ ملک رَے کے طمع میں آپ کے قتل کے درپے ہے۔

## صبح عاشور بُریر ہمدانی کی تقریر:

بحار الانوار سے مروی ہے کہ روزِ عاشورا جب آپ اتمامِ حجت کے لئے جناب رسالت مآب کے رہوار پر سوار ہوکر چند انصار کے ہمراہ روانہ ہوئے تو عمر سعد کے لشکر کے قریب پہنچ کر بُریر کو تقریر کرنے پر مامور فرمایا۔ بُریر بلند آواز قادر الکلام اور معروف و مشہور شخصیت کے حامل تھے انھوں نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں خوفِ خدا، حقوقِ عترتِ طاہرہ اور اولادِ پیغمبر کی موجودہ حالتِ تشنگی کو بیان کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے بُریر، جب تک حسینؑ ابنِ زیاد کی اطاعت کو قبول نہ کریں گے ہم باز نہ آئیں گے۔ بُریر نے جواب دیا کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ راستہ خالی کردو تاکہ وہ واپس چلے جائیں۔ وائے ہو تم پر اے اہلِ کوفہ ان خطوط کا مضمون بھول گئے ہو جو تم امام پاک کی طرف لکھ چکے ہو کہ ان میں خدا کو شاہد بنا کر اپنی وفاداری کا عہد تم نے کیا تھا۔ وائے ہو تم پر کہ تم نے اہلِ بیتؑ کو پہچانا اور ان کے لئے جان و مال کی قربانی کا عہد کیا لیکن وہ تشریف لائے تو تم ان کو ابنِ زیاد کے حوالے کرتے ہو اور ان کا پانی بھی بند کرتے ہو۔ کس قدر پیغمبر کی وصیت سے اس کی ذرّیت کے حق میں بُرا برتاؤ کر رہے ہو۔ خدا تمہیں روزِ قیامت کی پیاس کا مزہ چکھائے۔ کیونکہ تم بدترین انسان ہو۔

قومِ اشقیا میں سے چند آدمی بولے۔ اے بُریر جو کچھ تم کہہ رہے ہو ہمیں کچھ

پتہ نہیں۔ پس بُریر نے کہا اللہ کی حمد ہے کہ ہمیں تمہاری بدباطنی سے مزید اطلاع ہو گئی۔ پھر آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کی اے پروردگار! تو گواہ رہ کہ ہم اس قوم کے افعال سے بیزار ہیں۔ اس جماعت کے نقصان و زیان کا انجام خود انہیں کو نصیب کرتا کہ جب تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تو تُو اُن پر غضبناک ہو۔ پس انہوں نے تیر برسانے شروع کئے اور زبان بکواس کشادہ کی اور بُریر امام کی خدمت میں پلٹ کر آ گئے۔

لواعج الاشجان سے منقول ہے کہ لشکر ابن سعد کی طرف سے بُریر کو جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ حسینؑ اس طرح پیاسے رہیں گے جس طرح اس سے پہلے عثمان پیاسے رہے تھے۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو امام نے فرمایا بُریر واپس آ جاؤ۔

پھر آپ نے خود بنفسِ نفیس خطبہ دیا جس میں اتمام حجت فرمائی۔

## بُریر ہمدانی کی تبلیغی شان:-

طبری سے بروایت ابومخنف مروی ہے کہ عفیف بن زبیر جو واقعہ کربلا میں موجود تھا بیان کرتا ہے کہ یزید بن معقل عمر بن سعد کے لشکر سے باہر آیا اور اس نے ازراہِ سرزنش بُریر کے نام آواز دی۔ اے بُریر تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے عقیدہ کے بدلے میں تمہارے لئے کیا انتظام کیا ہے (یعنی اب تم کو اپنے عقیدے کی سزا ملنے والی ہے) بُریر کو یہ سُن کر جوش آیا اور فرمانے لگے۔ خدا نے اپنے کرم سے میرے لئے خوب انتظام فرمایا ہے اور تیرے لئے بُرے انجام کا انتظام کیا ہے یزید بن معقل بولا تو جھوٹ کہتا ہے۔ کیا تجھے یاد ہے کہ نبی دودان کے کوچے میں جب میں اور تو اکٹھے جا رہے تھے تو تُو نے کہا تھا کہ حضرت عثمان ایسے اور ویسے تھے اور معاویہ کے متعلق کہا تھا کہ وہ گمراہ ہے اور اس کے

پیچھے چلنے والے بھی گمراہ ہیں، اور حضرت علی بن ابی طالب امیر المومنین امامِ برحق اور پیشوائے ہدایت ہے؟ بُریر نے جواب دیا بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لفظ میرے ہیں اور میرا عقیدہ اب بھی وہی ہے۔ یزید بن معقل نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور گمراہ ہے اور تجھے اشتباہ ہے۔ بُریر نے کہا آؤ پھر میں اور تو مباہلہ کر لیں تا کہ خدا کی طرف سے سچے کے حق میں فیصلہ ہو جائے اور مباہلہ کی صورت یہ ہے کہ ہم نہایت عجز و زاری اور تضرع و انکساری کے ساتھ خدا کے سامنے اپنی عبادت پیش کریں اور دُعا مانگیں کہ وہ سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق کر دے پھر اپنے اپنے لشکر سے جُدا ہو کر دونو لشکروں کے درمیان آجائیں اور لڑیں تا کہ دوست و دشمن دیکھ لیں جو جھوٹا ہو گا وہی مقتول ہو گا۔ پس بُریر اور یزید بن معقل دونوں لشکروں کے درمیان آ گئے اور ہاتھ بلند کر کے ایک دوسرے کے حق میں نفرین کی کہ اے خدا تو اپنی لعنت جھوٹے پر نازل فرما اور اُسے ذائقہ موت نصیب کر۔ پس پہلے پہل یزید بن معقل نے یہ کلمات کہہ کر اپنے پُورے زور سے بُریر کے سر پر تلوار کا حملہ کیا کہ اگر لوہے کے سندان پر یہ حملہ ہوتا تو وہ دو حصے ہو جاتا لیکن بُریر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا پھر بُریر نے خدا کا نام لے کر یزید بن معقل پر وار کیا کہ خود دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا اور تلوار نے اس کے سر کی ہڈیوں میں جا قیام کیا کہ وہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا اور گھوڑے سے گرتے ہی واصلِ جہنم ہوا کہ ابھی تلوار کی دھار اس کے سر میں تھی اور قبضہ شمشیر بُریر کے ہاتھ میں تھا۔ عفیف بن زبیر کہتا ہے مجھے اب تک وہ منظر نہیں بھولتا اور میری آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ موجود ہے کہ بُریر تلوار کو آگے پیچھے کر کے اس کے سر سے نکال رہا تھا۔ جب تلوار کو اس کے سر سے نکال لیا تو بجلی کی طرح قوم

اشقیاء پر ٹوٹ پڑا۔

## بُریر ہمدانی کی جنگ اور رجز:

مناقب بن شہر آشوب سے منقول ہے کہ حضرتِ حرؑ کے بعد بُریر میدان میں گئے اور رجز پڑھتے ہوئے، شمشیر آبدار سے حملہ آور ہوئے۔ بُریر کے رجزیہ اشعار کا مطلب یہ ہے۔ میں بُریر بن خضیر ہوں اور تمہیں تہِ تیغ کرنے میں مجھے کوئی نقصان نہیں اور اربابِ خیر کو معلوم ہے کہ میں اہلِ خیر سے ہوں۔ اسی طرح میرے اعمالِ خیر بھی اہلِ خیر کو معلوم ہیں اور میں وہ ہوں کہ بپھرے ہوئے شیر میرے نعرہ کی گونج سے لرزہ براندام ہو جایا کرتے ہیں۔

پس ایسا حملہ کیا کہ تلوار آبدار کو جس طرف حرکت دیتا تھا لوگ مقابلہ کی تاب نہ لا کر سامنے سے بھاگ جاتے تھے اور خستہ تن، تشنہ لب اور شکستہ ہونے کے باوجود تیس ملاعین کو دارالبنوار پہنچایا اور بھاگنے والوں کو بلا بلا کر کہتے تھے اے مومنوں کے قتل کرنے والو میرے سامنے آؤ۔ اے مجاہدین بدر کی اولاد کے قاتلو! میرے قریب آؤ، اے اولادِ رسولؐ کے دشمنو میرا مقابلہ کرو۔

## بُریر ہمدانی کی شہادت:

ابومخنف سے مروی ہے کہ ایسی گیر ودار میں رضی بن منقذ عبدی نے بُریر پر حملہ کیا اور ایک گھنٹہ تک ان دونوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کار بُریر نے اس کو پچھاڑ دیا اور اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ جب اس بدنہاد نے اپنے آپ کو شیر کے پنجہ میں گرفتار پایا تو اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ چنانچہ کعب بن جابر ازدی بُریر پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا عفیف بن زبیر راوی واقعہ بیان کرتا ہے

کہ میں نے کعب بن جابر کو آواز دی تجھ پر ویل ہو یہ وہی بُریر بن خضیر ہے جو مسجد میں ہمیں قرآن پڑھاتا تھا لیکن اس ملعون نے میری بات کی کوئی پرواہ نہ کی اور اس زور سے بُریر کی پشت پر نیزہ مارا کہ بُریر کا منہ رضی بن منقذ کے منہ پر جا لگا پس انہوں نے دانتوں سے ابن منقذ کی ناک کاٹ ڈالی۔ اس طرف نیزہ پشت سے سینہ تک نکل گیا اور اس ملعون نے تلوار سے بُریر کی لاش کے ٹکڑے کر دیئے۔

عفیف کہتا ہے یہ واقعہ بھی آج تک گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ رضی بن منقذ اپنے کپڑوں کو جھاڑتا ہوا اٹھا اور ہاتھ اپنی کٹی ہوئی ناک پر رکھے ہوئے تھے اور اس ازدی ملعون کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

## بُریر ہمدانی کے قاتل کی پشیمانی:

جب کعب بن جابر ازدی قاتل بُریر کوفہ پہنچا اور اس کی بہن نوار کو اس کے فعل کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگی تیرے اُوپر وائے ہو تو نے حسینؑ بن فاطمہؑ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور پھر سیدّ قرا بُریر بن خضیر کو قتل کیا۔ بے شک تُو نے ایک امر عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ بخدا مرتے دم تک تجھ بد بخت کے ساتھ کلام نہ کروں گا۔

❁❁❁

# حضرت جونؑ

## غلام حضرت ابوذر غفاری

جناب جون حبشی النسل تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

جون بن حوی بن قتادہ بن اعور بن ساعمدۃ بن عوف بن کعب بن جوی۔ آپ پہلے فضل ابن عباس عمِ جنابِ رسالت مآبؐ کی غلامی میں آئے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے ڈیڑھ سو اشرفی قیمت دے کر انہیں خرید لیا اور جناب ابوذر غفاری کو ہبہ فرما دیا تاکہ وہ ان کی خدمت انجام دیتے رہیں۔

جناب جون برابر حضرت ابوذر غفاری کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ آپ کو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان نے جلاوطن کر کے ایک کوردہ مقام ربذہ میں نظر بند کر دیا۔

اس جلاوطنی کے عالم میں بھی جون اپنے آقا کی رفاقت میں رہے اور جب حضرت ابوذر غفاری بے بسی و بے کسی اور غریب الوطنی کے عالم میں داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے تو وفادار جون ۳۲ھ میں پھر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آکر رہنے لگے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی صحبت سے فیض اٹھایا اور پھر امام حسینؑ کے پاس رہے۔ گویا جناب جون نے جناب ابوذر غفاری جیسے مومنِ کامل کی صحبت کے علاوہ تین اماموں کی صحبت کا شرف بھی حاصل کیا۔

میدانِ کربلا میں جب بازارِ کارزار گرم ہوا تو جون نے حضرت امام حسینؑ سے اذنِ جہاد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت نے اجازت دینے میں تامُل فرمایا اور ارشاد کیا کہ ”میں تم سے خصوصیت کے ساتھ زور دے کر یہ کہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ اور اپنی جان بچالو تم تو ہمارے ساتھ آرام اٹھانے آئے تھے نہ کہ رنج و مصیبت برداشت کرنے کے لیے، ہماری وجہ سے اپنے آپ کو کیوں مصیبت و ہلاکت کا شکار بناتے ہو“۔

یہ سن کر وفادار جون امام کے قدموں پر گر پڑے اور پشتِ پا کے بوسے لے کر عرض کی ”فرزندِ رسولؐ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ راحت و آرام کے دنوں میں تو آپ کے ساتھ رہا اور آپ کے گھر کے پیالے چاٹے اور اب مصیبت کے وقت آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں“۔

امام نے اب بھی جون کو لڑنے کی اجازت دینے میں پس و پیش فرمایا۔ اس پر جون نے انسان کے اس خود ساختہ اصول پر طنز کرتے ہوئے جس کی بنا پر انسانوں کے درمیان اونچ نیچ، کالے گورے اور بلند و پست کی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں عرض کی ”مولا! کیا اس لیے مجھے اجازت نہیں دی جارہی ہے کہ میرا حسب و نسب پست ہے، میرا رنگ سیاہ ہے، میرے جسم سے بدبو آتی ہے۔ آپ اپنے صدقے میں مجھے جنت کا مستحق بنادیجئے کہ میری بدبو خوشبو سے بدل جائے، میرا حسب شریف ہوجائے اور میرا رنگ سفید ہوجائے۔ بخدا! میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ سیاہ خون آپ حضرات کے طاہر و مطہر خون میں نہ مل جائے“۔

اس انوکھی اپیل نے حسینؑ کو مجبور کر دیا کہ آپ جون کو رن کی اجازت دیں۔

جون یہ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جدال وقتال میں وارد ہوئے کہ ذرا گنہگار لوگ دیکھیں تو ایک سیاہ غلام شمشیر و نیزے سے کس طرح جنگ کرتا ہے آل رسولؐ کی امداد و حمایت میں"۔ جون نے یادگار جنگ لڑی اور بالآخر شہادت کی سعادت حاصل فرمائی۔

امام بہ نفسِ نفیس سید الاحرار حضرت جون کی لاش پر تشریف لائے اور ان کی شہادت پر متاثر ہو کر جون کے حق میں دعا فرمائی کہ خداوندا! جون کے چہرے کو روشن کر دے۔ اس کے جسم کی بدبو کو خوشبو سے متبدل کر دے اور اسے نیکوکاروں کے ساتھ محشور کر اور اسے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی معرفت رکھنے والوں میں محسوب فرما۔

کہا جاتا ہے کہ لاش ہائے شہدائے کربلا میں جون کی لاش اس خوشبو سے پہچانی گئی جو امام کی دعا کی برکت سے ان کے جسم میں پیدا ہو گئی تھی۔

## جون کا نام و نسب:

جون بن حوی بن قتادۃ بن الاعور بن ساعدۃ بن عوف بن کعب بن حوی مولیٰ ابی ذر الغفاری

(تنقیح المقال، ج ۱، ص ۲۳۸)

طبری کے مطبوعہ نسخے میں اُس واقعے کے ذیل میں جو امام زین العابدینؑ کی زبانی آئندہ ذکر ہوگا "حوی مولیٰ ابی ذر" لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ زیارتِ شہدا جو ناسخ میں درج ہے اُس میں ہے:

"السلام علیٰ عون بن حوی مولیٰ ابی ذر الغفاری

(ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۳۱۴)

یہ بھی بظاہر چھاپہ کی غلطی ہے۔ ابنِ شہر آشوب نے "عمرو بن مطاع جعفی" کی

جنگ کے بعد لکھا ہے:

"ثم برز جوين بن ابي مالك مولىٰ ابي ذر مر تجزا كيف ترى الفجّار ضرب الاسود". الخ

(یعنی) ''پھر جوین بن ابی مالکؒ جو ابوذرؓ کے غلام تھے میدانِ جنگ میں آئے یہ رجز پڑھتے ہوئے کہ ''دیکھو! فاسق و فاجر لوگ کس طرح دیکھیں گے شمشیر زنی کو ایک حبشی غلام کی''۔ (مناقب، ج ۴، ص ۹۵)

یہ ایک بہت بڑا اشتباہ ہے جس کی طرف میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

''جون بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی'' اصحاب امام حسینؑ میں سے ایک بزرگوار تھے جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

صاحبِ مناقب نے اُن کو جون غلام ابی ذر کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔

## جونؑ کے ابتدائی حالات:

جونؑ حبشی تھے اور فضل بن عباس بن عبدالمطلب کی ملکیت میں تھے، امیر المومنینؑ نے ڈیڑھ سو اشرفی کو اُنھیں ادا کر کے جونؑ کو خرید فرمایا اور ابوذر غفاری کو ہبہ کیا کہ اُن کی خدمت کریں۔ وہ جناب ابوذرؓ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ اُنھیں ربذہ کی طرف شہر بدر کیا گیا۔ باوفا غلام اُن کے ساتھ گیا۔ جب ۲۳ھ میں ابوذر کا انتقال ہو گیا تو وہ مدینہ واپس آ گئے اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہنے لگے اور حضرتؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کے پاس رہے۔ (تنقیح المقال، ج ۱، ص ۲۳۸)

کربلا کے حالات میں جونؑ کا تذکرہ عاشور سے قبل نویں محرم کی شام کے حال میں ملتا ہے جسے امام زین العابدینؑ نے بیان کیا ہے کہ میں اپنے خیمے میں

بیٹھا تھا اور میری پھوپھی جناب زینبؑ میری تیمار داری میں مصروف تھیں اس وقت میرے پدرِ بزرگوار اپنے اصحاب سے علیحدہ ایک اکیلے خیمے میں تشریف رکھتے تھے اور آپؑ کے پاس جونؑ غلام ابوذر غفاریؓ تھے جو آپ کی تلوار پر صیقل کر رہے تھے اُس وقت یہ اشعار حضرتؑ نے پڑھے:

یا دھر افٍّ لك من خلیل

کم لك بالاشراق والاصیل

(طبری، ج۶، ص ۲۴۴)

یہ دردانگیز واقعہ کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے۔

## طلبِ رخصت اور امامؑ سے گفتگو:

روز عاشور جب جنگ کے شعلے بلند ہو گئے تو جونؑ نے امامؑ سے جہاد کی اجازت مانگی۔

حضرت نے فرمایا: ''میں تمہیں خصوصیت سے اجازت دیتا ہوں کہ تم میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ اس لیے کہ تم ہمارے ساتھ راحت کے لیے آئے تھے، اب ہماری وجہ سے کوئی ضرورت نہیں کہ تم مصیبت میں مبتلا ہو''۔

وفادار غلام امامؑ کے قدموں پر گر پڑا اور بوسے دینے لگا۔ عرض کیا:

''فرزند رسول! یہ کیسے ہو سکتا ہے راحت کے زمانے میں تو آپؑ کے یہاں کے پیالے چاٹوں اور سختی میں آپؑ کا ساتھ چھوڑ دوں۔ خدا کی قسم! میرے جسم سے بدبو آتی ہے اور میرا حسب ونسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے۔ آپؑ اپنے صدقے میں مجھے جنت کا مستحق بنا دیجیے کہ میری بو خوشبو سے بدل جائے اور میرا حسب ونسب شریف ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے، بخدا! میں آپؑ

سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ سیاہ خون آپؑ لوگوں کے سفید خون میں مل نہ جائے"۔

آخر امامؑ نے جہاد کی اجازت دی۔ (ناسخ التواریخ، ج۶،ص ۲۷۲)

## جنگ اور شہادت:

بہادر غلام میدانِ جنگ میں آیا اور یہ رجز پڑھنا شروع کیا:

کیف تری الفجار ضرب الاسود

بالمشرفی والقنا المدد

یذب عن ال النبی احمد

"ذرا گناہگار لوگ دیکھیں تو ایک سیاہ غلام کی جنگ کو شمشیر و نیزہ کے ساتھ جب کہ وہ آلِ رسولؐ کی امداد میں مصروف ہے"۔

اُس نے جنگ کی اور شہادت حاصل کی۔ (ابصار العین،ص ۱۰۵)

## امام کی دعا:

حضرتؑ کے دل میں غلام کے الفاظ اثر کر گئے تھے، آپؑ لاش پر تشریف لائے اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا کی کہ:

اللّٰھمّ بیّض وجھه وطیّب ریحه واحشره مع الابرار و عرّف بینه وبین محمد وآله"

"پروردگار اس کے چہرے کو روشن کر دے اور اس کی بدبو کو خوشبو سے مبدل کر دے اور اسے اچھے آدمیوں کے ساتھ محشور فرما اور اس میں اور محمد و آلِ محمدؐ کے درمیان شناسائی قرار دے"۔

شیخ صدوق نے خصال میں امام محمد باقرؑ کی زبانی امام زین العابدینؑ کی حدیث درج کی ہے کہ جب بنی اسد شہداؑ کو دفن کرنے قتل گاہ میں آئے تو جونؑ کے جسم سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔ (تنقیح المقال، ج ۱، ص ۲۳۸)

راجہ صاحب محمود آباد محمد امیر احمد خاں اعلیٰ اللہ مقامہٗ نے "حضرت جونؑ" کے حال میں ایک طویل مرثیہ تصنیف فرمایا ہے اُس مرثیے کے آخری دو بند ملاحظہ ہوں:-

ہے روایت میں یہ مرقوم سُنیں اہلِ یقیں
پئے دفنِ شہدا آئے جو سجادِ حزیں
تھی عیاں دشت میں تاثیرِ دعائے شہِؑ دیں
جونؑ کے چہرے سے ضوبار تھی مقتل کی زمیں
سلسلہ نور کا تا چرخ بریں جاتا تھا
دشت سے تابہ فلک نورِ جبیں جاتا تھا

تیرِ دیں میں جفاؤں سے لگا تھا جو گہن
تھی زمیں دشت کی نورِ شہدا سے روشن
تھا بیابانِ بلا روکشِ صحنِ گلشن
پھول زخموں کے جو مہکے تو چمن بن گیا بَن
ہوگیا دشتِ ستم عنبرِ سارا سارا
مشکِ اذفر سے بسا دامنِ صحرا سارا

❁❁❁

# حبیب ابنِ مظاہر اسدی

کوفے کی آبادی سرحدی تحفظ کے نقطۂ نظر سے بہت اہم حیثیت رکھتی ہے لیکن عام سپاہیوں کی آبادی یا فوجوں کا کہیں پڑاؤ ڈال لینا شہریت کی بنیاد اور تمدنی آغاز وارتقا کی ابتدائی کوشش نہیں ہوا کرتی فوج عموماً جنگجو افراد، مغلوب الغضب عوام، غلبہ پسند آدمیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب تک دشمن سے برسرِ پیکار رہتے ہیں اس وقت تک دنیا جہان سے غافل، نیک و بد سے بے پروا، اچھے بُرے سے بے فکر رہتے ہیں۔ امن یا خانہ نشینی کے دور میں سپاہیوں کی آبادی کا اندرونی خلفشار سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔

عرب کی غیر منضبط فوجی آبادی کا یہ مرکز مدتوں اندرونی کش مکش میں مبتلا رہا۔ اموی دورِ اقتدار میں یہاں کے باشندے بے وفائی، بغاوتوں اور ہنگاموں میں خوب بدنام ہوئے اس بدنامی کی ایک وجہ تو واقعی ان کی طبعی کمزوری تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہاں دمشق اور مصر کے مقابلے میں شیعیانِ علیؑ کی زیادتی تھی اور حکومت شیعوں کو برداشت کرنا تو بڑی بات ہے زندہ دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔

بنی اسد کا قبیلہ بھی کوفے کے نو آباد خاندانوں میں سے ایک بڑا خاندان تھا ان کے آدمی، احباب شیعیانِ علیؑ اور دشمنانِ آلِ محمدؐ دونوں قسم کے تھے۔ ان میں کچھ لوگ صفین میں وفاداری و جاں نثاری کے جوہر دکھا چکے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو دشمن کے بندۂ احسان تھے۔ انھیں اسدیوں میں حضرت مسلم بن عوسجہ اور

حبیب ابنِ مظاہر کی عظیم الشان شخصیت کے ایسے آدمی بھی تھے۔

## حضرت حبیبؑ کے والد:

تاریخ میں حضرت حبیب کا نام مع ولدیت ہی مرقوم ہے لیکن بعض لوگوں نے مظاہر کے بجائے مظہر لکھا ہے۔علامہ مامقانی نے اس اختلاف کو رسم الخط پر محمول فرماتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ جس طرح اسحٰق و اسمٰعیل بدون الف لکھتے اور الف کا تلفظ کرتے ہیں اسی طرح مظہر لکھ کر مظاہر ہی پڑھتے ہیں۔

## حضرت حبیب کا علمی پس منظر:

کوفہ چونکہ مختلف عرب قبائل کی آبادی پر مشتمل تھا اس لیے یہاں کی زبان سندی اور خالص عربی شمار کی جاتی تھی حبیب بھی قبائلی حفاظت اور اپنی زبان کے حامی ہوں گے۔علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حبیب کو علم منایا و بلایا کی تعلیم دی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ حبیب بن مظاہرؒ عہد امیر المومنینؑ میں جوان و صاحبِ علم و عمل تھے اسی بنا پر انھیں رشید ہجری، میثم تمار جیسے حضرات کا ہمسر مانا گیا ہے۔مامقانی کے الفاظ ہیں:-

فحال الرجل اشهر من ان يحتاج الى بيان او اقامة بينة وبرهان۔

(ترجمہ) حبیب کی شخصیت بیان و تعارف سے بلند تر ہے اور اس کی ضرورت نہیں کہ اس دعوے پر کوئی دلیل دی جائے۔

وكيف وهو ممن عنده ببركة امير المومنين و تعليمه علم المنايا والبلايا۔

(ترجمہ) اس شخص کا ذکر کیا کیا جائے جو برکتِ امیر المومنینؑ و تعلیمِ علی بن ابی طالب کی وجہ سے علمِ منایا و بلایا سے واقف تھا۔

وهو قرين ميثم ورشيد ونحوهما

(ترجمہ) وہ میثم و رشید رحمہا اللہ کے ہم سر تھے۔

## حبیب کا سراپا:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب رحمۃ اللہ خوشحال و صاحبِ دولت واقبال تھے۔ ان کا رنگ سرخ وسفید، سرِ مبارک پر بال بہت کم اور دونوں کنپٹیوں پر زلفیں حسن میں چار چاند لگا رہی تھیں۔

## حبیب و میثم کا مکالمہ:

یہی دن تھے، کوفے میں میثم و رشید نسبتاً آزادی کے دن گزار رہے تھے۔ ایک روز حبیب اپنے خاندان کی بیٹھک کے قریب گھوڑے پر سوار کھڑے تھے کہ میثمِ تمار بھی گھوڑے پر اُدھر سے گزر رہے تھے، حبیب کو دیکھ کر مُڑے، باتیں شروع ہو گئیں۔ اثنائے گفتگو میں آنے والے حادثات کا ذکر چھڑ گیا۔ حبیب نے میثم کو مخاطب کر کے کہا۔

ترجمہ: حبیب ابنِ مظاہر نے کہا ”گویا میں دیکھ رہا ہوں ایک مرد پیر کو جس کے سر کے آگے بال نہیں اور شکم فربہ ہے اور خُرمہ فروش ہے اسے پکڑ لیا ہے اور بوجہ محبت اہلِ بیتؑ رسالت سولی پر کھینچ لیا ہے۔ اور اس سولی پر اس کا پیٹ چاک کر دیا ہے“۔

میثم تمار، امیر المومنینؑ کے خالص شیعہ اور کوفے کے مشہور محب اہلِ بیتؑ

تھے۔ تمار کے لقب سے مشہور ہونے کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عام کاروبار تجارت اور کھجور بیچنا تھا لیکن دوسرے پھلوں کے موسم میں موسمی پھل بھی بیچتے تھے۔ دارزرق کے پہلو میں دکان تھی حبیبؓ کی اس بات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپس میں گہرے تعلقات رکھتے تھے جب ہی تو اس رازدارانہ بات کو سن کر انھوں نے بھی اسی لب و لہجے میں ایسی ہی بات بیان فرمائی۔

وانی لاعرف رجلا احمر صفیرتان. یخرج لنصرة ابن بنت بنیة فیقتل ویحال براسه بالکوفة۔

ترجمہ: اور میں بھی اس شخص کو جانتا ہوں جس کا رنگ سرخ اور دو زلفیں ہیں، یہ شخص اپنے نبیؐ کے نواسے کی نصرت کے لیے وطن سے باہر جا کر شہید ہوگا پھر اس کا سر کوفے میں پھرایا جائے گا''۔

اہلِ مجلس نے پوری گفتگو سن کر کہا۔

ہم نے ان دونوں جیسے غلط گو (نعوذ باللہ) آدمی نہیں دیکھے۔

میثم اور حبیب باتیں کر کے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے ہی تھے کہ رشید آ گئے۔ اہلِ مجلس نے دونوں کی تعجب انگیز باتیں دہرائیں۔ رشید فرمانے لگے، میثم ایک بات بھول گئے۔

ویزا وفی عطاء الذی یجی بالراس ماۃ ورھم

ترجمہ: سرِ حبیب لانے والے ظالم کو ایک سو درہم کا مزید انعام بھی دیا جائے گا۔

لوگوں نے کہا۔ سبحان اللہ، یہ تیسرے نکلے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ دن گزرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ انھیں ''جھوٹا'' کہنے والوں نے دیکھا کہ عمرو بن حریث کے دروازے پر میثم کو پھانسی دی گئی ہے اور اس کے بعد حبیب کا سر

کوفے کے بازاروں میں گھمایا جارہا تھا

(رجال کشی طبع بمبئی ص ۵۲، تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۵۲ ونمبر ۲۲۹۱)

کوفے میں ابن زیاد کی گورنری شیعوں کے لیے آزمائشی دور تھا، ہر طرف خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی، لوگ پکڑ پکڑ کر سزایاب ہوئے۔ محلے کے چودھریوں کو فہمائش کی گئی کہ خبردار کوئی شیعہ باقی نہ رہے۔ جبری تبدیلیِ مذہب شہر بدری، ضبطِ جاگیر، حبسِ بے جا کی گیرودار نے غربا ومعززین کو زیروزبر کردیا۔ رشید ومیثم جیسے اکابر شہید کیے گئے۔ حبیب پر نہ معلوم کیا گزری، ہانی ومسلم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے نہ معلوم اس وقت حبیب شہر میں تھے بھی یا نہیں، کوفہ شیعیانِ علیؑ کے لیے زمینِ کفر سے زیادہ سخت گیر تھا۔ ممکن ہے کہ حبیب بن مظاہر نقلِ مکان یا شہر بدر کردیے گئے ہوں۔

فرزندِ رسولؐ مکے سے نینوا نامی جگہ پہنچ گئے، پورے سفر کے حالات مورخین نے لکھنے میں بخل سے کام لیا، راویوں کی زبان بندی تھی اس لیے خدا جانے حبیب فرزندِ رسولؐ سے کب ملنے آئے۔ کہا جاتا ہے کہ جس زمانے میں امام حسینؑ بے وطن اور کوفہ والے جنگ کے لیے تیار ہورہے تھے اس دوران میں ایک دن حبیب بن مظاہر کوفے ہی میں تھے اور خضاب خریدتے وقت ان سے اور ان کے کسی دوست سے نصرتِ حسینؑ پر گفتگو ہوئی۔ حبیب نے خضاب پھینک دیا تھا اور کہا تھا اب یہ محاسن خون سے خضاب ہوگی۔

یہ بھی مشہور ہے کہ جناب امام حسینؑ نے کربلا پہنچ کر ایک خط لکھ کر طلب فرمایا تھا اور خط میں ''فقیہِ کوفہ'' سے خطاب کیا تھا لیکن ابن نما، ابنِ طاؤس، مفید اور ابنِ شہر آشوب ومجلسی اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ ارشاد میں سب سے پہلے حضرت

حبیب کا تذکرہ ۲رمحرم کے بعد آیا ہے۔

عمر ابنِ سعد نے قرۃ بن قیس کو امام حسینؑ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ جا کر حضرت سے حالاتِ حاضرہ پر بات چیت کرے۔ قرۃ خیمہ گاہِ سرکارِ حسینی کے قریب پہنچا تو امام علیہ السلام نے اصحاب سے آنے والے کے بارے میں دریافت فرمایا۔

حبیب ابنِ مظاہر نے عرض کی۔

نعم، هذا رجل من حنظله تميم وهوا بن اختنا وقد

كن اعرفهٔ بحسن الرائی وما كنت اراه يشهد هذا لمشهد

ترجمہ: جی ہاں حضور! میں اسے جانتا ہوں تمیم کی ایک شاخ حنظلہ کا آدمی ہے۔ ہماری اس سے قرابت بھی ہے اور رشتے کا بھانجا ہوتا ہے۔ میں تو اسے خوش عقیدہ سمجھتا رہا ہوں اور میرے نزدیک یہ شخص اس معرکے میں شریک نہ ہوگا۔

قرہ ابنِ سعد کا پیغام پہنچانے اور امام علیہ السلام سے گفتگو کرنے کے بعد جانے لگا تو حبیب نے بڑھ کر روکا اور فرمایا۔:

ویحك یا قرۃ ابن مرجع ؟ الی القوم الظالمین

ترجمہ: ”قرہ، کیا پھر ان ظالموں کے پاس جا رہے ہو؟ آؤ اس انسانِ اعظم کی مدد کرو، خدا تمہیں توفیق دے“۔

لیکن قرہ واپس چلا گیا۔

نویں محرم کو شمر کربلا میں موجود تھا، اس کی جلد بازی و خوں آشامی نے حالات بدل دیے تھے۔ عصر کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام باہر تشریف فرما تھے کہ ذرا غنودگی آ گئی رونے کی آواز سن کر اٹھے تو درِ خیمہ پر زینب علیہا السلام تھیں۔ جا کر

تسلی دی۔ فرمایا ''بہن نانا تشریف لائے تھے اور موت کی خبر دے گئے ہیں''۔
شہزادی نے فرمایا''۔ بھائی، یہ فوجیں کیسی آ رہی ہیں''۔

امام حسینؑ نے حضرت عباس کو بلایا۔ فرمایا ''ذرا جا کر ان سے آنے کا سبب پوچھو اور دیکھو یہ چاہتے کیا ہیں''۔ حضرت عباسؑ بیس جاں نثاروں کو لے کر آگے بڑھے ان بیس سواروں میں زہیر بن قین کے ساتھ حبیب ابنِ مظاہر بھی تھے۔ اس وفد نے جا کر کیا بات کی؟ اور کن کن افراد نے گفتگو میں حصہ لیا؟۔ تاریخ لاجواب ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے صرف یہی لکھا ہے:-

حضرت عباسؑ گفتگو کا نتیجہ حضرت امام حسینؑ سے عرض کرنے واپس تشریف لائے اور یہ حضرات فوجِ اعدا کے سامنے معاملات میں غور و فکر کی دعوت اور تقوے پر تقریریں کرتے رہے۔ انھیں سمجھایا کہ امامِ مظلوم سے جنگ نہ کرو۔ امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا۔

ارجع الیہم فان استطعت ان توخوھم الیٰ غدوۃ و تدفعھم عنا الغشیۃلعلنا نصلی لربنا اللیۃ وندعوہٗ ونستغفرہٗ

ترجمہ: عباسؑ جاؤ اور اگر ہو سکے تو صبح تک جنگ ملتوی کر دی جائے اور ان لوگوں کو رات بھر کے لیے ٹال دو کہ رات کو پروردگار کی عبادت کر لیں، دعا و استغفار کر لیں''

فھو یعلم انی قد کنت احب الصلوٰۃ لہ و تلاوۃ کتابہٖ و کثرۃ الدعا و والاستغفار۔

ترجمہ: وہ جانتے ہیں کہ میں نماز تلاوت قرآن و کثرت دعا و استغفار کو پسند

کرتا ہوں۔ (ارشاد ص ۲۵۵)

حضرت عباس علیہ السلام واپس تشریف لائے، دشمن نے ایک رات کا التوا منظور کرلیا اور آپ ساتھیوں کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ عمر بن سعد نے اپنا قاصد بھیج کر باقاعدہ اجازت نامہ بھیجا۔

پوری رات حبیب بن مظاہر اپنے امام کے ساتھ عبادت و تلاوت کرتے رہے۔ اس درمیان میں حفاظتی دورے فرمائے ہوں گے۔ مامقانی کے بقول شہزادیِ کبریٰ حضرت زینبؑ کو تسلیاں دیں۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۵۲)

صبح کو حبیب ابنِ مظاہر میسرہ کے لشکر کے سردار نامزد فرمائے گئے، دشمن کے بائیں بازو کا سردار شمر بن ذی الجوشن تھا۔ عمر بن سعد فوج لے کر آگے بڑھا۔ انصارِ باوفا جوابی کارروائی کے لیے تیار تھے، شمر نے بے ادبی شروع کی تو مسلم بن عوسجہ بڑھے کہ اس کا جواب دیں اور جنگ شروع کردیں لیکن امام علیہ السلام نے روک دیا۔ فرمایا۔ "مسلم پہل ہماری طرف سے نہیں ہوگی"۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوکر فوجِ اعدا کے سامنے تشریف لائے۔ ایک مختصر سی تقریر فرمائی سب کو خوفِ خدا اور رسولؐ دلایا۔ اپنی عظمت، حق پرستی، صداقت و حقانیت سمجھائی لیکن شمر اپنی جسارتوں سے باز نہ آیا تو حبیب بے چین ہوگئے۔ پکار کر کہا:-

واللہ انی لاراك نعبد اللہ علی سبعین حرفا وانا نشهد انك صادق ما تقول قد طبع اللہ علی قلبك۔

ترجمہ: خدا کی قسم ہمارے نزدیک تُو مشرک ہے اور ہم سب انصار مانتے ہیں کہ تو یہ سچ کہہ رہا ہے کیونکہ تیرے دل پر تو مہر لگ چکی ہے۔ تیری سمجھ میں حق بات آئے تو کیونکر آئے"۔

حبیب نے تصدیقِ امام وتکذیبِ شمر کے لیے جس جرأتِ ایمانی سے کام لیا اس کی مثال اسلام کی تاریخ میں کہاں ہے۔ حبیب نے بہ بانگِ دُہل شمر اور اس کے ساتھیوں کو باطل کا حامی، دین کی حقیقت کا منکر بتایا۔ آپ نے آنے والی دنیا کو دکھا دیا کہ حسین علیہ السلام کی عرفان آموز تقریر کو نہ سننے والا خدا کی توفیقات سے محروم ہے۔ حسین علیہ السلام کی عظمت کا منکر دل پر مہر لگوا چکا ہے۔ میرے حریف رسوائے زمانہ ہیں میرے ساتھی اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ حریف کے سینوں میں دل نہیں پتھر ہیں۔ بھلا رات بھر کی عبادت و پُرکشش صدائے مناجات سن کر بھی دل نہ پسیجے تو اب ان سے کیا توقع کی جائے داؤد نبی کے نغمے ساری مخلوق کو پرستارِ خدا اسی وقت بنا سکتے تھے جب وہ معجزے کی طاقت سے ہر کہ ومہ کافر و منافق کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتے۔ پیغمبر آخر الزّماں کے اخلاق و کردار معجزہ ہیں مگر طاقتِ قلبِ ماہیّت میں اثر آفرینی و ہمہ گیری کا فائدہ کیا؟ بات تو جب ہے کہ سوچ سمجھ کر راہوں کو طے کیا جائے۔ منزل پر اپنے پیروں چل کر پہنچنا اور ہے اور جبر کی بدولت کسی منزل کو مسکن بنانا اور ہے۔ تعلیم رسولؐ و تبلیغِ نبوت کی آخری حجت ہے۔

قد تبين الرشد من الغي

ہدایت وگمراہی کے راستے کھول دیے گئے۔

فمن شاء فليومن ومن شاء يكفر۔

اب جس کا جی چاہے ایمان لائے جس کا جی چاہے کافر ہو جائے‘‘۔

حبیب کے جواب کا نفسیاتی مطالعہ کیجئے۔ آپ نے اپنے رجحانات کو اس قدر واضح فرمایا ہے، آزادی کا خیال، صداقت پر بھروسہ، یزیدیوں کا باطل پُراسرار غرض

مختصر سے جواب میں جہادِ حسینی کا مقصد اور حریفوں کا ذہنی پس منظر سامنے آ گیا۔

کچھ دیر بعد عمر بن سعد نے درید کو پکار کر حکم دیا۔ ''درید فوجی نشان لے کر آگے بڑھ'' پھر کمان میں تیر جوڑ کر پہلا تیر خیمہ مبارک حسینی کی طرف سر کیا جس کے پیچھے ہزاروں تیر فوجِ سید الشہدا کی طرف دوڑے، زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر سینہ سپر ہو گئے۔ دشمنوں کا حملہ دونوں شیروں نے ناکام کر دیا۔ لمحے بھر کے بعد زیاد بن ابوسفیان کا غلام یسار بڑھا اور دعوتِ مقابلہ دی، اِدھر سے عبداللہ بن عمیر نکلے۔ یسار نے زہیر یا حبیب کو بلایا۔ عبداللہ بن عمیر نے ڈانٹ دیا

(ارشاد ص ۲۶۳)

میدان گرم ہو چکا تھا۔ جان نثار باری باری شہادت پا رہے تھے۔ حبیبؓ امامِ مظلوم کے ہمرکاب تھے۔ بلاؤں کی بارش تھی آزمائشوں پر آزمائشیں ایمان میں اور اضافہ کر رہی تھیں۔ اللہ کے مخلص بندے (سید القراۃ) نے دیکھا کہ حبیب کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ بڑھ کر حبیب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا اخی، لیس هذا بساعة ضحك

''بھائی یہ ہنسنے کا وقت نہیں''۔

حبیب نے فرمایا:

ذی موضع احق من هذا بالسرور۔ الله ماهوا لا ان تمیل علیة هذاه الطغاة فنعانق حور العین۔

ترجمہ: اس موقعے سے زیادہ مسرت کا موقع کیا ہوگا؟ خدا کی قسم اس مسرت کا سبب صرف یہ ہے کہ یہ ظالم ہم پر حملہ کریں اور ہم حورِ عین سے ہم کنار ہوں''۔

(کشی بحوالہ المفاخرۃ بین البصرۃ والکوفہ)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب مطمئن مزاج باہمت، بلند نگاہ اور جری و بہادر تھے۔ امام حسینؑ کو ان پر بھروسہ تھا اور انھیں اپنے موقف پر اطمینان تھا۔ وہ امام حسینؑ کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

محبتِ حسینؑ و خدمتِ امام میں دشمنوں کا مقابلہ بھی کرتے تھے اور شہیدوں کی لاشوں پر حاضری بھی دیتے تھے۔ عمرو بن حجاج نے حملہ کیا اور حضرت مسلم بن عوسجہؒ اسدی زخمی ہو کر گرے تو حبیب بھی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مسلم کے سرہانے تھے۔ امامؑ نے مسلم کو لبِ واپسیں دیکھ کر دعا دی۔

رحمتك الله يا مسلم۔ منهم من قضیٰ نحبه و منهم من ينتظر و ما بدّلوا تبديلاً

ترجمہ: مسلم تم پر خدا کی رحمتیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی عمریں پوری کر چکے اور کچھ لوگ منتظر ہیں اور وہ لوگ مشیتِ باری کو ذرا بھی بدل نہیں سکتے۔

جنابِ حبیب نے بڑھ کر کہا:

عز علی مصرعك يا مسلم البشر بالجنة

ترجمہ: ''مسلم! تمہاری رحلت میرے لیے بڑا سخت واقعہ ہے۔ اچھا جنت مبارک ہو''۔

مسلمؒ نے ہچکیاں لیتے ہوئے فرمایا۔

بشرك الله بالخير حبيب!

ترجمہ: ''حبیب خدا تمہیں بھی نیکیوں کی بشارتیں دے''۔ حبیب نے کہا:-

لولا انی اعلم انی فی اثريك من ساعتی هٰذا لاحببت ان توصينی بكلّ ما اهمّك

ترجمہ: "اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ میں ابھی اسی لمحے تمہارے پیچھے آ رہا ہوں تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا کہ تم سے ضروری وصیتیں سنتا"۔

ابھی یہ لوگ دل بھر کے باتیں بھی نہ کر سکے تھے کہ شمر نے حملہ کر دیا اور مسلم جنت سدھارے۔ شمر چونکہ بائیں بازو کا سردار تھا اس لیے حبیب رحمۃ اللہ کے دستے کو مقابلہ کرنا تھا۔ دشمن ناکام ہوا مگر آپ کی حصین نے تیر اندازوں کو للکار کر لوہے کا پانی برسا دیا۔ قیامت کا رن تھا مگر دشمن چیخ اٹھے۔ (ارشاد ص ۲۶۳)

ظہر کا وقت تھا۔ ابو ثمامہ صیداوی نے نمازِ جماعت کی درخواست کی مگر سیّد الشہداء نماز پڑھنے کا بھی حق نہ رکھتے تھے۔ حضور نے فرمایا۔ "ان ظالموں سے کہو کہ اتنی دیر ٹھہر جائیں کہ جماعت ہو سکے"۔ حصین نے اس کا جواب بے ادبی سے دیا۔ حبیبؓ تاب نہ لا سکے۔ للکار کر فرمایا۔

لاتقبل من آل رسول الله وانصاره و تقبل منك؟ وانت شارب خمر۔ (ابن نما ص ۳۴)

ترجمہ: تیرا خیال ہے کہ فرزندِ رسولؐ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہو جائے گی حالانکہ تو شراب پیتا ہے"۔

دنیا نے حبیب کا جواب سنا اور زمانے کو معلوم ہو گیا کہ شراب نوش سپاہی، خلیفۂ رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرنے والے یزید کے ساتھی فرزندِ رسولؐ پر بے حیائی سے جملے کر رہے تھے۔ حصین بن تمیم نے بڑھ کر حملہ کیا۔ حبیبؓ سامنے آئے پہلے ہی وار میں حصین زمین پر آ گیا مگر حبیب اکیلے تھے اور حصین کے بچانے والے سینکڑوں تھے۔ حبیبؓ نے فرمایا:-

اقسم لو كنا شلكم اعدادا او شطركم وليتم اكنادا

یاشر قومٍ حبار ادا

''قسم کھا کے کہتا ہوں اگر ہم تمہاری تعداد میں تو کیا تمہارے آدھے بھی ہوتے تو پھر تمہیں منہ پھیرنا پڑتا تم حَسب ونَسب میں بھی تو ذلیل ہو۔ پھر حملہ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھا۔

انی حبیب وابی مظاهر فارس هیجاء وحرب تسعر

وانتم عند العدید اکثر ونحن اعلیٰ حجة وقهر

(مناقب ۳/۹۵)

بعض مقامات پر یہ رجز یوں نقل ہے:-

انا حبیب وابی مظاهر فارس هیجآء وحرب تسعر

انتم اعد عدة واکثر ونحن اولیٰ منکم واصبر

ونحن آعلیٰ حجة واظهر حقّاً واتقی منکم واعذر

......''میرا نام حبیب، میرے والد مظاہر۔ میں اس میدان کا شہسوار ہوں جہاں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں۔ مانا کہ تم تعداد وشمار میں، ساز وسامان میں زیادہ ہو مگر ہم تم سے بہتر اور زیادہ ثابت قدم ہیں۔ ہم حقانیت کے ثبوت، سچائی، تقویٰ اور اطمینان میں تم سے بہتر ہیں۔

اس حملے میں آپ نے باسٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ ایک تمیمی عبداللہ بن خوزہ نے جان لیوا حملہ کیا۔ حصین نے اتر کر سرِ مبارک کاٹ کر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اور اسی طرح سے سرِ حبیبؓ کوفے میں گشت کرایا گیا جہاں ان کے یتیم بچوں نے اپنے والد کے سرِ بریدہ دیکھ کی زیارت کی۔

(بحار ۱۰/ ۱۹۸ طبری ۶/ ۲۵۲، ارشاد)

امام حسین علیہ السلام کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور حبیبؓ کی شہادت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ میسرے کا سردار، بچپنے کے چاہنے والے جان نثار کا ساتھ چھوڑنا کوئی معمولی سانحہ نہ تھا اور حسینؑ جیسے قدر شناس و محسن و کریم امام کے لیے عزت افزائی کا یہ پہلا موقعہ نہ تھا ہاں اہم ترین مرحلہ ضرور تھا۔

بابی انت و اُمّی، یا حبیب!

## حبیب ابنِ مظاہر کا تعارف

مرد خدا پرست وفادار تھے حبیب — شیرِ خدا کے لال کے غم خوار تھے حبیب

حبیب اُن وفادار وجاں نثار اصحاب میں سے تھے جنھوں نے حسینؑ کی نصرت کی لوہے کے پہاڑوں سے ٹکر لی، نیزوں کا سینوں اور تلواروں کا رخساروں سے استقبال کیا۔

مال و متاع اور امان ہر چیز کو ٹھوکر ماردی۔

انھوں نے کہا اگر ہمارے سامنے امام حسینؑ شہید کردیئے گئے تو روزِ محشر حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا جواب دیں گے۔

قسم بخدا! جب تک ہماری آنکھیں متحرک ہیں۔ ہم نصرتِ حسینؑ سے ہاتھ نہ اٹھائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ سب آقا حسینؑ کے قدموں پر قربان ہوگئے۔

(رجال کشی)

## حبیب ابنِ مظاہر کا نام ونسب

حبیب بن مظہر بن رئاب بن اشتر بن جخوان بن فقس بن طریف بن عمرو بن قیس بن حرث بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی فقعس کنیت ابوالقاسم مشہور شہسوار و نامور شاعر ربیعہ بن خوط بن رئاب بن اشتر اباثور کے پسر

عم تھے۔آپ کے والد گرامی کے نام نامی میں علماء رجال کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ نے مظاہر دوسرے نے مظہر بروزن مطہر بضم میم وفتح ظا با تشدید ھا پڑھا ہے۔

علامہ اعلیٰ اللہ مقامہُ نے خلاصہ ابوعلی نے رجال میں بروزن محمد ضبط کیا ہے زیارت ناحیہ السلام علی حبیب بن مظہر الاسدی حبیب بن مظہر اسدی پر سلام ہو۔

شعر حبیب۔انا حبیب وابی مظہر میں حبیب بن مظہر ہوں سے بھی یہی صاف ظاہر ہوتا ہے۔واللہ اعلم بالصواب

## حبیب ابنِ مظاہر کی شخصیت

آپ رسالت مآبؐ کے صحابی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔(اصابہ،اسد الغابہ)

ابنِ کلبی نے ذکر کیا ہے کہ آپ حضرت پیغمبر اسلام کے صحابی تھے۔"حبیب صحابیت پیغمبر رادرک کردہ ابن کلبی اوراذکر کردہ" (عنصر شجاعت)

حبیب بن مظاہر رسولؐ خدا کے صحابی تھے اور آپ کی زیارت سے شرفیاب ہوئے تھے کوفہ میں نزول فرمایا۔امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت کی تھی۔آپ کا شمار آپ کے خواص وحاملین علوم میں ہوتا تھا۔
(معالی السبطین بحوالہ ابصار العین)

حضرت حبیب امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے خواص وشاگردوں میں شامل تھے۔(سفینۃ البحار)

حبیب بن مظاہر میثم تمار اور رشید ہجری کی طرح حضرت علی ابنِ ابوطالبؑ کے ان مخصوص صحابہ میں سے تھے جنھیں آپ نے خاص طور سے علومِ باطنی واسرار

معرفت کی تعلیم دی تھی۔

چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے۔ حضرت میثم تمار گھوڑے پر سوار مجلس بنی اسد کے قریب سے گزر رہے تھے سامنے حبیب برآمد ہوئے دونوں گفتگو میں مشغول ہوگئے۔ اور ایک دوسرے سے اس قدر نزدیک ہوگئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں متصل ہوگئیں۔

حبیب نے کہا۔ میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کے سر کے اگلے حصے کے بال گر چکے ہیں۔ خربوزہ وخرما فروش ہے اہلِ بیتؑ کی محبت میں اسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔

میثم نے جواب دیا: میں ایک ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی داڑھی خون سے سرخ ہے۔ سر پر دو گیسو ہیں نصرت حسینؑ کرتا ہوا شہید کردیا جائے گا۔ اور اس کے سر کو بازار کوفہ میں پھرایا جائے گا۔

اس کے بعد وہ چلے گئے۔ اہلِ مجلس نے کہا ہم نے ان سے بڑھ کر زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا اتنے میں حضرت رشید ہجری اُن کی تلاش میں پہنچ گئے دریافت کیا؟ لوگوں نے کہا تھوڑی دیر ہوئی ہے آپس میں اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے۔

رشید نے کہا خدا میثم پر رحم کرے انھوں نے یہ بات چھوڑ دی جب سرِ حبیب کوفے میں لایا جائے گا تو اس کا انعام دوسروں کی نسبت ایک سو درہم زیادہ ہوگا۔

سامعین نے کہا یہ ان سے بھی زیادہ دروغ گو ہے۔

راوی بیان کرتا ہے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جو کچھ انھوں نے کہا تھا ایسا ہی واقع ہوا۔ (سفینۃ البحار)

علامہ محدث نوری اپنی کتاب دارلسلام میں ذکر فرماتے ہیں کہ جب شیخ جعفر

شوستری تحصیل علوم دینیہ کے باب العلم اشرف سے اپنے وطن وارد ہوئے تو آپ فنِ تقریر سے ناواقف تھے ماہ مبارک رمضان میں تفسیر صافی اور ماہ محرم الحرام میں روضۃ الشہداء کو سامنے رکھ کر کچھ بیان فرمادیا کرتے تھے لیکن کما حقہٗ آپ کا بیان موثر ثابت نہ ہوتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے خداوند عالم سے دعا کی پالنے والے مجھ پر علم کے دروازے کھول دے اور میرے دل کو علم و حکمت سے منور کردے"۔ ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں۔

کہ حضرت امام حسینؑ مع اصحاب واہلِ بیتؑ اطہار کربلا میں وارد ہوئے ہیں۔ میں خدمتِ مولا میں حاضر ہوا سلام عرض کیا آپ نے مجھے پاس بلایا اور لطف خاص فرمایا۔ اور اپنے رفیق حبیب سے فرمایا۔ "حبیب یہ جعفر شوشتری ہمارا نووارد مہمان ہے۔"

"حبیب ہمارے پاس پانی نہیں جو اسے پلاتے۔"

"کچھ ستو اُن کے لئے لے آؤ" حبیب حکمِ امام سن کر تشریف لے گئے اور میرے لئے ستو لے آئے میں نے چند لقمے کھائے اور میری آنکھ کھل گئی۔

اس طعام کی برکت سے مجھ پر وہ انعام ہوا کہ خدائے مہربان نے میرے لئے علم کے درباز کر دیئے اور میرے دل کو حکمت سے روشن کر دیا۔

(معالی السبطین)

حبیب امیر المومنینؑ کے ہمراہ عموماً جنگوں میں شریک رہے تھے۔ اور مخصوصین وحاملین علوم علیؑ تھے۔

حبیب مرد جمال وکمال واقعہ کربلا میں حاضر تھے حافظِ قرآن تھے ہر رات قرآن ختم کرتے تھے۔ نماز عشاء سے صبح تک تلاوتِ کلام میں مشغول رہتے

تھے۔ رسالتمابؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے آنحضرتؐ سے احادیث سنیں تھیں حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں عرصے تک معزز ومکرم رہے تھے۔ (مجالس المومنین)

ابن داؤد نے حبیب کو اکابر تابعین میں شمار کیا ہے۔ (مجالس المومنین)

## حبیب ابن مظاہر کے بچپن کا واقعہ:

ایک دن رسالتمابؐ اصحاب کے ہمراہ ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ وہاں چند بچے کھیل رہے تھے آنحضرتؐ اُن میں سے ایک بچے کے پاس بیٹھ گئے اس کی پیشانی کو چوما بڑی شفقت سے پیش آئے پھر اس کو گود میں بٹھالیا بہت زیادہ پیار فرمانے لگے اس طرح کمال محبت سے پیش آنے کے بارے میں آپؐ سے دریافت کیا گیا۔ فرمایا ایک دن یہ بچہ حسینؑ کے ساتھ کھیل رہا تھا میں نے دیکھا یہ حسینؑ کے قدموں کی خاک اٹھا کر اپنے چہرے اور آنکھوں پر ملتا ہے میں اس کو اپنے بیٹے حسینؑ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے محبوب رکھتا ہوں۔ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے۔ یہ بچہ واقعہ کربلا میں انصارانِ حسینؑ سے ہوگا۔

بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ خوش نصیب بچہ حبیب بن مظاہر تھا جس نے اپنی جان آقا حسینؑ کے قدموں پر قربان کردی تھی۔ (معالی السبطین)

## امام حسینؑ سے حبیب کی محبت:

ایک روز حبیب کے والد نے حضرت رسولؐ خدا کی دعوت کی آپ کے ساتھ حسنینؑ بھی تشریف لانے والے تھے جب وقت ورود نزدیک آیا حبیب مہمانوں کے دیدار وانتظار کے لئے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ گئے۔ اور اچانک مکان

سے زمین پر گر پڑے گرتے ہی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ماں باپ نے فرزند کی میت کو دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا لیکن رسالت مآبؐ کے تشریف لانے کا وقت قریب آیا چاہتا تھا دونوں نے صلاح مشورہ کر کے حبیب کی میت کو ایک حجرے میں رکھ دیا کہ رسولؐ اللہ کی واپسی کے بعد تجہیز و تکفین و تدفین کا انتظام کریں گے۔ جب آنحضرتؐ مع نواسوں کے تشریف لے آئے۔ دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے موجود تھے خوان پوش اٹھایا گیا مظاہر نے خدمتِ اقدس آنحضرتؐ میں دست بستہ عرض کی۔ بسم اللہ کھانا تناول فرمائیں۔

حضرت امام حسینؑ نے کہا۔ عم محترم حبیب کہاں ہے؟

والدِ حبیب نے عرض کی۔ آقا وہ کہیں گیا ہوگا۔ آجائے گا آپ کھانا شروع کیجئے۔ حسینؑ نے فرمایا جب تک حبیب نہیں آئے گا ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ مظاہر ضبط نہ کر سکے ہاتھ سے کو حجرے کی طرف اشارہ کیا حسینؑ حجرے میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں حبیب دائمی نیند سو رہا ہے۔

حضرت رسولِ خدا نے دستِ مبارک دعا کے لئے بلند کئے دونوں شہزادوں حسنؑ و حسینؑ نے آمین کہی۔ تھوڑی دیر میں (باذن اللہ) حبیب اُٹھ کر سامنے کھڑے ہو گئے۔

## اہلِ کوفہ کا اجتماع:

ساٹھ ۶۰ ہجری میں جب معاویہ مر گیا اور یزید پلید مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ خبر کوفے پہنچی۔ سلیمان بن صرد نے اپنے مکان میں اہلِ کوفہ کے ایک اجتماع سے یوں خطاب کیا۔

بعد از حمد و صلوٰۃ۔ معاویہ انتقال کر گیا ہے۔ فرزندِ رسول ثقلین شہزادہ کونین

حضرت امام حسینؑ مکے سے روانہ ہو چکے ہیں۔

اہلِ کوفہ تم حسینؑ کے یارو مددگار بن سکتے ہو؟ نصرتِ حسینؑ کر سکتے ہو تو ان کو بذریعہ خط اپنے ہاں بلانے کی دعوت دو اور اگر تمہیں کچھ پس و پیش ہے اپنے خاندان و جان مال کا خوف و خطر ہے تو خاموش بیٹھے رہو۔ اس اجتماع میں حبیب شامل تھے اور ایک ممتاز اعلیٰ شخصیت و حیثیت کے مالک تھے چنانچہ جو پہلا دعوت نامہ امام حسینؑ کو بھیجا گیا اس میں خصوصیت سے حبیب کا نام درج ہے۔

## دعوت نامہ:

حسین ابنِ علی بن ابی طالب کے نام۔ سلیمان بن صرد خزاعی (صحابیٔ رسولؐ) مسیب بن نخبہ، رفاعہ بن شداد بجلی اور حبیب بن مظاہر و دیگر مومنین و مسلمین اہلِ کوفہ کا پیغام اے پسرِ پیغمبر اسلام آپ پر سلام۔

ہم خدا وحدہٗ لاشریک لہ کے سپاس گزار ہیں کہ اس نے آپ کے جبار و مکار و ستم گار دشمن کو ہلاک کر دیا جو لوگوں کی رضامندی کے بغیر زبردستی امت پر حاکم بن گیا تھا اور حکومت و خلافت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے اموال کو غصب کر لیا تھا نیک لوگوں کو قتل اور بُروں کو چھوڑ دیا تھا بیت المال کو سرکشوں و سرمایہ داروں کے حوالے کر دیا تھا۔ خدا نے قومِ ثمود کی طرح اُس کو دور کر دیا۔ اس کے بعد خط میں لکھا تھا۔

ہمارے سر پر نہ کوئی امام ہے نہ پیشوا آپ تشریف لے آئیں شاید خدا ہمیں آپ کی وجہ سے نصرتِ حق پر جمع کر دے نعمان بن بشیر قصر امارہ میں رہتا ہے لیکن ہم نہ نماز جمعہ میں اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور نہ ہی عید کے لئے اس کے ہمراہ عیدگاہ جاتے ہیں۔ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضور تشریف لا رہے ہیں تو ہم اس کو یہاں سے نکال کر شام جانے پر مجبور کر دے گی۔ انشاء اللہ

(ناسخ التواریخ)

یہ دعوت نامہ عبداللہ بن مسمع الہمدانی و عبداللہ بن وال لے کر دسویں ماہ رمضان کو حضرت امام حسینؑ کی خدمتِ اقدس میں مکۂ معظمہ پہنچے تھے۔

(ناسخ التواریخ)

اور پھر جب امام حسینؑ نے حضرت مسلم بن عقیل کو وکیل بنا کر کوفہ بھیجا تھا۔
(ناسخ التواریخ)

## کوفے میں سفیرِ حسینی کا ورود:

حضرت مسلمؑ طے مسافت بعیدہ کے بعد کوفہ وارد ہوئے سلیمان بن صرد خزاعی کے ہاں ٹھہرے مختار ثقفی کے مکان میں اقامت پذیر ہوئے اہلِ کوفہ آپ سے ملنے کے لئے آئے حضرت مسلم نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تو دوستانِ حسینؑ نے خوب گریہ کیا اور واہ شوقا کہا۔ اس موقع پر عابس نے حمد و درود کے بعد حضرت مسلمؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔

## تائید:

میں لوگوں کے دلوں و اعتماد کے بارے میں لاعلم ہوں لیکن میں اپنے متعلق بتانا چاہتا ہوں خدا گواہ میری دل وجان فرزندِ زہراؑ کے قدموں پر نثار ہے۔ جب بھی آپ مجھے بلائیں گے حاضر پائیں گے۔ آپ کے دشمنوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہو جائیں گے۔ (ناسخ التواریخ)

عابس کی تائید حبیب نے ان الفاظ میں کی۔ خدا تم پر رحم کرے تم نے اپنا حق ادا کر دیا۔ قسم بخدا میں بھی تمہاری طرح ہر مدد کے لئے حاضر ہوں۔ (ناسخ التواریخ)

## حبیب و مسلمؑ بن عوسجہ:

حبیب و مسلم بن عوسجہ حضرت امام حسینؑ کی بیعت کے لئے برابر مصروف رہے اور جب وکیل حسینی حضرت مسلم علیہ السلام ابنِ زیاد کے ہاتھوں شہید کردیئے گئے۔تو آپ اس تلاش میں رہے کہ کس طرح نصرت حسینؑ میں پہنچا جائے۔

چنانچہ ایک دن حبیب بن مظاہر بازار کوفہ میں ایک دوکان پر خضاب خریدنے کے لئے ایستادہ تھے۔مسلم بن عوسجہ کا وہاں سے گزر ہوا حبیب مسلم کی طرف مخاطب ہوئے۔

حبیبؑ "میں دیکھ رہا ہوں اہلِ کوفہ گھوڑے اور ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔"

مسلم ابنِ عوسجہ رو دیئے اور کہا یہ سب کچھ فرزندِ رسولؐ خدا دل بند علی مرتضیٰ وزہراؑ کے قتل کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔

خدا کی قسم۔اب یہ داڑھی نصرتِ حسینؑ میں ایسی خضاب ہوگی کہ پھر کبھی خضاب لگانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔(معالی السبطین)

ابنِ زیاد کے خوف سے حبیب و مسلم بن عوسجہ کو ان کے اہلِ خانہ نے پنہاں کر دیا تھا اور انھیں باہر جانے سے روکے رکھا۔

## حسینؑ کا پیغام حبیبؑ کے نام:

اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکے سے کوفے کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے حبیبؑ کو لکھا۔

حسین ابنِ علی کا پیغام مردِ فقیہ حبیبؑ بن مظاہر کے نام حبیب تم اس قرابت و رشتے داری سے خوب واقف ہو جو ہمیں حضرت رسولؐ خدا سے ہے۔تم ہماری

معرفت بھی دوسروں کی نسبت زیادہ رکھتے ہو۔تم نیک خصال وصاحبِ غیرت ہو ہماری نصرت میں سخاوت سے کام لو میرے جدامجد حضرت محمد تمہیں روزِ قیامت اس کا اجر عطا کریں گے۔(معالی السبطین)

مذکورہ خط کہاں سے لکھا گیا اور کس طرح پہنچا اس میں اختلاف ہے۔شیخ محلاتی فرماتے ہیں۔امام حسینؑ نے کربلا میں وارد ہونے کے بعد ارضِ کربلا سے لکھا تھا۔(واللہ اعلم بالصواب)

پھر آنحضرتؑ نے اس کو حبیب کی طرف بھیجا۔(معالی السبطین)

حبیبؓ اپنی زوجہ کے ہمراہ کھانا کھانے میں مصروف تھے زوجہ کے لقمہ گلوگیر ہوا۔ ''انھوں نے کہا کہ کریم کا کریم خط آیا چاہتا ہے''۔اتنے میں دق الباب ہوا حبیب باہر نکلے۔پوچھا تم کون ہو۔

نامہ بر نے کہا میں حسینؑ کا فرستادہ ہوں۔

حبیب۔واللہ اکبر صدقت الحرۃ بما قالت

میری زوجہ نے سچ کہا جو کہا۔حبیب نے خط کھول کر پڑھا۔

زوجہ: کس کا خط ہے۔

حبیب: آقا حسینؑ کا

زوجہ: کیا لکھا ہے۔

حبیب: مدد کے لئے بلایا ہے۔

حبیب آپ کو اللہ کی قسم فرزند زہرا سلام اللہ علیہا کی نصرت و مدد میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔

حبیب: انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔میں اپنی جان نواسہ رسولؐ خدا کے قدموں پر

قربان کروں گا۔اور میری ریش میرے خون سے خطاب ہوگی۔

حبیب نے اپنے معاملہ کو اپنے قبیلے سے پوشیدہ رکھا۔لیکن شب وروز اسی فکر میں ہیں کہ کس طرح نصرت حسینؑ کے لے جایا جائے۔

حبیب کے ارادے کی خبر قبیلے والوں کو ہوگئی وہ حبیب کے پاس آئے۔کہا۔ اے حبیب ہم تمہیں کہیں جانے نہ دیں گے۔ہمیں سلاطین کے معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟

حبیب نے مصلحتاً ایسا ہی جواب دیا وہ مطمئن ہو کر واپس ہو گئے۔

جب زوجہ حبیب نے یہ گفتگو سنی۔کہا حبیب کیا آپ نصرت حسینؑ کے لئے نہیں جائیں گے۔

حبیب نے زوجہ کا امتحان لینے کے لئے کہا۔ہاں نہیں جاوں گا زوجہ نے رو کر کہا۔کیا آپ دونوں شہزادوں کے بارے میں فرمان رسول خدا بھول گئے ہو۔ کہ میرے دونوں شہزادے جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔جنگ کریں یا خاموش رہیں۔

آقا حسینؑ نے فرستادہ بھیج کر آپ کو نصرت کے لئے بلایا ہے۔اور آپ جواب دینا پسند نہیں کرتے۔

حبیب: میں ڈرتا ہوں میرا مال واسباب لوٹ لیا جائے گا اولاد یتیم ہو جائے گی۔

زوجہ: مجھے سب کچھ منظور ہے۔آپ حسینؑ کی مدد کے لئے ضرور جائیں۔

حبیب: نے پھر کہا۔کیا تو دیکھتی نہیں ہے میں بوڑھا ہو چکا ہوں پہلے کی طرح طاقت نہیں رہی ہے۔

زوجہ: آنسو بہاتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔اپنی چادر اُتار کر حبیب

کے سر پر ڈال دی اور کہا۔آپ پھر گھر بیٹھیں درد بھرے الفاظ میں کہا۔میرے آقا و مولا کاش میں مرد ہوتی۔آپ کے قدموں پر اپنی جان فدا کرتی۔

حبیب۔یہ دلخراش منظر دیکھ کر زوجہ کے حق میں دعائے خیر فرمانے لگے اور عازمِ سفر ہوئے۔

حبیبؓ کی زوجہ نے کہا میری ایک عرض ہے۔

حبیب نے کہا: کیا؟

زوجہ نے کہا:

آپ کو قسم بخدا جب خدمتِ آقا میں پہنچیں میری طرف سے میرے مولا کے ہاتھوں وقدموں کو بوسہ دیں اور کنیز کا سلام پیش کریں۔(معالی السبطین)

حبیب نے گھوڑے پر زین کسا۔غلام سے فرمایا: یہ گھوڑا لے جا کر بیرونِ شہر فلاں مقام پر میرا انتظار کرو۔غلام حکمِ حبیب سنتے ہی مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حبیب نے اپنی زوجہ و بچوں کو رخصت کیا پنہاں ہو کر گھر سے نکلے گویا اپنے کھیت کی طرف جا رہے ہیں حبیب کے پہنچنے میں کس قدر تاخیر ہو گئی۔غلام نے گھوڑے سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اسپِ وفادار میرا آقا نہ آیا تو پھر میں خود تجھ پر سوار ہو کر نصرتِ حسینؑ کے لئے چلا جاؤں گا۔''

گھوڑا غلام کا کلام سن کر رو پڑا آنسو اس کے رُخسار پر جاری ہو گئے گھاس کھانا چھوڑ دی۔

اتنے میں حبیب پہنچ گئے کہا۔

اے نواسۂ رسولؐ خدا میرے ماں باپ آپ پر فدا جب غلام اس قدر آپ کی

نصرت کرنے کے متمنی ہیں پھر آزاد کیونکر آرزو نہ کریں۔

حبیب نے غلام سے کہا۔ ''تم راہِ خدا میں آزاد ہو'' غلام اعلان آزادی سن کر رو پڑا عرض کی آقا مجھے یہ آزادی نامنظور ہے۔ مولا میں آپ کے ہمراہ نصرتِ حسینؑ کیلئے جاؤں گا اور آقا حسینؑ کے قدموں پر قربان ہو کر جہنم کی آگ سے آزاد ہوں گا۔

حبیب نے بنابر روایات مختلفہ غلام کو اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کیا اور بروایتی حضرت مسلم بن عوسجہ بھی آپ کے ہم سفر تھے راہی کربلا ہوئے۔

## پرچم دار:

حضرت امام حسینؑ جب ایک منزل پر پہنچے۔ بارہ پرچم تیار کروائے گیارہ تقسیم کر دیئے ایک باقی رہ گیا، بعض اصحاب نے دریافت کیا۔ مولا یہ کس کے لئے ہے۔

فرمایا اس کا اٹھانے والا آیا چاہتا ہے۔

اصحاب نے اذنِ کوچ طلب کیا

امام حسینؑ نے فرمایا صبر کریں یہاں تک کہ اس پرچم کا اٹھانے والا آجائے۔ یکا یک سامنے سے گرد نمودار ہوئی۔

حضرت نے اصحاب وفا سے فرمایا۔

وہ دیکھو پرچم دار آ گیا ہے۔

حبیب قریب پہنچے امامؑ مظلوم پر نظر پڑی گھوڑے سے کود پڑے مولا کے قدموں پر گرے بوسے دیئے حبیبؑ رو رہے ہیں۔ سلام کے بعد اصحاب سے ملاقات ہوئی اصحاب باوفا نے نہایت گرمجوشی سے حسینؑ کے حبیب کا استقبال کیا۔

## حبیبؑ کے لئے شہزادی زینبؑ کا سلام

جب شہزادی زینب سلام اللہ علیہا کو حبیبؑ کی آمد کی خبر پہنچی کہ حبیبؑ نصرت حسینؑ کے لئے کوفے سے پہنچ گئے ہیں۔

ثانیٔ زہراؑ نے حبیب کو سلام کہلا کر بھیجا۔

جب حبیب نے سلامِ زینبؑ سنا اپنا منھ پیٹ لیا خاک اٹھا کر اپنے سر پر ڈالی اور کہا (خدایا) ہائے میں کجا اور دخترِ مرتضیٰ مشکل کشا کجا مجھ جیسے غلام کو سلام کہلوا کر بھیجے۔ (معالی السبطین)

## کربلا میں ورود:

حبیبؑ ساتویں یا آٹھویں محرم کی رات کو کربلا وارد ہوئے۔ (عنصر شجاعت)

حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد حبیبؑ برابر ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ حسینؑ کو دشمن کی طرف سے کسی قسم کی گزند نہ پہنچنے پائے۔ اور دشمن کو بذریعہ گفت وشنید ابلاغ کریں۔ چنانچہ جب عمر سعد نے قرہ بن قیس کو آقا حسینؑ کی طرف پیغام دے کر بھیجا تھا امام نے فرمایا تھا۔ ”تم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا ہے“۔ حبیبؑ نے عرض کی آقا یہ میرا خواہر زادہ قرہ بن قیس ہے اور میں اس کے متعلق اچھا خیال رکھتا تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ شخص لشکرِ عمر سعد میں شامل ہو جائے گا۔

حبیب نے قرہ سے کہا۔

وائے ہو تم پر قومِ ظالمین کی طرف کہاں جا رہے ہو فرزند رسولؐ خدا کی نصرت کرو جس کے نانا بزرگوار کی بدولت خدا نے تم کو اور ہم کو دینِ اسلام کی کرامت

عطا فرمائی۔

قرہ نے کہا۔ پیغام پہنچانے کے بعد میں اس معاملہ کے متعلق سوچوں گا۔
(ناسخ التواریخ)

## نصرتِ امام حسینؑ کی تمنا:

جب حبیبؑ نے افواج حسینؑ کی قلت اور افواج یزیدی کی کثرت کو ملاحظہ کیا۔ خدمتِ حسینؑ میں عرض کی۔ مولا میری قوم بنی اسد یہاں قریب ہی کہیں مقیم ہے۔ میرا خیال ہے اُن سے مدد طلب کی جائے۔

حسینؑ نے اجازت مرحمت فرمائی حبیب ہیئت تبدیل کر کے بنی اسد کے ہاں پہنچے انھوں نے آپ کو صدر مجلس میں بٹھایا۔

آپ نے ان سے خطاب فرمایا۔

بنی اسد میں تمہارے لئے مانند رائد قوم ایک بہترین چیز لایا ہوں وہ چیز فرزندِ مرتضیٰ پسر زہراؑ نواسۂ رسولؐ خدا حسینؑ ہیں۔ انھوں نے مختصر جماعت مومنین کے ساتھ آپ کے درمیان نزول فرمایا ہے۔ دشمنانِ دین قتل کرنے کے لئے ان کا طواف کر رہے ہیں۔

میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ لوگ نواسہ مصطفیٰ کو اشرار کے شر سے بچائیں حرمتِ پیغمبرؐ خدا کی حفاظت کریں۔ قسم بخدا! اگر تم نے اُن کی نصرت ویاری کی یقیناً خداوندِ عالم تم کو شرف دنیا و آخرت عطا فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اس کرامت کی وجہ سے مخصوص کیا کہ تم میری قوم وقبیلہ ہو اور خویشاوندی ورشتہ داری کے لحاظ سے تمام لوگوں سے نزدیک ترین ہو۔ (ناسخ التواریخ)

## تاثیرِ سخن:

عبداللہ بن بشیر نے کھڑے ہو کر کہا۔ حبیب خدا آپ کی جدوجہد کو شکر گزاری کی توفیق عنایت کرے۔ خدا کی قسم آپ ہمارے لئے عزیز ترین شخص کی طرح عزیز ترین شئے لائے ہیں۔ میں پہلا لبیک کہنے والا ہوں۔ پھر یکے بعد دیگرے لوگ لبیک کہتے ہوئے حبیب کے ساتھ خیامِ حسینؑ کی طرف رواں ہوئے۔ ایک منافق نے عمر سعد کو خبر دی اس نے ارزق کی سرکردگی میں پانچ سو سواروں کا دستہ سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ بنی اسد قلتِ تعداد کی وجہ سے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور راتوں رات اپنے خیام اکھیڑ کر دوسری طرف نکل گئے۔

حبیبؑ خدمتِ امام میں پہنچے ساری روئداد بیان کی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

وما تشائون الا ان یشاء اللہ ولا حول وہ قوۃ الا باللہ (ناسخ التواریخ)

## جماعتِ یزیدی:

جب جماعتِ یزیدی نویں محرم کی شام حملہ کرنے کیلئے جماعتِ حسینی کی طرف بڑھی امام علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو بیس سواروں کی جماعت کے ساتھ جن میں حبیبؑ و زُہیر بھی تھے حال دریافت کے لئے بھیجا حضرت عباسؑ جماعتِ یزیدی سے مخاطب ہوئے۔ بے وقت آنے کا مقصد؟

جماعتِ یزیدی نے کہا کہ: حکم امیر ہے یا بیعت کریں یا جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

حضرتِ عباسؑ نے فرمایا کہ جلدی نہ کریں میں امامؑ سے معلوم کرلوں۔
حضرتِ عباسؑ خدمتِ امامؑ میں گئے اور اصحاب وفا وہیں ایستادہ رہے۔
حبیبؑ نے زُہیرؓ سے کہا۔
زہیر ان لوگوں سے کچھ بات کرو نہیں تو پھر میں کچھ گفتگو کروں۔
زُہیرؓ نے کہا۔آپ ہی بسم اللہ کریں۔
حبیبؓ نے دشمن سے خطاب کیا۔
اے گروہ مردُم۔یقیناً قسم بخدا! پیشِ خدا کتنے برے لوگ ہوں گے وہ جنھوں نے ذرّیتِ پیغمبرِ اسلام کو قتل کیا ہوگا اور شہر کے ان عبادت گزاروں کا خون بہایا ہوگا جو وقت سحری جاگنے والے اور بہت زیادہ ذکر اللہ کرنے والے تھے۔
عذرہ بن قیس نے کہا کہ حبیب تم ہر وقت اپنی ہی مدح وثنا کرتے رہتے ہو۔
زہیر نے جواب دیا۔عذرہ لاریب حبیب ایسا ہی ہے۔نفس حبیبؓ کا خدا نے تزکیہ کیا ہے اور اس کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت کی ہے۔

(تاریخِ طبری)

## شب عاشورہ:

حضرت امام حسینؑ نواسہ رسول الثقلین شہزادۂ کونین خیمہ میں جلوہ گر ہیں۔ عزیز و اقارب وانصار حاضر ہیں۔شمع کو گل کردیتے ہیں جوانان جنت کا سردار دوشِ رسالت کا شاہ سوار فرزند حیدرِ کرار نواسہ دل بند احمد مختار پسر برادر جعفر طیار زہرا کا جانی قوتِ ایمانی سے خطبہ پڑھتے ہیں۔
''خدایا میں ہر حال میں تکلیف ہو یا راحت تیرا شکر بجالاتا ہوں۔میرے اللہ تیری حمد وثنا کرتا ہوں۔تو نے ہم کو نبوت سے معزز ومکرم کیا۔علمِ قرآن عطا

کیا۔ مسائلِ دین سمجھنے کی صلاحیت عنایت کی سننے اور دیکھنے کے لئے کان اور آنکھیں عطا کئے ہیں اور قلب مطمئن دیا ہم کو شاکرین بندوں میں سے قرار دے، میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ وفادار اور اچھے اصحاب، سب سے زیادہ صالح مشفق اور افضل اہل بیتؑ رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ تم سب کو جزائے خیر دے۔

"اے اصحابِ باوفا تم نے میرے بارے میں ذرا کوتاہی نہیں کی میں تمہارے لئے بہتری سمجھتا ہوں اس شبِ ظلمت میں جہاں چاہو چلے جاؤ، میں نے اپنی بیعت تم سے اٹھالی ہے، یہ لوگ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں اور میرا ہی قتل چاہتے ہیں۔ تم لوگ میرے لئے مصیبت و تکلیف نہ اٹھاؤ جاؤ راحت میں زندگی گزارو بلکہ میرے خاندان میں سے بھی ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے کر کسی طرف نکل جاؤ۔" (خطبہ شبِ عاشور)

مگر میری جان قربان اصحابِ حسینؑ و اقرباء نے حسینؑ پر سب نے یہ باتیں سن کر کہا۔ لا ادانا اللہ ذلک ابدا

خدا ہم کو وہ دن نہ دکھلائے کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ مسلمؑ بن عوسجہ اسدی، زہیرؑ بن قین، حبیبؑ بن مظاہر وغیرہ ہم عرض کرتے ہیں۔ "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہماری جانیں آپ پر قربان ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ لا واللہ، بخدا یہ کبھی نہیں ہوسکتا جب تک ہم زندہ ہیں ہاتھ میں نیزہ اور تلوار ہے دشمنانِ دین سے لڑیں گے اور آپ کے قدموں پر مریں گے حضور ایک مرتبہ نہیں ستر مرتبہ ہزار مرتبہ آپ کے لئے فدا ہیں۔ بلکہ ہماری لاشوں کو آگ میں جلا دیا جائے خاک کو ہوا میں اڑا دیا جائے پھر بھی ہم یہی تمنا کریں گے کہ زندہ ہو جائیں اور آپ کی نصرت و مدد کرتے ہوئے شہید کر دیئے جائیں۔ آقا و مولا یہ

تو آپ کا غلاموں پر احسانِ عظیم ہے حضور کی بدولت ہمیں یہ سعادتِ عظمیٰ شہادت نصیب ہو رہی ہے۔"

حسینؑ آزما چکے تو ثانی زہراؑ نے بھی اصحاب باوفا کا امتحان لینا چاہا۔ حضرت شہزادی زینبؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا:۔

"بھیا کیا آپ نے اپنے اصحاب کا امتحان کرلیا ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو آپ کو دورانِ جنگ چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر جائیں۔"

امام حسینؑ رو کر فرماتے ہیں۔

"میرے اصحاب موت سے اس طرح مانوس ہیں جس طرح بچہ ماں کے دودھ سے مانوس ہوتا ہے"۔ سبحان اللہ۔

ہلال بن نافع نے یہ کلام سن لیا تھا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حبیبؓ کے پاس گئے، حبیبؓ ہاتھ میں تلوار لئے بیٹھے تھے ہلال نے حبیبؓ کو سلام کہا۔ حبیبؓ نے بے وقت آنے کی وجہ دریافت کی۔

ہلال نے کہا کہ اے حبیبؓ دخترِ علیؑ کو غلاموں پر اعتماد نہیں ہے اور سارا قصہ کہہ سنایا۔

حبیبؓ نے کہا: قسم بخدا! آقا حسینؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو اسی وقت دشمنانِ اسلام پر حملہ کر دیتا۔

ہلال نے کہا۔ اے حبیبؓ میں نے خواہرِ حسینؑ شہزادی زینبؑ کو بہت ہی بے چین پایا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں سب ہی بیبیاں پریشان و حیران ہیں کیا ہو سکتا ہے؟ تمام اصحاب کو اکٹھا کر کے خدمتِ حضرت زینبؑ میں جایا جائے اور انھیں اطمینان دلایا جائے۔

حبیبؓ نے کہا: درست ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔

ایک طرف حبیبؓ دوسری طرف ہلال نے اصحاب کو آواز دینا شروع کیا۔ تمام اصحاب اپنے اپنے خیام سے نکل کر حبیبؓ وہلال کے گرد جمع ہو گئے۔

حبیب نے بنی ہاشم سے دست بستہ عرض کی۔

''آپ اپنے خیام میں چلے جائیں۔''

اے غیرت مند دوستو اور بیشہ شجاعت کے شیرو، ہلال نے مجھے خبر دی ہے کہ دخترِ زہراؑ کو ہم پر اعتماد و بھروسہ نہیں ہے۔

خدا کی قسم سچ سچ بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟

''یہ سن کر اصحاب وفادار نیک کردار نے تلواریں نیاموں سے نکال لیں عمامے سروں سے پھینک دیئے یک زبان ہو کر کہا۔ قسم بخدا۔ اے حبیبؓ جب تک ہمارے ہاتھوں میں تلواریں ہیں کسی کی مجال نہیں کہ خیامِ اہلِ بیتؑ کا رخ کریں۔ ہم رسالتمآب کی وصیت پر مکمل عمل کریں گے۔ اور آنحضرتؐ کی ذرّیت کی حفاظت ونگہداری کریں گے۔''

حبیب نے کہا: پھر میرے ساتھ چلیں حبیبؓ آگے آگے چلے جا رہے تھے۔ اور تمام اصحاب اُن کے پیچھے پیچھے تھے۔

خیام اہلِ بیتؑ کے قریب پہنچ کر بلند آواز سے کہا۔

عصمت ورسالت کی شہزادیو۔ نبیؐ وعلیؑ کی بیٹیو۔

''یہ آپ کے بہادر غلاموں کی تلواریں ونیزے ہیں قسم بخدا تلواریں آپ کے دشمنوں کی گردنوں پر چلائیں گے۔ اور نیزے اُن کے دشمنوں کی گردنوں پر چلائیں گے اور نیزے اُن کے سینوں میں پار کریں گے۔''

آقا حسینؑ نے اصحاب کے خیالات سے مخدّراتِ عصمت کو مطلع فرمایا بیبیوں کو اطمینان ہوا۔

امام حسینؑ نے فرمایا اے پاکیزہ طینت صحابیو۔ دختران زہراؑ کی عزّت وحرمت کی حفاظت کرو ذرّیتِ پیغمبرؐ کی حمایت ونصرت کرکے رسولِ خدا کو خوش کرو۔ کلامِ حسینؑ سن کر اصحاب نے اس قدر گریہ کیا گویا آسمان میں غلغلہ اور زمینِ کربلا میں زلزلہ آ گیا۔ (معالی السبطین)

## صبح عاشور:

صبح عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام نے حمد وثنا وصلوٰۃ کے بعد لشکرِ یزید کو مخاطب کرکے یہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔

دیکھو میں کون ہوں اور میری نسبت کس سے ہے اپنے آپ کو دیکھو اور اپنے کو ملامت کرو کیا تمہارے لئے میرا قتل اور ہتک حرمت کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی دختر کا فرزند نہیں ہوں۔ کیا میں وصیِ رسولؐ خدا ابن عم مصطفیٰؐ کا دل بند نہیں ہوں کیا میرے باپ علیؑ مرتضیٰ نہیں ہیں جو اوّل مومن اور اوّل مصدق رسولؐ خدا ہیں۔ کیا حضرت حمزہ سید الشہداء اور حضرت جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے مجھے اور میرے بھائی حسنؑ کو، ھذان سیّدا شباب اھل الجنۃ فرمایا۔ اگر تم میرے قول کو سچ سمجھتے ہو حق کی اتباع کرو قسم بخدا میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اللہ دروغ زن کو دشمن رکھتا ہے۔ اس کے باوجود اگر تم کو میری باتوں پر یقین نہیں مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو اصحاب رسولؐ خدا جو ابھی تک زندہ ہیں جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری،

سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم، انس بن مالک سے میرے بارے میں دریافت کرلو وہ تصدیق کریں گے کہ یہ حدیث انھوں نے ہمارے متعلق آنحضرتؐ سے سنی ہے کیا یہ کافی نہیں کہ آپ میرا خون نہ بہائیں۔ (ناسخ التواریخ)

## شمر کی گستاخی:

شمر لعین نے انتہائی بے حیائی و کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: انا اعبدالله علی حرف ان کنت ادری ما تقول

میں خدا کی پرستش ایک حرف پر کرتا ہوں یعنی زبانی اگر میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔

## حبیبؑ نے اس گستاخی کا جواب یوں دیا:

والله انی لاراك تعبدالله علی سبعین حرفاً وانا اشهد انك صادق ماتدری مایقول قدطبع الله علی قلبك

"خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی پرستش ستر حرفوں پر کرتا ہے میں گواہی دیتا ہوں تو سچ کہتا ہے۔ (واقعا) تو نہیں جانتا ہے کہ میرے امام کیا فرماتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے تیرے قلب نجس پر مہر لگادی ہے۔"

## شوقِ شہادت:

حبیب کوفے کے بہادر حسینؑ کے شیر دلاور، وفا کا پیکر، رفاقت کے سچے محبت کے پکے فقیہ جلیل، عالم نبیل، کامل الایمان حافظ القرآن ہر گھڑی ہر آن سایہ کی طرح مولا حسینؑ کے ساتھ ہیں لشکر حسینؑ کے پرچم دار اور میسرہ کے سردار ہیں۔

کان حبیب صاحب لواء الحسین و من خواص اصحابہ و لا یغارقہ فی کربلا لیلاً و لا نہاراً (معالی السبطین)

اور زہیرؓ بن قین میمنہ کے علم بردار تھے، جنگ کا بازار گرم ہے۔ حبیب بار بار اپنی جگہ سے بلند ہو جاتے ہیں۔

سالم ابنِ زیاد کا غلام اور یسار عبید اللہ کا غلام یہ دونوں میدان جنگ میں مبارز طلبی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ہمارے مقابلے کے لئے حبیبؓ یا زہیرؓ یا بریرؓ آئیں حبیبؓ اور بریرؓ جوشِ ایمان کے ساتھ اٹھتے ہیں امام علیہ السّلام نے دونوں کو بیٹھنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن عمیر کو اذن جہاد فرمایا۔

حبیبؓ خیمہ سے مسکراتے ہوئے باہر تشریف لاتے ہیں۔

سیّد القراء یعنی حافظانِ قرآن کے سردار بُریر ہمدانی نے حبیبؓ سے کہا

''بھائی حبیب یہ مقامِ مسرت نہیں ہے۔''

''حبیبؓ نے کہا اس سے زیادہ مقام مسرت و شادمانی اور کون سا ہو گا قسم بخدا حورالعین کے ساتھ معانقہ کا وقت قریب آ گیا ہے۔۔ ایک حملہ کا انتظار ہے۔''

(سفینۃ البحار)

## حبیب ابن مظاہر، مسلم ابن عوسجہ کی لاش پر:

جس وقت شہزادہ کونین کے شیدائی حسینؑ کے فدائی افواج حسینی کے بلند ہمت و حوصلہ مسلمؓ بن عوسجہ دادِ شجاعت دے کر مجروح ہو کر زمین پر گرتے ہیں۔ امام پیادہ حبیبؓ کے ہمراہ مسلمؓ کے سرہانے پہنچتے ہیں۔ حبیبؓ مسلمؓ بن عوسجہ سے کہتے ہیں تمہیں بہشت مبارک ہو۔ تمہاری موت میرے لئے انتہائی سخت ہے مسلمؓ صدائے ضعیف سے کہتے ہیں تمہیں بھی مبارک ہو۔ حبیب کہتے ہیں اگر

مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ بہت جلد ہم بھی پیچھے آ رہے ہیں تو تم سے کہتا کچھ وصیت کرو اور میں اس پر عمل کرتا۔

مسلم نے امامؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "او صیك بهذا رحمك الله" میری وصیت یہ ہے حسینؑ کی نصرت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا حبیب نے کہا۔ رب کعبہ کی قسم اس پر عمل کروں گا۔

## ذکرِ نماز:

ابوثمامہ صیداوی خدمتِ امام حسینؑ میں عرض کرتے ہیں۔ "احب ان القی الله ربی وقد صلیت هذه الصلوٰة" مولا آج یقیناً ہم درجہ شہادت پر فائز ہوں گے ہم آپ کے ہمراہ نماز کا فریضہ ادا کر کے دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

امام فرماتے ہیں "ذکرت الصلوٰة جعلك الله من المصلین" تم نے تذکرۂ نماز کیا ہے خدا تمہارا شمار نماز گزاروں میں کرے۔ یہ اوّل وقت نماز ظہر ہے۔ اعداء سے کہو لڑائی سے باز رہو ہم نماز پڑھ لیں۔

ملعون حصین بن نمیر کہتا ہے جتنی چاہو نمازیں پڑھ لو حسین تمہاری نماز قبول نہیں ہے۔

میسرے کے سردار حبیبؑ وفادار یہ گستاخانہ کلام سن کر طیش میں آجاتے ہیں۔ فرماتے ہیں "لا تقبل الصلوٰة من ابن رسول الله وتقبل منك یاختار"

اے منافق غدار و مکار تیرے خیال بد میں پسر رسولؐ خدا کی نماز قبول نہیں ہے اور تیری نماز قبول ہے۔

حصین لشکرِ حسینی کی جانب گھوڑا بڑھا کہ یہ رجز پڑھتا ہے۔

اے حبیب ضربت شیر دلاور کے لئے تیار ہو جا کہ نا گہاں تلوار ہندی براں مانند شیر درندہ ترے سر پر پہنچے۔

دونك ضربت السيف ياحبيب
وافاك ليث بطل نجيب
فى كنه مهنه قضيب
كانه من لمعة حليب

(ناسخ التواریخ)

حبیبؓ ابن مظاہر حسینی افواج کے سپہ سالار حسینؑ کے وفادار دوست و جاں نثار خدمتِ فرزند حیدرِ کرار قسیم الجنۃ والنار میں عرض کرتے ہیں مولا اجازت جہاد مرحمت فرمائیں۔

''خدا کی قسم یہ نماز جنت میں ادا کروں گا اور آپ کا سلام آپ کے جد نامدار والد بزرگوار و برادر جوانان جنت کا سردار کی خدمتِ اقدس میں پیش کروں گا۔''

حضرت اذن جہاد عطا کرتے ہیں حبیبؓ مانند شیرِ غضبناک میدان میں آ کر یہ رجز پڑھتے ہیں۔

میں حبیب بن مظہر ہوں شہسوار میدان جنگ و شیر قسور ہوں
تم تعداد کے لحاظ سے زیادہ ہو ہم زیادہ وفادار و صابر ہیں
تم وقتِ وفا غدار ہو ہم ہر بات پہ قادر ہیں
ہماری حجت بالاوحق ظاہر ہے ہم ہر چیز کو برداشت کرتے ہیں
میرے ہاتھ میں شمشیر براں ہے تم میں آتش دوزخ بھڑکتی ہے

اناحبيب وابى مظهر وفارس الهيجا وليث قسور وانتم عندا العديد اكثر ونحن اوفى منكم و اصبر وايضاً وفى كل

الامورا قدروا انتم عند الوفاء اعذا الخ (ناسخ التواریخ)

اس کے بعد شیرِ قسور حبیب بن مظاہر حملہ کرتے ہیں حصین کی ناک کٹ جاتی ہے۔ بوڑھا مجاہد اس کا سرتن سے جدا کرنا چاہتے ہیں مگر لشکرِ یزید کے ملعون اُس کو بچالے جاتے ہیں۔

حبیب کمر خمیدہ مانند شیر درندہ یہ شعر پڑھ کر دوبارہ حملہ فرماتے ہیں۔

قسم بخدا اگر ہم تمہارے نصف بھی ہوتے یقیناً تم بھاگ جاتے۔

حسب ونسب واخلاق وکردار کے لحاظ سے سب سے بُرے لوگو۔

اقسم لو کنا لکم اعدادا　　اوشطرکم وتیتمه الا کنارا

یاشر　قوم　حباوآوا　وشترهم قد عملو اندار

(ناسخ التواریخ)

## حبیبؑ ابنِ مظاہر کی شہادت:-

اور نہایت بہادری وشجاعت سے لڑتے ہیں۔ بروایت محمد بن ابی طالب باسٹھ ۶۲ ملاعین کو جہنم رسید کرتے ہیں خود بھی مجروح ہوجاتے ہیں بدیل بن صریم تمیمی ناگہاں نیزہ کا وار کرتا ہے حسینؑ کا پیارا مخدّراتِ عصمت کا سہارا منہ کے بل زمین پر گرتے ہیں دوبارا اٹھتے ہیں تاکہ دشمن کو کیفر کردار تک پہنچائیں کہ آپ کا شکست خوردہ بدکردار و بدنہاد دشمن حصین سر پر تلوار مارتا ہے حبیبؑ نیم جان ہوکر گر پڑتے ہیں لہو میں نہاتے ہیں اور اپنے وعدوں کے مطابق حسینؑ کے قدموں میں قربان ہو جاتے ہیں۔ حسینؑ دوست کی لاشۂ دوست پر آتے ہیں غمگین ہوجاتے ہیں آثار پژمردگی چہرۂ اقدس پر نمایاں ہوجاتے ہیں۔

"اور امام حسینؑ فرماتے ہیں۔ قسم بخدا حبیب مرد فاضل اور شب بھر میں

قرآن پاک ختم کرنے والے تھے خدا ان کو نیک جزادے۔" (ناسخ التواریخ)

حصین بن نمیر حبیبؓ کے سر اقدس کو تن سے جدا کرتا ہے۔ اور اپنے گھوڑے کی گردن میں ہار کی طرح لٹکا دیتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ تمیمی سرِ حبیبؓ کو جسم سے علیحدہ کرتا ہے اور اپنے گھوڑے کے گلے میں باندھ دیتا ہے۔

بنا بر مختلف روایات حصین تمیمی سے کہتا ہے کہ میں قتلِ حبیبؓ میں برابر کا شریک ہوں تمیمی انکار کرتا ہے۔

حصین کہتا ہے مجھے اس قدر اجازت دے کہ میں سر حبیبؓ کو اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر لشکرِ یزید کا طواف کروں۔ تا کہ لشکر والوں کو معلوم ہو جائے کہ میں بھی حبیب کے قتل میں شریک تھا۔ اس کے بعد واپس کر دوں گا اور انعام کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ تمیمی راضی ہو جاتا ہے اور اس طرح حصین سرِ حبیب حسینؑ کو لشکر میں گردش دے کر اپنا دل خوش کرتا ہے اور انتقام شکست لیتا ہے۔

## قاتل کا انجام:

جب شہادت حضرت امام حسینؑ کے بعد لشکر یزید والے کوفہ میں واپس پہنچتے ہیں قاتلِ حبیب تمیمی سرِ حبیبؓ کو گھوڑے کی گردن میں آویزاں کئے ہوئے قصرا مارہ کی طرف جاتا ہے۔

"بصر به القاسم بن حبیب وهو یومئذ قدر احق فاقبل"

حضرت قاسم بن حبیب جو قریب بلوغ تھے راستہ میں ایستادہ تھے اپنے بابا کے سر اقدس کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں "فقال مالك یابنی"

تمیمی فرزند حبیب سے مخاطب ہوتا ہے۔

لڑکے کیا چاہتے ہو؟

قاسم: یہ سرِ اقدس

تمیمی: یہ کس کا سر ہے؟

قاسم: میرے والد حبیب کا

تمیمی: کیا کرو گے؟

قاسم: میں دفن کرنا چاہتا ہوں۔

تمیمی: مجھ سے ابنِ زیاد اس طرح ناراض ہو جائے گا میں اس سے انعام سر حبیب حاصل کروں گا۔

قاسم: تجھ کو سب سے بڑا انعام دیا جائے گا۔ خدا کی قسم تو نے اپنے سے بہترین کو قتل کیا ہے۔

قاسم رو دیا اور آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ جب معصب بن زبیر کے زمانہ حکومت میں باجمیرا قریب موصل دیہات کا نام ہے "لشکر کشی ہوئی تھی تو قاتل حبیب تمیمی اس لشکر میں شریک تھا نصف النہار کے وقت خیمہ میں اکیلا بیٹھا تھا قاسم نے موقعہ پا کر ایک ہی وار میں اس کو جہنم واصل کر دیا۔

(معالی السبطین طبری)

حبیبؑ کا سن شریف وقتِ شہادت: حبیبؑ کے سن شریف میں عمر میں اختلاف ہے۔

بعض کے نزدیک ۷۵ بعض کے نزدیک ۸۰ مشہور ہے ایک قول یہ ہے کہ آپ کا سن شریف حضرت امام حسینؑ کے برابر تھا۔

## حبیب بن مظاہر اسدی صحابی:

علمائے رجال نے ذکر کیا ہے کہ یہ بزرگوار جناب رسالت مآبؐ کی صحابیت کا شرف بھی رکھتے تھے اور کربلا میں ان کے ساتھ ان کا چچازاد ربیعہ بن خوط بھی آیا تھا اور وہ بھی صحابیٔ رسول تھا۔ چنانچہ بعد میں اس کا ذکر بھی آجائے گا۔ یہ بزرگوار حضرت امیر علیہ السلام کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔

منتخب طریحی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالت مآبؐ جماعت صحابہ کے ہمراہ ایک جگہ سے گذر فرما رہے تھے کہ چند لڑکے وہاں کھیل میں مشغول تھے۔ حضور نے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو پکڑ لیا اور اس کو اپنے پاس بٹھالیا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے میں مشغول ہوئے اور اس پر کمالِ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا۔ صحابہ نے عرض کی آقا: اس محبت و مہربانی کی کیا وجہ ہے جو ان بچوں میں سے صرف اس ایک بچے سے کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے اسے دیکھا ہے کہ ایک روز میرے شہزادہ امام حسینؑ کے ہمراہ جا رہا تھا اور حسینؑ کے قدموں کی خاک اُٹھا کر اپنے منہ پر ملتا تھا اس لئے اس کی محبت میرے دل میں ہے اور جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ بچہ واقعۂ کربلا میں ہوگا اور حسینؑ کا مددگار ہوگا اور یہ بچہ حبیب بن مظاہر تھا۔

حبیب کی صحابیت بتلاتی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کی صحبت کا شرف انہوں نے بلوغ کے بعد حاصل کیا ہے کیونکہ بچپنے کی صحبت چنداں فائدہ نہیں رکھتی اور واقعہ کربلا میں حبیب کی عمر ۷۵ برس کی تھی اور واقعہ کربلا سنہ ۶۰ ھ میں ہوا گویا بوقت ہجرت حبیب پندرہ برس کے تھے اور امام حسینؑ کی ولادت ہجرت کے بعد

ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ حبیب حضرت امام حسینؑ سے ۱۸ برس بڑے تھے کیونکہ امام حسینؑ کی شہادت کے وقت عمر ۵۷ برس تھی۔

تو اس لحاظ سے حضرت حبیب کو امام حسینؑ کا ہم عمر کہنا بھی غلط ہوگا۔ اِسی طرح روایتِ مذکورہ میں حضرت رسالتمآب کا ایک بچّے سے پیار کرنا اور وجہ یہ بیان کرنا کہ میرے فرزند حسینؑ کے قدموں کی خاک منہ پر ملتا ہے۔ حالانکہ کم از کم امام حسینؑ کی عمر اس وقت ۴ یا ۵ برس کی ہوگی تو حبیب کی عمر اس وقت ۲۲، ۲۳ برس کی ہوگی۔ پھر اس عمر کے نوجوان کے متعلق یہ کہنا کہ بچے کھیل رہے تھے اور حضرت نے ایک بچہ کو پکڑ کر اس کی پیشانی کا بوسہ لیا وغیرہ بعید سا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات تعجب خیز اس لئے نہیں کہ حضور کے مقابلہ میں تو ایسی عمر کے نوجوان بچے تھے بلکہ آج کل بھی بڑے بوڑھے لوگ بیس پچیس برس کے نوجوان کو لڑکے اور بچے کی لفظوں سے ہی تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اور رسول جو ساری اُمت کے لئے باپ کی حیثیت سے ہیں ان کے سامنے تو سفید ریش بھی بچّہ کہلانے کے قابل ہیں۔ چہ جائیکہ نوجوان لہٰذا ممکن ہے کہ محبت کے اظہار کے لئے حضور نے حبیب کی پیشانی پر بوسہ دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

## فضائلِ حبیب:

رجال کشی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت میثم تمار گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ مجلس بنی اسد کے قریب حضرت حبیب سامنے آتے ہوئے مل گئے۔ پس باتوں میں مشغول ہو گئے اور ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہوئے کہ گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ حبیب نے کہا میں ایک شخص کو دیکھ رہا

ہوں جس کے سر کے سامنے کے بال گر چکے ہیں۔ خربوزہ اور خرما فروخت کرتا ہے اس کو سولی پر لٹکایا جائے گا اور اس کے پہلو پر نیزہ مارا جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ اے میثم تجھ سے یہ سلوک ہوگا تو میثم نے جواب میں کہا۔ میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی ڈاڑھی سُرخ ہے اور اس کے سر پر دو گیسو ہیں وہ فرزند رسولؐ کی مدد کے لئے جائے گا اور شہید ہوگا اور اس کا سر کوفہ کے بازاروں اور کوچوں میں پھرایا جائے گا۔ یہ کہہ سن کر ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ جن لوگوں نے ان کی باتیں سنیں آپس میں کہنے لگے۔ (معاذ اللہ) ان دو شخصوں سے زیادہ دروغ گو ہم نے کوئی نہیں دیکھا۔ اتنے میں وہاں رشید ہُجری آ پہنچے جو ان دونو کو تلاش کر رہے تھے جب اُس نے لوگوں سے ان کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے جواب دیا ابھی دونو اسی مقام پر موجود تھے اور اِس اِس طرح کی ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے رشید نے کہا خدا میرے بھائی میثم پر رحم کرے کہ اس نے پوری بات نہیں کہی کہ جب حبیب کے سر کو کوفہ میں لائیں گے تو اس کا انعام دوسروں کی بہ نسبت ایک سو درہم زیادہ ہوگا۔ سننے والے کہنے لگے یہ شخص ان دونوں سے زیادہ دروغ گو ہے راوی کہتا ہے ابھی بہت زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ میثم کو سولی پر لٹکایا گیا اور حبیب کے سر کو کوفہ میں پھرایا گیا اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا سب واقع ہوا۔

یہ حبیب واقعی ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے نصرتِ حق کے لئے لوہے کی چٹانوں سے ٹکر لی اور اپنی بلند حوصلگی سے ان کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ تیرو تبر اور نیزہ و تلوار کو سینہ پر کھا کر آوازِ حق کو اس طرح بلند کیا کہ قیامت تک وہ دب نہ سکے گی۔ ثبات قدم اور خودداری کی وہ زندہ مثال قائم کی جسے مرورِ زمانہ کہنہ نہ کر سکے گا۔ اس کے سامنے مال پیش کیا گیا۔ زرو جواہر کی تقدیم کی گئی جاگیروں کا

لالچ دیا گیا اور عہدوں کی پیشکش ہوئی لیکن سب کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دیا اور حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ کہتے ہوئے کہ ہم بروزِ محشر خدا اور رسول کے سامنے کیا جواب دیں گے۔ جب فرزندِ رسول کو تنہا چھوڑ دیں؟ خدا کی قسم ہم جب تک زندہ ہیں اور ہماری پلکوں میں آنکھ متحرک ہے ہم حسین کی نصرت سے ہاتھ نہ اُٹھائیں گے۔

کشی سے منقول ہے کہ روزِ عاشور حبیب بن مظاہر جب خیمہ سے باہر تشریف لائے تو ان کے چہرہ پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ بریر بن خضیر جو سیّد القرا تھے کہنے لگے۔ اے حبیبؑ! یہ ہنسنے کا مقام نہیں ہے، حبیب نے جواب دیا اس سے زیادہ خوشی کے لئے زیادہ موزوں ترین وقت اور کونسا ہوگا خدا کی قسم ہمارے حوروں کے ساتھ معانقہ کرنے کے درمیان صرف ایک حملہ کا فاصلہ رہ گیا ہے۔

اعیان الشیعہ سے منقول ہے کہ ان کی کنیت ابوالقاسم تھی اور بوقتِ شہادت ان کی عمر ۷۵ برس تھی۔ حافظہ قرآن تھے اور نمازِ عشاء کے بعد طلوعِ فجر تک ہر شب ایک ختم قرآن کیا کرتے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کی تمام جنگوں میں شمولیت کا شرف ان کو حاصل تھا اور حضرت امیر علیہ السلام کے خواص میں سے تھے اور علومِ شاہِ ولایت کے حامل تھے۔

ایک روایت میں ہے (۱) عمرو بن حمق خزاعی، (۲) محمد بن ابی بکر (۳) میثم بن یحییٰ التمار (۴) رشید ہجری (۵) حبیب بن مظاہر اسدی (۶) اویس قرنی یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بلند پایہ شاگردوں میں سے تھے اور علم و عرفان کے بلند ترین منازل پر فائز تھے۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے وفادار صحابہ کافی ہیں جیسے مالک اشتر و کمیل وغیرہ لیکن سب میں سے ان کا پایہ بہت بلند ہے۔

روضۃ الشہدا سے مروی ہے کہ حبیب کو خدمت نبوی کا شرف بھی حاصل تھا اور

آپ سے انہوں نے حدیثیں بھی سماعت کی تھیں اور حضرت علیؑ کی بہت عزت و احترام فرماتے تھے۔

## آمادگی حبیب برائے کربلا:

حبیب کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہو کر امام حسینؑ کی طرف دعوت نامے لکھے تھے۔ پس حضرت امیر مسلم کوفہ میں وارد ہوئے تو مختار کے گھر میں گرد و نواح سے شیعہ جمع ہوئے اور بیعت کی۔ عابس بن ابی شبیب شاکری نے کھڑے ہو کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی۔ چنانچہ حمد و ثنائے پروردگار کے بعد حضرت مسلم کی طرف متوجہ ہو کر عرض کی کہ میں لوگوں کے ضمیر کے متعلق کچھ نہیں کہتا حالانکہ میں ان کی نیتوں سے واقف ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ آپ کو دھوکے میں ڈالوں۔ ہاں اپنی نیت اور اپنے دل کی بات کہتا ہوں کہ خدا کی قسم میں نے اپنے نفس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ جب بھی مجھے بلایا جائے حاضر ہوں گا اور تمہارے دشمن سے جہاد کروں گا اور تمہاری نصرت میں تادمِ مرگ تلوار چلاؤں گا۔ پس حبیب اُٹھ کھڑے ہوئے اور بایں الفاظ عابس کے قول کی تائید فرمائی۔ اے عابس: خدا کی تیرے اوپر رحمت ہو تو نے خوب بات کہی اور میرا بھی یہی ایمان ہے اور بخدا میں بہ دل و جان تیری بات کی تائید کرتا ہوں۔

آقائے شیخ ذبیح محلاتی فرماتے ہیں کہ میں نے کتب متاخرین میں سے کسی کتاب میں دیکھا ہے جس کا نام ٹھیک طور پر مجھے یاد نہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ زمین کربلا پر پہنچے تو ایک خط حضرت محمد بن حنفیہ کو تحریر فرمایا اور ایک خط تمام

اہلِ کوفہ کے نام روانہ کیا اور ایک خط بالخصوص حبیب کی طرف رقم فرمایا جس کا مضمون یہ تھا۔

یہ خط حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے مردِ فقیہ حبیب بن مظاہر اسدی کی طرف ہے۔ اما بعد! اے حبیب ہم کربلا میں پہنچ چکے ہیں اور تو رسولِ پاک سے میری قرابت کو جانتا ہے اگر تو ہماری نصرت کا ارادہ رکھتا ہے تو فوراً پہنچ جا۔

گلیوں کوچوں پر پہرہ دار مقرر تھے اور سلسلۂ رسل و رسائل پر کڑی پابندی عائد تھی نہ معلوم یہ خط حبیب کو کیسے پہنچا بہر کیف قاصد کسی نہ کسی طریقہ سے حبیب کے دروازہ پر عین اس وقت پہنچا جب کہ حبیب ابنِ زیاد کے خوف سے اپنے قبیلہ میں پوشیدہ طور پر زندگی گذار رہا تھا اور اس وقت اپنی زوجہ کے ہمراہ صبح کا کھانا کھا رہا تھا۔ ایک لقمہ حبیب کی زوجہ کے گلوگیر ہوا تو کہنے لگی ابھی ہمارے پاس کوئی نہ کوئی نئی خبر پہنچنے والی ہے۔ چنانچہ قاصد نے پہنچ کر خط پیش کیا۔ حبیب نے پڑھا اور خط کو جیب میں رکھا زوجہ نے دریافت کیا کہ یہ خط کس نوعیت کا ہے تو حبیب نے جواب دیا۔ حضرت حسینؑ مجھے اپنی نصرت کے لئے بلا رہے ہیں، ابھی زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ حبیب قبیلہ کو خط کے مضمون کی نوعیت کا علم ہو گیا وہ فوراً پہنچ گئے اور حبیب سے دل کا راز دریافت کرنے لگے کہ آیا نصرتِ حسینؑ کے لئے جانا ہے یا نہیں؟ حبیب نے ان کی تسلی کی کہ میں ایک بوڑھا مرد ہوں اب میں کس کام کا ہوں؟ جب قبیلہ والوں کو تسلی ہو گئی تو اپنے کام کاج کے لئے چلے گئے۔ زوجہ حبیب نے دریافت کیا اے حبیب: فرزند رسولؐ تجھے اپنی نصرت کے لئے طلب کر رہا ہے اور تو جانے سے پس و پیش کر رہا ہے۔ کل بروزِ قیامت جنابِ رسالت مآبؐ کے سامنے کیا جواب دے گا؟ اس وقت حبیب نے اپنی عورت کے سامنے

بھی تقیہ کیا اور فرمایا اگر میں کربلا چلا جاؤں تو ابن زیاد میرے گھر کو خراب کر دے گا اور میرا مال و اسباب لُوٹ لے گا اور تجھے قید کرے گا۔ تو یہ سنتے ہی زوجہ حبیب نے نہایت جرأت مندانہ جواب دیا کہ اے حبیب! تُو فرزندِ رسولؐ کی مدد کے لئے جا۔ میرا گھر خراب ہو۔ اسباب لُوٹ لیا جائے اور مجھے قید کر لیا جائے۔ مجھے یہ سب کچھ منظور ہے۔ اے حبیب! خوفِ خدا کرو؛ کیا سچ مچ تو نبی زادی کے فرزند کی مدد کے لئے نہیں جائے گا حالانکہ وہ تجھے اپنی نصرت کے لئے بلا رہے ہیں؟ حبیب نے پھر احتیاط سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ اے عورت! تو دیکھتی نہیں کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب مجھ میں دشمن کا مقابلہ کرنے حملہ کرنے اور تلوار چلانے کی طاقت نہیں رہی۔ جب یہ سُنا تو وہ نیک بخت عورت غصہ وغم سے پُر ہو گئی کہ زبان سے بول نہ سکتی تھی۔ روتی ہوئی اور آنسو بہاتی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے سر سے برقعہ اُتار کر حبیب کے سر پر ڈال دیا اور کہنے لگی بے شک نہیں جاتا تو تمہاری مرضی اب عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہو اور پھر جلے ہوئے دل سے ایک دردناک بین کیا اور کہا۔

اے حسینؑ! کاش میں مرد ہوتی تو حاضر خدمت ہو کر آپ کے قدموں میں جان فدا کرتی۔

حبیب نے جب یہ دلخراش منظر دیکھا اور اپنی زوجہ کا ایمان اخلاص کی کسوٹی پر پرکھ لیا تو طبیعت میں اطمینان پیدا ہوا اور فرمایا تو خاموش رہ۔ میں تیرے دل کو روشن کروں گا اور اپنی ریش سفید کو نصرت حسینؑ میں اپنے سر کے خون سے خضاب کروں گا پس گھر سے باہر نکلے تا کہ کوفہ سے بھاگنے کی کوئی تدبیر میسّر آجائے دیکھا لوہاروں کا بازار بڑا گرم ہے۔ معلوم ہوا کہ ابن زیاد کے لشکری اپنے نیزوں کے

پھل تیز کر رہے ہیں۔ تیروں کو زہر میں بجھا رہے ہیں۔ تلواروں کو صیقل کرا رہے ہیں اور گھوڑوں کی نعل بندی کرا رہے ہیں اور یہ سب کچھ فرزندِ رسول کے قتل کا سامان ہو رہا ہے۔ حبیب کے دل سے سرد آہ نکلی۔

ادھر دیکھا مسلم بن عوسجہ ایک دوکان سے مہندی خرید کر رہے تھے (انہوں نے بازار کی چہل پہل کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ فرزندِ رسول کے قتل کے لئے ہو رہا ہے۔ لوگ ہتھیار خرید رہے ہیں کہ فرزندِ رسولؐ کو قتل کریں۔ پس مہندی کو فرش بازار پر پھینک دیا اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے اب اسے نصرت حسینؑ میں اپنے سر کے خون سے ہی خضاب کروں گا) پس دونو نے کوفے سے بھاگنے کا قصد کر لیا۔

حبیب نے اپنے غلام کو بلایا اور گھوڑا اس کے حوالہ کیا اور تلوار بھی دی کہ اس کو اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا کر لے جا اور اس کو ہدایت کی کہ فلاں راستہ سے گذر کر فلاں جگہ پر میرا انتظار کرنا۔ اور اگر کوئی پوچھے بھی تو کہنا کہ فلاں کھیتی کی دیکھ بھال کے لئے جا رہا ہوں پس غلام حبیب نے اپنے آقا کی فرمائش پر عمل کیا۔

حبیب غیر معروف طریقہ سے روانہ ہوئے لیکن ان کو وہاں تک پہنچتے کافی دیر ہوگئی۔ کیونکہ پہرہ شدت کا تھا۔ اور چھپ کر جانا تھا۔ جب غلام نے دیکھا کہ حبیب نے بڑی دیر کر دی ہے وہ سمجھا کہ شاید ان کا ارادہ بدل گیا ہے یا کوئی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ گھوڑے کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اے گھوڑے اگر آقا تشریف نہ لائے تو میں خود تیری پشت پر سوار ہو کر نصرتِ حسینؑ کے لئے کربلا جاؤں گا۔ گھوڑا سر جھکائے غمزدہ حالت میں غلام کی یہ باتیں سُن رہا تھا۔ اتنے میں حبیب پہنچا اور غلام کے کلمات حبیب کے کانوں میں پہنچے تو جسم پر لرزہ طاری ہو گیا

اور آنکھوں سے سیلابِ اشک جاری کرتے ہوئے کہا۔ اے حسینؑ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہو جائیں۔ کنیز زادے تیری نصرت کے لئے بے چین ہیں۔ لیکن افسوس اُن آزاد مردوں پر جو تیری نصرت سے گریز کرتے ہیں۔

## ورود حبیب در کربلا:

پس گھوڑے پر سوار ہوئے اور غلام سے کہا کہ میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا ہے جس طرف تیری مرضی ہو چلا جا۔ غلام یہ سُن کر حبیب کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کی اے آقا: مجھے اس سعادت سے محروم نہ فرمایئے۔ مجھے بھی اپنے ہمرکاب لے جایئے تاکہ اپنی جان حسینؑ پر قربان کروں۔ پس حبیب نے غلام کی درخواست کو منظور کیا اور اُسے اپنے پیچھے سوار کر لیا اور کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔

جب حبیب پہنچے تو حضرت حسینؑ کے تمام صحابہ نے بڑھ کر نہایت گرم جوشی سے حبیب کا استقبال کیا ادھر خیمہ گاہ میں بھی خبر پہنچی تو علیا مخدرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ تمام صحابہ ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں؟ تو عرض کی گئی کہ حبیب آپ کی نصرت کے لئے پہنچا ہے۔ بی بی نے فرمایا۔ میرے سلام حبیب کو پہنچا دو۔ جب حبیب کو بی بی عالیہ کا سلام پہنچا تو ایک مٹھی بھر خاک لے کر اپنے سر میں ڈالی اور کہنے لگے۔ ہائے میں کجا اور امیر عرب کی بڑی شہزادی کجا کہ مجھے سلام بھیج رہی ہے۔

بحار الانوار وغیرہ سے منقول ہے کہ جب حبیب نے امام حسینؑ کی تھوڑی فوج دیکھی تو عرض کی آقا: یہاں نزدیک ہمارے قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کو آپ کی نصرت کے لئے دعوت دوں۔ حضرت نے اجازت دی۔ چنانچہ حبیب اپنی ہیئت تبدیل کر کے وہاں پہنچے۔ چونکہ وہ ان کو

پہچانتے تھے اور اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔ پس انہوں نے ان کا کافی احترام کیا اور تشریف آوری کی وجہ دریافت کی تو حبیب نے جواب دیا کہ میں تمہارے پاس ایک ایسی بہتر چیز لایا ہوں کہ کبھی کوئی شخص اپنے قوم کے پاس اس سے بہتر چیز نہ لایا ہوگا۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ تم لوگوں کو فرزندِ رسولؐ کی نصرت کی دعوت دوں کہ ان کے ہمراہ چند ایماندار لوگ ہیں کہ ان میں کا ایک ہزاروں سے بہتر ہے اور وہ فرزندِ رسولؐ کی نصرت سے قطعاً دست بردار نہ ہوں گے۔ دوسری طرف عمر بن سعد نے ایک لشکر کثیر کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا ہوا ہے تم چونکہ میری قوم ہو لہٰذا تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ فرزند رسولؐ کی مدد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تا کہ تمہارے لئے دین و دنیا کے شرف کا باعث ہو۔ اور میں قسم سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جو بھی حسینؑ کے ہمرکاب ہو کر شہید ہوگا جنت عدن میں جناب رسالت مآبؐ کی صحبت اُسے نصیب ہوگی۔ جب انہوں نے حبیب کی پیشکش سنی تو لبیک کہا اور سب سے پہلے عبداللہ بن بشر نامی ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ پہلا میں شخص ہوں جو اس دعوت پر لبیک کہنے کو تیار ہوں۔ پھر یکے بعد دیگرے لوگ اُٹھے اور نوے تک تعداد پہنچ گئی۔ آلاتِ حرب آراستہ کر کے روانہ ہوئے۔ اسی قبیلہ میں سے ایک منافق نے ابن سعد تک خبر پہنچا دی۔ اس ملعون نے ازرق کو چار سو سپاہ کی فوج دے کر مقابلہ کے لئے روانہ کیا راستہ میں ان کے درمیان ایک سخت جھڑپ ہوئی۔ بنی اسد تابِ مقابلہ نہ لاتے ہوئے پس پا ہو گئے۔ اور عمر سعد کے خوف سے راتوں رات اپنے خیمے وہاں سے اکھیڑ کر کسی دوسری طرف چلے گئے۔ حبیب نے واپس خدمتِ امام میں پہنچ کر ساری داستان بیان کی۔ امام نے فرمایا

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

عمر بن سعد نے ابن زیاد کا پیغام سنانے اور جواب حاصل کرنے کے لئے امام حسینؑ کی طرف قرہ بن قیس حنظلی کو روانہ کیا۔ جب وہ قریب آیا تو امام علیہ السلام نے حبیب سے فرمایا کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ حبیب نے جواب دیا۔ اے فرزندِ رسولؐ یہ قرہ بن قین حنظلی ہے۔ یہ شخص ہمارا خواہرزادہ ہے۔ یہ شخص نیک طینت اور نیک خصال تھا اور مجھے خیال تک نہ تھا کہ اس شیطانی لشکر میں یہ داخل ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جب اس نے پیغام پہنچایا اور جواب لے کر واپس پلٹنا چاہا تو حبیب نے فرمایا وائے تم پر اے قرہ کہاں جاتا ہے۔ اس ظالم قوم کا ساتھ چھوڑ دے اور فرزند رسولؐ کی نصرت میں داخل ہو جا۔ جس کے باپ نانا کی بدولت تجھے ہدایت ملی ہے لیکن اس بد بخت نے جواب دیا۔ میں پیغام کا جواب پہنچا کر غور کروں گا۔ پس اس بد بخت نے بہشت سے منہ پھیر کر دوزخ کا رُخ کیا اور توفیقِ توبہ نہ پاسکا۔

جب امام حسینؑ نے خطبہ پڑھا تھا تو شمر نے آواز دی کہ اگر میں نے آپ کی کوئی بات سمجھی ہو تو خدا کی عبادت شک و شبہ سے کی ہو۔ فوراً حبیب بن مظاہر بولے اور فرمایا خدا کی قسم تو نے بے شک شکوک و شبہات سے خدا کی عبادت کی ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ بات سچ کہی ہے کیونکہ خدا نے تیرے سیاہ دل پر اپنے غضب کی مہر لگا دی ہے اور تیرا دل قہرِ خدا کے پردہ میں مغمور ہے تو کیسے امام عالی مقام کے پاک کلام کو سمجھے کیونکہ تیری حیثیت ایک عام حیوان سے زیادہ نہیں۔

جب نویں محرم کی عصر کو حضرت عباسؑ بفرمانِ امام حبیب بن مظاہر اور زہیر قین اور دیگر چند صحابہ کو ہمراہ لے کر حالات دریافت کرنے کے لئے گئے اور واپس اطلاع دینے کے لئے حضرت عباسؑ آئے تو حبیب نے قومِ اشقیا سے مخاطب ہو کر کہا۔ خدا کے نزدیک بروزِ قیامت بدترین انسان ہوں گے جو اولادِ پیغمبر کے قاتل

محشور ہوں گے اور یہ ان لوگوں کے قاتل ہیں جو نماز و استغفار سے شب بیداری کرتے ہیں۔ ایک ملعون نے جواب دیا حبیب تم اپنی مدح وثنا ہی کر رہے ہو تو زہیر نے پھر ان کو منہ توڑ جواب دیا۔

کتبِ معتبرہ سے منقول ہے کہ جب شبِ عاشورا امام اپنے ساتھیوں کو آزما چکے تو جنابِ زینبؑ عالیہ نے عرض کی اے برادر! اِن باقی ماندہ مٹھی بھر صحابہ کو آپ نے آزما تو لیا ہے ایسا نہ ہو کہ جب لڑائی کے شعلے بھڑک اُٹھیں تو یہ بھی آپ کو چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر جائیں۔ حضرت حسینؑ بہن کی یہ بات سُن کر رو دیئے اور فرمایا اے ماں جائی، میں نے ان کا امتحان لے لیا ہے یہ سب کے سب شجاع اور مردِ میدان ہیں اور میرے سامنے جان دینے کے لئے اس طرح بے تاب ہیں جس طرح بچہ ماں کے سینے کی طرف بے تاب ہوا کرتا ہے۔

ہلال بن نافع یہ باتیں سُن رہا تھا۔ عالمِ پریشانی میں فوراً حبیب کے خیمہ کے دروازہ پر آیا اور آواز دی۔ اے حبیب دخترِ علیؑ کو ہماری وفا پر اعتماد نہیں ہے اور پھر سارا واقعہ دُہرایا۔ حبیب نے کہا بخدا اگر اپنے مولا کے امر کی انتظار نہ ہوتی تو ابھی تلوار لے کر ان دشمنانِ دین پر حملہ کر دیتا۔ ہلال نے کہا۔ اے حبیبؑ میں نے حسینؑ کی بہن زینبؑ کو بہت پریشان پایا ہے۔ اور شاید تمام بچے اور باقی مستورات بھی اسی طرح پریشان ہوں گے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تمام اصحاب کو جمع کر کے ان کے اطمینان وتسلّی کا انتظام کیا جائے۔ حبیب نے جواب دیا۔ بہتر ہے۔ پس ایک طرف حبیب اور دوسری طرف ہلال نے اصحاب کو پکارنا شروع کر دیا۔ تمام نے برج خیام سے ستارہ ہائے آسمان کی طرح منہ باہر کیا تو حبیب نے بنو ہاشم کو واپس بھیج دیا اور دیگر اصحاب سے خطاب کر کے کہا۔ اے غیورو۔

اے بیشۂ شجاعت کے شیرو! ہلال نے مجھے اِس اِس طرح کی ایک خبر دی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمام اصحاب نے تلواریں برہنہ کر لیں اور عمامے سروں سے اُتار پھینکے اور کہنے لگے۔ اے حبیب: خدا کی قسم جب تک ہمارے قبضہ میں تلوار ہے کسی کی مجال نہیں کہ ان پاک بیبیوں کے خیام کی طرف رُخ کرے۔ ہم وصیتِ پیغمبرؐ پر اس کی ذرّیت کی حفاظت اور پاسداری کر کے پورا پورا عمل کریں گے۔ حبیب نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر میرے ساتھ آیئے چنانچہ آگے آگے اور اصحاب اس کے پیچھے روانہ ہوئے اور خیامِ اہلِ بیتؑ کے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔ حبیب نے آواز دی۔ اے حریمِ عصمت کی پردہ دارو! اے خاندانِ رسالت کی شہزادیو! یہ تمہارے غلام سب تلواریں لے کر درِ دولت پر حاضر ہیں اور قسم کھا کر عہد کرتے ہیں کہ یہ تلواریں تمہارے دشمنوں کی گردنوں پر چلائیں گے اور یہ تمہارے غلاموں کے نیزے موجود ہیں اور قسم سے کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے سینوں میں پڑیں گے جو ان خیموں کی ہتک حُرمت کا ارادہ رکھتے ہوں۔ جب امام حسینؑ نے یہ آواز سنی تو اہلِ حرم کو اطلاع دی پس تمام مستورات کو یک گونہ تسلی ہوئی اور فرمایا۔ اے پاک زادہ: فاطمہ زہراؑ کی شہزادیوں کی ناموں کی حفاظت کرو۔ اگر ذرّیت پیغمبرؐ کی حمایت سے کوتاہی کرو گے تو قیامت کے دن کیا جواب دو گے؟ راوی کہتا ہے یہ سنتے ہی اصحاب اس قدر روئے کہ گویا زمین میں زلزلہ بپا تھا۔

روزِ عاشور جب حبیب حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ مسلم بن عوسجہ کی لاش پر پہنچے۔ ابھی تک مسلم میں رمقِ جان باقی تھی۔ حبیب نے کہا اے مسلم مجھے معلوم ہے کہ عنقریب میں بھی تیرے ساتھ ملحق ہونے والا ہوں۔ ورنہ تجھے وصیت کرنے

کو کہتا اور ہر ممکن طریقہ سے اُسے پورا کرتا۔ مسلم نے امام عالی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اے حبیب بس میری وصیت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اس غریب کی مدد سے کوتاہی نہ کرنا۔ حبیب نے جواب دیا انشاءاللہ پروردگارِ کعبہ کی قسم تیری یہ وصیت پوری کر کے تیری آنکھیں ٹھنڈی کروں گا۔

جب ابوثمامہ صائدی نے امام سے نماز کی درخواست کی اور امام نے اس کے حق میں دعا کی تو حبیب نے لشکرِ ابنِ سعد کو خطاب کر کے کہا کہ کیا تم اسلام کے احکام بھی فراموش کر چکے ہو۔ جنگ کو روک دو تا کہ ہم نماز پڑھ لیں اور تم خود بھی نماز پڑھو۔ حصین بن نمیر ملعون نے آواز بلند کی کہ اے حسین جو کچھ نماز پڑھنی ہے بے شک پڑھ لو۔ لیکن تمہاری نماز مقبول نہیں ہوگی۔ یہ سُن کر حبیب طیش میں آئے اور فرمانے لگے اے خمارہ کے بیٹے تیری نماز قبول ہوگی اور فرزندِ رسولؐ کی نماز قبول نہ ہوگی؟ پس خدمتِ امام میں عرض کی آقا: ان لوگوں کی بدکلامی برداشت نہیں ہوسکتی۔ آپ اجازت مرحمت فرمائیں اور یہ نماز تیرے نانا کے پیچھے کوثر کے کنارے پڑھوں گا۔ بعض کتب سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اے حبیب تو میرے نانا اور بابا کی یادگار ہے اور بہت بوڑھا ہے میں کس طرح پسند کروں کہ تو میدان میں جائے۔ حبیب نے رو کر عرض کی آقا: میرا دل چاہتا ہے کہ تیرے نانا کے سامنے سرخرو پیش ہوں اور تیرے باپ اور دادا کے روبرو تمہارے ناصرین کی صف میں پیش ہوں۔

## شہادتِ حبیب:

حبیب امام حسینؑ کی فوج کے میسرہ پر متعین تھے۔ امام سے اجازت طلب کر کے میدان میں آئے اور اس طرف سے مقابلہ کے لیے حصین بن نمیر نکلا۔ حبیب

نے ایک ضرب تلوار سے اس کی ناک اُڑا دی وہ بدحواس ہو کر گھوڑے سے گرا۔ حبیب نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے ساتھیوں نے اسے فوراً اُٹھا لیا۔ پس قوتِ ایمانی سے حبیب نے فوج اشقیا پر شیر کی طرح حملہ کیا اور باوجود ضعیفی اور کبر سنی کے ۶۲ ملاعین کو دارالبوا پہنچایا۔ اتنے میں بدیل بن صریم تمیمی نے نیزے کا وار کیا کہ آپ منہ کے بل گر گئے حصین بن نمیر جو انتقام کی انتظار میں تھا اس نے فوراً موقع پا کر تلوار کا وار کیا کہ حبیب اُٹھنے سے لاچار ہو گئے۔ پس اس تمیمی ملعون نے گھوڑے سے اُتر کر حبیب کا سر تن سے جدا کر لیا۔

حصین بن نمیر نے کہا کہ یہ سر مجھے دے دو کہ اس کو میں نے قتل کیا ہے لیکن تمیمی نے انعام کے لالچ سے حبیب کا سر حصین کو دینے سے انکار کر دیا حصین نے کہا کہ کچھ دیر کے لئے حبیب کا سر مجھے دے تا کہ میں اس کو گھوڑے کی گردن میں باندھ کر فوج میں ایک چکر لگاؤں، پھر انعام کے موقع پر تجھے دے دوں گا وہ تمیمی اس بات پر رضا مند ہو گیا اور حصین نے حبیب کے سر کو گھوڑے کی گردن سے باندھ کر تمام فوج میں پھرایا تا کہ سب لوگ جان لیں کہ یہ حبیب کا قاتل ہے۔ اس کے بعد وہ سر تمیمی کو واپس کر دیا۔ بعض عبارتوں میں ہے

بَانَ الْاِنْكِسَارُ فِیْ وَجْهِ الْحُسَیْنِ مِنْ قَتْلِ الْحَبِیْبِ

حبیب کے قتل ہونے سے حسینؑ کے چہرہ میں پژمردگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور فرمایا حبیب: خدا تجھے جزائے خیر دے تو وہ فاضل شخص تھا کہ ہر رات ختم قرآن کیا کرتا تھا۔

## انتقام فرزند حبیب:

نفس المھموم سے منقول ہے کہ وہ مرد تمیمی ملعون حبیب کے سر کو کوفہ میں لایا تو

حبیب کے فرزند قاسمؒ بن حبیب جو قریب البلوغ تھا اُس نے اپنے باپ کا سر پہچان لیا اور اس تمیمی کے پیچھے پیچھے دارالامارہ کی طرف روانہ ہوا۔ تمیمی نے قاسمؒ سے ساتھ آنے کی وجہ پوچھی تو قاسمؒ نے کہا کہ یہ میرے بابا کا سر ہے مجھے دے دو تاکہ میں اس کو دفن کروں، اس ملعون نے جواب دیا کہ اس طرح ابن زیاد راضی نہ ہوگا اور مجھے انعام بھی نہ مل سکے گا۔ پس قاسم بآواز بلند رویا اور کہا اے ملعون تو نے اس شخص کو قتل کیا ہے جو تجھ سے بہتر تھا خدا تجھے سخت ترین عذاب میں مبتلا کردے۔

قاسم نے دل میں اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لینے کا عہد کرلیا اور ہمیشہ اسی جستجو میں رہتا تھا کہ موقع ملے لیکن یہ موقعہ دستیاب نہ ہوسکا۔ حتیٰ کہ جب مصعب بن زبیر کا زمانہ آیا تو قاسم نے اُس تمیمی ملعون کو دوپہر کے وقت اپنے خیمہ میں تنہا بیٹھا ہوا دیکھا۔ پس ایک ہی حملہ سے اُسے واصلِ جہنم کر کے دم لیا۔

## ایک خواب:

علّامہ نوری سے دارلسلام میں منقول ہے کہ مرحوم شیخ جعفر شوستری نے بیان کیا میں نجف اشرف سے علوم دینیہ کی تحصیل کر کے جب وطن مالوف میں پہنچا تو سلسلۂ تبلیغ کو جاری کیا لیکن فن تبلیغ و مصائب میں مہارت نہ تھی اس لئے ماہِ مبارک رمضان میں اور بالعموم جمعہ کے دن منبر پر جا کر تفسیر صافی سے پڑھا کرتا تھا اور ایام محرم میں روضۃ الشہدا کو سامنے رکھ کر پڑھتا تھا لیکن کماحقہٗ، نہ تبلیغ میں موثر انداز تھا اور نہ گریہ میں کامیابی تھی کئی سال اسی طرح گذر گئے ماہِ محرم نزدیک آیا تو دل میں خیال کیا کہ بیان کی کامیابی کے لئے کیا کچھ اختیار کیا جائے لیکن کوئی علاج نہ سوجھا۔ بس اسی پریشانی کے عالم میں نیند غالب آگئی تو اپنے آپ کو زمین کربلا میں پایا جب کہ امام حسینؑ تازہ وارد کربلا ہوئے۔ ایک طرف خیام امام نصب تھے اور

دوسری جانب خیام اشقیا تھے۔ خدمت اقدس امام علیہ السلام میں پہنچ کر سلام عرض کیا۔ حضور نے مجھے اپنے قریب جگہ دی اور میرے ساتھ کمال شفقت کا مظاہرہ فرمایا۔ پھر حبیب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے حبیب، شیخ جعفر ہمارا تازہ نو وارد مہمان ہے ہمارے پاس پانی تو نہیں کچھ ستو مہمان کے سامنے پیش کرو۔ حبیب نے حکم امام کی تعمیل میں میرے سامنے ستو رکھے اور قاشق بھی دی چنانچہ چند قاشق تناول کئے اور خواب سے بیدار ہو گیا۔ پس اس طعام کی برکت سے اخبار مصائب کے ایسے اشارات، لطائف اور کنایات پر مجھے اطلاع ہوئی کہ مجھ سے پہلے کسی نے سبقت نہ کی تھی اور روز بروز ترقی ہوتی گئی اور اپنے مقصد پر آخرکار کامیاب ہو گیا۔

نیز ایک بزرگ نے حضرت حبیب کو محلات جنت میں غمگین دیکھا وجہ پوچھی تو جواب دیا ایک حسرت دل میں باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ ایک دفعہ دنیا میں جا کر حضرت حسینؑ کے رونے والوں میں داخل ہو جاؤں تا کہ عزاداری کا شرف حاصل کرلوں۔

## مرزا دبیرؔ:

بچپن کے دوست حبیب ابنِ مظاہر اسدی جو میسرۂ لشکر امام کے سردار تھے:

اے مشک قلم جلوہ کافور دکھا دے　　اے شام سیاہی سحرِ نور دکھا دے

اے مطلع روشن شجر طور دکھا دے　　اے رنگِ سخن صاف رُخِ حور دکھا دے

اس مرثیے میں اُس کے فضائل کا بیاں ہے

جو سن میں مسن اور ارادے میں جواں ہے

پیری میں جواں بخت حبیب ابن مظاہر غازی، اسدی، نیک نصیب ابنِ مظاہر
حیدر کے حبیبوں کے حبیب ابنِ مظاہر بیچارہ و مظلوم و غریب ابنِ مظاہر
سر دے کے یہ پیری میں سبکدوش ہوئے ہیں
بالوں کی سفیدی سے کفن پوش ہوئے ہیں

بوڑھے مجاہد کی شان:

جس پیر کا اقبال ضعیفی میں جواں ہے حقا وہ حبیبؑ شہِ فردوس مکاں ہے
ثابت قدم ایسا کوئی پیروں میں کہاں ہے ثابت قدمی پاؤں کے رعشے میں عیاں ہے
سر ہلتا ہے، پر ہر کفِ پا رن میں جمی ہے
جنبش میں ہے لو شمع کو ثابت قدمی ہے

ہے بے سروساماں کوئی ایسا شہدا میں سر دفن ہے کعبہ میں بدن خاکِ شفا میں
سب جسم ہے دربار شہ ارض و سما میں سر ابنِ مظاہرؑ کا ہے سرکارِ خدا میں
کیونکر نہ وہ سر قابلِ درگاہِ خدا ہو
جو خالقِ کونین کے فدیہ پہ فدا ہو

پیغمبرؐ اسلام کی حبیب سے محبت کی کمسنی کے واقعات:

ظاہر ہیں حبیبؑ ابن مظاہر کے فضائل محبوب نبیؐ کا ہے یہ فرخندہ شمائل
شبیرؑ کی الفت میں جو دیکھا اُسے کامل اُس مصحفِ ناطق نے کیا بر میں حمائل
پر خود غلطوں نے وطن آوارہ کیا ہے
ہر جزوِ بدن تیغوں سے سیپارہ کیا ہے

بچپن میں جو گھر سے شہِ دیں کھیلنے آتے یہ مٹھیوں میں خاکِ قدم ان کی اُٹھاتے
کچھ آنکھوں میں انگلی کی سلائی سے لگاتے کچھ خاک کو گلگونۂ رخسار بناتے
اس خاک سے سو حسن کا طالب وہ جری تھا
صندل تھا یہی، سُرمہ یہی، عطر یہی تھا

بے وجہ نہیں منہ پہ ملی خاک وہ اصلا　　بچپن میں تیمم تھا پئے طاعتِ مولا
اور عہد ضعیفی میں حضورِ شہِ تنہا　　آبِ دمِ خنجر سے کیا مسح سر و پا
منہ خوں سے اگر دھویا تو ہاتھ آبِ بقا سے
اس تازہ وضو سے گئے ملنے کو خدا سے

بچوں کی صفیں کھیلنے میں کرتے تھے تیار　　شبیرؑ کو اُن سب میں بناتے تھے وہ سردار
شبیرؑ اُنھیں میسرہ کا کرتے تھے مختار　　آقا سے جو ہمجولی کوئی کرتا تھا تکرار
ہاتھ اِن کا علم ہوتا تھا شمشیر کے بدلے
بچوں سے لڑا کرتے تھے شبیرؑ کے بدلے

حبیب کا کربلا میں میدانِ جنگ کی طرف جانا:

لکھا ہے کہ جب رن کو چلے لڑنے کی خاطر　　کس پیار سے شہ بولے خدا حافظ و ناصر
ظاہر ہوا اعجاز حبیب ابنِ مظاہر　　دن پھر گئے پیری کے جوانی ہوئی حاضر
تیغ کمرِ پاک تھی یا لطفِ خدا تھا
قبضے پہ دھرا ہاتھ جوں ہی رعشہ جُدا تھا

بوڑھے مجاہد کی ریش سفید اور سینے کی مدح:

یوں ریش کی ہے شان حضورِ رُخِ تاباں　　جس طرح پڑھے شمع کے آگے کوئی قرآں
اور سینۂ بے کینہ ہے گنجینۂ ایماں　　گنجینۂ ایماں ہے ولائے شہِ ذیشاں
ہاتھوں میں ہے کونین کی دولت تو بجا ہے
ان ہاتھوں میں دامانِ امامِ دوسرا ہے

حبیب کا میدان میں پہنچ کر رجز پڑھنا:

غازی نے عناں روک کے ہر اک پہ نظر کی پڑھنا تھا رجز، خشک زباں شکر سے تر کی
فرمایا مبارک ہو جدائی تن و سر کی ہے دھاک شجاعوں میں مرے جد پدر کی
میں یاد وہِ زور شجاعانِ سلف ہوں
بچپن کا غلام پسر شاہِ نجف ہوں

اُس کعبہ کا حاجی ہوں گراتے ہو جسے تم اُس آیہ کا حافظ ہوں مٹاتے ہو جسے تم
اُس چاند کا ہالہ ہوں چھپاتے ہو جسے تم اُس کلمہ کا شاہد ہوں بھلاتے ہو جسے تم
اُس گل کا میں بلبل ہوں جسے خوں میں بھروگے
اُس شمع کا پروانہ ہوں گل جس کو کروگے

وہ پیر ہوں میں تیغ وسناں جس کا عصا ہے ہے خضر بھی تو پیر ہی، پر مرتبہ کیا ہے
شبیرؑ پہ یہ پیر غلام آج فدا ہے پیروں سے تمہیں شرم نہیں حق کو حیا ہے
پیری ہے وہ دولت کہ کفن زیب بدن ہے
ہر موئے سفید اپنے لیے تارِ کفن ہے

پیری سے زمیں کی طرف گردن جھکی ہوئی ہے، اس کے وجوہ:

قد خم ہے تو ہو عقل تو کج میری نہیں ہے اِس وجہ سے مائل مراسر سوئے زمیں ہے
پوشیدہ زمیں میں نبیؐ عرش نشیں ہے جھکنے ہی سے روشن بخدا نام نگیں ہے
غافل کو اشارہ ہے کہ محکومِ خدا ہوں
مِلنا ہے اِسی خاک میں باطل سے جُدا ہوں

جھکنا شرفا کا ہے تقاضائے شرافت جھکنے ہی سے افلاک کو حاصل ہوئی رفعت
خم ہونے سے محراب بنی جائے عبادت شاہد رکوع اس پہ کہ جھکنا بھی ہے طاعت

ڈرتے نہیں تم قد خمیدہ سے عجب ہے
شمشیر جو خم دار ہے کاٹ اُس کا غضب ہے

دشمنوں کا آمادہ پیکار ہونا:

ٹیڑھے ہوئے سُن کر سخنِ راست وہ کج باز     سیدھے کیے نیزے سوئے غازیٔ خوش آغاز
شاخوں سے کمانوں کی اُڑے تیروں کے شہباز     اور یاں ملک الموت نے کھولے پر پرواز
گھوڑے نے کیے کان کھڑے باجوں کے غل سے
آبِ دمِ شمشیر بڑھا میان کے پُل سے

لڑائی شروع ہوتی ہے:

دامانِ قبا شاہ کے یاور نے سنبھالے     دو صاعقہ برق اجل فوج پہ ڈالے
اک تیغ اور اک اسپ ہنر جس کے نرالے     ہر صف کی صفائی تھی تو پُرزے تھے رسالے
ارشاد کیا تیغ سے ایک ایک کو دو کر
توسن سے کہا ہاں ، سرِ کفار پہ ٹھوکر

تلوار اور گھوڑے کی کارگزاری:

تلوار تُلی قتل پہ بیداد گروں کے     کیا حصے برابر کئے اُن بد گہروں کے
اک بال کا تھا فرق نہ حصے میں سروں کے     مرکب نے پراگندہ کئے ہوش پروں کے
مدت سے یہ تھا دانت لعینوں پہ لگائے
ابرو کی طرح نعل جبینوں پہ لگائے

تلوار لگانے میں حبیب کی خمیدہ قامتی کی تصویر:

تھا ضرب کے عالم میں عجب حُسن کا عالم     اک سمت وہ تلوار کا بل اور وہ چم خم
اور ایک طرف آپ کا وہ قامت پُرخم     ہر موئے بدن جوہرِ شمشیر کا ہمدم

جس صف پہ جھکے ساتھ چلی تیغ ولی کی
غل تھا کہ یہ شمشیر دو پیکر ہے علیؑ کی

تلوار کی تعریف:

تیار کس آہن سے یہ شمشیر ہوئی تھی　　اعجاز نما اُلفتِ شبیرؑ ہوئی تھی
کیا جنگ میں سیدھی کمر پیر ہوئی تھی　　اللہ کی قدرت سے کماں تیر ہوئی تھی
اس طنطنے سے پیروں کو تنتے نہیں دیکھا
نیزہ کسی تلوار کو ہٹتے نہیں دیکھا

نیزہ بازی میں چستی اور پھرتی:

بڑھ کر کسی برچھیت نے آنکھ اُن پہ جو ڈالی　　نیزہ لیے جھپٹا یہ حبیبِ شہؑ عالی
پتلی صفت نقطہ شک صاف اُٹھالی　　برچھوں فلک اُچھلے کہ یہ پھرتی ہے نرالی
اللہ رے صفا آنکھ نے دیکھی نہ جھلک بھی
پتلی تو سناں لے گئی جھپکی نہ پلک بھی

حبیب کی شہادت:

ہر حملے میں تھا ابنِ مظاہر کا یہ عنواں　　شمشیر بکف آتے تھے نزد شہ ذیشاں
سب زخم دکھا کر انھیں کہتے تھے میں قرباں　　آقا مرے راضی ہوے فرماتے تھے وہاں
پھر سنتے تھے حیدرؑ کی صدایاں سے پلٹ کر
ہم کو نہیں خوش کرتے ہو سینے سے لپٹ کر
تھی بار سوم آہ کہ رن کو جو سدھارے　　برچھی لگی، گھوڑے سے گرے ضعف کے مارے
دیر اَب کے جو آنے میں ہوئی شاہ پکارے　　عباسؑ حبیب ابن مظاہر گئے مارے
فدیہ مرا بیکس ہے اور آوارہ وطن ہے
یاں اس کی نہ بیٹی ہے نہ ماں ہے نہ بہن ہے

امام حسینؑ بھائی اور فرزند کو لے کر حبیب کی لاش پر پہنچے:

عباسؑ نے یہ سُن کے کیا چاک گریباں　　اور گیسوئے مشکیں کیے اکبرؑ نے پریشاں

یہ قافلہ ماتم کا گیا لے کے وہ سلطاں　　پر لاش پر کب آئے کہ جب ہونٹوں پہ تھی جاں

اشک آنکھوں سے جاری ہوئے آہ اُٹھی جگر سے

غمخوار سے یوں لپٹے پدر جیسے پسر سے

حبیب کی لاش پر امام حسینؑ کا نوحہ:

ملتے تھے دہن سے دہن اور کہتے تھے بولو　　اے میرے اویسِ قرنی آنکھ تو کھولو

دم توڑیو پھر ہم سے بغلگیر تو ہولو　　رخصت کرو بانہیں گلے میں ڈال کے رولو

آخر ہمیں مضطر کیا دوری کے الم سے

بچپن میں اِسی واسطے تم کھیلے تھے ہم سے

❁❁❁

# حضرت حُرِّ جری تمیمی

اَنْتَ حُرٌّ فِی الدُّنیا وَالْاٰخِرَۃِ (قول امام حسینؑ)

ترجمہ: "تو دنیا میں بھی حُر ہے اور آخرت میں بھی"

## وجاہتِ خاندانی:

اجدادِ جنابِ حُر اشرافِ کوفہ میں سے تھے اور نورِ اسلام کے جلوہ گر ہونے سے بہت پہلے سے ذی وجاہت افراد تھے۔ قبیلۂ بنی تمیم کا شمار اشرافِ عرب میں تھا۔ آپ کے دادا عتابؔ کو عہدۂ ردافت حاصل تھا۔ قبائل کی تنظیم اور ان کی سرداری اور ان کے سرداروں کے مراتب کو سمجھنے کے لیے عرب کے قدیم تمدن پر نظر ڈالنی ہوگی۔ ردیف جسے آج شعرا محض اشعار کی نسبت سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں قدیم عرب میں وزارت کے عہدے کے برابر تھا۔ ردیف بادشاہ کے داہنے جانب مثل دستِ راست نشست پاتا تھا۔ دربار میں اس کی یہ جگہ مخصوص تھی۔ دسترخوان پر اس کا یہ رتبہ تھا کہ بادشاہ کے بعد سب پر سبقت طعام کرے۔ سفر میں یہ منزلت تھی کہ بادشاہ کی سواری کے برابر سوار ہو کر ہمرکاب وہم لجام ہو۔ بادشاہ کی عدم موجودگی میں اس کا قائم مقام ہو کر احکام جاری کرے۔ اس اجمالی تعریف سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ جنابِ حر کے جدِّ اعلیٰ ردیف ہونے کی حیثیت سے کس اعلیٰ پائے کی شخصیت رکھتے تھے۔ نعمان ابنِ منذر نے عتاب کو

عہدۂ ردافت دے کر ان کی منزلت کو واضح کر دیا تھا۔

## ذاتی وجاہت:

حُر رئیس و شریفِ کوفہ تھے۔ زمانۂ قدیم کا دستور بڑے شہروں کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی وسعت پر نظر رکھتے ہوئے اسے مناسب تعداد کے حصص میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ کوفے کی اہمیت خلافتِ دوم میں زیادہ ہوگئی تھی۔ مشرقی فتوحات کے لیے نزدیک محاذ افواج کا رکھنا نہایت ضروری تھا چنانچہ کوفے کی شکل چھاؤنی کی طرح کی ہوگئی اور افواجِ قاہرہ کا مرکز کوفہ ہوگیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی خلافتِ ظاہری کے زمانے میں اسے دوہری عظمت حاصل ہوگئی۔ کوفہ دارالخلافت بھی ہوگیا تھا امامتِ حقیقی نے اسے اجاگر اور منور کر دیا۔ کوفہ ایک وسیع وعریض شہر ہونے کی حیثیت سے چار قطعات میں تقسیم سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ کوفے کو ارباعِ کوفہ کہنے لگے۔ جنابِ حر ارباعِ کوفہ کے ایک ربع کے سردار و سرخیل تھے۔ یہ ربع جس کی ریاست حضرتِ حُر کے زیرِ اقتدار تھی وہ تھا جس میں بہترین قبائل سکونت رکھتے تھے وہ سب حرب وضرب کے فن میں یکتائے روزگار تھے، شان و شوکت میں منفرد تھے۔ ایسے شجاع و یگانۂ روزگار افراد کا قائد وہی ہوسکتا ہے جو ان منفرد افراد میں افضل و اکمل ہو چنانچہ کتبِ تواریخ حُر کو اشجع عراق تحریر کرتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابنِ زیاد نے ایسے رئیس کو توڑ کر اپنی ملازمتِ خاص میں بطور تنخواہ دار رکھ لیا اس طرح جسمِ حُر خرید لیا گیا تا کہ امامِ وقت کے خلاف اس کی شجاعت سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ پروانۂ تقرری دے کر حر کو ابنِ زیاد نے قادسیہ کے ناکے پر ناکہ بندی کے لیے حصین بن تمیم کے ساتھ متعین کر دیا یہ تو ناممکن ہے کہ حُر اپنے فرائضِ منصبی سے ناواقف ہوں۔ حُر ضرور واقف

تھے کہ سبطِ رسولؐ کے لیے جال بچھایا جا رہا ہے، امامِ زمانہ کوفہ آ رہے ہیں اور اہلِ کوفہ کے بلانے سے آ رہے ہیں لیکن میں راستہ روکنے پر مامور ہوں۔ یقیناً دل ملامت کرنے لگا ہوگا، آپ جب درِ دارالامارہ سے نکلنے لگے تو آوازِ غیب سُنی ''البشر یا حر بالجنۃ'' (اے حر جنت مبارک ہو) خدا جانے یہ ضمیر کی آواز تھی، ہاتف نے انجام سے باخبر کیا۔ بہر حال اس وقت تو حر کو استعجاب ہوا اور اُدھیڑ بن میں خیالات ہچکولے کھانے لگے۔

## حُر کے فرضِ منصبی و فرائضِ دینی میں تصادم:

امام حسینؑ مدینے سے غریب الوطن ہو کر نکلے۔ شفیق ماں کی لحد چھوٹی، نانا کا روضہ چھوٹا، بھائی حسنؑ کی قبر چھوٹی۔ مکہ پہنچے تو کوفے سے خطوط کی آمد شروع ہوئی "لیس علینا امام" ہم کو امام کے سائے کی ضرورت ہے آیئے ورنہ ہم روزِ قیامت رسولِ خدا سے شکوہ کریں گے کہ آپ کے فرزند نے ہماری رہنمائی نہ کی''۔ ہر چند کہ مکہ دارالامن تھا لیکن امامِ زماں کے لیے وہاں بھی حجاج کے لباس میں قاتل تلواریں تیز کیے موجود تھے۔ امام حسینؑ نے امامت کے فرائض ادا کرنے کے لیے کوفہ جانا ضروری سمجھا۔ انجام سے باخبر تھے اپنی منزلِ آخر کے راستے پر چل نکلے، یہاں تک کہ منزلِ شراف آ گئی، کوفہ نزدیک آ گیا۔ یہ منزلِ امام حسینؑ کے سفر میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہیں سے امام حصار میں لے لیے گئے، یہیں سے کربلا کا سفر شروع ہو گیا، یہیں حسینؑ کو یہ عزم کر لینا پڑا کہ ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر راہِ خدا میں سر دینا عالمِ انسانیت کو بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے۔ واقعات نے مسافروں کو کربلا کے ریگستان کی طرف موڑ کر فنا میں اسبابِ بقا پیدا کر دیے۔ حالات بگڑے تو کربلا سنور گئی،

زمانہ مخالف ہوا تو مشیت نے موافقت کی۔ جس سرزمین کی مٹی سونگھ کر امام نے پہچانا وہاں اپنا اور اپنے رفقا و اعزا کا خون بہا کر اسے عالم میں روشناس کرا دیا۔ کربلا کو کربلائے معلیٰ بنا دیا۔ امامت کے اہتمام ملاحظہ ہوں۔

منزلِ شراف میں سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ ارشاد عالی ہوا کہ پکھالیں پانی سے بھر لی جائیں۔ سب سمجھے کہ ہاں گرمی کا موسم ہے ریگستان کا سفر درپیش ہے، پانی اکثر نایاب ہو جاتا ہے، عورتوں اور بچوں کی پیاس کا خیال بھی ضروری ہے لیکن اسے کون سمجھا کہ دشمنوں کی پیاس بجھانے کے فریضے کو ادا کرنے کی رسم ڈالی جانے والی ہے۔ عدو کی مہمان نوازی ہوگی، محصور کرنے والوں پر کرم کیا جائے گا۔ پانی کا انتظام ہو چکا، قافلہ روانہ ہو گیا یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ فکبر رجل منھم ان میں سے کسی نے باآوازِ بلند اللہ اکبر کہا۔ فقال الحسین اللہ اکبر لم کبرت۔ امام عالی مقام نے فرمایا اللہ اکبر لیکن تکبیر کہنے کا کیا سبب؟ تکبیر کہنے والے نے کہا کہ مجھے نخلستان نظر آ رہا ہے۔ سامنے کھجور کے درخت سربلند نظر آتے ہیں، لوگوں نے کہا یہاں تو ہمارے علم میں کوئی نخلستان نہیں ہے۔ اب وہ حرکت کرنے والا نخلستان نزدیک آ گیا۔ معلوم ہوا کہ جسے اس شخص نے درخت سمجھ رکھا تھا وہ متحریک ہزار افراد کی فوج کے سوار اور ان کے نیزے تھے۔ معاً امام حسینؑ کا خیال اہل و عیال اور عورتوں، بچوں کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوا۔ سبطِ رسولؐ کے ساتھ آلِ رسولؐ تھے۔ عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے۔ کربلا تک ان سب کو پہنچانا تھا اور ان سے کام لینا تھا۔

بائیں جانب ذوحسم کی پہاڑیاں تھیں۔ آپ نے اس پہاڑی کو اپنے عقب میں لے کر اہلِ حرمِ عفت و عصمت کے لیے خیام نصب کرائے اور جوانانِ بنی

ہاشم تلواریں تولے ہوئے خیام اور امام کے درمیان آ کھڑے ہوئے۔ امام نے دیکھا کہ دشمن پر پیاس کا غلبہ ہے۔ چہرے سونلائے ہیں، ہونٹ خشک ہیں، گھوڑوں کی زبانیں شدتِ عطش سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔ کریم ابنِ کریم نے دشمنوں کے نیزوں اور نیزوں کی انیوں کو نہ دیکھا۔ تلواروں کی چمک اور سنانوں کی لپک پر نگاہ نہ کی، اس محسنِ انسانیت نے انسانوں کے افسردہ چہروں کو دیکھا۔ اسد بیشۂ شجاعت جنابِ عباسؑ کے تیور پر نظر نہ کی انسان نوازی کی فکر میں عورتوں بچوں کی پیاس کو فراموش کر دیا۔ دشمنوں کی آمد نے ایک سناٹا پیدا کر دیا تھا۔ دفعتاً امامِ عالی مقام علی اکبرؑ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیٹا یہ سب پیاسے ہیں انھیں پانی پلاؤ۔ حکمِ امام میں جائے دم زدن نہ تھی لیکن محبت نے جرأت دلائی۔ پشت سے نکل کر سقائے سکینہؑ سامنے آیا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ ”آقا بچوں کا ساتھ ہے اور سفر طویل ہے“۔ ارشاد ہوا۔ ”بچوں کا خدا حافظ و مالک لیکن یہ سب پیاس سے جاں بلب ہیں۔ وقت اسی کا متقاضی ہے کہ ان کی پیاس بجھائی جائے“۔

جنابِ عباسؑ غصہ پی گئے اور سب کو پانی پلانے میں مصروف ہو گئے۔ پکھالیں خالی ہو گئیں تو ہو گئیں، بچے پیاسے رہ گئے تو رہ جائیں یہ تو آلِ رسولؐ کی شان تھی ہی لیکن دوسرے سیراب کر دیے جائیں۔ اس واقعے کی جان یہ ہے جسے خود علی بن تعان ذکر کرتا ہے کہ میں قافلے سے پیچھے رہ گیا تھا بعد میں پہنچا لیکن حالت یہ تھی کہ زبان میں کانٹے پڑے تھے، حواس بجا نہ تھے، بات کرنا بلکہ سمجھنا ناممکن ہو رہا تھا، امامؑ خود میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے شخص اونٹ بٹھا دے۔ میں سمجھ نہ سکا یہاں تک کہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے مجھ کو سیر و سیراب کیا۔ حسینؑ نے دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک کرنا تو اب وجد سے ورثے میں

پایا تھا۔ یہ اخلاق تو اہلِ بیتؑ سے مخصوص تھا۔ سیراب کر چکے تو دریافت کیا کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ سردار کو سامنے بلایا۔ حُر سامنے آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''میں تو کسی کی بادشاہت میں خلل ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ تمھیں لوگوں نے مجھے ہدایت کے لیے بلایا تو مکّے سے آیا ہوں اور بچوں عورتوں سمیت سفر کی صعوبتیں جھیلی ہیں''۔ اصحاب کو حکم دیا کہ وہ تمام خطوط کی خورجیاں لے آؤ اور حر کے سامنے پیش کرو۔ حر کے دل و دماغ میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی جو آلِ رسولؐ کی عزت اور حسینؑ کی عظمت اور شانِ کرم کو دیکھ کر اس طرف متوجہ کرنے لگی اور منصب و عہدے کے فرائض سے باطنی جنگ شروع ہو گئی۔

## حُر کی رتبہ دانی و حق شناسی اور مجبوری و معذوری:

ظہر کا وقت آ گیا۔ امام حسینؑ نے حجاج ابنِ مسروق کو حکم دیا کہ اذان دیں اور سب کو وحدہٗ لاشریک کے حضور ایستادہ ہونے کی دعوت دیں۔ مؤذن نے اذان دی۔ حُر نے فیصلہ کیا کہ ابنِ رسولؐ کے عقب میں نماز پڑھنا سعادتِ عظیم ہے اسے حاصل کرنا چاہیے۔ امام آگے بڑھے۔ (اعزّا نے دشمنوں کے ساتھ صف باندھی، دوستوں اور دشمنوں کی باہم ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا ہوئی۔ اس لحاظ سے وادیِ ذوحسم کو تفوّق حاصل ہوا۔ یہاں یہ کہنے والا کوئی نہ نکلا کہ اے حسینؑ تمھاری نماز مقبول نہیں یہ تو کربلا میں روزِ دہم آواز پہلی بار سُنی گئی کہ جن کے دم سے نماز قائم ہوئی ان کی نماز درست نہیں۔ اسی طرح عصر کی نماز بھی ہوئی۔ امام حسینؑ نے اس منزل پر دشمنوں کے سامنے خطبے ارشاد فرمائے طبری اور شیخ مفید رقمطراز ہیں۔

فحمدالله واثنی علیه ثم قال ایها الناس انی طه اتکم

حتیٰ اقلتی کتبکم و قدمت علیٰ رسلکم ان اقدم علینا فانہ لیس علینا امام بعذاللہ ان یجمعنا بك وعلی الھدیٰ والحق فان کنتم علیٰ ذالك فقد جئتکم زا مطوفی ما اطمئن الیہ من عھدوکم ومواثیقکم وان لم تفعلو او کنتم لقد ومی کادھین انصرفت عنکم الے المکان الذی جئت منہ الیکم فسکتواعنہ ولم تیکلہ احد منھم بکلمۃ فقال اللموذن اقم۔

اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا ایھا النّاس ''میں تمہاری جانب اس وقت تک نہیں آیا جب تک تمہارے خطوط نہیں گئے اور قاصد نہیں پہنچے کہ آیئے ہمارا کوئی امام نہیں ہے ممکن ہے آپ کے ذریعے سے خدا ہمیں حق وحمایت پر مجتمع کرے۔اب اگر تم لوگ اس بات پر قائم ہو تو میں آ گیا ہوں اب تم مجھ سے اطمینانی طریقے سے پھر عہد کرو اور اگر تم نہیں چاہتے اور میرا آنا پسند نہیں کرتے تو میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں۔یہ سن کر سب خاموش رہے اور کسی نے ایک لفظ جواب میں نہ کہا۔حضرتؑ نے مؤذن کو حکم دیا کہ اقامت کہی جائے۔

خطبۂ بالا اس خطبہ کمالی کا جزو ہے جو بعدِ اذان اور قبلِ اقامت امامِ عالی مقام نے لشکرِ حر کے روبرو ارشاد فرمایا۔طبری نے ایک دوسرے خطبے کا ذکر عقبہ بن ابی المغیرا کی زبانی نقل کیا ہے۔

وقال عقبہ بن ابی المغیرا قام حسین علیہ السلام بذی حسم فحمداللہ واثنیٰ علیہ ثم قال انہ

قد نزل من الامر ما قد ترون وان الدنیا قد تغیرت وتنکرت و ادبر معروفھا واستمرت جدا فلم یبق منھا الاصبابت کصبابتہ الاناء وخسیس عیش کالرعی الوجید الانزون ان الحق لا نعمل بہ وان الباطل لاثینا ھی عند یرعب المومن فی لقا اللہ محقا فانی لا ارزالموت الاشھادۃ ولا الحیوٰۃ مع الظالمین الابرما۔

ترجمہ: عقبہ بن ابی الغیر اہ کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام مقامِ ذی حسم میں کھڑے ہوئے اور حمد وثنائے الٰہی ادا فرما کر ارشاد فرمایا۔ ''جو صورتِ حال ہے وہ تم دیکھ رہے ہو، دنیا بدل چکی ہے اور اجنبی ہوگئی ہے، اس کی نیکیاں رخصت ہوگئی ہیں اور وہ انتہائی تلخ و ناگوار ہوگئی ہیں اب اس میں سے نہیں رہ گیا ہے مگر بہت کم جیسے پانی بہائے جانے کے بعد اس کے اندر بچ رہنے والے پانی کے قطرے کے اندر ایک حقیر زندگی جو زہریلی چراگاہ کے مثل ہے۔ کیا تمہاری نظروں میں یہ نہیں ہے کہ حق پر عمل نہیں کیا جاتا اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا۔ اس وقت جو سچا مومن ہے وہ مرنے کا تہِ دل سے طلب گار ہوگا اس لیے کہ اس صورتِ حال کے مقابلے میں مرنا میرے نزدیک سوا شہادت کے اور کچھ نہیں ہے اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا دل تنگی کے سوا اور کچھ نہیں''۔

خطباتِ مذکورہ بالا سے امام کے دل میں امامت کے فرائض کے احساسات و قلبی حسیات وجذبات کا جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ سیلاب کی طرح اُمنڈ رہا

ہے۔ مرنے کی ٹھان چکے ہیں۔ حُر اور اس کے ساتھیوں سے اپیل ہے کہ مومن حالاتِ حاضرہ میں وہی ہے جو موت قبول کرے اور شہادت حاصل کرے۔ حُر کے دل پر ٹھوکے لگائے جا رہے ہیں۔ احساسِ مردہ کو حیات دی جا رہی ہے لیکن ابھی حر بیدار نہیں ہوا تھا۔ امام جب منزلِ ذو حسم سے روانہ ہوئے تو امام حسینؑ کے فرس کی لگام پر ہاتھ ڈال کر سدِ راہ ہو گیا۔ زنگ خوردہ دل پر منصب اور عہدے کے فرائض کا غلاف چڑھا تھا۔

امام حسینؑ نے وہ کلمہ ارشاد فرمایا جو بہ یک وقت تہدید بھی ہے اور دعا بھی ہے، اپنے رتبے کو پہچنوانا بھی ہے، حر کے رتبے کو بڑھا کر شہادت پر فائز کرانا بھی ہے۔ فرمایا تکلمتك امك ماتریں۔ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے آخر کیا ارادہ ہے۔ حر نے کہا میری کیا مجال کہ میں جواب میں آپ کی مادرِ گرامی کے بارے میں کچھ عرض کروں لیکن میں مامور ہوں کہ اس راہ سے آپ کو نہ جانے دوں، مجبور ہوں آپ کوئی دوسری راہ اختیار فرمائیے۔ اے حر تجھے کیا خبر تیری ماں کا سوگ میں بیٹھنا تو تیرے مدارج کو بلند کرنے والا تھا پھر بھی تو باوجود سردارِ اعدا ہونے کے ادب شناس و حق شناس تھا، عنانِ فرس پر ہاتھ ڈال کر بے ادبی ضرور کی مگر اپنی مجبوری ظاہر کر کے گویا معذرت بھی کر لی لیکن یہ سب نہ ہوتا تو کربلا میں تیرا رتبہ کیونکر بلند ہوتا۔ اسی خیال نے تو تیرے قلب کے زنگ کو اپنے تیزاب سے دھو دیا۔ تیری ماں کی تعریف بھی کربلا میں ہو گی کہ تیری ماں نے کیا اچھا تیرا نام رکھا تو دُنیا میں بھی حر ہے اور آخرت میں بھی سعید ہے۔

اس کے بعد حُر معہ اپنی سپاہ کے امام حسینؑ کے قافلے کے ساتھ دور دور چلتا رہا یہاں تک کہ ۳۸ میل کا فاصلہ طے ہو گیا اور منزلِ عذیب آ گئی۔ اس منزل پر

طرماح بن عدی کی رہبری وسرکردگی میں چند ناصرانِ حسینؑ جانفروشی کے لیے خفیہ راستوں سے چھپتے چھپاتے آ ملے۔ حُر نے امام حسینؑ سے کہا کہ میں ان کو قید کروں گا، یہ لوگ پیشتر سے آپ کے ساتھ نہ تھے لیکن امام حسینؑ نے فرمایا یہ میرے اصحاب اور احباب کے مانند ہیں میں ان کو گرفتار نہ ہونے دوں گا۔ حُر اب بھی اپنے کارِ منصبی کو انجام دینا چاہتا تھا اور حضرت کو کوفے اپنی حراست میں لے جانا چاہتا تھا لیکن امام کا رُخ اپنی موعودہ منزل کی طرف رہا یہاں تک کہ نینوا کی زمین نمودار ہوئی۔ ابنِ زیاد کا حکم نامہ پہنچا کہ حسینؑ کو بے آب وگیاہ سرزمین پر اُترنے پر مجبور کرو۔ یہ وقت بھی حُر پر سخت گزرا۔ امامؑ سے بے ادبی بھی شاق تھی اور عہدے کے فرائض بھی گراں تھے۔ حُر کے سر پر اس کے ہر فعل وعمل کا نگران ابنِ زیاد کی طرف سے موجود تھا۔

امام حسینؑ نے اپنے گرد وپیش دیکھا۔ فضائے کربلا نے کچھ یاد دلا دیا۔ ہمراہیوں سے دریافت کیا کہ اس سرزمین کا کیا نام ہے کسی نے غاضریہ بتایا، کسی نے نینوا بتایا۔ امامؑ کربلا کا نام سننا چاہتے ہیں اور احباب اس زمین کرب وبلا کو محبت کی وجہ سے بتانا نہیں چاہتے آخر احباب کو بتانا ہی پڑا۔ کربلا کا نام سنتے ہی گھوڑے سے اُتر پڑے۔ ابنِ بوتراب نے مٹی سونگھی، اُمّ المومنینؑ ام سلمہ کی دی ہوئی شیشی نکالی اور مٹی کو ملایا۔ فرمایا یہی وہ جگہ ہے جس کی خبر جبرئیلِ امین نے دی تھی۔ دوستو اُترو، خیمے برپا کرو۔ علمدارِ کربلا نے عرض کی۔ آقا حکم ہو تو لبِ فرات خیمے نصب کیے جائیں۔ اجازت مل گئی اور خیامِ حسینی ساحلِ فرات پر برپا ہو گئے۔ یہ دوسری محرم ۶۰ھ تھی۔

## حُر سبکدوش ہوگیا:

بہت جلد عمرِ سعد افواج قاہرہ لے کر آ گیا اور حُر کا کارِ منصبی ختم ہوگیا۔ اس وقت سے حُر کس عالم میں رہا، اس کے دل و دماغ میں کیسی جنگ تھی، وہ کیا سوچتا رہا۔ ان تمام اُمور کا حال تو روزِ دہم محرم معلوم ہوسکا البتہ حُر نے یہ ضرور دیکھا کہ مظالم کی ابتدا شروع ہوگئی۔ نصب کیے ہوئے خیامِ حسینی لبِ فرات سے دور نصب کرائے گئے اور حر کو سیراب کرنے والے افراد پانی سے دور رہنے پر مجبور کر دیے گئے۔ حر نے یہ بھی دیکھا کہ چند نفوس پر کتنی افواج کا غلبہ ہو رہا ہے، یہ بھی دیکھا کہ امام ہر ممکن صلح کی سعی فرما رہے ہیں اور ترکِ وطن پر بھی تیار ہیں لیکن امان نہیں ملتی، یہ بھی آنکھوں سے دیکھا کہ ساتویں محرم سے پانی پر پہرے بٹھائے گئے، آٹھویں محرم سے خیامِ حسینی سے بچوں نے العطش العطش کی فریادیں بلند کیں، بچوں کی بیتابیاں، عورتوں کی سراسیمگی، جاں نثارانِ حسینؑ کا عزمِ شہادت، دوستوں کی وفا شعاریاں، امام کی رفعتِ منزلت یہ سب امور دماغِ حر میں طوفان برپا کیے تھے۔ شبِ دہم جب کہ خیامِ حسینی میں عبادت کے مناظر تھے رفاقت کے جذبات رونما ہو رہے تھے، عزم و استقلال کا کوہ پیکر امام انسانیت کی بقا کے لیے جان نثار کرنے کے لیے تیار، رفقا سے بیعت اُٹھا کر انھیں آزاد کر دیا تا کہ ان شہادتوں میں عہد و پیماں کا ہلکا سا جبر بھی شامل ہونے کا شائبہ نہ نظر آئے، چراغ گُل کر کے سب کو رخصت کرنا، ان کے خلوص کا اعتراف، اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا کچھ شبِ دہم خیمہ گاہِ حسینی میں نہ تھا لیکن کس قدر اطمینانِ قلب ہر ایک کو حاصل تھا لیکن......

حُر کے دل میں اضطراب و اضطرار تھا۔ اسے یہ خیال مارے ڈال رہا تھا کہ وہ

مجرم ہے، اسی نے حسینؑ کو کربلا کے بن میں پہنچایا ہے، اسی نے ابنِ رسولؐ اللہ کو ابتلائے عظیم میں مبتلا کیا، اس کے ایک ہزار کے جاں بلب لشکر کی پیاس بجھانے والے اس کی وجہ سے ایک قطرۂ آب کو ترس رہے ہیں۔ گلزارِ فاطمہ تہ تیغ بے دریغ کٹ جانے کو ہے اور اس کی ساری ذمّے داری اس پر ہے، اسی نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ گھوڑوں کی نعل بندیاں عمرِ سعد کے حکم سے ہو رہی ہیں، پامالیِ لاشہائے شہدا کا انتظام ہو رہا ہے اس ظلم و معصیت کا ذمّے دار وہی ہے اِدھر امام نے اطمینان کے ساتھ رات کاٹ کر صبح کی اُدھر حُر نے بیتابی کے عالم میں رات گزاری۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا، خیام حسینی سے شہزادہ علی اکبر کی آواز اللہ اکبر فضا میں بلند ہو کر چھا گئی۔ عمرِ سعد نے طبل جنگ پر چوٹ دی۔ اللہ رے دین و دنیا کا فرق۔

## حُر خود اسیر بن کر حُر ہوا:

عمرِ سعد نے ترتیبِ لشکر کا حکم دیا۔ سب نے تعمیل کی الّا الحر فانه عدل الیه وقتل معه" بجز حر کے جو سوئے امام چلا اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوا۔ حر نے پسرِ سعد سے دریافت کیا اصلحك والله مقاتل انت هذا الرجل۔ "خدا تجھ کو صلاح کی توفیق دے کیا واقعی تو نے جنگ ہی کی ٹھان لی ہے۔ عمرِ سعد نے کہا۔ ہاں بخدا ایسا ہی ہوگا۔ قتال بھی کیسا! سر کٹ کٹ کے گریں گے ہاتھ قطع ہوں گے۔ حر کا چہرہ زرد ہو گیا۔ قرہ بن قیس ریاحی نے چہرۂ حر پر نظر کی۔ کہا اے حر تو نہایت شجاع و جری مشہور ہے آج یہ کیا حال ہے۔ حر نے جواب دیا۔ میں جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا ہوا سوچ رہا ہوں کدھر جاؤں حر کو فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی اور نہ دیر کرنے کا موقع ہی تھا۔ فکر یہ دامن گیر تھی کہ حسینؑ کو گھیر کر اِدھر لانے والا مجرم مظلومِ امام کے سامنے کیسے جائے۔ غلام کو

بلایا۔ لڑکوں کو طلب کیا۔ بھائی کو نزدیک بلایا۔ سب سے کہا دیکھتے ہو یہ نام کے مسلمان نبیؐ زادوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ کیا ارادہ ہے سب نے کہا کہ مظلوم کی حمایت اور سبطِ رسولؐ پر جاں نثاری ہی میں فلاح ہے۔ نورِ محبت جلوہ گر ہوا۔

قلب کی تیرگی دور ہوئی۔ فوجِ عمرِ سعد دیکھتی رہ گئی ان لوگوں نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور نصرتِ حسینؑ کے لیے روانہ ہو گئے:-

بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

حُر درمیانِ راہ گھوڑے سے اُتر پڑے۔ پا پیادہ جانا طے کیا، ہاتھوں کو رومال سے زنجیر کیا، چہرہ عرقِ ندامت سے تر، رخسار بیم و رضا کے عالم میں زرد، قدموں میں لغزش، ساونت کے جسم میں لرزش۔ امامِ عالی مقام کی بارگاہ میں جا رہا ہے، دل میں سوچتا ہے کہ کیا ابنِ رسولؐ میرے ایسے خطا کار کی بھی خطائیں معاف کر سکتے ہیں، ایمان نے سہارا دیا، ہاں کیوں نہیں کریم ابنِ کریم ہیں، پدرِ عالی مقدار نے ابنِ ملجم کو جامِ شربت سے سیراب کیا تھا۔ دل نے پھر ملامت کی لیکن تو نے تو ابنِ ملجم سے زیادہ قیامت ڈھائی ہے، عالمِ غربت میں ستم کیا، عورتوں کو کربلا کے بن میں بے آسرا کر کے اسیر بنانے کا ظلم کیا، تیری بدولت آلِ رسولؐ بے مقنع و چادر اسیر ہو کر تشہیر کئے جائیں گے، بچے پیاس سے بلک بلک کر استغاثہ بلند کریں گے اور کوئی مدد دینے والا نہ ہوگا، لاشہائے شہدا کی پامالی تیری وجہ سے ہوگی۔ تیرے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ ایقان نے حوصلہ افزائی کی، چل کے تو دیکھ، مقدر کیا دکھاتا ہے۔ اِدھر حُر یہ سوچتا ہوا رواں ہے اُدھر حسینؑ!

امام حسینؑ نے حُر کو اُلٹی ہوئی ڈھال لیے آتے دیکھا تو علی اکبرؑ کو آواز دی۔

بیٹا۔ جاؤ مہمان آرہا ہے، استقبال کرو، اللہ رے حر کی منزلت۔ ہمشکلِ نبیؐ، جگر بندِ ابنِ علی، شہزادہ علی اکبر، مجرم حر، خطا کار حر، عاصی حر کا خیر مقدم کرنے جارہے ہیں۔ علمدارِ انصارِ حسینی نے غالباً سوچا کہ اس میں بھی کوئی مکر و فریب نہ ہو۔ وہ تنہا بھی نہیں ہے۔ علی اکبرؑ کو تنہا نہ جانے دوں گا ساتھ ہو لئے۔ حر کے پاس پہنچے۔ پوچھا کیا ارادہ ہے حر نے جواب دیا۔ "طلبِ عفو میں حاضر ہوا ہوں۔ آقا سفارش کر دیجئے" حضرت عباس نے فرمایا "یہ ارادہ ہے تو اسلحے الگ رکھ دے تو چل۔ حر نے اسلحے بدن سے الگ کر دیئے اور امام کے سامنے مثل قیدی کے حاضر ہوا لیکن دیکھتا کیا ہے کہ خود امام درِ خیمہ پر منتظر ہیں"۔

حُر نے کہا "میں آپ پر قربان۔ میں وہی ہوں جس نے آپ کی راہ روکی، آپ کو گھیرا اور مراجعت سے مانع ہوا آپ کو کسی جائے پناہ تک پہنچنے نہ دیا۔ سختی کے ساتھ اس مقام پر اُترنے پر مجبور کیا اور یہاں بھی گھیر رکھا۔ یا بن رسولؐ اللہ قسم بخدا اس کا تو مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ مردود آپ کی ہر بات اور ہر شرط کو مسترد کر دیں گے۔

"اب میں راہ راست پر آ گیا ہوں۔ تائب ہو کر آپ پر جان نثار کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہونے کی کوئی سبیل ہے۔ حسینؑ مظلوم نے فرمایا۔ نعم یتوب اللہ علیك ویغفر لك فانزل۔ ہاں ہاں۔ خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ تیری ماں نے کیا خوب تیرا نام رکھا ہے "انت حُر فی الدنیا والاخرۃ" حر نے کہا۔ تو اب مجھ کو جان قربان کرنے کی اجازت دیجئے۔ غریب الدیار مہمان نواز امام نے فرمایا ہر چند کہ خیام میں پانی بھی پیش کرنے کو نہیں ہے تیری کیا مہمانداری کی جائے تاہم آرام تو کر لے۔ کل ساری

رات تونے جاگ کر گزاری ہے۔ حر نے کہا۔ وہ اب آرام کرنے کی خواہش کا خیال کیسے ہوسکتا ہے اب تو جاں نثاری ہی میں سعادت ہے"۔ اجازت مل گئی۔

## حُر کا حملہ اور جہاد:

حُر نے اپنے غلام و برادر و فرزند کو اپنے سامنے امام پر نثار کردیا اور جوشِ شجاعت میں فوجِ اشقیا پر یہ فرماتے ہوئے حملہ کردیا۔ تم لوگوں نے چشم و چراغِ رسولؐ اور ناز پروردۂ بتول کو ساتھیوں سمیت قتل کرنے کی ٹھان لی ہے اور پیاسا مارنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ تمہاری حمیت اور انسانیت اور عرب کی غیرت کا کیا یہی تقاضا ہے۔ گھوڑا فوجِ اعدا میں جولانی دکھانے لگا۔ حر نے صفوان ملعون کو نیزے کی انی سے چھیدا، اس کے بھائیوں کو تہِ تیغ کیا۔ یزید ابن ابی سفیان تیمی یگانہ روزگار پہلوان کو ایک ہی وار میں تمام کردیا۔ صاعقہ بار تلوار جدھر چمکی سر برسنے لگے۔ اسی عالم میں حر کے فرس کے ماتھے پر تیر آکر لگا۔ فرس لڑکھڑایا۔ بہادر شجاع گھوڑے کے گرنے سے پہلے زینِ فرس سے کود پڑا اور رجز پڑھنے لگا اگر مجھے گھوڑے پر سوار نہ رہنے دیا تو کیا ہوا۔ گھوڑے سے گرنا حسب ونسب سے گرنا نہیں ہے۔ ہماری مردانگی مرکب کے زیرِ ران ہونے پر محدود نہیں ہے بلکہ اسلاف کے اس خون سے ہے جو ایمان کے ساتھ میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

رجز الیست لا اقتل حتی اقتلا ولن صاحب الیوم الامقبلا افربھم بالسیف ضربا مفصلا لاکلافیھم ولا مھللا

بغیر کُشتوں کے پشتے لگائے ہرگز مقتول نہ ہوں گا، بجز سامنے کے اور کہیں اپنے کو مضروب نہ ہونے دوں گا، تلوار سے بند بند جدا کردوں گا اور قتل کرنے میں

جھجک اور ہراس نہ کروں گا۔

انی انا الحر وما ولی الضیف اضرب فی اعراضکم بالسیف

میں حُر ہوں حُر۔ مہمانوں کا دوست، رسمِ مہمانی سے واقف، جو میری ضربِ شمشیر سے اعراض کرے اسے شمشیر پر رکھ لوں گا۔

غرضیکہ حُر اسی طرح عرصے تک جدال وقتال کرتے رہے۔ عیانِ الوالعزم کے ہاتھوں سے تلواریں گر گر پڑیں، ڈھالیں چھٹ چھٹ گئیں۔ اب حُر کو خطا کاروں نے تیروں پر رکھ لیا۔ آخر حُر زخموں سے چور ہو کر گر پڑے اور مولا کو آواز دی۔

## سعادت شہادت:

اور کیسے پکارتے۔ تھرتھراتی ہوئی آواز سمع امامت تک پہنچی یا آقاہ ادر کنی۔ اے میرے مولا اور آقا آیئے غلام نے اپنی جان آپ پر نثار کی آخری زیارت کی تمنا رکھتا ہوں۔ قتل گاہِ کربلا میں امام پر یہ بھی فرض تھا کہ وہ ہر جان نثار کے نزع کے وقت سرہانے پہنچیں، اپنی لاش اُٹھانے والا کوئی نہ ہوگا لیکن جب تک خود حسینؑ زندہ ہیں ہر فدائی کی میت پر پہنچنا اور میت کا اُٹھانا تو لازم ہی تھا۔ حسینؑ علی اکبرؑ و عباسؑ کے ساتھ حر کے سرہانے پہنچے۔ حر نے آنکھیں کھولیں اور کمالِ مسرت سے نزع کے عالم میں مسکرا دیے۔ آقائے دو جہاں بہ نفسِ نفیس موجود ہیں تو موت کی مشکلیں آسان ہو گئیں۔ دل نے کہا۔ اللہ رے شفقتِ امام، کسی اپنے غلام کو بھیج دیتے تو بھی میرے لیے کمالِ محبت ہوتی مگر اے حر یہ تو سوچ کہ مولا علی بھی تیرے سرہانے ہیں۔ تُو تو ایمان کی دولت قلب میں لیے ہے امام حسینؑ نے مزید کرم فرمایا۔ رومال نکالا حر کے چہرے سے خون

صاف کیا۔ جب خون بند نہ ہوا تو اپنے زانو پر حر کے سر کو رکھ کر بیٹھ گئے اور اسی رومال کو ماتھے پر باندھ دیا اور حیاتِ جاوید عطا کر دی۔ رومال سند طہارت و وجہِ سعادت ہو گیا۔

یہ نصیب! اللہ اکبر۔ لوٹنے کی جائے ہے

## حمایتِ امام بعدِ شہادت:

اسے کیا لکھوں کہ جب امام حسینؑ نے وقتِ عصر آخری استغاثے کی آواز بلند فرمائی دوسرے شہدا کے لاشوں کے ساتھ حر کی لاش بھی تڑپ اُٹھی اور لبیک لبیک یابن رسولؐ اللہ کی آواز میں حر کی پُرجگر آواز بھی شامل تھی۔ نہ یہ لکھنا مقصود ہے کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد کیا مظالم ہوئے، گھوڑوں نے کیا کیا، سواروں نے کیا کیا، فطرت نے کس طرح خون برسا کر اظہارِ رنج والم کیا، جنات نے کس طرح نوحہ خوانی کی، فرشتوں نے کس طرح بکا کی، فرات کے پانی نے کس طرح لب تشنہ حسینؑ تک پہنچنے کی سعی کی، گہنائے آفتاب نے کس طرح غم زدہ شکل بنائی، شفقِ آسمان نے کیونکر خونیں منظر سے اثر لیا، دفن وکفن کا کیا اہتمام ہوا اور کب لاشہائے شہدا کی حفاظت کس نے کی اور کس طرح اہلِ بیتؑ پر کربلا میں بعدِ شہادتِ حسینؑ کیا بیتی اور کربلا سے رخصت ہوتے ہوئے کیا گزری، کربلا سے رخصت ہو کر کوفہ وشام میں کیا کیا جھیلنا پڑا لیکن وہ تاریخی واقعہ جس کا تعلق واقعۂ ہائلہ کربلا کے بہت بعد کے زمانے سے ہے پھر حر کی امداد کو اپنے دامن میں رکھتا ہے اور قابلِ ذکر ہے لاشِ حسینؑ سے بے ادبی کرنے والے یزید وابنِ زیاد وعمرِ سعد اپنے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے تو ایک وہ بھی خلیفہ ہوا جسے قرآن کی آیات میں شک تھا، وہ امتحان چاہتا تھا کہ شہدائے راہِ خدا زندہ بھی ہیں یا محض قرآن کا

دعویٰ ہے۔ حسینؑ اور ان کے ساتھی شہدائے راہِ خدا ہیں بھی یا محض شیعیانِ امام کا ایمان ہی ہے۔ حکم ہوا کہ قبرِ حسینؑ کھود کر دیکھا جائے۔ وزیر بیتاب ہو گیا۔ دست بستہ عرض کی کہ اے خلیفہ وقت اگر تو امتحان ہی کرنا چاہتا ہے تو حسینؑ کی قبر سے درگزر کر یہ حر کی قبر ہے جو امام حسینؑ کو گھیر کر لایا تھا اور نادم ہو کر امام کے ساتھ رفاقت کی اس کے حال سے اندازہ لگا لے یہ اعجازِ امامت سے کم نہیں ہے کہ بادشاہ کے دل سے ضد کا جذبہ کافور ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا دیکھا جائے۔ حُر کی قبر کھدی اور تہِ خاک حُر شہید کے چہرے پر خونِ حیات کی سرخی جھلکی، روئے انور تاباں و فرحاں نظر آیا۔ خلیفہ نے پوچھا یہ رومال کیسا ہے۔ وزیر نے بتایا کہ حسینؑ کے ہاتھوں نے اسے حُر کے زخم سے بہتے ہوئے خون کو روکنے کے لیے باندھ دیا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا اچھا اسے بھی کھولا جائے۔ رومال کھولا گیا۔ زخم سے خونِ تازہ فوارے کی طرح اُبل پڑا۔ اب اس سے زیادہ حیاتِ شہدا کا ثبوت کیا ضروری تھا۔ جب خون کی روانی نہ رُکی تو بادشاہ نے پھر اسی رومال کو زخم پر بندھوا دیا۔ خون رُک گیا، لاش حر بند کر دی گئی۔ حر نے اپنی حیاتِ جاوید کا ثبوت دے کر حسینِؑ مظلوم پر مزید ظلم ہونے سے خلیفہ کو باز رکھا۔ یہ حسینی کارنامہ سر بسر اعجاز ہے"۔

حضرتِ حُر بھی فدائیانِ امامِ مظلوم میں ایک اہم منزلت کے حامل تھے۔ حضرت حر کے کارنامے حدودِ تعریف و توصیف میں نہیں لائے جاسکتے اور عنانِ قلم کی جنبش ان کی حقیقی منزلت کو پیش نہیں کر سکتی۔

جنابِ حر ابتدائے زندگی سے آخرِ حیات تک جادۂ ایمان سے کبھی الگ نہ ہوئے اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر فائز رہے اور یہی خیال صحیح بھی ہے۔

بادی النظر میں یہ خیال شاید بعض افراد کی نظر میں قابلِ قبول نہ ہو مگر یقین ہے

کہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے گا تو بلاشبہ اس قول کی تائید کرنا پڑے گی۔

## حضرت حرؑ کی ولادت حسینؑ کی دعا سے ہوئی تھی:

جنابِ حُر کی ولادت ہی کا واقعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ جنابِ حُر جادۂ ایمان پر پیدا ہوئے۔ صاحبِ مقتل شاہ شہیداں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز فرزندانِ رسولؐ الثقلین حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمیں خانۂ خدا کی زیارت کا کمال شوق ہے، امسال حج کرنے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ شاہزادے ابھی کمسن تھے اور گرمیوں کا زمانہ، حضرت نے تامّل فرمایا مگر بچوں کے اصرار پر اجازت دی اور سامانِ سفر مہیا فرما دیا، دونوں شاہزادے باپ سے رخصت ہو کر عازمِ سفرِ حجاز ہوئے۔ چند منزلیں طے کرنے کے بعد تکلیفِ سفر و تبدیلیِ آب و ہوا کے باعث جناب امام حسینؑ کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی اور نشست و برخاست دشوار ہوئی۔ امام حسنؑ کو تردد لاحق ہوا کہ کہاں توقف کر کے انتظار صحت فرمائیں۔ اسی تردد میں امام حسنؑ ایک سمت روانہ ہوئے، ناگاہ ایک کہنہ سا مکان نظر آیا۔ نزدیک جا کر حضرت نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک مردِ ضعیف مع اپنی زوجہ کے اس مکانِ کہنہ میں بیٹھا ہوا ہے، امام نے سلام کیا اس نے جوابِ سلام دے کر استفسارِ حال کیا۔ حضرت نے فرمایا ہم دونوں بھائی حج کے ارادے سے گھر سے چلے تھے ہمارا چھوٹا بھائی علیل ہو گیا ہے اس لیے ہم دو تین یوم انتظارِ صحت میں ٹھہرنا چاہتے ہیں تاکہ بقدر امکان معالجہ کیا جا سکے۔ اس پیرِ مرد نے بہ سروچشم اجازتِ قیام دی۔ شاہزادے تین شبانہ روز قیام کرنے کے بعد صحت ہو جانے پر رخصت ہوئے اور وقتِ رخصت یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا آنا مدینہ رسولؐ میں ہو تو اہلِ شہر سے ہمارے شکل و شمائل

بتا کر ہمارے مکان کا پتہ لگا کر ضرور ہمارے گھر مہمان ہونا۔ تھوڑے عرصے کے بعد دونوں زن وشو چند مسائل دریافت کرنے کی ضرورت سے مدینے آئے اور وہ مسائل ایسے تھے جنھیں بجز امامِ دینی کوئی بتا نہیں سکتا تھا پس دونوں مدینے میں آئے اور آ کر لوگوں سے حسبِ ارشاد شاہزادگان مکان کا پتہ پوچھا، لوگوں نے شکل وشمائل سے اندازہ کر کے بتایا کہ تم لوگ محلۂ بنی ہاشم میں جاؤ اور وہاں وہ شاہزادگان ملیں گے۔ وہ محلہ بنی ہاشم میں پوچھتے پھرتے تھے ناگاہ جنابِ امیر سے ملاقات ہوئی دونوں زن وشو جنابِ امیر کو پہچانتے تھے۔ دیکھتے ہی قدموں کے بوسے دینے لگے اور قبل دریافت کرنے مسائل شاہزادوں کے متعلق پوچھا۔ جنابِ امیر متبسم ہوئے اور فرمایا کہ وہ دونوں میرے ہی فرزند ہیں۔ یہ فرما کر دونوں زن ومرد کو اپنے ہمراہ درِ دولت پر لائے اور شاہزادوں کو خبر دی کہ تمہارے مہمان آئے ہیں۔ شاہزادے بیت الشرف سے آئے اور فرطِ اخلاق سے ان سے لپٹ گئے اور عزت وتکریم کے ساتھ ایک مکان میں مقیم کیا اور ہمہ وقت خاطر مدارات میں مصروف رہے۔ چند یوم کے بعد پیرِ مرد نے رخصت ہونا چاہا۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے شیخ ہم تیری مہمانی سے سیر نہیں ہوئے اپنا گھر سمجھ کر تھوڑے دن اور قیام کر، وہ دین دار چند دن مقیم رہا اور پھر اجازت مانگی۔ حضرت پھر مانع ہوئے اور فرمایا کہ اتنے دن ہوئے تم نے کوئی حاجت نہ بیان کی تا کہ ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ حضرت نے فرمایا کوئی حاجت بیان کرو۔ پیرِ مرد نے کہا یا بن رسولؐ اللہ ایک آرزو ہماری تھی مگر ہم اس امید میں بوڑھے ہو گئے لیکن مصلحتِ ایزدی میں ہماری خواہش کا پورا ہونا نہ تھا۔ امام نے پوچھا کہ کیا آرزو تھی۔ پیرِ مرد نے عرض کیا ہمارے گھر میں کوئی فرزند نہیں پیدا ہوا

اسی آرزو میں ہم دونوں سنِ یاس کو پہنچ گئے آپ اگر دعا فرمائیں تو عجب نہیں کہ خداوندِ عالم ہمیں دولتِ اولاد عطا فرمائے۔ امام حسینؑ نے دو رکعت نماز پڑھی اور بارگاہِ ایزدی میں دعا کی وہ پیرِ مرد ناقل ہے کہ اسی شب زوجہ آثارِ ولادتِ فرزند کی حامل ہوئی اور باوجود اصرار اجازت وطن جانے کے نہ ملی اور زمانہ ولادتِ حرؑ مدینے ہی میں گزرا۔ حق تعالیٰ نے بہ پاسِ دعائے امام فرزند عطا کیا۔ اس پیرِ مرد نے امام کو خبر دی، امامِ حسینؑ خود تشریف لائے اور مولود کے کان میں اذان و اقامت کہی اور اس مولود کا نام حُر رکھا، اس کے بعد امام نے شدت سے گریہ فرمایا۔ اس پیرِ مرد نے سببِ گریہ معلوم کیا اور عرض کیا یا حضرت اگر یہ فرزند آپ کے دشمنوں میں ہو تو ابھی اسے ہلاک کر ڈالوں۔ حضرت نے فرمایا اے شیخ میں اس کی دشمنی یاد کر کے نہ رویا بلکہ اس کی دوستی و محبت نے مجھے رُلایا، اے بھائی اس مولودِ خوش نصیب کا سانحہ عجیب ہے۔ ایک دن یہ بچہ میرے انصار میں ہوگا اور مجھ پر جان نثار کرے گا، ہم نے تیری مہمانی تو آسانی سے کی مگر اس بچے کی مہمانی کے وقت پانی بھی میسر نہ ہوگا۔ پس وہ مرد و زن رخصت ہوئے اور وہ طفل پرورش پا کر جوان ہوا۔

## حضرت حرؑ کے دل میں ایمان کا چراغ روشن تھا

امام حسینؑ نے جب سفرِ کربلا فرمایا اور راہِ کوفہ میں امام کی فوج سے حُر کی ملاقات ہوئی۔ حُر اس وقت ابنِ زیاد کی طرف سے مامور کئے گئے تھے اور حکمِ ابنِ زیاد تھا کہ امام کو گھیر کر ادھر لائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مدینہ چلے جائیں یا کہیں اور طرف پھر جائیں۔ حُر نے حضرت کے گھوڑے کی باگ پر دست درازی کی اور جانے سے روکا اس وقت حضرت نے بعد گفتگوئے بسیار حُر سے فرمایا کہ اے

جوان کبھی تیرے باپ نے تجھے تیرے ماجرائے ولادت سے مطلع کیا تھا اور تجھے یہ معلوم ہے کہ تو کہاں پیدا ہوا تھا اور تیرے والدین کا اس وقت کیا سن تھا، یہ سنتے ہی حر نے اپنا سر جھکا لیا اور یاد آیا کہ میں تو اپنے والدین کی ضعیفی کے سن میں برکتِ دعائے امام سے پیدا ہوا ہوں۔ فوراً باگ ہاتھ سے چھوڑ دی اور نادم ہوئے۔

واقعۂ متذکرۂ بالا سے ظاہر ہے کہ وہ بچہ جو دعائے امام کی برکت سے پیدا ہوا ہو غیر مومن نہیں ہو سکتا۔ اس امر کے متعلق اتنا اور عرض کر دوں تو شاید غلط نہ ہو کہ مذکورہ واقعے سے یہ تو مسلّم ہے کہ والدینِ جنابِ حُر مومن اور فدایانِ جنابِ امیر میں سے تھے۔ پس بر بنائے حدیث "رسول کل مولود یولد علی فطرۃ اسلام و ابواہ او یھبودانہ او نیصرانہ او یمجسانہ" ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے والدین اس کو یہودی، نصرانی، مجوسی بنا لیتے ہیں۔ پس اس حدیث کی روشنی میں جنابِ حر یقیناً فطرتِ ایمانی پر پیدا ہوئے۔ زمانۂ ولادت کے بعد سے تا شیوعِ واقعۂ کربلا جنابِ حر کی زندگی کا کوئی واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا اس لیے یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ معاذ اللہ جادۂ ایمان سے منحرف ہو گئے۔ بچپن ہی میں امام کی پیشین گوئی جنابِ حر کے محب و دوست ہونے کی اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ جنابِ حُر جادۂ ایمان پر فائز رہیں گے۔

## حضرت حرؑ کو جنّت کی بشارت:

امام حسینؑ نے مدینۂ منورہ سے سفر فرمایا اور منزل بہ منزل سفر طے کر رہے تھے۔ صاحب بحار جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار جلد عاشر ص ۱۱۵ باب ۱۴ میں شیخ صدوق محمد ابنِ بابویہ قمی کی کتاب امالی سے حافظ محمد ابنِ عمر بغدادی کی

روایت نقل کی ہے یہ روایت ابتداواقعہ کربلا سے تمام مختصر واقعات کی حامل ہے صفحہ ۱۱۸ سطر ۱۰ بحار الانوار جلد ۱۰ پر حسبِ ذیل الفاظ ملتے ہیں۔ جب ابنِ زیاد کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت منزل رہیمیہ میں پہنچے حرؑ ریاحی کو ہزار سوار کے ساتھ حضرت کی طرف روانہ کیا۔ حر کہتے ہیں جب میں اپنے گھر سے نکل کر امام حسینؑ کے لشکر کی طرف روانہ ہوا اس وقت ایک ہاتف کی آواز میرے کان میں آئی۔ تین مرتبہ اس نے مجھے ندا کی۔ اے حُر بشارت ہو تجھ کو بہشت کی، میں نے جانبِ راست و چپ اپنے نگاہ کی۔ کوئی شخص نظر نہ آیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ ماں حر کی اس کے ماتم میں بیٹھے کہ فرزندِ رسولؐ خدا سے لڑنے جاتا ہے اور بشارت بہشت کی سنتا ہے۔

## حضرت حرؑ نے امام حسینؑ کی اقتدا میں نماز پڑھی:

پس وقتِ ظہر حضرت کے پاس پہنچا۔ حضرت نے اذان کے واسطے علی اکبرؑ سے فرمایا اور امام زادے نے اذان و اقامت کہی۔ حضرت آگے کھڑے ہوئے دونوں لشکروں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حر نے پاس آکر کہا السلام علیك یابن رسول الله ورحمة الله وبركاته حضرت نے فرمایا وعلیک السلام۔ پوچھا کہ اے بندۂ خدا تو کون ہے۔ حرؑ نے عرض کیا یابن رسول اللہ میں حرؑ ہوں۔ فرمایا اے حر تو مجھ سے لڑنے کو، آیا ہے یا ہماری نصرت و یاری کو، حر نے عرض کیا اے فرزندِ رسول قسم ہے خدا کی مجھے ابنِ زیاد نے آپ سے لڑنے کو بھیجا ہے مگر میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنی قبر سے محشور ہوں دراں حالیکہ موئے پیشانی میرے پاؤں سے بندھے ہوں اور میرے پسِ گردن سے جکڑے ہوں اور اس حالت میں مجھے سرنگوں جہنم میں

ڈالیں یا بن رسول اللہ آپ کہاں جاتے ہیں، مدینۂ رسول کو پھر چلئے ورنہ آپ شہید ہوں گے۔ حضرت نے چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ (شیخ مفید علیہ الرحمہ) نے تحریر فرمایا ہے کہ جب عبداللہ ابن یقطر کی شہادت کی خبر امام کو ملی امام نے اصحاب کو جمع فرما کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور بیعت اٹھالی جو لوگ حرص و طمعِ دنیا میں آئے تھے متفرق ہو گئے۔ جب حضرت امام حسینؑ منزلِ شراف میں پہنچے قیام کیا، وقتِ صبح اصحاب اور ملازموں کو حکم دیا کہ چھاگل اور مشکیزے پانی سے بھر لو دو پہر تک راہ طے کرنے کے بعد یکا یک ایک شخص نے تکبیر کہی۔ حضرت نے وجہ پوچھی اس نے کہا نوکیں درخت خرما کی دکھائی دیتی ہیں۔ دوسری جماعت نے کہا اس جگہ درخت خرما نہیں ہیں۔ حضرت نے پوچھا تمہیں کیا معلوم ہوتا ہے انھوں نے کہا خدا کی قسم نوک ہائے نیزہ اور کان گھوڑوں کے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا بخدا میں بھی یہی دیکھتا ہوں بعد اس کے فرمایا۔ آیا ہے کوئی جگہ جائے پناہ تا کہ ایک جانب سے مقابلہ کریں۔ اصحاب نے عرض کیا یا حضرت بائیں طرف ایک بلند پہاڑ ہے آپ اس طرف چلئے اگر اس قوم سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو مقصد حاصل ہے۔ حضرت نے بائیں طرف میل فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد گردنیں گھوڑوں کی نمایاں ہوئیں۔ جب انھوں نے ہمیں بائیں طرف جاتے دیکھا وہ بھی ہماری طرف متوجہ ہوئے اور سنانِ نیزہ ان کے اس کثرت سے تھے جیسے زنبورِ عسل اپنے آشیانے میں کثرت سے ہوتی ہیں اور علم اس کثرت سے قریب قریب تھے جیسے پر جانوروں کے بازوؤں میں متصل ہوتے ہیں۔ پس ہم نے ان پر سبقت کی اور کوہ تک پہنچ گئے۔ خیمے نصب ہوئے حرِؔ تمیمی ہزار سوار سے

مقابلِ لشکرِ حضرت آیا اور وقتِ ظہر شدت گرما میں آ کھڑا ہوا۔ حضرت امام حسینؑ نے آثارِ تشنگی ملاحظہ فرمائے اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان کو اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔ ہر گھوڑا جب تین یا چار یا پانچ مرتبہ سانس لے کر پی لیتا تھا تب اصحاب پانی ہٹاتے تھے۔ حضرت نے خود علی ابنِ لعان کو سیراب فرمایا پھر امام نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا پھر اقامت کا حکم دیا بعد اقامت حضرت نے حر سے فرمایا اگر تجھے منظور ہو تو اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھ، حر نے عرض کیا میں بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ دونوں صفوں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی اور اپنی اپنی جگہ پھر گئے۔ وقتِ نمازِ عصر آیا۔ دونوں لشکروں نے عقبِ امام نماز پڑھی بعد نماز امام نے پھر خطبہ ارشاد کیا اور اہلِ کوفہ کے خطوط کا ذکر کیا۔ حر نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ خطوط دکھائیں۔ نامے حر کے آگے ڈال دیئے گئے، حر نے عرض کیا میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جنھوں نے آپ کو یہ نامے لکھے ہیں۔ مجھے ان خطوط کی مطلق خبر نہیں۔ مجھے ابن زیاد نے حکم دیا ہے کہ جہاں ملاقات ہو آپ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کو ابنِ زیاد کے پاس کوفہ لے چلوں۔

حضرت نے فرمایا کہ موت قریب تر اور آسان تر ہے، اس ذلت سے جب تک میں زندہ ہوں اس ذلت پر راضی نہ ہوں گا۔

## ماں تیری، تیرے ماتم میں بیٹھے:

حضرت نے اصحاب کو روانہ ہونے کا حکم دیا اصحاب سوار ہوئے حضرت خود بہ نفسہٖ منتظر رہے یہاں تک مخدراتِ عصمت سوار ہو چکیں۔ اصحاب سے ارشاد فرمایا مدینہ پھر چلو۔ جب قصدِ مراجعت فرمایا لشکرِ مخالف سدِّ راہ ہوا اور حر نے عنانِ

اسپ پر ہاتھ ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا اے حر ماں تیری تیرے ماتم میں بیٹھے کیا ارادہ ہے مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ حر نے کہا اگر اور کوئی عرب سے میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اس کی ماں کا نام لیتا۔ قسم بخدا آپ کی مادرِ گرامی کا ذکر نہیں کر سکتا۔ مگر بہ تعظیم و تکریم حضرت نے فرمایا۔ مطلب تیرا کیا ہے، اس نے کہا میں چاہتا ہوں آپ کو ابنِ زیاد کے پاس لے چلوں۔ حضرت نے کہا کہ میں اس امر میں تیری متابعت نہ کروں گا۔ حر نے کہا قسم بخدا میں بھی آپ سے جدا نہ ہوں گا تین بار اسی طرح رد و بدل ہوئی۔ جب گفتگو طویل ہوئی حر نے کہا میں مامور نہیں مگر اس امر پر کہ آپ سے جدا نہ ہوں جب تک کوفے میں ابنِ زیاد کے پاس نہ لے چلوں۔ اگر کوفہ چلنے پر راضی نہیں ہیں تو آپ ایسی راہ اختیار کیجیے جو نہ کوفہ کی راہ ہو نہ مدینے کی۔ یہ امر میرے لیے اور آپ کے درمیان میں بہ طریقِ مصالحہ ہو اور میں حقیقتِ حال ابن زیاد کو لکھوں۔ شاید کوئی صورت ایسی نکلے کہ میں حضرت کے خون میں شریک نہ ہوں۔ حضرت اس وقت بہ ضرورت راہ قادسیہ و عذیب سے بائیں طرف میل فرما کر روانہ ہوئے اور لشکرِ مخالف بھی ہمراہ تھا۔ حر اثناءِ راہ میں حضرت سے کہتا تھا کہ یا حسین میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس قوم سے جہاد نہ کیجئے کہ یہ درپے قتل ہیں۔ فرمایا اے حر کیا مجھے موت سے ڈراتا ہے بجز قتل تم سے کیا ہو سکے گا پھر حضرت نے ابنِ اوس کا پڑھا ہوا شعر پڑھا۔ بہ روایت شیخ مفید علیہ الرحمہ حر نے کلام حضرت کا سنا اور مع اپنے لشکر حضرت سے علیحدہ ایک جانب روانہ ہوا اور حضرت معہ اصحاب دوسری طرف روانہ ہوئے۔ مقامِ عذیب تک پہنچے۔ قصرِ بنی مقاتل سے چلنے کے بعد حسبِ قول عقبہ بن سمعان بعد نمازِ فجر ادا فرما کر عجلت کے ساتھ بائیں جناب روانہ ہوا

چاہتے تھے کہ اپنے اصحاب کو متفرق کر دیں حر آ کر حضرت اور صحابہ کو دیکھ جاتے تھے۔ جب چاہتا تھا کہ لشکر حضرت کا کوفے کی طرف پھیر لے چلے تو یہ لوگ روکتے تھے اور باہم چلے جارہے تھے تا آنکہ نینوا میں پہنچے اور ٹھہرے ناگاہ ایک ناقہ سوار آیا اور حر اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا کہ جس جگہ میرا قاصد ملے حسین کو مہلت نہ دے اور ایسے جنگل میں اُتارو جہاں مطلق پانی اور آبادی نہ ہو اور قاصد کو میں نے حکم دیا ہے کہ وہ تیرے ساتھ رہے اور دیکھے کہ تو نے متابعت کی یا نہیں۔ حضرت کو حر نے اس خط کی آمد سے مطلع کیا۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حر کے دل میں اہلِ بیتؑ رسولؐ کی عظمت تھی ورنہ جس وقت امام نے ثکلتك امك فرمایا تھا جناب حر یہ فرماتے تھے کہ اگر سوائے حضور کے کوئی اور میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اسی طرح اس کی ماں کا نام لیتا مگر حضرت کی مادرِ گرامی کا اسمِ سامی بجز درود و تعظیم اور صلوٰۃ والتسلیم نہیں لے سکتا نیز اگر وہ امام کے مسلک سے الگ ہوتو ہرگز امام کے عقب میں نماز نہ پڑھتا۔

## امام حسینؑ کا کربلا میں داخلہ اور حضرتِ حرؑ کا طرزِ عمل:

القصہ حر نے امام سے کہا۔ آپ کو مقامِ بے آب و گیاہ میں اترنا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا وائے ہو تجھ پر اے حر! جانے دے کہ ہمیں نینوا یا غاضریہ یا سقیہ میں کہ وہاں آب و آبادی ہے۔ حر نے کہا۔ ابنِ زیاد نے قاصد بھیجا ہے میں اس کے خلاف نہیں کر سکتا ابنِ زیاد نے ایک جاسوس مجھ پر معین کیا ہے۔ اس روایت سے پتہ چلا کہ حضرت حر اگر چاہتے بھی تو کوئی رعایت امامِ مظلوم کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ ابنِ زیاد کے جاسوس ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے اور ہر قدم پر حالات کی اطلاع ابنِ زیاد کو ہو سکتی تھی پس جناب حر کا طرزِ عمل تقیہ پر مبنی

تھا جو حفاظتِ جان کے لیے اس وقت ضروری تھا۔ بہ روایت سعید ابنِ طاؤس علیہ الرحمہ جب لشکرِ حر نے حضرتؑ کو نینوئی میں اتارا اس وقت حضرت نے اصحاب کے مجمعے میں ایک خطبہ پڑھا جس کے بعد تمام انصار نے یک زبان ہو کر قسم کھائی کہ وہ جدا نہیں ہو سکتے۔ حضرت اترے اور لشکرِ حر مقابلِ لشکرِ امام فرد کش ہوا۔ حر نے ایک نامہ ابنِ زیاد کو لکھا اور حقیقتِ حال سے مطلع کیا۔ ابنِ زیاد نے ایک نامہ امام کو لکھا اور بیعتِ یزید طلب کی۔

## حضرت حرؑ اور صبحِ عاشور:

شیخ مفید لکھتے ہیں:۔ حرؑ نے دیکھا کہ نوبت جنگ و جدل پہنچی اس وقت عمر ابنِ سعد کے پاس آ کر کہا تو حسین سے لڑے گا، اس نے کہا اس طرح سے لڑوں گا کہ سب کے بدن سے سر جدا ہوں اور ہاتھ کاٹے جائیں۔ حر نے کہا آیا تم حسینؑ سے دستبردار نہ ہوگے، عمر نے کہا اگر میرا اختیار ہوتا تو میں راضی ہوتا مگر کیا کروں کہ امیر تیرا راضی نہیں ہوتا۔ اس وقت حر علیحدہ جا کر کھڑا ہو گیا اور ایک شخص قوم حر سے قرہ ابن قیس اس کے پاس کھڑا تھا، حر نے کہا اے قرہ آج تو نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے یا نہیں، حر نے کہا کیوں نہیں پلایا۔ قرہ کہتا ہے قسم بخدا میں نے گمان کیا۔ حر چاہتا ہے لشکر سے جدا ہو اور معرکۂ قتال میں شریک نہ ہو اور نہیں چاہتا کہ سامنے میرے معرکے سے علیحدہ ہو، جب یہ گمان مجھے ہوا میں نے کہا ابھی گھوڑے کو پانی نہیں دیا اسی وقت اس کو جا کر پانی دوں گا۔ حر اپنی جگہ سے ہٹ کر اور جگہ جا کھڑا ہوا۔ قرہ کہتا ہے میں نے گمان کیا حر گھوڑے کو پانی پلانے جاتا ہے میں بھی اس کی رفاقت میں چلا جاتا۔

ناگاہ دیکھا میں نے کہ حر لشکرِ حسین کی طرف جاتا ہے اور آہستہ آہستہ قریب

لشکرِ حضرت پہنچا اس وقت مہاجر ابنِ اوس قریب حر گیا تھا کہا تیرا کیا ارادہ ہے کیا حسینؑ سے لڑنے جاتا ہے، حر نے کوئی جواب نہ دیا اور بدن اس کا کانپنے لگا مہاجر نے کہا۔ اے حر یہ حالت جو تجھے اس وقت عارض ہے مجھے شک میں ڈالتی ہے بخدا میں نے ایسی حالت تیری نہیں دیکھی اور میں تجھے اہل کوفہ میں سب سے زیادہ شجاع جانتا تھا پس یہ کیا باعث ہے جو مشاہدہ کرتا ہوں، حر نے کہا جیسا تو نے گمان کیا ایسا نہیں ہے لیکن قسم خدا کی میں اپنے نفس کو بہشت و جہنم میں متردد پاتا ہوں پس بخدا میں بہشت پر کسی چیز کو اختیار نہیں کرسکتا اگر چہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیں اس وقت حر نے مردانہ وار گھوڑے کو بڑھایا اور خدمتِ امام میں آ کر عرض کیا یا ابن رسولؐ اللہ فدا ہوں آپ پر میں نے مراجعت سے آپ کو منع کیا اور اس مقام پر آپ کو لے آیا۔ بخدا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ روسیاہ آپ سے اس طرح پیش آئیں گے ورنہ ہرگز اس امر کا مرتکب نہ ہوتا اب میں توبہ کرتا ہوں، اپنے افعال سے توبہ میری مقبول ہو۔ حضرت نے فرمایا اگر تو توبہ کرلے حق تعالیٰ قبول کرے گا بعد اس کے فرمایا۔ اے حر گھوڑے سے اُتر۔ حر نے عرض کیا آپ کی نصرت میں جبکہ گھوڑے پر سوار ہوں پیدل ہونے سے بہتر ہے سب سے پہلے سوار ہو کے ان کافروں سے لڑتا ہوں جب اشقیا گھوڑے کو پے کریں گے اس وقت پیادہ ان سے لڑوں گا جب تک کہ لڑسکوں۔ حضرت نے فرمایا اے حر خدا تجھ پر رحمت کرے جو تیرا جی چاہے کر، جب حر نے اجازت پائی سامنے لشکرِ مخالف کے آ کر پکارا۔ اے اہلِ کوفہ مائیں تمہاری تمہارے ماتم میں بیٹھیں تم نے اس پیشوا کو جھوٹے وعدے دے کر بلایا اور اقرار نصرت واعانت کا کیا، جس وقت حضرت تشریف لائے ان پر تلوار کھینچی اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہر طرف سے

ان کو گھیر لیا اور راہیں جانے کی بند کر دیں۔ یہ بھی منظور نہیں کرتے کہ اپنے وطن مراجعت فرمائیں، مانند قیدیوں کے ان کو گرفتار کر لیا ہے کہ اپنے نفس سے دفعِ ضرر نہیں کر سکتے۔ یہ آبِ فرات جو تمہارے سامنے لہریں مارتا ہے اور یہود و مجوس و نصاریٰ اس سے آسودہ ہیں اور سگ و خوک تک اس سے سیراب ہو رہے ہیں ان پر اور اطفالِ اہلِ بیت پر بند کر دیا ہے اور شدتِ تشنگی سے یہ نوبت بہ ہلاکت پہنچی ہے، کیا برا سلوک کیا تم نے اولاد سے اپنے رسولؐ کی۔ خدا تمہیں تشنگیِ روزِ قیامت سے نجات نہ دے جب ان کافروں نے حر پر حملہ کیا اور اپنے تیروں کا نشانہ کیا حر پھر حضرت کی خدمت میں آئے فوجِ عمر سعد سے تیر آئے اور انصارِ امام دفاع پر تیار ہوئے۔

## حضرت حرؑ کی شہادت:

محمد ابنِ ابی طالب موسوی اور صاحب مناقب اور ابنِ کثیر نے تاریخِ کامل میں شہادت حضرت حرؑ کو تقریباً ایک ہی الفاظ میں لکھا ہے۔ جب لشکرِ امام سے اکثر صحابہ حملۂ اول میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے حر نے امام کی خدمت میں عرض کی چونکہ پہلے میں آپ کو روکنے آیا تھا مجھے اجازت دیجئے کہ میں میدانِ جہاد میں پہلے آپ کے سامنے مارا جاؤں اور پہلا شخص ان میں سے میں ہوں جو بروزِ قیامت آپ کے جدِ بزرگوار سے مصافحہ کرے۔ جب حر نے اجازت پائی معرکۂ قتال میں آ کر کئی شعر رجز میں انشا کیے۔ مضمون ان کا یہ ہے، اے اہلِ کوفہ و شام آگاہ ہو کہ میں حرؔ ہوں مہمانوں کا ملجا و ماویٰ ہوں، اپنی تلوار سے تمہارے سر کو جدا کروں گا اور حمایت کروں گا فرزندِ رسولؐ کی۔ منقول ہے کہ جب حر خدمتِ امام میں آیا اس وقت یزید بن ابوسفیان تمیمی نے تکبر کے ساتھ کہا اگر حر سے ملاقات

ہو تو نیزہ اپنا اس کے سینے سے پار کروں، جس وقت حر میدان کارزار میں آ کر سرگرمِ قتال ہوئے گھوڑا ان کا زخمی ہوگیا اس وقت حصین ابنِ نمیر نے کہا اے یزید امید تیری بر آئی اب حر میدانِ جنگ میں آیا ہے، یہ سن کر وہ سامنے آ کر حر سے لڑنے لگا تھوڑی ہی دیر میں حر نے اپنی تلوار کا اسے شکار بنا لیا اور ۴۰ سوار اور پیادوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ جناب مشغولِ جہاد تھے کہ اشقیا نے گھوڑے کو پے کیا، جنابِ حر پا پیادہ جنگ میں مصروف ہوئے اور یہ رجز پڑھا۔ میں حر یعنی آزاد فرزندِ آزاد ہوں اور نامراد نہیں بلکہ ثابت قدم ہوں معرکہ جہاد میں۔ پس حر پیہم مصروفِ کارزار رہے یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت ان کی لاش میدان سے اٹھا لائے اس وقت رمقِ جان باقی تھی حضرت نے دستِ مبارک چہرے پر پھیرا، گرد و غبار چہرے سے صاف و پاک کیا اور فرمایا جس طرح تیری ماں نے تیرا نام حر رکھا ہے ایسا ہی دنیا و عقبیٰ میں تو آزاد ہے۔ بعض اصحاب نے مرثیہ حر میں چند شعر لکھے، بعض روایات میں وارد ہے کہ امام زین العابدین نے ان شعروں کو مرثیہ حر میں انشا فرمایا اور مضمون یہ ہے کہ نیک ہے حر فرزند ریاحی کا اور بہت صابر و شکر گذار ہے بوقتِ نیزہ بازی اور جنگ نیک ہے۔ حر جس وقت کہ پکارا امام حسینؑ کو اور اپنی جان حضرت پر فدا کی پس اے پروردگار میرے حر کو جنت میں مہمان کر اور حورانِ خوشرو سے اسے تزویج کر۔ منقول ہے جب حر یہ اشعار پڑھتا تھا جن کا حاصلِ مضمون یہ ہے کہ اے قومِ جفا کار اور اے گروہِ اشرار میں نے قسم کھائی ہے جب تک تم کو قتل نہ کروں گا قتل نہ ہوں گا اور ماروں گا تم کو اپنی شمشیر سے بضربِ شدید اور تمہارے مقابلے سے ہرگز ہرگز عاجز و انکار کرنے والا نہیں ہوں۔ حمایت کرتا ہوں اپنے سردار و آقا کی

کہ جائے امیدِ ہر مومن ہیں۔

بروایت شیخ مفید علیہ الرحمہ ایوب ابنِ مسرح نے اور ایک ملعون نے سوارانِ اہلِ کوفہ سے حر کو شہید کیا اور بروایت ابنِ شہر آشوب چالیس کافروں سے زائد کو قتل کیا۔ ابنِ نما رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ حر نے خدمتِ امام میں آ کر عرض کیا یا مولا جب ابنِ زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا اور میں قصر سے باہر نکلا اس وقت صدائے ہاتف میں نے سنی تھی، وہ کہتا تھا اے حر بشارت ہو تجھے یہ نیکی۔ جب میں نے پھر کر دیکھا کوئی شخص نظر نہ آیا۔ میں نے متعجب ہو کر کہا یہ کیسی خوشخبری میں سنتا ہوں حالانکہ فرزندِ رسولؐ سے لڑنے جاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا اے حر بہ تحقیق کہ پایا تو نے اجر و نیکی کو۔

مقتل ابی مخنف میں منقول ہے اول ابنِ سعد نے امام کی طرف تیر پھینکا اور وہی سببِ تحریکِ حرب ہوا۔ یہ دیکھنے کے بعد حرؒ جو فوج عرب میں مشہور تھے خوفِ خدا سے کانپے۔ حر خوشرو، پیوستہ ابرو، گندم گوں قامت موزوں، فراخ سینہ، خوش قرینہ، چہرہ نورانی، کشادہ پیشانی باوفا پُر حیا، اہلِ کرم، ثابت قدم، نامی بملکِ عرب و گرامی بمیدانِ تعب تن و تنہا ہزار سواروں سے لڑتے تھے۔ ہر پہلوان ان کے فنونِ جنگ کو دیکھ کر نامِ حر کا دم بھرتا تھا۔

منقول ہے کہ جب حر بن اوس نے یہ اضطراب حر کا دیکھا، یہ حر کا ہم قوم و ہم برادری تھا تو کہا اے دلاور یہ کیا تیرا حال ہے تو تو ہزار جوانوں سے مقابل ہوتا ہے اور امام حسینؑ کے ساتھ تو کل بہتر ہی تن ہیں ان سے اس قدر پُر خطر ہے، مقامِ جنگ اور وقت تنگ ہے، حر نے کہا "اے اوس آج گویا یوم الصراط ہے اور میزانِ قیامت برپا ہے۔ میں اپنے نفس کو تولتا ہوں کہ آیا پلۂ ولائے آلِ محمد میری طرف

گرانی کرتا ہے یا طرفداری یزید اور حبِّ دنیائے پلید مجھ پر غالب ہوتی ہے۔
میں خوب سمجھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ آج جس کا قدم اس صراطِ مستقیم سے ڈگمگایا
اور وفاداریِ امام سے لغزش ہوئی مقام اس کا جہنم ہے اور جو ثابت قدم رہا وہ اس
صراط کو طے کر کے رسولؐ کی خدمت میں پہنچے گا اس وجہ سے میرا تن بدن کانپتا ہے
اور سمجھ تیری غلط ہے'' یہ کہا اور اپنے برادر مصعب اور اپنے بیٹے بکیر اور عروہ غلام کو
علیحدہ لے گیا اور مشورہ کیا اور اُن سے کہا ''میں اب تک یہ سمجھا تھا کہ امام حسینؑ
اور ابنِ سعد کے درمیان کوئی معاملہ ہوگا اور صلح ہو جائے گی اور نوبتِ قتال نہ آئے
گی مگر ابنِ سعد کی سبقت سے یقین ہوا کہ خوں ریزی یقینی ہے۔ پس یہ مان لو کہ
فرزندِ بتول سے جنگ فی الاصل رسولؐ سے جنگ ہے۔ میں امام کی خدمت میں
جاتا ہوں، اپنا قصور معاف کراؤں گا اور حضرت کی نصرت کروں گا'' یہ کہا اور لشکرِ
امام کی طرف روانہ ہوا۔ کہتے ہیں حر نے ہاتھ اپنے رومال سے باندھ لیے تھے
اور عرقِ ندامت میں غرق تھا۔ راوی کہتا ہے، حر کا برادر، بیٹا اور غلام بھی عقب
میں روانہ ہوئے اور چاروں جوان خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور بعد حصول
اجازت میدانِ حرب میں آ کر دادِ شجاعت دی۔ بروایت جلال العیون حر دلاور
نے تنِ تنہا ۱۴۵ کفّار کو قتل کیا اور سینکڑوں کو زخمی کیا۔ جناب عباسؑ اور حضرت امام
حسینؑ حر کی ضرب بازی پر تحسین و مرحبا فرماتے تھے آخر میں حر نے جامِ شہادت
نوش کیا اور ایک نیزے کی ضرب سے گھوڑے سے نیچے گرے اور جنابِ امام
حسینؑ کو آواز دی۔ آقا میری خبر لو کہ وقتِ امداد ہے۔ امام بے قرار ہو کر پہنچے اور
سرِ حر زانوئے اطہر پر رکھ لیا۔ حر نے آغوشِ امام میں دم توڑا۔ حضرت لاش خیمے
میں اٹھا لائے۔

## حضرتِ حرؑ خدمتِ امام حسینؑ میں:

بعض روایات میں ہے کہ جب امام اپنے لشکر کی ترتیب سے فارغ ہو چکے اور لڑائی شروع ہوئی اس وقت حر جو لشکرِ مخالف میں ایک ہزار سواروں کا سردار تھا جوشِ ایمانی میں دریائے فرات پر آئے اور غسلِ توبہ بجالائے۔ لباسِ فاخرہ زیبِ تن کیا اور اپنے بھائی سے منشاءِ دل بیان کیا برادرِ حر نے بھی تائید کی اور بھائی کے ہمراہ ہو گیا۔ حر نے اپنے فرزند کی رائے لی اور اس نے بھی تائید کی پس حر لشکرِ امام کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب علی اکبرؑ نے آتے دیکھ کر ٹوکا کدھر آتے ہو اور کیا ارادہ ہے۔ حر نے بکمالِ ادب سلام کیا اور کہا کہ "میں قصور معاف کرانے آیا ہوں۔ جناب علی اکبرؑ نے بارگاہِ امام میں خبر کی۔ امام نے فرمایا لاؤ۔ اسے وہ تو ہمارے دوستوں میں سے ہے اور نام اس کا فردِ شھدائے کربلا میں مندرج ہے"۔ پس حر معہ اپنے برادر و پسر و غلام خدمتِ امام میں حاضر ہوا۔ قدموں کے بوسے لیے، امام نے سینے سے لگا لیا اور قصور معاف فرمایا اور فرمایا کیوں غمگین ہوتا ہے تیرے بشرے سے "فی احسنِ تقویم" پیدا ہے اور تیرے ہر رگ و ریشے و گوشت و پوست سے ہوائے ایمانی ہویدا ہے اور بشارتِ جنت دی۔ حر نے رخصتِ جہاد مانگی۔ امام نے تامل کیا مگر حر کے اصرار پر حضرت نے اجازت دے دی۔ حر میدان میں آئے اور رجزِ فصیح و نظمِ ملیح میں اپنا نام و نسب لشکرِ مخالف کے سامنے پیش کیا۔ عمر ابنِ سعد یہ حال دیکھ کر مضطرب ہوا اور تمام لشکریان کو مبارز طلب دیکھ کر حیران ہوا اور صفوان بن حنظلہ کو حر کے پاس بھیجا کہ وہ حر کو فہمائش کر کے واپس لائے، اس نے حر کو آ کر سمجھایا حر نے اسے ڈانٹا اور اسے قتل کر دیا اس کے تین بھائی مقابل ہوئے حر نے تینوں کو قتل کر ڈالا اور امام سے پوچھا۔ "آپ

راضی ہیں، امام نے فرمایا میں بھی راضی ہوں اور تیرا رب بھی راضی ہے، ابنِ سعد نے خود حر کو سمجھایا، حر نے امام کے مراتب ابنِ سعد سے بیان کئے ابنِ سعد خاموش ہوا۔ حر نے بہتوں کو زخمی کیا۔ حر عرب کے مشہور شجاع تھے جب حر نے آواز دی امام معہ جناب عباسؑ و حبیب ابنِ مظاہر آئے اور بے اختیار ہو کر رو دیے اور بشارت دی کہ تیرا ذکر بھی ہمارے ذکر کے ساتھ ہوگا۔ منقول ہے مشود بن کنانہ کے ہاتھ سے پیشانیِ حر پر ایک زخم کاری لگا تھا، خون بند نہ ہوتا تھا، امام نے اپنی مادرِ گرامی کے ہاتھ کا بنایا ہوا رومال زخم پر باندھ دیا اس کی برکت سے خون بند ہو گیا۔ حر کے بعد مصعب و بکیر اور عروہ نے بھی حقِ رفاقت ادا کیا۔ مقتلِ شاہِ شہیدان کی اس روایت میں ہے کہ حضرت ندائے حرسن کر دوڑے مگر اشقیا نے سرِ حر کاٹ کر امام کی طرف پھینک دیا۔ حضرت نے سر اٹھا لیا اور گرد و غبار پاک کرنے لگے۔ بعض روایات میں ہے کہ سر ان کا جدا نہیں کیا گیا امام نے رومالِ فاطمہؑ سر پر باندھ دیا تھا، لاش معہ سر دفن ہوئی۔

بہر کیف ان تمام روایات سے واضح ہے کہ حر کے دل میں محبتِ اہلِ بیت تھی اور وہ ایمان کے وصف سے متصف تھے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حر لشکرِ مخالف کی طرف سے کیوں آئے اور راہ میں امام کے گھوڑے کی عنان کیوں روکی اور میدانِ کربلا تک لائے۔

یقین ہے کہ حر بمصلحت لشکرِ مخالف کے ساتھ آئے۔ واقعۂ حبیب ابنِ مظاہر سے ظاہر ہے کہ اس وقت نہ صرف کوفہ بلکہ سارا راستہ پُر آشوب تھا۔ لوگ اپنے اہل و عیال سے مقصدِ دل بیان نہ کرتے تھے پس اس صورت میں اگر جناب حر کھلم کھلا امام کی نصرت کرنے چلتے تو عجب نہ تھا کہ قتل کر دیے جاتے اور مقید کر

دیئے جاتے اور اس سعادت سے محروم رہ جاتے اس لیے حر نے تقیہ کیا اور راستے بھر ایسا عمل رکھا کہ ابنِ زیاد کے جاسوس جو پیچھے لگے ہوئے تھے بدگمان نہ ہوں اور موقع ملنے پر لشکرِ امام میں شامل ہو گئے۔

## حضرت حرؑ کی تدفین:

لاشِ جنابِ حر کے دفن میں بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت میں لکھا ہے کہ جس روز ابنِ سعد نے اپنے کشتوں کو دفن کیا اور لاشہائے شہدا کو جلتی ریت پر چھوڑ دیا اشقیا نے لاشِ جنابِ حر سے بہ سببِ رعایت اپنے گروہ کے مزاحمت نہ کی تھی بوقت پائمالی لاشِ حر کو اُٹھا کر دور لے گئے اور سر بھی حر کا مثل اور شہیدوں کے جدا نہیں کیا اور جہاں اب جنابِ حر کا روضہ بنا ہوا ہے اس مقام پر اشقیائے قوم نے گڈھا کھود کر بکمالِ بے امتیازی لاش حر کو اس میں چھپا دیا اور مٹی دے دی۔

## رومالِ حضرت فاطمہ زہراؑ

بہرحال بذلتِ کمال ان کی قوم نے اس مقام پر دفن کر دیا۔ کتبِ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدتِ دراز کے بعد کوئی بادشاہ زائر واسطے زیارتِ قبرِ امام حسینؑ واردِ کربلا ہوا۔ اس نے سنا تھا کہ وقتِ شہادتِ حرؑ جنابِ سیّد الشہدا نے زخم کاری پر رومالِ مطہرِ جنابِ فاطمہؑ باندھا تھا، اس کی برکت سے خون رک گیا تھا۔ اس بادشاہ کو قبرِ حر کی تلاش ہوئی۔ وہاں کے باشندوں سے قبرِ حر کا پتہ لگایا آدابِ زیارت بجالانے کے بعد دل میں سوچا کہ قبرِ حر توڑ کا لاشِ مقدس کو باہر نکالا جائے اور رومالِ فاطمہ کھول کر لے لیا جائے اور بطورِ تبرک ساتھ رکھا جائے اور پھر لاشِ حر دفن کر دی جائے۔ یہ خیال کر کے اس نے قبر کھدوائی اور دیکھا کہ تمام جسمِ حضرت حر تازہ اور پرنور ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دفن ہوئے ہیں

اور لباس جو انھوں نے وقتِ جنگ پہن رکھا تھا زیبِ جسم ہے اور ایک رومال سرِ مطہر پر بندھا ہوا ہے اور چہرہ مثل ماہتاب منور ہے لوگوں پر غشی طاری ہوئی۔ بادشاہ نے رومال فرقِ حر سے کھولا، کھولتے ہی اس رومال کے خونِ تازہ جوش مارنے لگا اور چشم زدن میں خون سے قبر بھر گئی۔ بادشاہ خائف ہوا اور جلد تھوڑا حصہ اس رومال کا لے لیا اور باقی زخم پر باندھ دیا اور روضۂ جنابِ حر بنوا دیا۔ منقول ہے کہ وہ بادشاہ جس نے رومال حاصل کرنا چاہا تھا تیمور تھا اور واسطے حصولِ زیارتِ قبر فرزندِ رسولؐ آیا تھا۔

کون حر، وہ کہ جس نے لاکھوں ظالموں کے درمیان میں رہ کر بھی بہادری اور جاں بازی کے نام پر حرف نہ آنے دیا۔ فوجِ مخالف کے اس انبوہِ کثیر میں، جس میں سب کے سب دنیا پرست تھے صرف یہی ایک دین پرست نکلا حر ظاہری حیثیت سے آرام میں تھا، دنیا میں بہت کم ایسے ملیں گے جو اپنے آرام و چین کو چھوڑ کر مصیبت اختیار کریں، انسان فطرتاً راحت پسند ہے تکلیف پسند نہیں کرتا مگر۔

بہادر دل کے اپنے نفس پر یوں جبر کرتے ہیں　　قضا کو کھیل بچوں کا سمجھ کر حق پہ مرتے ہیں

سمندر آگ کا بھی ہو تو اس کو تیر جاتے ہیں　　جہاں سر ٹھوکریں کھاتے ہیں ان کے پیر جاتے ہیں

جہاں میں نصرتِ مظلوم کا دم کون بھرتا ہے

مگر اسلام کچھ ایسے مجاہد پیش کرتا ہے

حُرِ جانباز بہرِ نصرتِ شبیرؑ آتا ہے　　ذرا دیکھو وہ کیا اخلاق دنیا کو سکھاتا ہے

بظاہر ایک دیوانہ ہے چشم کورِ باطن میں　　یہ ان کا کام ہے گویا نہ باقی عقل ہو جن میں

اُدھر انعام و دولت ہے یہاں جی سے گزرنا ہے

اُدھر عہدہ بڑھے گا اس طرف بے موت مرنا ہے

بہتر نفس جن پر تین دن سے بند پانی ہے — تو پھر ایسوں کی نصرت کیا مصیبت کی نشانی ہے
یہ مانا ایک کا دو سے تو لڑنا خیر آساں ہے — ہزاروں کے مقابل چند کس مرنے کا ساماں ہے

مگر جو عقل کے دشمن ہیں وہ حر کو نہ پہچانیں
دماغوں میں فقط دنیا ہو جن کے وہ یہ کیا جانیں

حُرِ غازی کمالِ نفسِ انسانی کا جوہر ہے — حُرِ غازی شجاعت کا دھنی اخلاق پرور ہے
اسے اک تشنہ لب مظلوم کی نصرت پسند آئی — بہادر تھا پھرا حق کی طرف وہ حق کا شیدائی

حیاتِ عارضی و دولتِ دنیا سے منہ موڑا
صداقت کے علمبردار کا دامن نہیں چھوڑا

اسی پر کیا ہر اک انسانِ کامل کی یہ فطرت ہے — نہ سمجھو نصرتِ سبطِ پیمبر حق کی نصرت ہے
یہی سیرت سبق آموزِ طفلِ ہر مسلماں ہو — یہی سیرت دلِ اسلام ہو ایمان کی جاں ہو

بہادر دل کے ہرگز موت کی پروا نہیں کرتے
جو ڈرتے ہیں خدا سے وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتے

حقیقتاً جن کے پہلو میں بہادر دل ہوتا ہے وہ ہرگز موت کی پروا نہیں کرتے اور جس دل میں خدا اور رسولؐ کی محبت اور ان کا خوف ہوتا ہے وہ کسی کے سامنے سرِ اطاعت نہیں جھکا سکتا۔ جب تک حر کے دل میں خوفِ خدا اور رسولؐ نہیں پیدا ہوا تھا اس وقت تک یزید اور یزیدی حکم اس کے واسطے قابلِ تعظیم تھا۔ اُدھر دل خوفِ خدا و رسولؐ سے منور ہوا اور محبتِ اہلِ بیتؑ سے دل کا گوشہ گوشہ جگمگایا اِدھر یزید اور یزیدی حکم کی کوئی وقعت باقی نہ رہی حر کے لیے کتنا نازک تھا وہ وقت جبکہ ہر دو جانب کی فوجیں آراستہ ہو چکی تھیں اور یہ اپنے اور اپنے دل کے درمیان دوزخ و جنت کو تول رہا تھا۔ اس کے واسطے ان دونوں راستوں کے درمیان بال سے

زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز راستہ تھا مگر بھلا وہ حق کا شیدائی اور شمعِ امامت کا پروانہ راہِ دوزخ کیونکر اختیار کرسکتا تھا فوراً مع اپنے ایک بھائی اور فرزند و غلام کے جنابِ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

روتا ہوا آیا بہ حضورِ شہِ صفدر مجرا کیا حر نے سرِ تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدمِ سبطِ پیمبرؐ کی عرض کہ مجوب ہوں اے خاصۂ داور
دوزخ کے شراروں سے بچا لیجئے آقا
اب عاصی کو مرنے کی رضا دیجئے آقا

حضرت نے سنا جب تو بندھا آنسوؤں کا تار چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ ابرار
لے بھول نہ جانا ہمیں اے یارِ وفادار کوثر پہ بھی اب ہوگی ملاقات پھر اک بار
تو ہم پہ تو ہم تجھ پہ فدا ہوئیں گے بھائی
لاشے پہ ترے آنسوؤں سے روئیں گے بھائی

یہاں تک کہ حُر جنابِ سید الشہدا سے اجازت لے کر میدان میں آیا اور بپھرے ہوئے شیر کی مانند رجز پڑھتا ہوا گویا ہوا کہ اب جس کو دعویٰ نبرد آزمائی ہو وہ مجھ سے ہم رزم ہو۔

یہ سخن سن کے پکارا پسرِ سعدِ شریر ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیے ہتھیار بڑھا فوج کا انبوہ کثیر یا علیؑ کہہ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
نوبت جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
سپریں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے

اپنی جاں بازی کا شبہ سے جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز اُدھر اور اِدھر تنہائی باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گُرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر اور اِدھر روتے چلے رن کو جنابِ شبیرؑ
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر پہنچے لاشے پہ امامِ دو جہاں وقتِ اخیر
چمنِ ہستیِ مہماں کو اجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

حسینؑ بلا تکلف دوست کے سرہانے پہنچ کر خاک پر بیٹھ گئے۔ سرِ حُر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا، دیکھا کہ خون سرِ حر سے بند نہیں ہوتا رومالِ فاطمہ زہراؑ جو بجائے تعویذ بازو پر بندھا تھا کھولا فرمایا "اے حر یہ وہ رومال ہے جس کے سوت کو رسولؐ کی بیٹی نے اپنے ہاتھ سے کاتا تھا اگر انبیائے ماسلف بھی اس کی تمنا کرتے تو بجا تھا یہ فرما کر سرِ حر پر باندھ دیا فوراً خون بند ہو گیا غالباً دنیا یہ خیال کرے کہ حرؑ شاید دیگر شہدائے کربلا سے افضل تھا کہ حسینؑ ابن علیؑ نے فاطمہ زہراؑ کے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا خلعت اس شہید راہ خدا کو عطا فرمایا ایسا نہیں ہے شہدائے کربلا مرتبہ کے لحاظ سے سب برابر ہیں اس عطیہ فرزند رسولؐ کی حقیقت میں مصلحت صرف یہ تھی کہ حر نظر عوام میں اپنی پچھلی بے ادبی کے ماتحت بہت زیادہ خطاوار تھا اور چند لمحہ پہلے شریک لشکر امام ہوا تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب

اپنے کسی مخصوص آدمی کو کسی ضرورت سے اپنے کسی دوست کے پاس بھیجتے ہیں تو اگر وہ جانے والا اجنبی ہوتا ہے تو اس کو بطور نشانی کوئی چیز اس لیے دے دی جاتی ہے کہ جس کے پاس وہ بھیجا جا رہا ہے وہ اس نشانی کے ذریعہ یقین کر لے کہ ہاں یہ ہمارے دوست کے پاس سے آیا ہے اور دوست نے اپنی نشانی دے کر بھیجا ہے۔ ہاں اگر کوئی سمجھا بوجھا آدمی بھیجا جائے تو کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔ حُر اس سے پہلے خطا کار تھا ممکن تھا کہ دروازۂ جنت پر خازنِ جنت۔ جنت میں جانے سے مانع ہوتا یا یہ کہ اس کی نگاہ حر پر دیر سے پڑتی۔ حسینؑ نے خازنِ جنت کے اطمینانِ خاطر کے لیے حر کو خلعتِ رومال فاطمہ دے کر بھیجا تھا۔ رونے والو! حسینؑ مظلوم کا ناصر اور وہ بھی ایسے خلعت سے سرفراز مجال تھی خازن جنت کی کہ ٹوک بھی سکتا میرا تو ایمان یہ ہے کہ اس رومال کو دیکھ کر تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا ہوگا، یہ کوئی نئی بات نہیں، آسماں کے رہنے والوں نے ہمیشہ اس خاندان کے افراد کا اسی طرح خیال کیا ہے۔ یہ تو کچھ ۶۱ ھ کے زمینِ کربلا کے نام نہاد مسلماں ہی تھے کہ جنھوں نے بعدِ شہادتِ حسینؑ جنابِ زینبؑ کے سر سے چادر تک چھین لی بہر حال حر آقا کے زانوئے مبارک پر دم توڑتا ہے۔

لاش پر حر کی یہ رو رو کے پکارے سرور  میرے مہمان و مددگار و معین و یاور
موت کیا آئی تمھیں ٹوٹ گئی میری کمر  مرتے مرتے بھی مجھے آہ نہ کی تم نے خبر

دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
آنکھ تو کھولو ذرا بھائی حسینؑ آیا ہے

واہ رے حرِ جری میں تری ہمت کے فدا  اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بخدا  بھائی بھی بس یہی کرتا مرا جو تو نے کیا

حق تعالیٰ چمنِ خلد میں گھر دے بھائی
اس رفاقت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

---

یہ بزرگوار کوفہ کے سادات شرفاء اور رؤسا میں سے تھے لیکن حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے دور میں ان کا کہیں تذکرہ نہیں مل سکا کہ یہ کس جانب تھے۔ بس ان کی تاریخ کا باب اسی جگہ سے شروع ہوتا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے بسوئے عراق روانہ ہوئے تو ابن زیاد ملعون نے اس کو ایک ہزار سوار کا سپہ سالار مقرر کر کے قادسیہ کی طرف روانہ کیا تا کہ امام حسین علیہ السلام کی کوفہ کی طرف پیش قدمی کو روکا جائے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جب منزل اشراف سے روانہ ہونے لگے تو بوقت سحر حکم دیا کہ مشکیزوں کو خوب پُر کر لو اور کافی پانی اپنے ساتھ رکھ لو۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو دوپہر کے وقت صحابہ میں سے ایک شخص نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضرت نے بھی تکبیر کی پھر پوچھا کہ تیرے تکبیر کہنے کی کیا وجہ ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ سامنے کھجوروں کا ایک باغ دیکھ رہا ہوں بنی اسد میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس مقام پر ہم نے کبھی کھجوریں نہیں دیکھیں تو امام نے فرمایا کہ ذرا غور سے دیکھو کہ کیا چیز ہے؟ تو پھر جواب ملا کہ خدا کی قسم یہ تو گھوڑوں کے کان اور نیزوں کے پھل دکھائی دے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا میں بھی یہی کچھ دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا کیا کوئی پناہ کی جگہ ہے جہاں ہم اُتر جائیں اور لڑائی کا رُخ صرف ایک ہی طرف ہو جائے تو اصحاب نے عرض کیا کہ ہماری بائیں جانب ذوحُسم موجود ہے۔ پس آپ نے گھوڑے کی باگ بائیں طرف موڑ دی اور صحابہ نے بھی کمال سرعت سے کام لیا اس طرف سے دشمن کی فوج کے پہلے حصے بھی قریب آ پہنچے تھے لیکن امام اور ان کے ساتھی وہاں پہلے پہنچ

گئے اور خیمے نصب کر لئے، دشمن کی فوج کی قیادت حر کے سپرد تھی اور یہ ساری فوج فولادی لباس میں ملبوس اور آلات حرب وضرب سے مسلح تھی۔ حُر نے امام حسینؑ کے خیام مقابلہ میں خیمے لگوائے۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ میں حرؒ ہوں حضور نے پوچھا ہمارے موافق یا مخالف؟ جواب دیا بلکہ مخالف اس منبع فیض وکرم نے حر کی فوج کے چہروں میں تشنگی کے آثار پائے تو فرمایا کہ ان لوگوں کو بمعہ گھوڑوں کے پانی پلادو جب لوگ پانی پی چکے تو گھوڑوں کو بھی سیراب کیا گیا۔ علی بن طعان محاربی کہتا ہے کہ میں لشکر حر میں سب سے آخر میں پہنچا میرے اوپر اور میرے گھوڑے کے اوپر پیاس سخت غالب تھی جب میں پہنچا تو مشکیزوں کے دہانے بند کئے جا چکے تھے۔ امام علیہ السلام خیمہ کے دروازہ پر بیٹھے ہُوئے دیکھ رہے تھے مجھے فرمایا کہ سواری سے اُترو پس میں نے ایسا ہی کیا پس مجھے پانی دیا گیا لیکن پیاس نے مجھے اس قدر بدحواس کردیا تھا کہ مجھ میں پانی پینے کی طاقت نہ تھی پس آپ خود اُٹھے اور بنفس نفیس مشک کو اٹھا کر مجھے پانی سے سیراب کیا۔ نماز ظہر کا وقت آیا تو حضرت نے حجاج بن مسروق کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے لئے صفیں درست ہوئیں حضرت باہر تشریف لائے اور ایک مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا: کہ ''اے لوگوں میں بن بلائے یہاں نہیں آیا بلکہ تم لوگوں نے متواتر خطوط لکھ کر مجھے اس طرف آنے پر آمادہ کیا ہے۔ اگر تم لوگ ان وعدوں پر کاربند ہو تو ہمیں مطمئن کرو اور اگر پشیمان ہو تو مجھے واپس جانے دو پس'' حر اور اس کے لشکر نے شرمندگی سے کچھ جواب نہ دیا اقامت پڑھی گئی تو امام نے حر سے کہا کہ تو بے شک اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھ لیکن حر نے جواب دیا ہم آپ کی اقتداء میں پڑھیں گے۔ پس حضرت آگے کھڑے ہُوئے اور دونوں لشکریوں نے پیچھے

کھڑے ہو کر نماز ادا کی گرمی اس قدر تیز تھی کہ دونو لشکر اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھام کران کے سایہ میں بیٹھے تھے۔ پھر نماز عصر حضرت نے دونوں لشکروں کو پڑھائی اور حر کے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر مثل سابق ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ حر نے عرض کی ہمیں خدا کی قسم آپ کے خطوط کا کوئی پتہ نہیں۔ پس آپ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ تھیلا لے آؤ۔ چنانچہ وہ لایا اور آپ نے حر کے سامنے سب خطوط نکال کر رکھ دئے۔ حُر نے جواب دیا۔ میں ان خطوط کے لکھنے والوں میں سے نہیں ہوں مجھے تو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ کو یہاں پاؤں ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔ آپ نے غصّہ میں آ کر اپنے اصحاب سے فرمایا اٹھو اور سوار ہو جاؤ اور عورتوں بچوں کو محملوں میں سوار کر لو تا کہ واپس چلے جائیں۔ ادھر حُر کے لشکر نے سامنے صف بستہ ہو کر راستہ روک لیا۔ آپ نے حُر سے فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں سوگوار ہو تو میرے ساتھ کیوں اُلجھتا ہے؟ حُر نے جواب دیا اگر آپ کے بغیر کوئی دُوسرا عرب میری ماں کا نام لیتا تو میں اس کی ماں کا نام بھی ضرور لیتا لیکن خدا کی قسم آپ کی ماں وہ ہے جس کا بغیر درود و سلام کے نام لینا مناسب نہیں آپ نے فرمایا مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ تو جواب دیا کہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا یہ تو نہیں ہوسکتا۔ حُر نے کہا اس کے بغیر میں بھی نہ چھوڑوں گا۔ تین تین دفعہ یہ کلمات دُہرائے گئے۔ جب بات نے طول کھینچا تو حر نے کہا مجھے لڑنے کا حکم نہیں بلکہ صرف یہ کہ آپ کے ہمراہ رہوں اگر آپ کوفہ نہیں جاتے تو پھر کوفہ اور مدینہ کے درمیان کا راستہ اختیار فرمایئے۔ پھر میں ابن زیاد کو اطلاع دوں گا۔ ممکن ہے کوئی اچھی صُورت پیدا ہو جائے۔ پس اسی پر اتفاق ہوا اور روانہ ہوئے۔ یہاں سے عذیب تک ۳۸ میل فاصلہ تھا بائیں

جانب سب لق و دق جنگل ہی جنگل تھا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کوئی ہے جو راستہ سے الگ ہو کر ہمیں منزل مقصود تک لے جائے طرماح نے عرض کی آقا میں راہ و بے راہ خوب جانتا ہوں۔ پس امام نے اُس کو آگے چلنے کا حکم دیا۔ ساری رات سفر ہوتا رہا۔ نماز صبح کے وقت مقام بیضہ پر پہنچے جو بنی وارم کی آبادی تھی پس وہاں نماز جمعہ پڑھی گئی۔ اور مروی ہے کہ یہاں پھر آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں بنی اُمیہ کی دین فروشی اور اسلام دشمنی پر تبصرہ فرمایا اور اپنا استحقاق خلافت بھی بیان کیا اور کوفیوں کے خطوط اور دعوت ناموں کا ذکر فرماتے ہُوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میری بیعت پر ثابت قدم اور وفادار ہو تو خوب اور اگر عہد شکنی کر چکے ہو اور بیعت کو توڑ چکے ہو تو یہ بات تم سے غیر متوقع بھی نہیں کیونکہ تم اس سے پہلے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ بھی یہ سلوک کر چکے ہو۔

حر نے جب یہ خطبہ سُنا تو اس کو قدرے ہوش آئی۔ خدمتِ اقدس میں پہنچا اور عرض کی اے فرزند رسُول خدا کو گواہ کر کے میں آپ سے سچی بات کہتا ہوں کہ اگر آپ ان لوگوں سے ایسی بات کریں گے تو بلاشک قتل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اے حُر کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے لیکن یاد رکھ میرے قتل کے بعد تم لوگ آسودہ حال نہ ہو گے بلکہ تم کو عذاب دردناک میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ پھر فرمایا میں اسی نیت پر جا رہا ہوں کیونکہ جوان مرد پر ایسی موت باعث ننگ نہیں جو نیک نیتی سے راہ حق میں پیش آئے اور ایسی موت جو مجاہد کو دین اسلام کے لئے جہاد میں پیش آئے اور ایسی موت جو نیک انسانوں کی ہمدردی کے راستہ میں آجائے۔ اور ایسی موت جو بدکاریوں سے کنارہ کشی کی صورت میں آجائے دریں صُورت اگر زندہ رہوں گا تو پشیمان نہ ہوں گا اور اگر مر جاؤں گا تو حسرت نہ رہے گی۔

حر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ سفر کر رہا تھا کہ کوفہ طرف سے ایک تیز رَو قاصد آ پہنچا جس نے حر پر سلام کیا اور امام حسینؑ کو سلام نہ کیا۔ اس کے پاس حر کے نام ابن زیاد کا ایک خط تھا جس میں مرقوم تھا کہ میرا یہ آرڈر تجھے جہاں پہنچے۔ پس امام حسینؑ کو آگے جانے کی بالکل مہلت نہ دو اور ایک سنسان اور غیر آباد جنگل میں انہیں اُترنے پر مجبور کرو۔ حُر وہ خط امام کی خدمت میں خود لایا اور کہا کہ ابن زیاد کا قاصد یہ خط لایا ہے اور وہ خود ہمارے اُوپر نگران ہے کہ ابن زیاد کے فرمودہ پر عمل ہوتا ہے یا نہیں اور وہ واپس جا کر ابن زیاد کو اطلاع دے گا۔ آخرکار آپ زمینِ کربلا میں فروکش ہُوئے اور حر کا لشکر بالمقابل خیمہ زن ہُوا۔

## حُر کی توبہ:

عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے عمر بن سعد بھی ایک لشکر کے ساتھ وارِدِ کربلا ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے لشکر پہنچتے رہے ابن سعد نے حر کو تمیم اور ہمدان کے ۱/۴ حصہ پر افسر مقرر کر دیا۔ آخرکار جب عمر بن سعد نے امام حسینؑ کی تمام شروط کو ٹھکرا دیا تو حر نہایت غمزدہ ہو کر ابن سعد کے پاس پہنچا اور کہا کیا تم لوگ حسینؑ سے جنگ کرو گے؟ تو ابن سعد نے جواب دیا کہ ضرور کریں گے۔ حُر نے کہا کیا حسینؑ کی کوئی خواہش قبول نہیں کی جا سکتی تا کہ معاملہ صلح پر ختم ہو جائے ابن سعد نے جواب دیا اگر میرے بس کی بات ہوتی تو ضرور میں ایسا کر لیتا لیکن ابن زیاد راضی نہیں ہوتا۔ حر شکستہ خاطر واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچا قرہ بن قیس جو حر کے قبیلہ کا ایک آدمی ہے کہتا ہے حر نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو اپنے گھوڑے کو پانی دے چکا ہے۔ میں نے کہا ہاں! تو حر نے کہا کہ بس اب گھوڑے کو پانی نہ پلاؤ گے قرہ کہتا ہے کہ حر کی یہ بات سن کر میں سمجھ گیا کہ حر لڑائی سے گریز کر رہا ہے

لیکن ہمیں اپنے راز سے آگاہ نہ کیا ورنہ میں ضرور اس کے ہمراہ امام حسین کی خدمت میں چلا جاتا۔

حُر نے اپنی جگہ کو تھوڑا چھوڑنا شروع کر دیا کہ امام حسین کی طرف نزدیک ہوتا جاتا تھا، مہاجر ابن اوس نے پوچھا حُر کیا ارادہ ہے، کیا حملہ کرنے کی نیت ہے تو حر نے کوئی جواب نہ دیا اور حر کے تمام بدن پر کپکپی اور لرزہ طاری تھا پھر مہاجر نے کہا اے حُر مجھے تیرے اُوپر شک ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم میں نے کسی جنگ میں تیری یہ حالت نہیں دیکھی اور اگر مجھ سے کوئی شخص دریافت کرتا تھا کہ کوفے کا شجاع ترین انسان کون ہے؟ تو میں تیرا نام لیا کرتا تھا۔ بتاؤ جسم پر یہ لرزہ اور کپکپی کیسی ہے؟ حُر نے جواب دیا کہ میں اپنے آپ کو بہشت اور دوزخ کے درمیان دیکھ رہا ہوں اور خدا کی قسم اگر پارہ پارہ ہو جاؤں اور آگ سے جلایا جاؤں تو بہشت سے کنارہ نہ کروں گا پس گھوڑے کو تیز کر کے در جنّت پر پہنچا۔ حُر کا سمند گھوڑا تازیانہ کا اشارہ پا کر ہوا سے باتیں کرتا ہوا ساقیٔ کوثر کے قدموں میں پہنچا۔ ابن طاؤس سے منقول ہے۔ کہ اس وقت حُر کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ دونوں ہاتھ سر پر دھرے تھے۔ اور منہ آسمان کی طرف کر کے عرض کر رہا تھا۔ اے پروردگارا! میں تیری طرف پلٹ آیا ہوں میری توبہ کو قبول فرما کیونکہ میں تیرے اولیاء کے دل اور تیرے پیغمبر کی ذریت کے جگر کو آزردہ کر چکا ہوں۔ خدمت عالیہ میں پہنچا اور سلام کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ زمین پر اوندھے منہ گر گیا اور قدموں کی زمین کو بوسہ دیا۔ اور منہ خاک پر رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا ذرا سر اٹھا تو سہی دیکھوں تو کون ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرمندگی سے سر اور منہ لپیٹے ہوئے تھے۔

عرض کرنے لگا حضور: میرے باپ اور ماں آپ پر فدا ہوں میں حرؒ ہوں میں وہی ہوں جس نے مدینے کی طرف جانے سے آپ کو روکا اور آپ کو مجبور کر کے یہاں لایا اور آپ کو کسی پناہ کی جگہ پر نہ جانے دیا اور پھر سختی سے آپ کو اس جگہ پر اُترنے کو کہا۔ خدا کی قسم مجھے گمان تک نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کی امن کی خواہش کو رد کر دیں گے۔ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو ہرگز یہ غلطی مجھ سے صادر نہ ہوتی، اب توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور اپنی جان کو فدیہ کر کے لایا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو سکے گی؟ آپ نے فرمایا بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا ہے حر یہ خوش خبری سن کر خوش ہوا اور سر کو زمین سے بلند کیا۔

پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ امام نے فرمایا گھوڑے سے اتر کو آرام کرلو۔ تو حر نے جواب دیا میرا گھوڑے پر رہنا میرے پیدل ہونے سے آپ کو زیادہ نفع دے گا لہٰذا مجھے معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا جیسا تجھے مناسب معلوم ہو کرو۔ حُر نے عرض کی اے فرزند رسولؐ! جب میں کوفہ سے نکلا تو میرے کان میں آواز پہنچی۔ اے حُر تجھے جنّت کی خوش خبری ہو میں دل میں سوچتا تھا کہ فرزند رسُول سے لڑنے جا رہا ہوں اور پھر بشارتِ جنّت یہ ناممکن ہے اب میں اس کا مطلب سمجھا ہوں کہ وہ بشارت درست تھی۔ امام نے فرمایا وہ حضرت خضر پیغمبر تھے جنہوں نے تجھ کو جنّت کی بشارت دی تھی۔

بعض کتب میں ہے کہ حر نے عرض کی آقا گذشتہ شب میں نے اپنے والد کی خواب میں زیارت کی انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو ان دنوں کہاں تھا تو میں نے جواب دیا کہ فرزند رسول کا راستہ روکنے کے لئے گیا تھا تو میرے باپ نے فریاد کی اور فرمایا بیٹا: تجھے فرزند رسول کے راستہ روکنے سے کیا واسطہ ہاں اگر

ہمیشہ کے لئے جہنم خریدنا چاہتا ہے تو بے شک حسینؑ کے ساتھ جنگ کرو۔ اور اگر بروزِ قیامت رسول کی شفاعت چاہتا ہے تو جا کر ان کی نصرت کرو اور اس کے دشمنوں سے جہاد کرو یہ کہہ کر گھوڑے کو جولان دیا اور فوج اشقیاء کے سامنے جا کے کھڑا ہوا۔ اور فرمایا اے قوم کیا تم حسینؑ کی کسی بات کو نہیں مانتے ہوتا کہ خدا تم کو بروز قیامت اس جنگ کے انجام سے محفوظ رکھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ عمر بن سعد جو فیصلہ کرے گا وہی قابل ہوگا۔ پس عمر بن سعد کے پاس جا کر حُر نے انہی باتوں کا اعادہ کیا عمر نے جواب دیا کہ میں نے اس معاملہ میں بہت کچھ سوچ وبچار کی ہے اگر مجھے کوئی اور راستہ مل سکتا تو ضرور اس پر عمل کرتا پس حُر نے غصہ سے عمر کے ساتھ دوبارہ بات نہ کی اور فوج اشقیاء کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ تمہاری مائیں تمہارا ماتم کریں اس سرو صالح یعنی حسین علیہ السلام کو تم نے خود دعوت دی۔ جب وہ تمہاری دعوت کو مان کر تشریف لائے تو تم ان سے دُور ہو گئے اور ان کے دشمنوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا حالانکہ تم ان کے ساتھ عہد و پیاں کر چکے ہو کہ ہم آپ کی نصرت میں جان و مال قربان کریں گے۔ اب عزر کر کے اُس کے قتل کے در پے ہو۔ اور اس کے سامنے راہ مسدود کر کے کسی اور جگہ بھی نہیں جانے دیتے۔ یہ پانی جس کو کتے، سور، یہود و نصاریٰ اور مجوسی تک استعمال کر رہے ہیں حسینؑ اور اس کی اہل بیت و اصحاب پر تم نے بند کر دیا ہے کہ وہ پیاس کے مارے جان بلب ہیں۔ تم کیسی اُمت ہو کہ اپنے رسُولؐ کی ذرّیت سے یہ سلوک کر رہے ہو۔ خدا تمہیں بروز قیامت سیراب نہ کرے اگر بے توبہ مر جاؤ۔

حُر نے جب یہ کلام کیا تو اُنہوں نے اس کا جواب تیروں سے دیا پس حُر واپس آ گیا۔ اس وقت ابن سعد خیمہ سے باہر نکلا اور اپنے غلام دُرید سے کہا کہ علم فوج

اُٹھا کر آگے بڑھو اور خود ایک تیر کمان میں رکھ کر خیام حسینؑ کی طرف مارا اور کہا اے لوگو، گواہ رہنا کہ میں پہلا شخص ہُوں جس نے خیام حسینی کی طرف پہلے تیر مارا ہے۔

# مبارزۂ حُر

یہ سُن کر غیرتِ حُر جوش میں آئی طبیعت میں تاب ضبط باقی نہ رہی۔ عرض کی اے فرزند رسولؐ میں ہی وہ شخص ہوں جو پہلے پہل حضور کے سامنے بے ادب ہوا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میں ہی پہلا شخص بنوں جو آپ پر جان فدا کرے تاکہ سب سے پہلے سرخرو ہو کر روز محشر رسولِ خدا سے مصافحہ کروں حُر کو اجازت ملی اور شیر غضبناک کی طرح میدان کارزار کی طرف لپکا اور چند اشعار پڑھے جن کا مقصد یہ ہے۔ میں نے قسم کھالی ہے کہ اس وقت تک قتل نہ ہوں گا جب تک کہ دشمنانِ خدا کو قتل نہ کرلوں اور آج کے دن تمام زخم سینہ پر ہی لوں گا۔ میں ان کو تلوار شرر بار سے نا قابل اصلاح زخم لگاؤں گا۔ نہ ان کے قتل سے مجھے سُستی لاحق ہوگی اور نہ ہراس میں اپنے مولا حسین کی حفاظت کی خاطر سب کچھ کروں گا اس سے کوئی چیز مجھے نہیں روک سکتی اور نہ اس سلسلہ میں مجھے کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے پس باد عاصف اور برق خاطف کی طرح لشکر اعدا پر حملہ آور ہوا۔ اور رجزیہ اشعار بھی پڑھتا تھا جن کا مقصد یہ ہے کہ میں وہ حر ہوں جو مہمانوں کی جائے پناہ تھا۔ میں تلوار سے تمہاری گردنیں اڑاؤں گا اور زمین مکہ و منیٰ پر نازل ہونے والے لوگوں میں بہترین انسان کی طرفداری میں تمہیں تلوار کا ذائقہ چکھاؤں گا اور اس میں مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

حُر نے میدان کارزار میں وہ داد شجاعت دی کہ آزمودہ کارانِ حرب وضرب

کے حوصلے پست کر دیئے اور اتنی شدت سے حملہ کیا کہ فوج اشقیاء پر جان کے لالے پڑ گئے زخموں کی کثرت سے حر کے گھوڑں کی کنپٹیوں سے خون کی دھاریں جاری تھیں کسی بدنہاد کو حر کے سامنے آنے کا یارانہ تھا حصین بن تمیم نے یزید بن سفیان نامی ایک شخص کو پکار کر کہا دیکھ یہ وہی حُر ہے جس کے قتل کی تیرے دل میں خواہش تھی۔ اب اس کے سامنے میدان میں کیوں نہیں جاتا؟ اس بے غیرت نے جوش کھا کر ہاں میں جواب دیا۔ جب حسینؑ کے لشکر میں حر کے ملنے کی اطلاح اس کو ملی تھی تو اس نے کہا تھا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ حر حسینؑ کی فوج کی طرف جارہا ہے تو ایک تیر سے اس کا کام میں نے تمام کر دیا ہوتا۔ حصین نے اب اس کو وہی بات یاد دلائی پس یزید بن سفیان گھوڑا دوڑا کر حر کے مقابلہ میں آیا اور کہا کہ اے حر آیا مجھ سے لڑنے کی تجھے خواہش ہے۔ حر نے جواب دیا کہ ضرور پس لڑائی شروع ہوئی تو حصین بن تمیم کہتا ہے خدا کی قسم ایسا ہی معلوم ہوا کہ یزید بن سفیان کی موت حر کے ہاتھ میں تھی پس چشم زدن میں ہی حر نے اس کو واصل جہنم کیا۔

ناسخ سے منقول ہے کہ حُر کی شجاعت سے عمر بن سعد گھبرا گیا۔ اس نے صفوان بن حنظلہ کو بلایا جو شجاعت و دلیری میں پُورے لشکر میں شہرت رکھتا تھا اور کہا کہ تجھے ہی حر کے مقابلہ میں جانا چاہیے لیکن پہلے اس کے غیظ و غضب کو اپنی نصیحت آمیز باتوں سے ٹھنڈا کرنا اگر نہ مانے تو اُس کے سر کو تن سے جُدا کر دینا۔ عمر بن سعد کی یہ بات سُن کر صفوان پورے ہتھیار لگا کر میدان میں حُر کے سامنے پہنچا اور کہنے لگا اے حر تو نے ناسپاسی کی ہے کہ یزید خلیفہ کی اطاعت سے کنارہ کش ہو گیا ہے کہ حسینؑ کے ساتھ جاملا ہے حُر نے جواب دیا اے صفوان تو مجھے دانا معلوم ہوتا

ہے لیکن تعجب ہے کہ تو بھی مجھے یہ کہتا ہے کہ حسینؑ کو چھوڑ کر شرابی اور بدمعاش یزید کا طرفدار ہو جاؤں؟ صفوان نے غصہ سے بھرپور ہو کر حُر پر نیزہ کا وار کیا۔ حُر نے اس کا وار رد کر کے اس کے سینہ پر کینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پشت سے جا نکلا صفوان کو مقتول دیکھ کر اس کے تین بھائی جو شجاعت و شہامت میں سب ایک جیسے تھے اپنے بھائی کی موت سے بدحواس ہو کر انتقام لینے کے لئے یکبارگی حملہ آور ہُوئے۔ حُر نے اُن کے آتے ہی ایک کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اس کو گھوڑے کی زین سے کھینچ کر ایسے زور سے زمین پر مارا کہ اس کی ہڈیاں چور ہو گئیں اور راہیٔ جہنم ہوا۔ اور دوسرے کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا، تیسرے نے بھاگنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی اور بچ نکلنے کی کوشش کی لیکن حر نے سبقت کر کے اس کی پشت پر نیزہ مارا اور وہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ دربان دوزخ کا مہمان جا ہوا۔

حُر نے پھر نیام سے تلوار نکالی اور شعلہ نار بن کر لشکر کفار پر حمل آور ہوا، اور اس طرح جنگ کیا کہ دشمنانِ دین پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ سروں کو جسموں سے اُڑاتا ہوا گھوڑے کے نیچے روندتا پچھاڑتا ہوا جس طرف سے گذرتا تھا۔ کسی کو تابِ مقادمت نہ رہتی تھی کہ اُس کی پیش قدمی کو روک سکتا۔ اب سوائے مکر و فریب کے حُر کو مغلوب کرنے کی ان کے پاس کوئی دُوسری صُورت نہ تھی۔ ایوب بن مسرح کہتا ہے کہ میں نے حر کے سمند گھوڑے کو میدان میں جولانی کرتے ہُوئے دیکھا تو ایک تیر کس کر اس طرح زور سے مارا کہ حر کے گھوڑے کے شکم میں جا لگا۔ گھوڑا پیچ و تاب کھا کر گرا تو حر بھی خانہ زین سے زمین پر جا پہنچا لیکن فوراً جان سنبھال کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ابھی شیر کے ہاتھ میں تلوار موجود ہے۔ اگر گھوڑے سے گر گیا ہوں تو پروا نہیں کیونکہ نسب سے نہیں گرا ہوں اگرچہ تم نے

میرے گھوڑے کو ناکارہ کر دیا ہے لیکن میں وہ جواں مرد ہوں کہ شجاعت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی ہے جو ہمارے خون میں رچی ہوئی ہے اور ہماری شجاعت گھوڑے کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ وہ تو ہمارے رگ و پے میں خون کی طرح جاری ہے۔

سیدابن طاؤس سے منقول ہے کہ حر نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور قوم اشقیاء میں سے چیدہ چیدہ بہادروں کو تہ تیغ کیا جب اتنی بد کردار کفار کو جو شجاعت کا دم بھرتے تھے فی النار کر چکا تو ابن سعد نے فوج میں آواز دی کہ حر کو تم اس طرح زیر نہ کر سکو گے بلکہ یکبارگی اس پر تیروں کی بوچھاڑ کرو چنانچہ ہر طرف سے تیراندازوں نے تیر بارانی شروع کی اور حر کو اس قدر تیر لگے کہ کوئی جگہ جسم کی خالی نہ رہی۔ حر نے جب یہ دیکھا تو غیرت کے مارے آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور پھر بھی لڑائی سے جی نہ ہارا۔ آخر کار تاب نہ لا کر زمین پر گرا۔ اصحابِ حسینؑ فوراً پہنچے اور حر کی لاش کو اٹھالائے۔ امام پاک نے حر کے چہرہ سے بنفس نفیس خون صاف کیا اور فرمایا خدا کی قسم تیری ماں نے تیرا نام حر غلط نہیں رکھا تھا بلکہ تو دنیا و آخرت میں حر ہے اور پھر حُر کی لاش پر خوب روئے اور اس کے لئے استغفار بھی کی اور معصوم نے حر کے متعلق یہ اشعار بطور مرثیہ کے کہے۔

لَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِی الرِّیَاحِ صَبُوْرٍ عِنْدَ مُشْتَبَكِ الرِّمَاحِ

بہترین حر ہے حر بنی ریاح جو پے در پے نیزوں کے پڑنے پر صابر رہا

وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَیْنًا فَجَادَ بِنَفْسِهٖ عِنْدَ الصَّبَاحِ

البتہ بہترین حر ہے جس نے حسین کو پکارا اور پہلے پہل اپنی جان کو قربان کیا

وَنِعْمَ الْحُرُّ فِیْ رَهَجِ الْمَنَایَا اِذَا الْاَبْطَالُ تَخْفَقُ بِالصِّفَاحِ

بہترین حر تھا موتوں کے غبار میں جب کہ بہادروں کے دل کانپ جایا کرتے ہیں

وَنِعْمَہ الْحُرُّ اِذْوَاسیٰ حُسَیْنًا وَفَازَبِالْهِدَایَة وَالْفَلَاحِ

بہترین حر تھا جب کہ حسینؑ کی نصرت کی اور ہدایت و کامرانی پر فائز ہوا

فَیَا رَبِّ اَضِفْهُ فِیْ جِنَانٍ وَزَوِّجْهُ مَعَ الْحُوْرِ الْمِلَاحِ

اے پروردگار جنّت میں حر کو مہمان کر اور خوبصورت حوروں کو اس کی زوجیت عطا کر۔

بعض علماء اکابر کا یہ نظریہ ہے کہ حُر جہاں شہید ہوا ہے وہیں دفن بھی ہوا ہے لیکن آقا ذبیح محلاتی فرماتے ہیں کہ حُر کی لاشّ کو اصحابِ حسین وہاں سے اُٹھا کر لے گئے تھے اور حر کی آرام گاہ اس وقت کربلا سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ لاشوں کی پامالی کے وقت حُر کا قبیلہ لاش کو اُٹھا کر وہاں لے گیا تھا جہاں ان کے خیام تھے اور پھر وہیں دفن کر دیا گیا۔

حر کی قبر کا وہاں ہونا جس جگہ موجودہ زیارت گاہ بنی ہُوئی ہے اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ انوار نعمانیہ و دیگر کتب تاریخ سے منقول ہے کہ جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے بغداد کو فتح کیا۔ اور عتباتِ عالیات کی زیارت پر مشرف ہوا تو کربلا میں حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام کی زیارت سے فارغ ہوکر حُر کی قبر کا رُخ کیا لیکن سُنا کہ لوگ حُر کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شبہ ڈالتے ہیں کہ حر کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی شاہ اسمٰعیل نے حکم دیا کہ چونکہ شہید کا بدن بوسیدہ نہیں ہوا کرتا لہٰذا یہ شک ابھی دور کیا جاسکتا ہے۔ پس قبر کھودی جائے۔ جب قبر کھودی گئی۔ دیکھا تو حر کا بدن تروتازہ اور اپنے مرقد میں اس طرح محوِ خواب تھا جس طرح کہ تازہ شہید ہوا ہو۔ اس کی لاش خون سے آلودہ تھی اور پیشانی پر رومال بندھا ہوا تھا۔ شاہ نے کہ غالباً

یہ رومال مولا حسین نے ہی باندھا تھا اس کو کھول کر مجھے دو تا کہ بطور تبرک اس کو اپنے پاس رکھوں گا۔ لیکن جب رومال کھولا گیا تو تازہ خون جاری ہوا۔ دوسرا رومال باندھا گیا لیکن خون نہ رکا جب دوبارہ وہی رومال باندھا گیا تو خون فوراً رک گیا۔ پس لوگوں کا شک ختم ہو گیا اور اس کا خاتمہ بالخیر معلوم ہو گیا۔ پھر شاہ اسمٰعیل نے اس قبر پر روضہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور خدام بھی مقرر کیا۔

حر کا فوجِ شام سے علیحدہ ہونا:

مرزا دبیرؔ

غل تھا کہ مشرکوں سے مسلماں جدا ہوا بادل سے آفتابِ درخشاں جدا ہوا
ظلمت سے نور، کفر سے ایماں جدا ہوا نصرانیوں سے عیسیٰؑ دوراں جدا ہوا
گرتا ہوا علیؑ کی مدد سے سنبھل گیا
عقرب سے چاند، چاہ سے یوسفؑ نکل گیا

دریا کی طرح موج پہ تھی فوج اہلِ نار اس موج میں نہنگ تھی ہر تیغ آبدار
حُر حبِّ اہلبیتؑ کی کشتی پہ تھا سوار جن کا کہ ناخدا تھا خدا وہ بزرگوار
کوسوں کنارے ظلم کے گرداب کر گئے
غل تھا وہ رود و نیل سے موسیٰ گذر گئے

تیغوں کے شعلے لے کے بڑھے گبر بدسیر کی حُر کے گرد آتشِ نمرودؔ شعلہ ور
پہنچا نہ ہاتھ شعلے کا تا گردن و کمر ہنگام جست مرکبِ حرؔ بن گیا شرر
مژدہ دیا سروش نے یہ جبریلؑ کو
پھر آگ سے علیؑ نے نکالا خلیل کو

امام حسینؑ کی فوج کے پاس حر کا پہنچنا اور ناصرانِ امام کا مقابلہ کے واسطے مستعد ہونا:

پہنچا قریبِ فوجِ خدا جب وہ باوفا چرچا ہوا حسینؑ کے لشکر میں جابجا
ہشیار اے امامؑ کے اصحاب و اقربا ہاں نیزے تانو تیغیں سنبھالو، یہ کیا ہوا
آتا ہے وہ فرس کی اِدھر باگ پھیر کے
لایا ہے کربلا میں جو سیّد کو گھیر کے

ہاشمی جواں مردوں نے حر کو روک لیا:

یاں حر کو روکا ہاشمیوں نے اِدھر اُدھر پوچھا کِدھر کِدھر، ہمیں بتلا ٹھہر ٹھہر
رستے میں ہاتھ ڈالا تھا حضرت کی باگ پر اب کیا خیال بے ادبی ہے بیان کر
زینبؑ کے شیر نیچے چھوٹے سے تول کر
للکارے پہلے تیغ و سپر رکھ دے کھول کر

حرؔ کو بھی جوشِ اُلفتِ شبیرؑ آگیا آواز دی کہ روکنے سے کیا ہے مدعا
تقصیر وار ہوں تو جنابِ حسینؑ کا چاہے بحل کریں مجھے چاہے وہ دیں سزا
جو میں وہ تم غلامِ امامِ کریم ہو
فرق اتنا ہے جدید ہوں میں، تم قدیم ہو

حر کو امام حسینؑ کے کرم پر پورا یقین ہے کہ اس کی خطا معاف کر دی جائے گی اور امام کی طرف سے اخلاقِ محمدی کا مظاہرہ:

کھل جائے گا سلام ہی سے پرورش کا حال منہ پھیر لیں حضور تو خوں میرا ہے
پھر یاس سے پکارا کہ اے فاطمہؑ کے لال نرغہ ہی میں کھڑا رہوں کیا میں شکستہ بال
بولے حسینؑ غازیو کیا تم کو دھیان ہے
یہ میری جان ہے یہ میرا مہمان ہے

اپنے قصور پر اُسے خود اعتراف ہے الزام دینا میری حیا کے خلاف ہے
یہ تو ہے نیک، بد سے بھی دل اپنا صاف ہے کیسا گناہ، کیسی خطا، سب معاف ہے

جانے دو یارو ذکرِ گذشتہ کہ جانے دو
حر عاشق حسینؑ ہے آنے دو آنے دو

حسینؑ کا حکم پا کر اصحاب حر کو عزت واحترام کے ساتھ خدمتِ امام میں لائے حر نے رو کر رخصتِ جہاد امام حسینؑ سے طلب کی:

یہ سُن کے حر کے گرد پھرے شہ کے خیر خواہ     لائے ہزاروں عزو شرف سے حضورِ شاہ
گھوڑے سے پائے شہ پہ گرا وہ باشکِ وآہ     بولا کلامِ لطف نے کلمہ پڑھایا واہ
حر کو ہراولی سے سرافراز کیجئے
مسلم کیا تو رتبۂ مسلمؑ بھی دیجئے

پہنے جو ہوں میں حلہ یہ حیدرؑ کی ہے عطا     اب منتظر ہیں بندے کے کوثر پہ مرتضا
کہنے لگے لپٹ کے گلے سے شہِ ہدا     ہے ہے مرے رفیق تو کیا آیا کیا چلا
مہماں ابھی تو تیری مدارات چاہیے
کی عرض اُس نے خلد کی سوغات چاہیے

حر کی ایک ایک سے رخصت:

ناگہ پڑی وداعِ ہراول کی دھوم دھام     اکبرؑ کبھی گلے سے ملے اور کبھی امامؑ
ڈیوڑھی پہ آ کے رونے لگیں بیبیاں تمام     بیمار کربلا نے یہ اس سے کیا کلام
تو نے کیا سلوک شہ بحر و بر کے ساتھ
عابدؑ پڑھے گا تیری زیارت پدر کے ساتھ

بڑھ کر سوار ہونے لگا حرِ نامور     زینبؑ کے دونوں لاڈلے آئے اِدھر اُدھر
پھیلا کے کرتے اور حیا سے جھکا کے سر     بولے کہ ہم نے روکا تھا تجھ کو معاف کر
تو نے کیا ہے خوش پسر بوترابؑ کو

جعفرؑ کے پوتے تھامیں گے تیری رکاب کو

رونق فزائے زیں ہوا پھر تو وہ شہسوار نصف النہار میں کیا خورشید نے قرار
روشن ہوئے چراغ رکابوں کے ایکبار روشن نگاہ ، فتح پکاری نقیب وار
ہیبت سے فوجِ اہلِ جفا زرد ہوگئی
بڑھتے ہی بادِپا کے ہوا گرد ہوگئی

حرکی میدانِ جہاد میں آمد:

رن کو رواں ہے تابعِ فرماں حسینؑ کا غم کھانے کو ہوا ہے جو مہماں حسینؑ کا
طوبیٰ ہے جس کو سایۂ داماں حسینؑ کا بوذر ہے وہ حسینؑ کا سلماں حسینؑ کا
کیا دبدبہ ہراولِ شاہِ ہدا کا ہے
نصرت جلو میں پشت پہ سایہ خدا کا ہے

حرکا سراپا:

سلطانِ حسن حُر کا رُخ بے نظیر ہے اور آپ حر غلام جنابِ امیرؑ ہے
چرخِ چہارمی پہ جو مہرِ منیر ہے اس بادشاہِ حُسن کا چوتھا وزیر ہے
حر عاشقِ حسینؑ دو عالم میں ایک ہے
خاتم فلک نگینہ قمر نام نیک ہے

ہر جزو ہے عناصر اربع کا انتخاب پھولوں کی خاک لعل کی آگ اور گہر کی آب
بدلے ہوا کے حرص تولائے بوتراب پھر ناریوں کا قرب نہ کیوں جانتا عذاب
شرکت اب آہ واشک میں آلِ عبا کی ہے
حرؑ کو موافق آب و ہوا کربلا کی ہے

بالذات اوج عقدِ ثریا نہیں ہوا وہ خرمن اس کے حسن کا اِک خوشہ چیں ہوا
خورشید پانوں چوم کے گردوں نشیں ہوا مل کر جبیں جبیں سے فلک مہ جبیں ہوا

چہرہ ہے ایک جلوے مگر بے حساب ہیں
گویا کہ ایک صبح میں لاکھ آفتاب ہیں

محرابِ کعبہ لب ہیں دہن حجرہ حرم  اس حجرے میں ہیں کام وزباں معتکف بہم
دونوں ہیں حق کے کام میں مصروف دمبدم  دانتوں کے وصف سے ہوئے آگاہ خوب ہم
کرتے ہیں سجدہ کام زباں کردگار کو
رکھے ہیں گرد موتی کے دانے شمار کو

پیش بیاض گردنِ حر صبح جیسے شام  شمع حرم جھکائے ہے یاں گردنِ سلام
صبح گلو پہ نور کے درجے ہوئے تمام  رومال فاطمہؑ کا ہے باقی فقط مقام
بس نور کو تو نور کا پیوند چاہیے
رومالِ فاطمہؑ کا گلو بند چاہیے

چار آئینے ہیں حر کے شرف پر گواہ چار  دیتے ہیں شاہدی کہ زہے حر نامدار
ہمعصر چار امام کا ہے یہ وفا شعار  نائب پسر کو کر چکے ہیں شاہِ ذی وقار
اب تک علیؑ سے تابہ علیؑ اس زمانے میں
دیکھے ہیں چار امام نبیؐ کے گھرانے میں

حر کے گھوڑے کی تعریف:

شیریں ادا وہ رخش پری رو ہے زیرِ راں  کوڑے کا دھیان لائے جو را کب تو یہ کہاں
چلنے میں چھوڑ دیتا ہے یہ حد آسماں  یعنی کہ تازیانے کی صورت ہے کہکشاں
دم بھر بھی آشنا یہ نہیں غرب و شرق کا
دلسوز ہے ہوا کا ہوا خواہ برق کا

شہگام اگر چلے کبھی یہ غیرتِ پری  غیرت سے کھائے توسنِ دارا سکندری
صرصر سے ہے بڑھی ہوئی چال اس کی سرسری  رفتار کون کہتا ہے یہ ہے فسوں گری

آئینہ اس کے رخ پہ جو وا اپنا در کرے
یا اُس میں اپنے سائے سے پہلے گذر کرے

حر کی ہیبت:

اس رخش پر سوار جو آیا وہ صف شکن یوں دفعتاً کھڑے ہوئے اعدا کے موئے تن
جو صورت زرہ ہوئے سوراخ پیرہن بسمل کی نبض بن گئے سرتا قدم بدن
میداں سے پاؤں اُٹھنے لگے خود گر گئے
مارا طمانچہ موت نے منہ سب کے پھر گئے

ہر صف میں غل تھا کون ہے یارب یہ باوقار یوسفؑ کا ہم وطن کہ سلیماں کا ہم دیار
بوذر کا ہم نسب ہے کہ سلماں کا رشتہ دار ایراں کا پہلواں کہ عرب کا ہے شہسوار
حر کو کبھی نہ دیکھا تھا اس زیب و زین سے
انساں فرشتہ بن گیا مل کر حسینؑ سے

گردن ہلا کے شہ کے ہَراول نے دی صدا یارو بس ایک کلمۂ حق تم سے یہ سُنا
میں خاک ہوں وہی، وہی ذرّہ جو پہلے تھا خوشبو ہے یہ حسینؑ کی جلوہ حسینؑ کا
غالب نہ کیوں ہو نورِ جبیں آفتاب پر
سجدہ ابھی کیا ہے درِ بوترابؑ پر

فولاد پوش بصرہ و روم و عراق و شام نکلے پروں سے تانے ہوئے نیزہ و حسام
گرز و کماں کمند و تبر زیں لیے تمام پڑھنے لگے نقیب نسب نامے نام نام
لشکر تھا یا کہ آگ کا دریا تھا جوش میں
نقارے شور میں تھے کہ بادل خروش میں

حر کا حملہ فوجِ شام پر (ایک بند صنعتِ غیر منقوط میں)

حر حملہ ور ہوا کہ اسد حملہ ور ہوا وہ حملہ ور اِدھر اُدھر اسلام در ہوا

سرگرم معرکہ سرِ اَعدا اگر ہوا     وہ گل کھلا کہ لالہ کہسار سر ہوا
اہلِ حسد کو درس اُدھر آہ آہ کا
حور و ملک کو ورد اِدھر واہ واہ کا

### تیر سے جنگ:

لے کر کماں بڑھے قدر انداز ناگہاں     انگڑائی لے کے لیس ہوئی حر کی بھی کماں
ناوک نے مِل کے چلّے سے نصرت کو دی زباں     چلّائی موت سہم کے اب میں چھپوں کہاں
پیکِ قضا کو آئی نِدا آسمان سے
تھم تھم کے تیر چھٹتا ہے حر کی کمان سے
آہن ربا تھے سنگدلوں کے دلِ دَنی     سینے میں صاف گڑ گئے پیکانِ آہنی
دیوار چار آئینہ جب تیروں سے چھِنی     بولی زرہ بھی آ، مری آنکھوں کی روشنی
پیکاں سے حلقہ حلقہ جو معمور ہوگیا
جوشن کا نام خانۂ زنبور ہوگیا

### نیزہ بازی:

اتنے میں نیزہ باز بڑھے تان کر سناں     ہر نیزہ اژدھے کی طرح صاعقہ فشاں
نیزہ لیا جو حر نے اماں بولی الاماں     تہ کی فلک نے رستم دستاں کی داستاں
نیزہ علم ہوا تو سناں کی زبان سے
باتیں زمین کرنے لگی آسمان سے
کاندھے پہ نیزہ رکھ کے بڑھا شیرِ نیزہ دار     نامِ امامؑ لے کے کیا نیزے کا جو وار
مانندِ تار سبحہ ہوا سو دلوں سے پار     دل در کنار جان ہوئی اُس سے ہمکنار
نیزے کی زد پہ غش ہوا ہر تن سپاہ میں

اور سَر تو لوٹ لوٹ گئے گر کے راہ میں

چمکایا جس نے نیزے کو دوڑا کے راہوار توسن کے سینے سے ہوا یوں نیزہ حرکا پار
سینہ لیا سمند کا ، اور گردنِ سوار جس طرح ایک شیر کے قابو میں دو شکار
رہوار تو زمین سے اسوار زین سے
یوں اُڑ گئے کہ گرد نہ اُٹھی زمین سے

تلوار کی تعریف (مبالغہ مشرقی شاعرانہ انداز):

یاں تک شرر فگن ہوئی شمشیر شعلہ تاب دوشِ ہوا پہ جل گئی بارانی سحاب
مرغابیاں ستاروں کی گردوں پہ تھیں کباب گرمی کے مارے تھا لبِ دریا پہ آب آب
غل تھا کہ آج تیغ شرر دم کے ہات سے
دریا بھی ہاتھ دھوئے گا اپنی حیات سے

دلسوزِ اشقیا جو بنی تیغِ برق دم پھر اُن کے حال پر نہ ہوئی چشمِ زخم نم
نکلا دہن سے زخموں کے یوں دودِ دل بہم جاڑوں میں جیسے منہ سے دھواں نکلے دمبدم
دم اس دھویں کے ساتھ سقر کو ہوا ہوا
اور پیچھے پیچھے جسم بھی پہنچا اُڑا ہوا

شق کر کے سینہ تیغ گری قعرِ دل میں واہ درپیش چاہ کن کے لیے جس طرح سے چاہ
دو راہیں اُس نے کھولیں اور اک تھی سقر کی راہ گمراہ اس تراہے میں تھے ششدر و تباہ
آئی نظر جو راہِ عدم اس حسام میں
ہر سمت تھی تراہ تراہ اہلِ شام میں

سرداروں پر جو وار کیا کہہ کے یا حسینؑ زائل کیا سروں سے غرور اور دل سے چین
کل تین حرف تیغ میں تھے تا دیا و غین تعظیم ان کی ہوگئی اعدا پہ فرضِ عین
سرتن سے، تن قدم سے، قدم خاک سے اُٹھا

اک شور واہ واہ کا افلاک سے اُٹھا

دریا لہو کے حر کی شجاعت سے بہہ گئے　　جبریل آ کے سدرے سے تحسین کہہ گئے
یوں بیحواس بھاگ کے سب روسیہ گئے　　خود ان کے پیچھے نقشِ قدم بن کے رہ گئے

غل تھا کہ شیر سب پہ زبردست رہتے ہیں
شیرِ خدا کے خاص غلام ان کو کہتے ہیں

دشمنوں کو بھگا کر حر امام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔

خالی ہوا سپاہ سے جب عرصۂ قتال　　آقا کو دیکھنے کو پھر حر خوش خصال
شمشیر و نیزہ ہاتھوں کے اندر لہو میں لال　　تن تیروں سے چھنا ہوا دل سینے میں نڈھال

حضرت پکارے صاحب شمشیر آ گیا
روباہوں کو بھگا کے مرا شیر آ گیا

حُرؓ نے کہا جو پانی ذرا سا ہو مرحمت　　تو چھین لوں یزید کا میں تختِ سلطنت
بولے حسینؑ پھر ہمیں کیا اس سے منفعت　　بہتر یہی ہے جو مرے مالک کی مصلحت

یہ کہہ کے حر کی پیاس کو شہ نے بجھا دیا
ایک سیب خلد ہاتھ میں تھا وہ سنگھا دیا

حر شوقِ شہادت میں پھر میدان کی طرف جاتا ہے۔

حُرؓ شہ کے پاؤں چوم کے رن کی طرف چلا　　شقہ علم کا کھول کے عباسؑ نے کہا
دم لے علم کے سائے میں پھر کیجیو وغا　　حُرؓ نے کہا نہیں مجھے اب ہونے دو فدا

آقا علم کے سائے میں مجھ کو بٹھاتے ہیں
حیدرؑ بہ زیرِ سایۂ طوبیٰ بلاتے ہیں

بولے حسینؑ جا مرے مہمان الوداع　　اے میرے بوذر، اے مرے سلمان الوداع
اے میرے جاں نثار، مری جان الوداع　　حامی خدا، رسولؐ نگہبان الوداع

بابا سے کہیو، پیاسے کا لشکر بھی آتا ہے

بھر رکھیے کوزے دودھ کے اصغرؑ بھی آتا ہے

مشتاقِ مرگ رن میں گیا حر باوفا جلادوں کو پکارا مرا سر کرو جدا
لو میں نے وقفِ راہِ حسینؑ آپ کو کیا تن ہو کہ سر ہو، دل ہو کہ سینہ ہو سب فدا
لے لو قسم غریبؑ سبطِ رسولؐ کی
لو نیزے مارو میں نے شہادت قبول کی

حر کی شہادت:

یہ کہہ رہا تھا ظالموں سے حرِ نامور جو آیا چھپ کے پشت پہ سفیان کا پسر
برچھی غضب کی اُس نے لگائی وہ تان کر جس کی اَنی ہوئی جگرِ حر پہ کارگر
فوارہ خونِ دل کا بہا آہ زین پر
اور یا حسینؑ کہہ کے گرا وہ زمین پر

امام حسینؑ کا لاشِ حر پر آنا:

دوڑے پیادہ کہہ کے یہ ہمشیر سے امامؑ زینب تمہارے بھائی کا مہماں ہوا تمام
سیدانی پیٹنے لگی لے لے کے حر کا نام آقا کے گرد و پیش چلے حیدری غلام
یوں شاہ بے قرار تھے مہماں کے واسطے
یعقوبؑ جیسے یوسفِ کنعاں کے واسطے

حر مجروح ہو کر زمین پر کس انداز سے بیٹھا ہوا تھا:

مقتل میں آہ دیکھتا کیا ہے علیؑ کا لال اِک شیر جھومتا ہے دوزانو لہو میں لال
ہاتھوں پہ ڈھال، ڈھال پہ سر ضعف سے نڈھال ہالے میں چاند، خون کے تھالے میں ہے نہال
دل کو وفورِ درد سے ہے قصد آہ کا
لیکن وہ نام لیتا ہے شیرِ اللہ کا

حر پر امام حسینؑ کی شفقت اور حر کی اپنی خوبی قسمت پر مسرت:

عارض پہ حر کے شاہ نے عارض کو رکھ دیا    آغوش میں ہر اولِ مجروح کو لیا
حر نے اشارہ خیمۂ سادات کا کیا    مہماں کو لے چلا پسرِ شیرِ کبریا
اصحاب گرد لاش کے تھے شور و شین میں
حر مسکرا رہا تھا کنارِ حسینؑ میں

پہنچے جو در پہ لاش لیے شاہِ دیں پناہ    زینبؑ نے ہائے حر کہا بس کرتے ہی نگاہ
مہماں کو لے کے بیٹھ گئے رو بقبلہ شاہ    پھیلائے پاؤں رکھ دیے پہلو میں ہاتھ آہ
حر کے شرف حسینؑ کی الفت سے بڑھتے تھے
زانو پہ سر دھرے ہوئے یٰسین پڑھتے تھے

کیا دیکھتے ہیں اتنے میں شاہنشہِ زمن    حر کے گلے سے خون کا دریا ہے موجزن
مولا نے رو کے بنتِ علیؑ سے کیا سخن    لاؤ تبرکات کا صندوق اے بہن
مہماں ہے میرا شیفتۂ آلِ فاطمہؑ
زخمِ گلو پہ باندھ دوں رومالِ فاطمہؑ

رومالِ فاطمہؑ کا جو لائی وہ دلِ حزیں    شہؑ نے لپیٹا حلق پہ مہماں کے وہیں
حرؒ نے نگاہِ یاس سے کی سوئے شاہ دیں    لطف و کرم پہ ہو گیا صدقے وہ خوش یقیں
روئے حرم عزیز اسے اپنا جان کے
کھولے سر اپنے سوگ میں اس میہمان کے

# حضرت زُہیر ابنِ قین

مرحلہ پیمایانِ منازلِ فنا و طے کنندگان مراحلِ رنج و عنا، رہروانِ مسلکِ سعادت و سالکانِ جادۂ اطاعت، مسافرانِ صحرائے گریہ وزاری و بادیہ پیمایانِ وادیِ سوگواری، محرّرانِ احوالِ جانگزاد مورخانِ سانحۂ مصیبت افزا حالِ سفرِ فرزندِ حیدرِ صفدر کو یوں لکھتے ہیں کہ جب جنابِ سیدالشہد اعزم کربلائے معلّیٰ اہلِ وطن سے رخصت ہو کر مع اہلِ بیتِ رسولِ خدا باشتیاقِ حج آخر داخلِ مکۂ معظمہ ہوئے اور خبر داخلۂ پسر ساقیِ کوثر اطراف و جوانب میں مانندِ عکسِ آفتابِ عالمتاب مشہور ہوئی تو رئیسانِ کوفہ نے سات سو خط بہ درخواستِ تشریف آوریِ خدمتِ بابرکت سبطِ رسول کریمؐ میں بایں مضمون ارسال کئے کہ یزید بدانجام ملکِ شام پر قابض و متصرف ہوا اور اس کا یہ قصد ہے کہ دینِ ختم المرسلین میں خلل ڈالے لہٰذا امیدوار ہیں کہ آپ جلد یہاں تشریف فرما ہوجئے تو انسب ہے ہم سب بجان و دل مطیع و فرماں بردار ہیں اور حکمِ حضرت سے ہرگز اعتراض نہ کریں گے اور اگر آپ نے قدم رنجہ فرمانے میں توقف کیا تو عجب نہیں کہ وہ فتور برپا کرے کہ جو خلافِ شرعِ جنابِ رسولِ مقبول ہو اور جاہل بہ سببِ طمعِ دنیا گمراہ ہو ہو کے خدا جانے کیا اس کو کہنے پر آمادہ ہوں بلکہ یہاں تک ساکنانِ کوفہ و شام کے دلوں پر خوف اس کا غالب ہوا ہے کہ خلیفۂ رسولؐ کہتے ہیں:-

للہ یہاں آیئے اب اے شہِ ابرار — سر سبز ہیں گلزار ثمر لائے ہیں اشجار
بے آب پڑا ہے مگر ایمان کا گلزار — جلد آؤ شتاب آؤ کہ مشتاق ہیں دیندار

خط میں تو کیے تحفے رقم سیب و ثمر کے
آئے تو کھلائے انھیں پھل تیغ و تبر کے

جب یہ خطوط ملاحظہ فرمائے تو بہ سببِ برشِ بدکارانِ امت حضرت نے ناچار حج کو بہ عمرۂ مفردہ تبدیل فرما کے جانبِ عراق کوچ کیا کہتے ہیں کہ جس زمانے میں جنابِ سیّد الشہدا سبطِ جنابِ رسولؐ دوسرا نے قصدِ کوفہ کیا تھا انھیں ایام میں زہیر قین بھی بعدِ فراغ مناسکِ حج مع اہل و عیال عقب سبطِ رسول ذوالجلال جانبِ وطنِ مالوفہ روانہ ہوا تھا۔ حسبِ اتفاق ایک روز خیمۂ زہیر نامور قریب بے چوبہ سبط خیر البشر نصب ہوا، شکوہ و شانِ خیمۂ سبطِ رسولؐ ایزد منان دیکھ کر قریب بارگاہِ فلک اشتباہ امامِ عالیجاہ آیا تو دیکھا کہ:-

پھرتے ہیں گردِ خیمہ جوانانِ سبز پوش — ہر جلوہ ان کے چہرۂ رنگین کا گلفروش
پوچھا یہ کس کا خیمہ ہے اے صاحبانِ ہوش — تب رو کے اک رفیق یہ بولا بصد خروش

سجدہ کر اے زہیر توقف گناہ ہے
یہ بارگاہِ قبلۂ ایماں پناہ ہے

تجھ کو نہیں خبر کہ مدینہ ہوا تباہ — سید کو ظالموں نے وطن سے نکالا آہ
یہ گرم دھوپ جس میں ہرن ہوتے ہیں سیاہ — اور اس میں ناز پرورِ پیغمبرِ الٰہ

سن لے کہ قافلے میں ہے یہ شور فاطمہؑ
فریاد بے چراغ ہوئی گور فاطمہؑ

یہ کلام رفیقِ امامِ عالی مقام سن کے:-

بولا زہیر خیمہ ہمارا کرو جدا    نامحرموں میں آئے نہ سادات کی صدا
وقتِ دعا بس ان کی صدا سنتا ہے خدا    آدابِ آلِ فاطمہ کس کو نہ تھا سدا
شمر و عمر نے دیدہ و دانستہ کیا کیا
اپنے نبیؐ کی آل کو خود بے ردا کیا

صاحبانِ تواریخ لکھتے ہیں کہ اس روز سے ہر منزل و مقام میں خیمۂ زہیرِ ذیجاہ بے چوبہ امامِ عالم پناہ سے کچھ فاصلے سے نصب ہوتا تھا۔ ہرچند کہ ظاہر میں جدا تھا مگر بہ باطن بہت قریب تھا بلکہ ہر منزل و مقام میں بعد نمازِ پنجگانہ دستِ دعا بدرگاہ خداوندِ جل علیٰ اٹھا کر کہتا تھا کہ پروردگارِ عالم بحقِ افتخار آدم علیہ السلام جس طرح سے عالمِ اسباب میں ہمراہ سبطِ رسالت مآب ہوں اسی طرح آخرت میں بھی رہوں اور قدمِ امامِ اُمم سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ:-

اک روز دونوں خیمے ہوئے متصل بپا    اس دن امام نے علی اکبرؑ سے یہ کہا
وہ سامنے جو خیمہ ہے اے میرے مہ لقا    اس میں زہیر نام بڑا دوست ہے مرا
جاؤ سلامِ شوق ہمارا سناؤ تم
اکبرؑ ہمارے دوست کو ہم سے ملاؤ تم

کہنا تجھے مسافرِ صحرا بلاتا ہے    ہم گھر سے مرنے جاتے ہیں تو گھر کو جاتا ہے
گردوں چراغ مرقدِ زہراؑ بجھاتا ہے    کوفے سے روز موت کا پروانہ آتا ہے
آتا نہیں تو بہرِ مددگاریِ حسینؑ
اے وائے بر غریبی و بے یاریِ حسینؑ

یہ کلامِ معجز بیانِ امامِ زمان سن کے ہم شبیہ رسولؐ انام جانبِ خیمۂ زہیرِ خوش سیر روانہ ہوئے کہتے ہیں کہ اس روز زہیرِ قین نے برائے عزیزان و ہمراہیان

سامانِ دعوت کیا تھا اور اشیا مطلوبہ ہر عزیز و رفیق بدقتِ تمام بہم پہنچا کر اس کے پکوانے میں مسرور و شادکام بدل مصروف تھا:-

ناگاہ سمتِ خیمۂ شہ سے اٹھا غبار باطن میں اس غبار کے تھا نورِ کردگار
مانندِ پیکِ رحمتِ حق آیا اک سوار اترا قریبِ خیمہ پہنچ کر وہ نامدار
محفل شمیم عطرِ عرق سے مہک گئی
خیمے میں ایک نور کی بجلی چمک گئی

پڑھ پڑھ کے سب نے صلِ علیٰ کی یہ گفتگو آتی ہے کس طرف سے رسولؐ خدا کی بو
گویا ہوا غلامِ زہیر آ کے روبرو چل جلد پیشوائی کو چل اے زہیر تو
گیسو ہیں دونوں کاندھوں کے اوپر پڑے ہوئے
دروازے پر رسولِ خدا ہیں کھڑے ہوئے

بے ساختہ زہیر پکارا کہ میں فدا پھر پیشوائی کو معِ اصحاب وہ اٹھا
یوں مجرے کو جھکا کہ زمین بوس ہو گیا جس نے نظر کی چہرے پہ صلِ علیٰ کہا
داخل جو وہ جوان ہوا خیمہ گاہ میں
نقشِ قدم کی طرح بچھیں آنکھیں راہ میں

بالائے پشت مہر کوئی ڈھونڈنے لگا تب مسکرا کے یوسفِ شبیرؑ نے کہا
میں مصطفیٰؐ نہیں ہوں پہ ہمشکلِ مصطفیٰؐ اکبر گلِ حدیقۂ مظلومِ کربلا
فہرستِ خط و خالِ رسولِ زماں ہوں میں
فردِ جمالِ خاتمِ پیغمبراں ہوں میں

یہ کلامِ ہم شبیہ رسولِ انامؐ سن کر زہیر باوفا مثلِ نقشِ پا قدمِ میمنتِ شمیم علی اکبرؑ پر گر پڑا اور بمقتضائے اعتقاد و ایمان پشت پائے شبیہ رسولؐ انام پر بوسہ دے کر

عرض کی کہ اے ثمرِ نو رشتۂ بہارستانِ رسالت وائے نخلِ نو میدۂ چمنستانِ امامت آپ نے نقشِ قدم گل رنگ سے سرزمینِ فرودگاہِ بندہ کو روشن و منور فرما کر احسانِ عظیم کیا اب امیدوار ہوں کہ اس اخدمِ خادمانِ حضور کے یہاں بہ جہتِ دعوتِ عزیزان و ہمراہیان کھانا تیار ہے اگر کچھ از راہِ غلام نوازی اور بندہ پروری نوش فرمایئے تو عزت افزائی اس خادم کی دونوں جہان میں ہو جائے۔ جواب دیا جنابِ علی اکبرؑ نے کہ اے زہیر تم سے کچھ تکلف نہیں مگر بہ سببِ صدمہ جدائی فاطمہ صغراؑ مطلق خواہشِ آب و طعام نہیں، اے بھائی جب اس خواہرِ بیمار و دلفگار کا خیال آجاتا ہے تو رات رات بھر نیند نہیں آتی بلکہ:-

چھوٹی ہے بابا جان کی بھی آج کل غذا ۔۔۔ کھینچا غذا سے اس نے بھی ہاتھ اور یہ کہا
اب کہیئے اس غلام نوازی کا ماجرا ۔۔۔ فرمایا بیکسی و پریشانی و بلا

تجھ کو طلب کیا ہے حسینؑ غریب نے
سیّد نے بے وطن نے مصیبت نصیب نے

حرفِ طلب کو سنتے ہی دل ہاتھ سے گیا ۔۔۔ عارض پہ ہاتھ رکھ کے وہ کچھ سوچنے لگا
شوقِ بہشت نے تو کہا جا شتاب جا ۔۔۔ حُبِّ زن و پسر ہوئی زنجیرِ دست و پا

غم اپنی جان کا تھا نہ اسباب و مال کا
پر تھا قلق تباہی اہل و عیال کا

جس وقت یہ ماجرائے عجیب و غریب زوجہ خوش اعتقاد و نیک نہاد نے عقبِ حجاب سے دیکھا تو نہایت حیران و پریشاں ہو کر شوہر سے مستفسر ہوئی کہ ایسا کیا تردّد لاحق ہوا کہ سر درمیانِ جیبِ تفکر جھکایا ہے، جواب دیا زہیر نے کہ ”اے شاہدِ کاشانۂ عصمت وائے عروسِ حجلۂ عفت ہم شبیہ رسول مقبول ارشاد کرتے ہیں

کہ تجھ کو فرزندِ فاتح بدر و حنین نے یاد کیا ہے، نیک بخت مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ جاؤں یا نہ جاؤں خدا جانے کس واسطے مجھ کو حضرت نے طلب کیا ہے سنتے ہی اس کلام کے اس کنیزِ فاطمہ زہراؑ کو اس قدر غصہ آیا کہ طیش و غضب سے رنگ سرخ ہو گیا اور مانند رسم زنانِ عرب چادر سر سے اُتار کر خیمے سے نکل پڑی اور سرِ زہیر پر ڈال کر گویا ہوئی ''وائے ہو تیری غیرت و شجاعت پر کہ مطلق پاسِ غلامِ شاہِ مرداں باقی نہ رہا افسوس صد ہزار افسوس کہ امامِ اِنس جاں فرزندِ ارجمند، وصیِٔ رسولؐ کون و مکاں کا تو پیغام آئے اور تجھ کو انجام کی فکر ہوئی''۔

میں خدمتِ حسینؑ میں جاتی ہوں بے طلب | لے کھول تو سلاح میں باندھوں گی تن پہ اب
دیکھوں تو کون لڑتا ہے سیّد سے بے سبب | میں فاطمہؑ کی لونڈی ہوں غصہ کی ہم نسب

جب وقتِ جنگ نعرۂ یا فاطمہؑ کروں
سو لشکرِ یزید کا میں خاتمہ کروں

لینے کو ہم شبیہِ رسالت پناہ آئے | قدرت خدا کی گُل کا خوزادہ تجھے بلائے
تجھ کو قسم ہے آج سے گر مجھ کو منہ دکھائے | اور تو مضائقہ کرے جانے میں ہائے ہائے

ایماں دیا، بہشت دیا، مال و زر دیا
احساں بھی پنج تن کا فراموش کر دیا

اے زہیر یہ وہ حسینؑ ہے کہ جس پر رسولؐ نے اپنے فرزند کو نثار کیا اور پروردگارِ عالم نے بچہ آہو جس کو عطا کیا اور سوا اس کے حضرت کے احسان کو بھی فراموش کیا کہ ایک روز جبرئیلِ امین خدمتِ رسولؐ رب العالمین میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا حضرت اگر کوئی بلا حسینؑ پر آئے تو کیا ردِ بلا کیجئے گا فرمایا حسن کو فدا کروں گا اور حسینؑ کو بچا لوں گا جبرئیل نے کہا اگر بارِ دگر نزولِ بلا ہو تو کیا

تدبیر کیجئے گا، ارشاد کیا کہ فاطمہؑ کو نثار کروں گا اور حسینؑ کو بچالوں گا، پھر عرض کی کہ بارِ سوئم کوئی افتاد پڑے تو کس نہج سے بچایئے گا فرمایا علی کو صدقے کروں گا اور شبیرؑ کو محفوظ رکھوں گا، پھر عرض کی کہ بارِ چہارم کس طرح ناگہانی کو دفع کیجئے گا، فرمایا اس افتاد کو اپنے اوپر قبول کرلوں گا الا حسینؑ پر بلا نہ آنے دوں گا، یہ سن کے گذارش کی روحِ اقدس نے بھلا حسبِ اتفاق اگر آپ کی امت پر کوئی بلا آئے تو کیا کیجئے گا، یہ کلام جبرئیلؑ نیک نام سن کے رسولِؐ انام نے بزبانِ فیض ارشاد کیا ''اے جبرئیل تم خوب جانتے ہو کہ جمیع متعلقین سے اس چھوٹے نواسے کو میں زیادہ پیار کرتا ہوں۔ بایں ہمہ اگر میری امت پہ بلا آئے تو حسینؑ کو فدا کر دوں اور امت پر بلا نہ آنے دوں۔ اے زہیر یہ عنایت بھی حضرت کی بھول گیا کیا منہ دکھائے گا روزِ حشر رسولِ مقبول کو''۔:

یہ سن کے بند بند میں رعشہ سا پڑ گیا   بولا زہیر دیکھتا تھا میں تو دل تیرا
اے فاطمہؑ کی خادمۂ خاص مرحبا   میں تو دعائیں کرتا تھا اِس روز کی سدا
چھوڑوں اگر رکاب شہِ مشرقین کی
مجھ سے قسم لے مصحفِ روئے حسینؑ کی

یہ کہہ کے ساتھ اکسبرِ مہ رد کے وہ چلا   آئی ندا نجف سے مرے دوست مرحبا
روحِ بتول بولی کہ محسن ہے تو مرا   ہاتف پکارا دیکھ ذرا اپنا مرتبہ
ہمشکلِ مصطفیٰؐ تو تیرا تھامے ہاتھ ہے
لبیک کہتی روحِ نبیؐ ساتھ ساتھ ہے

یاں منتظر کھڑے تھے شہنشاہِ کربلا   ہنس کر کہا تعال تعال اور یہ دی ندا
آیا امیرِ میمنۂ لشکرِ خدا   زینبؑ پکاریں میری طرف سے کہو دعا

پہلے تو بھیجا سبطِ پیمبرؐ نے بھائی کو
جب پاس آیا آپ چلے پیشوائی کو

جس وقت زہیرِ قین نے یہ مشاہدہ کیا کہ حضرت میری پیشوائی کو تشریف لاتے ہیں بیتابانہ دوڑا اور قدمِ میمنتِ شیم سبطِ رسولؐ امم پر گر پڑا اور آنکھیں اپنی پشت پائے مبارک سے مس کیں۔ قربان رفیق نوازی و بندہ پروری کو جنابِ سیّد الشہدا آپ نے سر اٹھا کر سینہ مبارک سے لگا لیا، جب زہیر نے یہ شفقتِ حضرت عابدِ حال خود دیکھی تو عرض کی یا حضرت میں تو آج خود ہی حاضر ہونے کو تھا کہ آپ نے طلب فرمایا۔ اس سبب سے کہ درِ عالم رویا رسولِ خدا کو میں نے دیکھا اس ہیت سے کہ چہرۂ مبارک نہایت متغیر ہے اور گریبانِ کفن چاک ہے اور میری جانب مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے زہیر میرے نورِ عین حسینؑ سے علیحدہ علیحدہ بیگانہ وار کیوں جاتا ہے جو اس عالمِ بیکسی میں میرے نواسے کا ساتھ دے گا حشر اس کا میرے ہمراہ ہوگا اور میں اس کا شفاعت خواہ ہوں گا۔ یہ سخن زبانِ معجز بیانِ رسولؐ ربِ ذوالمنن سے سن کر مضطر و پریشان خواب سے بیدار ہوا اور یہ قصد کیا کہ خدمتِ عالی میں حاضر ہوں۔ یہ عزم تھا ہی کہ شہزادۂ عالی تبار ہمشکلِ رسولؐ مختار نے برائے طلبِ این خاکسار قدم رنجہ فرمایا اور عزت دنیا و آخرت سے سرفراز و ممتاز فرما کر یہ شرف زیارتِ قبلۂ ایمان مشرف کیا، اب جو کچھ ارشاد ہو بجا لاؤں۔ یہ سن کے سبطِ خیر البشر زہیرِ باوفا کو مکانِ تنہا میں لے گئے اور احوال سفر سے آگاہ کیا اور باعجاز امامت درجات بہشت جو برائے شہیدانِ دشتِ کربلا درمیانِ فردوسِ اعلیٰ خلاقِ ارض و سما نے بقدرتِ کاملہ مقرر فرمائے تھے دکھا دیئے۔ یہ سانحہ عجیب و غریب اور مراتبِ ہر عزیز و رفیقِ سبطِ حبیب خدا دیکھ کر

شوقِ شہادت پیدا ہوا اور سفرِ آخرت پر کمر ہمت باندھ کے برائے رخصتِ عزیزان ورفیقان خیمے میں آیا۔ جس وقت زوجۂ زہیر نے رنگِ بشاشت اس کے چہرے پر دیکھا تو اس کا بھی غنچۂ دلِ پژمردہ بیساختہ شگفتہ ہوگیا اور بصد اشتیاق مستفسر حال ہوئی، زُہیر نے من وعن حالِ عنایت وشفقتِ جنابِ امام حسین بیان کیا اور کہا اے نیک بخت:-

تو جا وطن کو مجھ کو تو کوثر کی چاہ ہے
بی بی تری وہ راہ ہے میری یہ راہ ہے
مجھ کو تو شہ نے گلشنِ جنت کیا عطا　　باغ اپنا حقِ مہر میں میں نے تجھے دیا
اس نے کہا کہ خوب یہ انصاف ہے نیا　　میں نے ہی بھیجا واں تجھے میرا ہی یہ صلا
تو جائے خلد، تھام کے آقا کے ہاتھ کو
پھر جاؤں گھر میں چھوڑ کے زینبؑ کے ساتھ کو
مجھ کو سنا کے کہتا ہے باغِ جناں ملا　　جس نے تجھے دیا ہے وہ مجھ کو نہ دے گا کیا
تو دوست ہے میں دوست نہیں شہ کی کیوں بھلا　　فضہ ہی سے جو مانگوں تو جنت کرے عطا
لونڈی ہوں میں حسینؑ کی گر تو غلام ہے
تیرا امام ہے تو مرا بھی امام ہے
لے چل تو شہ کے پاس پھر آگے مرا نصیب　　رخصت ہوا رفیقوں سے شبیرؑ کا حبیب
ساتھ اس کے آئی مومنہ مولا کے عنقریب　　دامن پکڑ کے بولی کہ کیوں سیدِ غریب
فردوس کا زُہیر کو رستہ بتا دیا
کیا میں نہ تھی کنیز جو دل سے بھلا دیا

ہے ہے پلِ صراط پہ گزرے گی مجھ پہ کیا کا ہے کو ہاتھ آئے گا دامن بتولؑ کا
سیّد مرے تجھے قسم روحِ مصطفیٰؐ لے لے مجھے کنیزیِ زینبؑ میں میں فدا
سُنتی ہوں میں سکینہؑ بہت تم کو پیاری ہے
کہہ دو اسی سے چل کے یہ لونڈی تمہاری ہے

یہ کلام اشتیاق انجام زوجۂ زُہیر نیک نام سن کے:-

پردے کے پاس آن کے زینبؑ نے دی صدا بھائی مری کنیز کو رلواتے ہو یہ کیا
میں واری کہہ دو فاطمہؑ کا گھر ہے گھر ترا لو میں نے اس کو گلشن جنت کیا عطا
رونق زیادہ آپ کے ماتم میں ہوئے گی
یہ میرے ساتھ آپ کے لاشہ پہ روئے گی
تب کان میں زہیر کے مولا نے کچھ کہا زوجہ کی سمت دیکھ کے رویا وہ خوب سا
اندیشہ اس کو گذرا کہ یہ ماجرا ہے کیا بولی خدا کے واسطے کہہ جلد کیا سنا
کھوئے ہیں میرے ہوش ترے شور و شین نے
مقبول کی نہ میری کنیزی حسینؑ نے
وہ بولا آہ کہتے ہیں یہ شاہ بحر و بر سیدانیوں کو پھرنا ہے بلوہ میں ننگے سر
بہتر ہے یہ کہ جائے تری زوجہ اپنے گھر کا ہے کو یہ حقیر ہو ساتھ ان کے دربدر
وہ بولی خیر اس پہ بھی میں دل سے شاد ہوں
کیا فاطمہؑ کی بیٹیوں سے میں زیادہ ہوں
(عطا کردہ جناب نجم الحسن صاحب نقوی نثار)

## مرزا دبیرؔ:

زہیر ابن قین بجلی کا جہاد (جو میمنہ لشکرِ امام کے سردار تھے)

جب حر کے بعد معرکہ آرا ہوئے زُہیر تنہا مقابلِ صفِ اعدا ہوئے زُہیر
مشتاقِ خلد و کوثر و طوبیٰ ہوئے زُہیر اور یوں رجز کے ذکر میں گویا ہوئے زُہیر
یارو میں جاں نثارِ شہِ مشرقین ہوں
شبیرؑ کا حبیب زُہیر ابنِ قین ہوں
میں ہوں غلام خسرو اقلیم لافتیٰ میں ہوں معین و یاورِ ناموسِ مصطفا
میں ہوں شہید و غازی و جانباز و باوفا اُس سے بزورِ تیغ تمہیں کرتا ہوں جُدا
احمدؐ کے دو نواسوں میں جو اک حسینؑ ہے
خالق کا پیارا ، فاطمہؑ کا نورِ عین ہے
لو اب بھی کچھ گیا نہیں نادم ہو باز آؤ توبہ کرو حسینؑ سے دستِ جفا اُٹھاؤ
ڈرتا ہوں میں زمیں میں نہ جیتے کہیں سماؤ تم اُمتِ سلف کی طرح مسخ ہو نہ جاؤ
فاقوں سے خاک پر شہِ دنیا و دیں گرے
اے اہلِ ظلم تم پہ نہ بجلی کہیں گرے

زُہیر کی جنگ:

مغروروں نے سنی بھی نہ مومن کی ایک بات اور مورچے بڑھا کے بڑھے آگے بدصفات
غازی نے پڑھ کے نادِ علیؑ پھیرا منہ پہ ہات تلوار لی نیام سے قہر و غضب کے سات
چھ لاکھ کیا نہ تیغ سے اک بھی دوچار تھا
عکس اِس کا ہفت عینک گردوں کے پار تھا

شمشیر زُہیر کی تعریف:

گر کوئی تیغ پڑتی تھی اِس تیغِ گرم پر تو جوہر اُس کے اُڑتے تھے یوں جس طرح شرر
دندانے صاف تیغ میں پڑتے تھے سربسر آہن بھی عجز کرتا تھا دنداں نکال کر
دندانے تیغ نے کیے پیدا تو کیا کیا
زورِ عدو پہ خندہ دنداں نما کیا

اللہ رے تیغ لیتی تھی محصول سب سے یہ تیغوں سے آب، تیروں سے پلہ کماں سے زہ
موے کمر سے کھولتی تھی ناف کی گرہ سر سے تو خود لیتی تھی اور جسم سے زرہ
دستِ تہی بنا دیا ہر اک نیام کو
نیزے کی بھی گرہ میں نہ تھا بال نام کو

تنہا نے قتل یک صد و بست اشقیا کیے زہراؑ نے لاکھ خلعتِ تحسینؑ عطا کئے
شہؑ نے بلند نعرہ صد مرحبا کئے فوجِ خدا نے شکر کے سجدے ادا کئے
جب حملہ کرتا تھا تو نہ چُپ شاہ رہتے تھے
زینبؑ دعائیں دیتی تھیں یہ واہ کہتے تھے

ناگہ کہا حبیب نے اے شاہِ نامدار جب سے زُہیر رن میں ہے مصروفِ کارزار
یہ سوئے راست کرتا ہے تسلیم بار بار شہؑ نے کہا کھڑے ہوئے ہیں شاہِ ذوالفقار
احسنت بابا کہتے ہیں اس نیک نام کو
جھکتا ہے یہ علیؑ کی صدا پر سلام کو

قاتلانِ زُہیر کے نام اور زہیر کی شہادت:

ہے ہے یہ کہہ رہے تھے ابھی شاہ نیک خو واں بہرِ قتل چھپ کے نکل آئے دو عدو
ایک ابن عوس ، ایک کثیر سیاہ رو اور پہلوؤں پہ نیزے لگا بیٹھے کینہ جو
شہؑ کو پکارے آؤ عدو قتل کر گئے
مولا پکارے، ہم ترے مرنے سے مر گئے

زُہیر کی لاش پر مع اصحاب امام حسینؑ پہنچتے ہیں:

آقا نے آکے دیکھا تو ہے سانس کا شمار پر یا حسینؑ کی ہے صدا دل سے آشکار
پہلو بہ پہلو آہ تڑپتا ہے بار بار گاہے سوئے یمین ہے نگہ گہ سوئے یسار

پر داہنی طرف کو تو بشاش ہوتا ہے
ہاں بائیں سمت دیکھ کے مظلوم روتا ہے

اصحابِ شہؑ نے پوچھا تو اُس نے کہی یہ بات ساغر بکف ادھر تو ہے حلالِ مشکلات
سر ننگے بائیں سمت ہے اک بی بی پاکذات ہر دم بلائیں لیتی ہے میری بڑھ کے بات
واقف نہیں ہیں کون یہ مخدومہ ہے مری
فرمایا شہؑ نے مادرِ مظلومہ ہے مری

زُہیر کی آخری وصیت اصحابِ حسینؑ سے:

وہ بولا یا حسینؑ یہ صدقہ ہے آپ کا دامانِ ابنِ فاطمہؑ پھر ہاتھ میں لیا
اور دے کے سب رفیقوں کے ہاتھوں میں یہ کہا یارو! یہ ہے امانتِ زہراؑ و مصطفےٰ
اعدا سب ان کے قتل پہ خنجر نکالے ہیں
اب حضرتِ حسینؑ تمہارے حوالے ہیں

جب تک کہ دم رہا یہی کلمہ پڑھا کیا باقی جو دم تھا شہ کے قدم پر فدا کیا
عمامے کو حسینؑ نے سر سے جُدا کیا پیارے محب کو پیار غرض خوب سا کیا
یوں لے گئے اُٹھا کے درِ خیمہ پر حسینؑ
اصحاب گرد لاش کے اور ننگے سر حسینؑ

## زُہیر بن قین انماری بجلی:

اپنے زمانہ کے نامی گرامی شہواروں اور آزمودہ کار بہادروں میں سے تھے۔ نہایت فصیح و بلیغ خطیب اور امام عالی مقام کے وفادار رفیق تھے۔ امام نے اس کو اپنے لشکر کے میمنہ پر متعین فرمایا تھا۔ امام کی فوج میں یہ شخص بڑا دلیر جری جنگجو اور بابصیرت سپاہی تھا۔ کسی بڑے سے بڑے حادثہ کو جرأت کے قدموں سے روند

ڈالتا تھا اور اس کے قول و عمل سے شجاعت ٹپکتی تھی۔

زہیر پہلے عثمانی تھا۔ جب ۶۰ ھ میں حج پر گیا تو واپسی پر حسینی بن گیا۔ زہیر کے سفر حج کا ایک ساتھی جو قبیلہ فزارہ سے تعلق رکھتا ہے بیان کرتا ہے کہ جب ہم مکہ سے عراق کا قصد کر کے نکلے تو بنی اُمیہ کے ڈر سے ہم نہ چاہتے تھے کہ امام حسینؑ کے قریب جائیں پس اس سفر میں ہم امام حسینؑ سے دُور دُور رہے جہاں سے وہ چلتے تھے ہم وہاں قیام کر لیتے تھے۔ ایک منزل پر چارو نا رہمیں وہیں اُترنا پڑا جہاں امامؑ نزول اجلال فرما چکے تھے۔ لیکن امام کے خیام سے کچھ فاصلہ پر ہم نے اپنے خیام نصب کر لیئے۔ ہم کھانا کھانے میں مشغول ہوئے تو امام کا قاصد پہنچ گیا اور زہیر سے کہا کہ مجھے امام پاک نے تجھے بلانے کے لئے بھیجا ہے۔ فزاری کہتا ہے یہ سنتے سے ہمارے ہاتھوں سے لقمے گر گئے اور گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھ گئے۔ اور اس پیغام کی دہشت سے ہم شل ہو گئے۔ زہیر کی وجہ دیلم یا دلہم بنت عمرو نے زہیر سے کہا کہ یہ کونسی بات ہے کہ فرزند رسولؐ تجھے بلائے اور تو سوچ میں پڑ جائے اس میں کیا مضائقہ ہے جا کر ان کی بات سُن لو اور پھر واپس آ جاؤ۔ پس زہیر اُٹھا اور کچھ دیر کے بعد ہشاش بشاش ہو کر واپس پلٹا اور حکم دیا کہ میرا خیمہ یہاں سے اکھاڑ کر اصحابِ حسینؑ کے پاس نصب کرو۔ اور تمام مال و اسباب وہیں منتقل کرو۔ اور کہا کہ میں اپنی عورت کو طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں۔ پس اس کو اپنے اہل تک پہنچا دینا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس کو کوئی تکلیف پیش آئے اور یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے اور کہا جب میں بلنجر کی لڑائی میں گیا (یہ علاقہ اب غالباً روس کے زیر اثر ہے) اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو سلمان بن ربیعہ باہلی نے کہا

تھا کہ بے شک تم بہت خوش ہو لیکن جب تم جوانِ آلِ محمدؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے تو وہاں تم کو زیادہ خوشی و سرور نصیب ہوگا۔ پھر ان کو وداع کیا اور خدمتِ امام میں پہنچا۔

بروایت اعثم کوفی دیلم زوجہ زہیر نے زہیر سے کہا تھا میں تم سے جُدا نہیں ہوں گی تو اگر فرزندِ علیؑ کی غلامی کرے گا تو میں بنتِ رسولؐ کی نوکری کا شرف حاصل کروں گی۔ اور قمقام میں ہے کہ زہیر کی زوجہ تا آخر زہیر کے ہمراہ رہی۔

جب ذوحسم میں پہنچے اور آپ نے ایک خطبہ بلیغہ ارشاد فرمایا جس میں موت پر آمادگی اور دُنیا کی بے وفائی اور زمانہ کے انقلابات کا تذکرہ فرمایا تو زہیر نے کھڑے ہوکر عرض کی آقا: ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے ہیں اگر ہمیں دنیا میں ہمیشہ کی زندگی ایک طرف مل جائے اور دوسری طرف تیری نصرت کا سوال ہو تو اُس کو ٹھکرا کر تیری نصرت کریں گے۔ آپ نے اس کے حق میں دُعائے خیر کی۔ زہیر کے بعد نافع بن ہلال بجلی اور بریر بن خضیر یکے بعد دیگرے اُٹھے اور انہوں نے بھی زہیر کی طرح اپنی نصرت اور وفاداری کی یقین دہانی کرائی۔

جب حُر کی فوج نے راستہ روکا تھا اس وقت زہیر نے عرض کی تھی حضور! اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم ان لوگوں سے ابھی نپٹ لیتے ہیں کیونکہ ان کے بعد جن لشکروں سے ہمیں واسطہ پڑے گا ان کا مقابلہ گراں تر ہوگا۔ امام نے فرمایا تھا کہ لڑائی کی ابتدا کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔

ابنِ شہر آشوب سے منقول ہے کہ زہیر نے عرض کی تھی کہ کربلا یہاں سے قریب ہے اور دریا کا کنارہ بھی ہے وہاں قیام کرلیں کیونکہ وہاں ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی اور اگر لڑائی چھڑ گئی تو مقابلہ بھی ہمارے لئے آسان ہوگا۔ امام نے کربلا کا

نام سُنا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔

نویں کے دن جب حبیب بن مظاہر نے حضرت عباس کی معیت میں جا کر اُن بدنہاد لوگوں کو کلماتِ نصیحت فرمائے اور حسینؑ اوراس کی عیال واصحاب کے قتل سے باز رہنے کی تلقین کی تو اُس وقت ایک شخص عزہ بن قیس نے زبان درازی کرتے ہوئے حبیب سے کہا تو خود ثنائی کر رہا ہے اوراس کے علاوہ بہت سخت وسست الفاظ بھی کہے۔ جوزہیر سے برداشت نہ ہو سکے فرمانے لگے۔ اے عزہ حبیب کی خدا تعریف کرتا ہے اور خدا نے اس کو ہدایت کی نعمت کرامت فرمائی ہے۔ خدا سے ڈرو اور گمراہوں کا ساتھ چھوڑ دو۔ اس نفوس زکیہ کے قتل کے ارادہ سے باز آجاؤ۔ عزہ بن قین نے کہا اے زہیر! تو عثمانی تھا اب اس خانوادہ میں کیسے شریک ہو گیا؟ زہیر نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے نہ حسینؑ کو کوئی خط لکھا ہے نہ کوئی ان کی طرف قاصد بھیجا ہے۔ اور نہ ان سے نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ اتفاقاً راستہ میں ملاقات ہوئی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میں نے رسولِ خدا کا تصور کیا اور حسینؑ کے رشتہ کا لحاظ کیا۔ پس ان کی نصرت کو اپنے اوپر واجب کر لیا تاکہ ان کا نانا بروزِ محشر میرا شفیع ہو۔ نیز رسولؐ خدا کی وصیت کا پاس میرے دل میں ہے جسے تم لوگ ضائع کر چکے ہو۔

شبِ عاشور امام عالی مقام نے اپنے باوفا صحابہ کے سامنے ایک خطبہ پڑھا جس میں حمد وثنا پروردگار کے بعد فرمایا۔ خدا کی حمد ہے جس نے ہر سختی ونرمی کی حالت میں ہمیں عزّت بخشی۔ ہمیں نبوت علم دین اور قرآن عنایت فرمایا۔ ہمیں معرفت کے ساتھ شکر گذار دل عطا کیا اور کسی کو ایسے اصحاب میسر نہیں آئے جو میرے اصحاب سے زیادہ وفادار ہوں خدا تمہیں جزائے خیر دے تم کو یقین ہونا

چاہیئے کہ جو بھی میرے ساتھ رہے گا وہ کل میرے ہمراہ قتل ہوگا۔ اس لئے میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت کو اُٹھاتا ہوں اور تم جو کچھ میرے ساتھ عہد و پیمان کر چکے ہو ان کی وفا تم سے ساقط کرتا ہوں اب تم کو اجازت ہے کہ اس تاریکی شب میں میرے اہل بیتؑ میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر اس صحرا سے نکل جاؤ، اور بے شک مجھے اکیلا چھوڑ جاؤ، کیونکہ یہ لوگ صرف میرے ہی خون کے پیاسے ہیں۔ اب سفر کا وقت بھی موزوں تر ہے کیونکہ دن میں گرمی ہوگی اور رات کے پردہ میں کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہوگا۔ ان لوگوں کو چونکہ صرف مجھ سے مطلب ہے اِس لیئے تمہارا تعاقب نہ کریں گے۔

امام کا یہ خطبہ سُن کر صحابہ کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے زُہیر بن قین نے کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی۔ اے فرزندِ رسولؐ خدا کی قسم میرا یہ ایمان ہے کہ ایک مرتبہ قتل ہوں، پھر زندہ ہوں پھر قتل ہوں اور ہزار بار ایسا ہو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں تا کہ آپ کو اور آپ کے عیال کو کوئی دُکھ نہ پہنچے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ کو نرغۂ اعدا میں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں، اور خدا مجھے وہ دن نہ دکھائے جس دن میں ایسا کروں۔

بروایت ابومخنف۔ علی بن حنظلہ شامی کثیر بن عبداللہ شعبی ملعون سے نقل کرتا ہے جو کہ زہیر کا قاتل ہے کہ جب ہم لڑائی کے لئے کمر بستہ ہوئے ہم نے دیکھا کہ زہیر آلات جنگ سے مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار میدان میں آیا اور باآواز بلند یہ تقریر شروع کی۔ اے کوفیو! عذابِ خدا سے ڈرو۔ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کو نصیحت کرے ہم اور تم اب تک بھائی بھائی ہیں۔ ہمارا دین ایک اور ملت ایک ہے۔ جب تک کہ ہمارے درمیان تلواریں نہ

چل جائیں اب میری نصیحت سنو اور تم نصیحت سننے کے سزاوار ہو ورنہ اگر تلوار چل گئی تو ہمارا اور تمہارا دینی رشتہ ختم ہو جائے گا۔ ہمارا دین الگ اور تمہارا دین الگ ہو جائے گا۔

خداوند کریم ذرّیت پیغمبرؐ کے ذریعہ سے ہمارا اور تمہارا امتحان کرتا ہے تا کہ رسولِ خدا کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی ذرّیت کی نصرت کون کرتا ہے؟ اور ان کے در پے آزار کون ہوتا ہے؟ میں تم لوگوں کو فرزندِ پیغمبرؐ کی نصرت کی دعوت دیتا ہوں۔ ابن زیاد شیطان کی اطاعت سے ہٹ جاؤ۔ تم لوگ سب جانتے ہو کہ یہ اور اس کا باپ زیاد پورے زمانِ حکومت میں سوائے خون ریزی کے دوسرا کوئی شغل نہیں رکھتے۔ کتنے نیک بندگانِ خدا کی انہوں نے آنکھیں نکلوا ڈالیں اور کس قدر بزرگانِ دین کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کاٹ ڈالے اور ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کا حال دیکھو، ہانی اور اس کی مثل دوسرے قاریانِ قرآن کا قصہ یاد کرو جنہیں ان لوگوں نے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ زہیر جب یہاں تک پہنچا تو لشکرِ اعدا نے دشنام دینا شروع کیا اور زیاد ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے اور کہا ہم حسینؑ کو نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اسے قتل نہ کر دیں یا اُسے قید کر کے ابن زیاد کے پیش نہ کریں۔

زہیر نے دوبارہ موجِ دریا کی طرح تقریر کو روانی دی اور فرمایا خدا کے بندو فرزند زہرا اولادِ سمیہ کی بہ نسبت تمہاری نصرت کا زیادہ مستحق ہے اور اگر اس کی نصرت نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کے قتل سے باز آ جاؤ۔ اور اس امر شنیع کا ارتکاب ہرگز نہ کرو۔ امام حسینؑ اور یزید کے معاملہ میں دخل نہ دو۔ مجھے اپنی جان کی قسم وہ قتل حسینؑ کے بغیر بھی تم سے راضی ہو گا۔

اس وقت شمر نے ایک تیر زہیر کی جانب پھینکا اور کہا خاموش ہو جا ہم تیری زیادہ باتوں سے تھک گئے ہیں۔ زہیر نے جواب دیا۔ اے گندیدہ عورت کا بیٹا جو اپنے پاؤں پر پیشاب کرتی ہے۔ میں تجھ جیسے خبیث سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ تیری حیثیت میرے نزدیک ایک عام حیوان سے زیادہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تو قرآن کی دو آیتوں کو بھی صحیح سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ تجھے یومِ قیامت کی ذلت اور دردناک عذاب کی بشارت ہو۔ اس نابکار نے جواب دیا کہ تیرا اور تیرے حسینؑ کا انجام ایک گھنٹہ کے بعد قتل ہوگا۔ زہیر نے جواب دیا کیا تو ہمیں قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ خدا کی قسم حسینؑ کے قدموں میں قتل ہو جانا تجھ جیسے بدنہاد لوگوں کے ساتھ جینے سے مجھے بدرجہا محبوب تر ہے۔

پھر لشکرِ اعدا کی طرف رُخ کر کے باآواز بلند فرمایا۔ یہ بے حیا پاگل قسم کا انسان تمہیں دھوکا دے رہا ہے تا کہ تم کو دین سے بیگانہ کر دے۔ خدا کی قسم ذرّیت پیغمبر کے قتل کرنے والے اور اس کے انصار کا خون بہانے والے یقیناً رسولؐ خدا کی شفاعت سے محروم ہوں گے۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ پیچھے سے امام علیہ السلام کے ایک صحابی نے آواز دی اے زہیر امام عالی مقام تیرے حق میں فرماتے ہیں مجھے اپنی جان کی قسم تو نے مومنِ آلِ فرعون کی طرح قوم کو خوب نصیحت کی جس طرح نصیحت کرنے کا حق ہے اب واپس آ جاؤ۔

## حملۂ لشکرِ اعدا:

عمرو بن حجاج زبیدی نے جب دیکھا کہ ابن سعد کے لشکر سے جو بہادر جاتا ہے وہ شیرانِ بیشۂ شجاعت کی شمشیر کا لقمہ ہو جاتا ہے تو اس نے آواز بلند سے طعن و طنز کے لہجہ میں کہا۔ اے بے عقلو! کیا تم ایسے لوگوں کا مقابلہ کرتے ہو جو شجاعت

کے سینے سے دودھ پی چکے ہیں اور تلواروں کے خون چوس چوس کر پلے ہیں۔ اگر چہ وہ تھوڑے ہیں اور تم زیادہ ہو۔

لیکن اس طریق سے تم سب کو لقمۂ اجل کر کے وہ دَم لیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ یکبارگی حملہ کر دو اور ان پر پتھروں کی بارش کر دو۔

عمر سعد نے جب یہ بات سُنی تو اُس کی بھی یہ رائے پسند آئی۔ پس عمرو بن حجاج نے فرات کی طرف سے امام حسینؑ کے میمنہ لشکر پر حملہ کیا اور شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ پر چڑھائی کی۔ اُنہوں نے پورے زور اور شدّت سے حملہ کیا۔ ادھر اصحاب حسینؑ نے جوابی کارروائی میں مردانہ وار جوہر شجاعت دکھانے شروع کئے اس زور کی جنگ ہوئی کہ اژدھائے موت نے منہ کھولا۔ گرگِ ہلاکت دانت نکال کر سامنے آیا بہادروں کے روح لینے کے لئے اجل نے ہاتھ پھیلائے۔ اصحابِ حسینؑ نے ایک دُوسرے سے بڑھ بڑھ کر اسی طرح بخوشی و سرور موت کے منہ میں جانا شروع کر دیا۔ جس طرح نو بیاہتا نوجوان اپنی پوری امنگوں کو دامن میں لے کر حجرہ عروسی کی طرف جاتا ہے۔ جب یہ مردِ میدان موت کے سینے سے لگانے کے لئے شیرِ غضبناک کی طرح گونجتے گرجتے ہوئے اپنی شرربار تلواریں میان سے نکال کر مصروفِ جنگ ہوئے تو ابن زیاد کی فوج کے میمنہ و میسرہ میں تمیز نہ رہی اور لشکرِ اعدا کی جمعیت درہم برہم ہوگئی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر ابن سعد گھبرایا اور حصین بن نمیر کو بُلا کر کہنے لگا پانچ سو تیراندازوں کو حکم دو تاکہ فوجِ حسینؑ پر تیر بارانی کریں کیونکہ صرف تلوار کی لڑائی سے حسینی سپاہیوں کو مغلوب کر لینا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ پس ایک طرف سے اُنہوں نے تیراندازی شروع کر دی اور دوسری طرف سے شمر نے ایک دستہ

فوج کی کمان کرتے ہوئے حسینی فوج پر حملہ کیا۔ لیکن حسینؑ کے سراپا وفا جانثار پوری پامردی سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور جو بھی آگے قدم بڑھاتا تقدیر بن کر اس کو موت کے منہ میں دھکیل دیتے۔ لیکن وہ چونکہ زیادہ تھے اور یہ کم۔ لہٰذا اُن میں ہزاروں کو موت سے بھی کمی ظاہر نہ ہوتی تھی جس طرح کہ اِس طرف ایک ایک کی موت نمایاں کمی کی موجب بنتی جارہی تھی۔

فوجِ اعدا ادھر خیموں کے قریب آ پہنچی تھی۔ سادات کے بچوں میں نالہ وفریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اتنے میں شیث بن ربعی نے عمر سعد سے کہا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ پردہ داروں اور بچوں کے ستانے سے تجھے کیا حاصل ہوگا وہ بے حیا شرمندہ ہوا اور وج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔

اس حملہ میں امام حسینؑ کے پچاس جانباز کام آگئے (غالباً اسی کو حملہ اولیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس میں چیدہ چیدہ صحابہ حسینؑ نے جامِ شہادت نوش فرمایا) اور مروی ہے کہ جب زہیر نے پردہ داروں اور بچوں کے گریہ کی آوازیں سنیں تو بجلی کی طرح قومِ اعدا پر حملہ آور ہوا اور انہیں خیموں سے دُور بھگا دیا۔

شمر نے آواز دی کہ آگ لاؤ تاکہ خیامِ حسینی کو جلایا جائے۔ امام حسینؑ نے فرمایا اے شمر! کیا تو میری اہلِ بیتؑ کو جلانا چاہتا ہے۔ خدا تجھے جہنم کی آگ نصیب کرے۔ جب شمر کی بکواس زہیر کے کانوں میں پہنچی تو شیر ببر کی طرح شمر کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوا۔ اور ابوعزرہ کو واصلِ جہنم کیا جو شمر کا ساتھی تھا۔

پھر حرؓ اور زُہیر نے مل کر حملہ شروع کیا۔ جب ان میں سے ایک لڑائی کو جاتا تھا اور اس کے سر پر کچھ بن جاتی تھی تو دوسرا فوراً اس کی امداد کے لئے پہنچ جاتا اور ایک گھنٹہ تک دونو اس طرح جنگ کرتے رہے۔ حُر جب شہید ہو گیا تو زہیر نے تنہا

جنگ کیا اور چند اشعار بطور رجز زبان پر جاری کئے جن کا خلاصۂ مطلب یہ ہے (میں زہیر ہوں اور قین کا بیٹا ہوں۔ اور میرے ہاتھ میں دو دھاری قاطع تلوار موجود ہے۔ میں تلوار کے زور سے تمہیں مولا حسینؑ کے قریب نہ آنے دوں گا۔ کیونکہ وہ نبی کے دو نواسوں میں سے ایک ہے۔ یہ علیؑ کا فرزند ہے جس کے جد طاہر ہیں یہ عترت پیغمبر سے ہیں جو محسن اور بلاشک اللہ کا رسول تھا۔ میں اپنے امام سے تمہیں دُور رکھوں گا جو صادق الیقین ہے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے تمہیں تلوار کا مزہ چکھاؤں گا، تمہیں تلوار کا مزہ چکھانے میں مجھے کوئی عار نہیں اور میں تم کو وفادار غلام کی طرح تلوار ماروں گا۔ یہ کہہ کر بجلی کی طرح فوجِ اشقیا کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوا۔ اور دائیں بائیں جولان لگایا نامور اور آزمودہ کار ملاعین کو تہ تیغ کیا۔ بروایت بحار الانوار ایک سو بیس شجاعانِ کوفہ کو واصلِ جہنم کیا۔

بروایت ابو مخنف زہیر کی شہادت حبیب کی شہادت کے بعد واقع ہوئی۔ کیونکہ جب حبیب شہید ہوئے تھے تو روایت میں ہے کہ بَانَ الْاِنْکِسَارُ فِي وَجهِ الْحُسَینِ۔ کہ حسینؑ کے چہرہ اطہر پر شکستگی اور گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ زہیر نے جب یہ حالت دیکھی تو عرض کی آقا! چہرہ اقدس پر یہ گھبراہٹ کے آثار کیوں ہیں۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم حق پر ہیں تو زہیر نے عرض کی پھر ہمیں ذرّہ بھر پرواہ نہیں کیونکہ ہم بہشت کی طرف جا رہے ہیں۔ پس زہیر نے امام سے اجازت طلب کی اور میدانِ کارزار کی طرف چند اشعار پڑھتا ہوا روانہ ہُوا۔ جن کا مقصد یہ ہے۔ آپ پر میرا نفس قربان ہو۔ اے حسینؑ کہ آپ ہادی و مہدی ہیں۔ آج میں شہید ہو کر آپ کے جدِ پاک پیغمبر اور حسن مجتبیٰؑ، علی مرتضےٰؑ، جعفر طیارؑ شہید اور آپ کی والدہ ماجدہ

جناب فاطمہ زہراؑ اور دیگر پاک بزرگواروں کی خدمتِ عالیہ پہنچنے کو تیار ہوں۔

پس دوبارہ بادِ تند کی طرح لشکر مخالف پر جا ٹوٹا اور خوب دادِ شجاعت دی کہ اچانک کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس تمیمی نے جو موقعہ کی تاڑ میں تھے فرصت پا کر تلوار اور نیزہ سے اس پر حملہ آور ہوئے اور زہیر کو شہید کر دیا مولا حسینؑ نے زہیر کے حق میں فرمایا۔ خدا اپنے جوار سے تجھے دُور نہ کرے اور تیرے قاتلوں پر لعنت کرے۔ جس طرح ان لوگوں پر لعنت کی جنہیں بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔

تذکرہ سبط بن جوزی میں منقول ہے کہ زوجہ زہیر نے غلام کو کہا کہ جا کر اپنے آقا کو کفن پہناؤ۔ غلام زہیر نے جب حسین کی لاش کو بے کفن دیکھا تو دل میں کہا خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے آقا کو کفن کروں اور حسین کو بلا کفن چھوڑ دوں پس وہ کفن حسین کے لیے قرار دیا اور زہیر کو دوسرا کفن دیا۔

ملے عاشق سے تو تقریر یہ سرورؑ نے کی حکم سے میرے تم آئے بڑی تکلیف ہوئی
دیں صلہ اس کا علیؑ کو اور اللہ و نبیؐ کیا کہیں ہم پہ عجب وقت پڑا ہے بھائی
چھوٹا غربت میں وطن ہم پہ چڑھائی ہوگی
سُنتے ہیں آلِ پیمبرؐ سے لڑائی ہوگی

بولے یہ سُن کے زُہیرؓ آنکھوں میں آنسو بھر کر ہوں غلام آپ کا ادنیٰ میں شہِ جن و بشر
ہوں گے خوش دیکھے گا مجھ سے نبیؐ و حیدرؓ ہوگا یا شاہ فدا آپ کے قدموں پہ یہ سر
کیسا گھر بار میں تیار ہوں نصرت کے لئے
کہ لہو جوش میں ہے شوقِ شہادت کے لئے

(ہندو شاعر نانک چند کھتری نانک لکھنوی)

# حضرت سعید بن عبداللہؓ حنفی

کوفے کے معزز باشندے تھے اور محبتِ اہلِ بیتؑ میں سرشار، عبادت کے ساتھ شجاعت میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ اہلِ کوفہ کی طرف سے امام کی خدمت میں آخری خط آپ ہی جناب ہانی بن ہانی سبعی کے ساتھ لے گئے تھے۔ امام نے انھیں دونوں کے ہاتھ اس خط کا جواب روانہ کیا۔

آپ نے اس جلسہ میں بھی تقریر کرتے ہوئے نصرتِ امام کا عہد کیا تھا جو کوفے میں اس وقت ہوا تھا جبکہ حضرت مسلمؑ جنابِ مختار کے مکان میں فروکش تھے۔ اسی طرح آپ نے شبِ عاشورہ بھی امامؑ کی تقریر کے جواب میں بڑے ولولہ انگیز الفاظ میں رفاقت وفداکاری کا وعدہ کیا تھا جسے پوری طرح نبھایا اور اپنی جان امام پر بڑی بہادری سے قربان کردی۔

## حضرت سعید بن عبداللہ حنفی کی شہادت:

بحار، جلد ۴۵ صفحہ ۲۶، مناقب جلد ۴، صفحہ ۱۰۳، عوالم جلد ۱۷، صفحہ ۲۶۹ اور مقتل خوارزمی جلد ۲، صفحہ ۲۰ میں سعید بن عبداللہ الحنفی کا تذکرہ کیا گیا اور ان کا یہ رجز نقل کیا ہے:

أقدم حسين اليوم تلقى أحمداً — وشيخك الحبر علياً ذا الندا

وحسناً كالبدر وافى الاسعدا — وعمك القرم الهمام الارشدا

حمزة ليث الله يدعى اسداً — وذا الجناحين بتوأ مقعداً

فی جنة الفردوس یعلو صعداً

''حسینؑ! آگے بڑھو اور آج اپنے نانا اور والد اور حسنؑ اور حمزہؑ اور جعفر طیارؑ کی جنت میں ملاقات کرو''۔

یہ رجز پڑھا اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ آخر کار لڑتے لڑتے درجۂ شہادت حاصل کیا۔

بحار میں مرقوم ہے کہ مناقب میں یہ اشعار سوید بن عمر بن ابی مطاع سے منسوب ہیں۔ مؤلف کتاب ہذا عرض پرداز ہے کہ اگر مناقب سے مناقب ابن شہر آشوب مراد ہے تو پھر یہ نسبت درست نہیں ہے، اس کے لیے مناقب کے صفحہ ۱۰۳ کی طرف رجوع فرمائیں۔ البتہ مقتل خوارزمی، جلد ۲، صفحہ ۲۰ میں مرقوم ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ یہ ابیات سوید بن عمرو بن ابی مطاع کے ہیں۔

امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے زیارت ناحیہ میں یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں:

السَّلام علی سعد بن عبدالله الحنفی القائل للحسین وقد اذن لهٗ فی الانصراف لا والله لا نخلیك حتی یعلم الله انا قد حفظنا غیبة رسولؐ الله فیك والله لو اعلم انی اقتل ثم أحیاثم احرق ثم اذری ویفعل بی سبعین مرة ما فارقتك حتی ألقی حمامی دونك وکیف افعل ذٰلك وانما هی موتة او قتلة واحدة ثم هی بعدها الکرامة التی لا انقضاء لها ابداً فقد لقیت حمامك وواسیت امامك ولقیت من الله الکرامة فی دارالمقامة حشرنا الله معکم فی المستشهدین ورزقنا مرافقتکم فی أعلی علیین

(بحار، جلد ۴۵، صفحہ ۷۰، ناسخ جلد ۳، صفحہ ۲۲، اور اقبال، ص ۵۷۵)

''سعد بن عبداللہ حنفی پر سلام ہو جسے شبِ عاشور امام علیہ السلام نے واپس چلے جانے کی اجازت دی تھی لیکن اس نے یہ کہا تھا: خدا کی قسم! ہم آپؑ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے اور ہمارے طرزِ عمل کو خدا دیکھے گا کہ ہم نے رسولِ خدا کی غیبت میں آپؑ کی حفاظت کی تھی۔ خدا کی قسم! اگر میں جانتا کہ مجھے قتل کیا جائے گا پھر زندہ کیا جائے گا، پھر مجھے آگ میں جلا دیا جائے گا، پھر میری خاکستر ہوا میں اُڑا دی جائے گی اور ستر مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا، تو پھر بھی میں آپؑ سے جدائی برداشت نہ کرتا اور آپؑ کے سامنے مرنے کو ترجیح دیتا۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ مجھ پر تو صرف ایک بار ہی موت نے آنا ہے یا مجھے صرف ایک مرتبہ ہی قتل ہونا ہے۔ اس کے بعد دائمی عزت ہے۔

آپ نے اپنی موت سے ملاقات کی اور اپنے امامؑ کی خیر خواہی کی اور خدا کی طرف سے آپ کو عزت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ جیسے شہدا کے ساتھ محشور فرمائے اور مقامِ اعلیٰ علیین میں آپ کی رفاقت نصیب کرے''۔

ابصار العین، ص ۱۲۶ میں مرقوم ہے کہ ابومخنف لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ نے روزِ عاشور نمازِ ظہر ادا کی تو سعید بن عبداللہ حنفی آپؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے اور جو بھی تیر آتا، آگے بڑھ کر اپنے ہی جسم کو اس کے لیئے پیش کرتے تھے اور امامؑ تک تیروں کو نہیں جانے دیتے تھے۔ کچھ تیر ان کے چہرے پر لگے، کچھ سینہ میں پیوست ہوئے اور کچھ تیر ان کے پہلو میں جا کر لگے۔ آخر کار سعید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گرے اور کہا:

خدایا! ان لوگوں پر ویسی ہی لعنت کر جیسی کہ عاد و ثمود پر کی ہے۔ خدایا! اپنے پیغمبرؐ کو میرا اسلام پہنچا اور انھیں میرے متعلق یہ خبر دے کہ مجھے جو بھی زخم آئے

ہیں وہ آپؑ کی مدد میں آئے ہیں۔ میں اس کے ثواب کا خواہش مند ہوں۔

پھر انھوں نے امام حسینؑ کی طرف دیکھا اور عرض کیا: فرزندِ رسولؐ کیا میں نے وفا کی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، تو جنت میں مجھ سے آگے ہوگا۔ اس کے بعد ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں: ان کے بدن پر تلواروں اور نیزوں کے بہت سے زخم تھے اور تیرہ تیر ان کے جسم میں پیوست تھے۔ (جلاء العیون، ص ۵۶۴)

طریقۂ شہادت بھی بڑا انوکھا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام حسینؑ کی معرفت نے ان حضرات کی قلبِ ماہیت کر دی تھی اور فطرت بدل دی تھی۔ فطرتِ انسانی تو یہ ہے کہ جب اس کی طرف کوئی حربہ آتا ہے کہ وہ اسے خالی دینے کی کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک تنکا بھی آنکھ تک اُڑ کر آئے تو آنکھ از خود جھپک جاتی ہے مگر حسینؑ جیسے انسانِ کامل کی محبت نے سعید کی فطرت کو اس طرح بدل دیا تھا کہ جب ظہر کی نماز کے وقت زہیر قین کے ساتھ جنابِ سعید امام کے سامنے تیروں کی بارش روکنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں تو جو تیر آتا تھا وہ اسے بڑھ کر اپنے سینہ پر روکتے تھے۔ واہ رے جذبۂ نصرت اُدھر امام نے نمازِ خوف ختم کی اِدھر یہ انوکھا مجاہد تیروں کے زخموں سے چُور ہو کر گر پڑا اور اس طرح اس شمعِ امامت کے پروانے نے اپنی جان قربان کر دی۔

زیارت ناحیہ مقدسہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ اور قائم آلِ محمدؐ نے اُن کی خدمات کو نہایت وقیع الفاظ میں سراہا ہے الفاظ زیارت کا ترجمہ یہ ہے۔ میرا سلام ہو سعید بن عبداللہ حنفی پر جس کو امام حسینؑ نے چلے جانے کی اجازت دی تھی

لیکن اس نے جواب میں عرض کیا تھا خدا کی قسم ہم آپ کو تنہا نہ چھوڑیں گے۔ حتیٰ کہ ہم اللہ کے سامنے اپنا یہ عمل پیش کریں گے کہ ہم نے رسولؐ کے بعد اس کے ناموس کی حفاظت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں جان لوں کہ قتل ہوں گا اور پھر زندہ ہوں گا اور پھر زندہ ہوں گا پھر جلایا جاؤں گا۔ پھر ہوا میں میرے ذرّات کو پراگندہ کیا جائے گا اور میرے ساتھ ستر مرتبہ یہ سلوک کیا جائے گا تب بھی آپ سے جُدا نہ ہوں گا۔ اور آپ پر جان قربان کروں گا۔ اور اب آپ کو کیوں چھوڑ جاؤں جب کہ مجھے علم ہے کہ صرف ایک دفعہ ہی قتل ہونا ہے۔ اور اس کے بعد دائمی اور سرمدی باعزّت زندگی ہوگی جس کے لئے کوئی فنا نہ ہوگی خدا ہمیں تمہارے ہمراہ شہداء میں جگہ دے اور ہمیں اعلیٰ علیین میں تمہاری رفاقت کرامت فرمائے"۔

شب عاشور جب امام نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ میں تم سے بیعت کو اٹھاتا ہوں اور اس رات کی تاریکی میں جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ تو اس وقت سعید نے یہ جواب دیا تھا جو اُوپر بیان ہو چکا ہے۔

منتہی الآمال سے منقول ہے کہ خصوصی شیعانِ حضرت علیؑ سے تھے۔ شجاع مرد میدان اور نہایت عبادت گذار تھے کوفیوں کی جانب سے آخری خط و دعوت نامہ یہی سعید مکہ میں لائے تھے، جو اشراف کوفہ کی طرف سے لکھا گیا تھا۔ حضرت نے اس دعوت نامے کا جواب لکھ کر سعید کو دیا اور یہ واپس آئے اور حضرت نے پھر حضرت مسلمؑ کو روانہ فرمایا تھا۔ جب لوگوں نے حضرت مسلمؑ کی بیعت کی اور حضرت مُسلم نے ان کی ظاہری دفاداری کے جذبات ملاحظہ فرمائے تو پھر سعید بن عبداللہ حنفی کو خط لکھ کر دیا تاکہ امام عالی مقام کی خدمت میں واپس مکہ

پہنچائیں چنانچہ حضرت مسلمؑ کا خط مکّہ میں لائے اور امام کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہُوئے۔ اور آخر دم تک ہمرکاب رہے۔

کتبِ مقاتل سے منقول ہے کہ جب نمازِ ظہر کا وقت آیا اور نماز کی مہلت حاصل کی گئی تو لشکرِ یزید کے بے حیاؤں نے جنگ بند نہ کی جب امام نماز میں مشغول ہُوئے تو اُنہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ سعید بن عبداللہ نے جب یہ حالت دیکھی تو ڈھال بن کر امام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جس طرف سے کوئی تیر آتا تھا تو سعید اپنا جسم پیش کرتے تھے۔ اور اپنے سر سینے منہ اور ہاتھوں پر ہر آنے والے تیر کو روکتے تھے۔ اور کسی تیر کو امام کی طرف نہ جانے دیتے تھے۔ اور یہی کہتے تھے اے پروردگار! تو اِن لوگوں پر قوم عاد و ثمود کی طرح لعنت کر اور اپنے نبی کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا اور یہ کہ میں جو کچھ زخموں کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہوں، یہ سب کچھ تیرے نبی زادے کی نصرت میں تیری خوشنودی ہی کی خاطر کر رہا ہُوں۔ امام نے نماز ختم کی تو سعید میں زخموں کی کثرت کی وجہ سے تاب نہ رہی زمین پر گر پڑے۔ اور خدمت امام میں عرض کی اے فرزندِ رسولؐ کیا میں نے اپنے عہد کی وفا تو کی ہے؟ آپ نے فرمایا بے شک، اور تم میرے آگے آگے بہشت میں داخل ہو گے۔

منتہی الآمال سے منقول ہے کہ نیزہ و شمشیر کے علاوہ سعید کے بدن میں تیرہ تیر لگے ہُوئے تھے۔

# حضرت طرماح بن عدیؑ

آپ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خصوصی صحابہ میں سے تھے۔ جسیم قد آور ادیب فصیح متکلم قادر الکلام اور نہایت حاضر جواب تھے جب آں حضرتؑ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تو معاویہ نے آپ کی طرف گستاخانہ لہجے میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ (معاذ اللہ) آپ نے کتاب وسنت کی مخالفت کی ہے اور طلحہ وزبیر ایسے صحابہ کو قتل کیا ہے جن پر رسولؐ خدا کو ناز تھا اور اُمّ المومنین سے جنگ کیا اب میں اس کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہوں لہٰذا آپ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اس خط کو پڑھا اور قلم ودوات طلب فرمائی اور خط تحریر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط عبدِ خدا اور عبدِ خدا کے فرزند علی بن ابی طالب امیر المومنین برادرِ رسولؐ شوہر بتول ابوالسبطین الحسن والحسین کی جانب سے معاویہ بن ابی سفیان کی طرف ہے۔ اما بعد میں وہ ہوں جس نے جنگ بدر میں تیری قوم کے بڑے بڑوں کو تہ تیغ کیا تیرے دادا چچا اور ماموں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ان کا خون پینے والی تلوار آبدار اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ میرے ہاتھ اور بازو میں اس کے اُٹھانے کی قوت موجود ہے۔ جس طرح رسول خدا نے اس کو میرے ہاتھ میں دیا۔ ساتھ نصرت میرے پروردگار کے جس طرح میں نے اللہ کے علاوہ کسی کو پروردگار نہیں سمجھا اور حضرت محمدؐ کے بدلہ میں کسی اور کو نبی نہیں تسلیم کیا اسی طرح میں نے اس تلوار کے بدلہ میں کوئی دوسری تلوار نہیں لی تو بے شک اپنی جان توڑ کوشش کر اور اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کر تیرے

اُوپر شیطان کا تسلط ہے اور تجھے جہالت اور سرکشی نے مخبوط الحواس کر دیا ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

پس خط کو بند کیا اور طرماح بن عدی کو بُلا کر اس کے سپرد فرمایا۔ اپنے ہاتھ مبارک سے اس کو عمامہ باندھا اور نہایت تیز رُو سُرخ رنگ کے اُونٹ پر سوار کر کے رُخصت کیا۔ طرماح نے مثل شہباز پرواز کر کے منزل دُور دراز کو تھوڑے عرصہ میں طے کرتے ہُوئے باطل وشر کے پایہ تخت دمشق میں جادم لیا۔ معاویہ کے دربانوں سے معاویہ کے مخصوص ہم نشینوں کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے پُوچھا کہ تیری مراد کن لوگوں سے ہے؟ جواب دیا کہ ابوالاعور اسلمی ابوہریرہ دوی مروان بن حکم اور عمرو عاص سے ملنا چاہتا ہُوں۔ دربان نے جواب دیا وہ باب الخضراء کے قریب ایک باغ میں تفریح کے لئے گئے ہُوئے ہیں پس طرماح نے اس طرف کا قصد فرمایا۔ جب وہاں پہنچا تو وہ لوگ دروازہ پر موجود تھے، ان لوگوں نے اس کو دیکھتے ہی آپس میں مشورہ کیا کہ ایک لمبی قد کا بدوی شخص اس طرف آرہا ہے آؤ اس کے ساتھ کوئی مذاق کریں انہیں یہ کیا خبر تھی کہ وہ جس کو ایک عام بدوی سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت خاندانِ علم ومعرفت اور دُودمانِ شرف و شہامت کے آستانہ قدس کا تربیت یافتہ حاضر جواب اور قادر الکلام خطیب ہے پہلے پہل اس کی لمبی قد پر مذاق اُڑانا چاہا کہنے لگے۔ کیا آسمان سے کوئی خبر لایا ہے؟ طرماح نے فوراً نقد جواب دیا۔ بے شک میرا پروردگار آسمان کا مالک ہے ملک الموت ہوا میں ہے اور علی کی تلوار تمہارے سروں پر برقِ قہر بن کر نازل ہونے والی ہے اے اہل نفاق وشقاق اس بلا کے لئے تیار ہو جاؤ جو تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ان کو اس جواب کے سُننے سے ذرا ہوش آئی کان کھل

گئے پُوچھا کہاں سے تشریف لائے ہو۔ طرماح نے فرمایا۔ میں ایک شریف خدا دوست داشمند اور خدا کے برگزیدہ انسان کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہُوں۔ اُنہوں نے دریافت کیا کہ کسے ملنا چاہتے ہو؟ تو فرمایا ایک ناقص اور رڈی انسان کو جس کو تم بیوقوں نے اپنا امیر بنا رکھا ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ امیر المومنینؑ کی طرف سے معاویہ کی جانب آیا ہے۔ انہوں نے پُوچھا کہ مطلب کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ اُسے ملنا ہے اُنہوں نے کہا وہ فارغ نہیں تو طرماح نے کہا کیا وہ خدا کے وعدوں کے متعلق فکر کر رہا ہے جو اطاعت گذاروں کے لئے ہیں یا اس کے عذاب کا انتظار کر رہا ہے جو نافرمانوں کے لئے ہے؟ انہوں نے کہا یہ بات نہیں بلکہ وہ اپنی مشاورتی کمیٹی کے ساتھ ملکی اہم معاملات پر سوچ بچار کر رہا ہے۔ طرماح نے کہا پس اس کو ہلاکت کی بشارت ہو۔

انہوں نے معاویہ کو تحریری اطلاع بھیجی کہ علی بن ابی طالب کی طرف سے ایک اعرابی مرد ابھی وارد ہوا ہے جو نہایت فصیح اللسان موقع شناس حاضر جواب اور طرار خطیب ہے نہ اس کی زبان میں سکتہ ہے اور نہ اس کے بیان میں لکنت ہے اس کے جواب کے لئے کلام بلیغ تیار کر اور لا پرواہی کو یکسو کر کے اس کو جواب دے۔ جب طرماح کو معلوم ہوا تو سواری سے اُترا اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کے لئے بیٹھ گیا۔ ادھر معاویہ کو اطلاع پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا کہ دروازہ پر سیاہ لباس میں ملبُوس صف بستہ غلام کھڑے کر دئے جائیں۔ یزید نے تعمیل حکم کی اور یزید کی ناک پر تلوار کے زخم کا ایک نشان بھی تھا۔ جب طرماح کو معاویہ کے دروازہ کی طرف لایا گیا اور اس نے صف بستہ سیاہ پوش غلام دیکھے کہنے لگا یہ لوگ کون ہیں جو داروغہ جہنم مالک کے عملہ کے افراد معلوم

ہوتے ہیں جب آگے بڑھا تو یزید کے میشوم چہرہ پر نظر پڑی کہنے لگا۔ یہ ناک کٹا پھولی ہُوئی رگوں والا منحوس انسان کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ یزید ہے۔ طرماح نے کہا خدا اس کو نہ بڑھائے اور نہ یہ اپنی مراد پر پہنچے چنانچہ یزید نے یہ کلمات سُن لئے غصے سے بپھر ا اور قتل کا ارادہ کیا لیکن پھر اُس نے اپنے باپ کی ناراضگی کا احساس کرتے ہُوئے غصّے کی آگ کو ٹھنڈا کیا اور طرماح پر سلام کیا اور کہنے لگا اے اعرابی! تحقیق معاویہ تجھے سلام کہتا ہے طرماح نے جواب دیا کہ امیر المومنینؑ (علی) کے سلام کوفہ سے میرے ساتھ ہیں۔ یزید نے کہا بتا کیا چاہتا ہے کیونکہ تیری مراد کا پورا کرنا میرے عہدے میں داخل ہے۔ طرماح نے کہا میری مراد یہ ہے کہ اس اسٹیج کو چھوڑ دو جس کے تم اہل نہیں ہو اور جو اہل ہے اس کے لئے جگہ خالی کرو یزید نے کہا اس کے علاوہ اور کیا چاہتا ہے؟ طرماح نے کہا میں اس سے ملنا چاہتا ہوں پس پردہ اٹھایا گیا اور یہ معاویہ کے پاس پہنچا چونکہ طرماح نے جوتا نہیں اُتارا تھا ملازمین نے کہا جوتے اتار دو تو طرماح نے دائیں بائیں ایک نظر ڈالی اور پھر فرمایا کیا میں وادی مقدس میں آن پہنچا ہوں، کہ جُوتے اُتارنے کا حکم مل رہا ہے؟ پس معاویہ کی طرف دیکھا کہ تخت پر بیٹھا ہے اور اردگرد فوجی افسر اور دیگر ملازمین موجود ہیں۔ اس نے سامنے جا کر کہا۔ اے بادشاہ سرکش سلام ہو۔ معاویہ نے کہا تجھ پر وائے ہو اے اعرابی: مجھے امیرالمومنین کہہ کر کیوں تو نے سلام نہیں کیا؟ طرماح نے جواب دیا تیری ماں تیرا ماتم کرے مومن لوگ تو ہم ہیں تجھے ہمارا امیر کس نے بنایا ہے؟ معاویہ نے کہا کیا لایا ہے؟ جواب دیا کہ مہر شدہ امام معصوم کا مکتوب گرامی معاویہ نے کہا آ کر مجھے دیدو۔ طرماح نے کہا میں تیرے نجس فرش پر قدم نہیں رکھنا چاہتا۔ معاویہ نے کہا کہ پھر

میرے وزیر یعنی عمرو عاص کے حوالہ کرو۔ طرماح نے کہا جیسے امیر ظالم ویسے وزیر خائن معاویہ نے کہا میرے بیٹے یزید کو دو۔ طرماح نے جواب دیا۔ جب ہم ابلیس پر راضی نہیں تو اس کی اولاد پر کیسے راضی ہوں گے؟ معاویہ نے ایک غلام کی طرف اشارہ کیا جو سر کی جانب کھڑا تھا کہ اس کو دے دو۔ طرماح نے کہا ناحق مال سے خریدا ہوا غلام اس قابل نہیں معاویہ نے کہا تیرے اُوپر وائے ہو پھر کس طریقہ سے تجھ سے یہ خط لیا جائے؟ طرماح نے کہا تو بدل ناخواستہ خود اُٹھ کر لے جا تا کہ پتہ چلے کہ یہ مرد کریم اور سید علیم کا تحریر شدہ مکتوب ہے۔ پس معاویہ اپنے مقام سے اٹھا اور خط لے کر پڑھا اور پھر اسے اپنے زانو کے نیچے رکھ دیا۔ پھر پوچھا کہ تو نے علی بن ابی طالب کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ تو طرماح نے جواب دیا کہ وہ ایک بدر منیر ہے جس کے اردگرد صحابہ مثل ستاروں کے ہیں جب وہ ان کو حکم دے تو بلا تاخیر تعمیل ارشاد کرتے ہیں اور جس چیز سے ان کو روکے تو قطعاً اس کے قریب نہیں جاتے وہ ایسا شجاع و بہادر ہے کہ اس کی ہیبت کے سامنے سخت چٹان نہیں ٹھہر سکتی اس کا جلال حصار آہنی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ مدمقابل کے لئے اس کے سامنے جانا ذلت و ہلاکت ہے اور دشمن کے لئے اس کا حملہ پیغامِ موت ہے۔ معاویہ نے کہا حسن و حسین کو تو نے کس حالت میں چھوڑا ہے؟ تو جواب دیا وہ دونوں نوجوان تقی نقی ادیب خطیب سید سند طیب طاہر فاضل کامل اور عامل ہیں جو دنیا و آخرت کے لئے مصلح ہیں۔ معاویہ نے کہا اے اعرابی: تو کس قدر فصیح ہے؟ طرماح نے کہا اگر تو علی کے دروازہ پر جائے تو فصحا بلغاء فقہا علماء نجباء ادباء اتقیاء اور اصفیاء کی اس قدر تعداد دیکھے گا کہ حیرت کے گہرے سمندر میں ڈوب مرے گا۔ عمرو بن عاص نے آہستہ سے

معاویہ کے کان میں کہا یہ بدوی شخص ہے اگر اس کو کچھ انعام دے دیا جائے تو پیسے کی لالچ میں خود بخود تیری خوشامد کرے گا۔ اُس دین فروش کو کیا معلوم تھا کہ جن کے سینے معارف ربانیہ کا خزینہ ہوں وہ چند کھوٹی کوڑیوں میں نہیں خریدے جاسکتے اور رہ دولتِ ایمان کے مقابلہ میں زر و جواہر کو ٹھیکریوں کے برابر بھی نہیں سمجھتے پس اس کورِ باطن کے اغراء سے ننگ مسند خلافت اسی بات پر آمادہ ہُوا کہ طرماح کی حق گوئی کے سامنے حرص و لالچ کا جال بچھا کر اُسے شکار کرلیا جائے کہنے لگا کیا تو مجھ سے کچھ انعام قبول کرے گا؟ تو طرماح نے فوراً جواب دیا میں تیرے بدن سے تیری رُوح لینے کو تیار ہوں تو یہ مال کیسے نہ لُوں گا؟ معاویہ نے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا جب لے چکا تو معاویہ نے کہا کچھ اور بھی ہو؟ تو طرماح نے جواب دیا بے شک دے دو کیونکہ تو اپنے باپ کے مال سے تھوڑا ہی دے رہا ہے اور میں یزید کی بہ نسبت اس مال کے تصرف کا زیادہ حقدار ہوں۔ پس دس ہزار اور دیئے گئے۔ پھر طرماح نے کہا۔ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ معاویہ نے تیسری مرتبہ بھی دس ہزار کے دینے کا حکم دیا لیکن اس دفعہ خزانچی نے ایک گھنٹہ دیر کردی تو طرماح بولا۔ اے معاویہ شاید تو نے میرے لئے ہوا کی طرح کی چیز دینے کا حکم دیا ہے؟ معاویہ نے پُوچھا وہ کیسے؟ تو جواب دیا تو نے انعام کا حکم دیا ہے جو نہ مجھے نظر آتا ہے اور نہ تجھے دکھائی دیتا ہے۔ معاویہ نے جلدی دینے کا حکم دیا۔ پس جب تیس ہزار پر قبضہ کرلیا تو خاموش ہو گیا۔ عمرو عاص نے کہا اب بتاؤ امیر کا انعام کیسا ہے؟ طرماح نے نہایت بے دھڑک اور نڈر ہو کر جواب دیا یہ مسلمانوں کا مال ہے اللہ کے خزانہ سے ملا ہے اور اللہ کے نیک بندے تک پہنچا ہے لہٰذا درست ہے۔

معاویہ نے کاتب سے کہا کہ خط کا جواب دے کر اسے فوراً رخصت کرو کیونکہ اس نے میرے سامنے دنیا تاریک کر رکھی ہے چنانچہ کاتب نے لکھنا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عبد خدا اور عبد خدا کے بیٹے معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی بن ابی طالب کی جانب۔

امابعد، میں شام کی فوجوں میں سے اس قدر فوجیں لے کر چڑھائی کرنے والا ہوں جن کا پہلا حصّہ کوفہ میں پہنچے گا تو آخری حصّہ ساحل بحر پر ہوگا اور تجھے دکھاؤں گا کہ میرے پاس ہزار اونٹ رائی کے لدے ہُوئے ہیں کہ ہر دانہ رائی کے نیچے ایک ہزار جنگی مرد موجود ہے۔ جب طرماح نے یہ تحریر دیکھی تو کہنے لگا سُبحان اللہ مجھے معلوم نہیں ہوسکتا کہ تیرا کاتب جھوٹا ہے۔ یا تو جھوٹا ہے حالانکہ تو منبر خلافت کا دعویدار ہے؟ اگر تمام اہل مشرق و مغرب کو اکٹھا کرلیا جائے تو انسانی نفوس کی تعداد اس قدر نہ ہوسکے گی۔ معاویہ نے کہا کاتب نے اپنی طرف سے لکھ دیا ہے۔ طرماح نے کہا اگر اس نے تیرے امر کے بغیر ایسا کیا ہے تو اُس نے تجھے حقیر سمجھا ہے اور اگر تیرے حکم کے مطابق لکھا ہے تو تجھے ذلیل کیا ہے۔ پھر طرماح نے کہا تو نے اپنی افواج کو رائی کے دانہ سے تشبیہ دی ہے تو سُن میرے مولا علی بن ابی طالب کے پاس ایک بلند آواز اور لمبی چونچ والا مُرغا ہے جو ان تمام رائی کے دانوں کو چُن کر اپنے حوصلہ میں بھر لے گا۔ معاویہ نے ازراہِ اعتراف کہا۔ خدا کی قسم بات تو ایسی ہی ہے اور وہ مالک اشتر ہی ہے۔ پس خط طرماح کو دے کر رخصت کیا۔ طرماح نے خط لیا مال اٹھایا اور اونٹ پر سوار ہو کر واپس چلا۔

معاویہ اپنے ہمنشینوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا اگر میں اپنا سارا خزانہ تم میں سے کسی کو دوں تو تم لوگ اس کا دسواں حصّہ بھی میری حق ادائیگی نہ کرسکو گے جس

طرح اس نے علی سے بغیر کچھ لئے کے کی ہے بلکہ دیا ہم نے لیکن پھر بھی تعریف
اسی کی ہی کرتا رہا۔ خدا کی قسم اس نے تو میرے اُوپر دنیا تاریک کر دی تھی۔ عمرو
بن عاص نے جواب دیا اگر نبی سے تیری نسبت وہی ہوتی جو علی کو حاصل ہے اور تو
حق پر ہوتا تو ہم اس سے بھی کئی گنا زیارہ کرتے۔ معاویہ نے کہا خدا تیرا منہ
توڑے تیرا کلام اس کی بہ نسبت میرے لئے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

طرماح بن عدی حر کے لشکر کی ملاقات سے پہلے امام کے ہمرکاب تھا کیونکہ
جب امام کی فوج اور حر کا لشکر چلے تو رات کے وقت سیدھے راستہ کا کسی کو علم نہ تھا
پس اُس وقت طرماح بن عدی ہی آگے آگے تھا۔ کیونکہ ان کو اس بیابان کے عبور
کرنے کی راہیں معلوم تھیں پس طرماح عدی خوانی کے طور پر یہ اشعار پڑھتا تھا۔

یَانَاقَتِیْ لَاتَزْعَرِیْ مِنْ زَجْرِ وَامْضِیْ بِنَا قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ

اے ناقہ تکان سے نہ گھبرا اور طلوع فجر سے پہلے ہمیں پہنچا دے

بِخَیْرِ فِتْیَانٍ وَخَیْرِ سَفْرِ آلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ آلِ الْفَخْرِ

بہترین رفقاء سفر کے ساتھ جو آلِ رسول ہیں جن کے لئے فخر شایاں ہے

اَلسَّادَةِ الْبِیْضِ الْوُجُوْهِ الزُّهْرِ اَلطَّاعِنِیْنَ بِالرِّمَاحِ السُّمْرِ

نورانی حسین چہروں والے سردار جو گندمی نیزوں کے ساتھ جنگ کرنے
والے ہیں۔

اَلضَّارِبِیْنَ بِالسُّیُوْفِ الْبُتْرِ حَتّٰی تَجَلّٰی بِکَرِیْمِ الْفَخْرِ

قاطع تلواروں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور وہ لائق صد فخر ہیں

اَلْمَاجِدِ الْجَدِّ رَحِیْبِ الصَّدْرِ اَصَابَهُ اللّٰهُ لِخَیْرِ اَمْرِ

سچ مچ بزرگ اور وسیع القلب ہیں جن کو خدا نے بہترین امر کے لئے چنا ہے

عَمَّرَہُ اللہُ بَقَاءً لِلدَّھرِ یَامَالِكَ النَّفعِ مَعًا وَالضَّرِّ
خدا اسے زندہ رکھے ہمیشہ اے نفع ونقصان کے مالک

اَیِّدْ حُسَیْنًا سَیِّدِیْ بِالنَّصْرِ عَلَی الطُّغَاةِ مِنْ بَغَا یَاالْکُفْرِ
حسین کی نصرت سے تائید فرما سرکش کافروں کے مقابلہ میں

عَلَی اللَّعِیْنَیْنِ سَلِیلَیْ صَخْرٍ یَزِیْدٍ لَا زَالَ حَلِیْفَ الْخَمْرِ
صخر کے دونوں لعین بیٹوں کے مقابلہ میں ایک یزید جو پکا شرابی ہے

وَابْنِ زِیَادٍ عِھْرِ بْنِ الْعِھْرِ

اور دوسرا زیاد جو حرام زادہ اور حرام زادے کا بیٹا ہے۔

طرماح کے یہ اشعار سُن کر حُر کا لشکر جدا ہو گیا تھا کیونکہ وہ یہ شعر سُننا گوارا نہ کرتے تھے۔

آخر کربلا میں پہنچے اور روزِ عاشور طرماح نے خوب جوہر شجاعت دکھائے۔

لیکن یہاں دو قسم کی روایات ہیں۔

بروایت مامقانی اس کو کافی زخم لگ چکے تھے اور نڈھال ہو کر گھوڑے سے گرا تھا ابھی اس میں رمق جان باقی تھی کہ اس کو قبیلہ والے اٹھا کر لے گئے اور پھر تندرست ہو گیا تھا اور پھر ولاء واخلاص کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوا۔ گویا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طرماح شہداء کربلا نہیں ہے۔

اور ایک روایت ناسخ سے بھی منقول ہے جو اس کی تائید کرتی ہے اور وہ یہ کہ طرماح خود بیان کرتا ہے کہ جب میں روز عاشور زخموں سے چور ہو کر گرا اور لوگ مجھے مقتول سمجھ کر چھوڑ گئے تو میں قسم کھا کر بیان کروں گا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عالم بیداری میں دیکھا کہ وہاں بیس سوار پہنچے جن کے لباس سفید

تھے اور ان کی آمد سے فضا عطر و کستوری کی خوشبو سے معطر ہو گئی میں نے سمجھا کہ ابن زیاد ہے اور شاید لاش حسین کی بے حرمتی کرنا چاہتا ہے لیکن ایسا نہیں تھا ان میں نے ایک سوار امام حسین کی لاش کے قریب آیا اور گھوڑے سے اُتر کر بیٹھ گیا سر چونکہ کوفہ کی طرف لے جا چکے تھے تو اس جوان نے کوفہ کی طرف اشارہ کیا۔ پس میں نے دیکھا کہ حسینؑ کا سر آ پہنچا اور جسم سے آ کر ملحق ہو گیا۔ پس اس شخص نے کہا، اے فرزند تجھے ان لوگوں نے قتل کیا ہے کیا تجھے انہوں نے پہچانا نہیں تھا اور تجھے پانی بھی نہیں دیا۔ وہ کس قدر اللہ پر جری تھے یہ کلمات کہہ کر وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بابا آدم ابراہیم اسمٰعیل اور اے میرے برادر موسیٰؑ و عیسیٰ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میری اُمت کے باغیوں نے میرے فرزند کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ خدا ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے طرماح کہتے ہیں میں نے پہچان لیا کہ یہ رسولؐ خدا ہیں۔

لیکن بہرکیف ان کے مقابلہ میں ابومخنف کی روایت موجود ہے کہ وہ شہدائے کربلا میں سے تھے کہ طرماح میدانِ کارزار میں گیا اور خوب جوہر شجاعت دکھائے ستر ملاعین کو تہِ تیغ کیا۔ پس اس کا گھوڑا بدکا اور یہ زمین پر گر پڑے پس کوفیوں نے آ کر اس کا سرتن سے جُدا کر دیا۔ اور اس مضمون کی روایات دوسری کتب میں بھی موجود ہیں۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ طرماح بن عدی حاتم طائی کا پوتا نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا ہے جس کا بنی طے سے ہونا غیر یقینی ہے۔ کیونکہ حاتم طائی کے بیٹے عدی کے تین فرزند تھے۔ طرفہ۔ طریف اور مطرف۔ اور یہ تینوں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ہمرکاب واقعہ کربلا سے قبل درجہ شہادت پر فائز

ہو چکے تھے۔ جب عدی بن حاتم کو لوگ کہتے تھے کہ تو اپنے تین بیٹوں کے دردِ فراق میں جلتا رہے گا یا مر جائے گا تو یہ نہایت جرأت سے جواب میں کہتا تھا کہ یہ تو تین تھے اگر مجھے خدا ایک ہزار فرزند عطا کرتا اور یکے بعد دیگرے علی کے قدموں میں درجۂ شہادت پر فائز ہو کر بہشت میں جاتے تو میرے لئے مایۂ فخر تھا۔ ایک دفعہ معاویہ نے عدی بن حاتم سے کہا کہ علیؑ نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ اس نے اپنے بیٹے حسنؑ و حسینؑ بچا لئے اور تیرے بیٹوں کو موت کے منہ میں ڈال دیا تو اس مردِ مومن کو جوش آیا اور کہنے لگا کہ تو غلط کہتا ہے بلکہ بات حقیقت میں یہ ہے کہ میں نے علیؑ کے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ وہ شہید ہو گئے اور میں ان کے بعد زندہ رہا ہوں۔ پس عدی بن حاتم بے اولاد دنیا سے رخصت ہوا۔ بروایت مامقانی عدی بن حاتم کا ایک چوتھا فرزند بھی تھا جس کا نام محمد ہے۔ اور وہ بھی جنگِ صفین میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ اور عدی صحابیٔ رسولؐ بھی تھا اور حضرت امیر علیہ السلام کے خصوصی شیعوں میں اس کا شمار تھا۔ شریف جواد اور بلند مرتبہ بزرگ تھا اور کلام میں نہایت حاضر جواب اور سنجیدہ گو انسان تھا۔ جنگ جمل میں اس کی ایک آنکھ تیر کے زخم سے ختم ہو گئی تھی۔ ۶۷ھ یا ۶۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ قدس روحہ الشریف۔

اس مقام پر ایک اور طرماح کا ذکر آتا ہے جس کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کی راستہ میں ملاقات ہوئی تھی جو کوفہ سے سامان خورد و نوش بچوں کیلئے لے جا رہا تھا اور امام کو اس نے اپنے پہاڑوں کی طرف لے جانے اور وہاں مددگار مہیا کرنے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن جب امام نے اپنا مقصد بیان فرمایا تو اس نے فوراً واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ گھر سے وداع کر کے چلا تھا اور راستہ میں امام کی شہادت کی خبر سنی اور واپس پلٹ گیا۔ یہ طرماح بن حکم ہے نہ کہ طرماح بن عدی۔

# حضرت عابس بن ابی شبیب شاکریؑ

زیارتِ ناحیہ مقدسہ اور رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ نامی گرامی بہادر لاثانی شہسوار اور فن حرب وضرب میں آزموکار سپاہی تھے۔ حضرت علیؑ کے نامور شیعوں میں سے تھے۔ نیز بلند پایہ خطیب عبادت میں شب بیدار اور تہجد گذار بزرگ تھے بلکہ پورا قبیلۂ بنی شاکرہ آلِ اطہار میں سرشار تھے اور حضرت امیر نے جبھی تو فرمایا تھا بروز صفین کہ اگر بنو شاکر کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی تو زمین پر اللہ کی عبادت اس طرح ہوتی جس طرح عبادت کا حق ہے اور یہ سب کے سب شجاع اور غیور تھے۔

ابو مخنف سے منقول ہے کہ جب اٹھارہ ہزار کوفیوں نے امیر مسلم کی بیعت کر لی اور مختار کے گھر میں شیعانِ کوفہ کا اجتماع ہوا تو حضرت امیر مسلم کی طرف خطاب کر کے عابس بن ابی شبیب شاکری نے تقریر کی جو فصاحت و بلاغت میں بے نظیر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ہم لوگوں کے دلوں کی باتیں نہیں جانتے اور نہ ان کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں آپ کو ہم دھوکا میں نہیں ڈالتے بلکہ اپنے نفس کی خبر عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرا سر حاضر ہے جہاں بھی مجھے بلایا جائے حاضر ہوں گا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا اور جب تک قبضہ تلوار پر ہاتھ ہے تمہارے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور اس سے صرف خوشنودیٔ خدا کے سوا اور کچھ بھی ہماری غرض نہیں پس حبیب بن مظاہر نے اٹھ کر عابس کی تائید کی۔ پس

حضرت مسلم نے کوفیوں کے ظاہر حال سے متاثر ہو کر امام حسینؑ کے نام خط لکھا اور عابس اور شوذب دونو کو خط دے کر روانہ فرمایا۔ چنانچہ دونوں مکہ سے ہی امام کے ہمرکاب ہو کر کربلا میں آئے تھے۔

بحارالانوار سے منقول ہے کہ جب عابس نے شرفِ شہادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو شوذب کے پاس آیا اور کہا اے شوذب آج کے دن کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ تو شوذب نے جواب دیا میں عزمِ مصمم کر چکا ہوں کہ فرزندِ رسولؐ کے قدموں میں اپنا سر قربان کروں گا۔ عابس نے کہا میرا تیرے متعلق پہلے سے یہی گمان تھا۔ اپنے مولا کی خدمت میں مل کر چلیں تا کہ ہمیں شہداء کی فہرست میں داخل فرمالیں اور یقین جانئے کہ آج کے بعد پھر یہ موقعہ ہرگز ہاتھ نہ آئے گا۔ آج تو وہ دن ہے کہ اگر انسان چاہے تو تحت الثریٰ سے ترقی کر کے آسمان تک پہنچ سکتا ہے اور انتہائی تاریکی اور پستی سے انتہائی بلندی تک رسائی حاصل کر سکتا ہے پہلے شوذب رخصت لے کر میدان میں گئے اور جب وہ شہید ہو گئے تو عابس نے عرض کی آقا: خدا کی پوری مخلوق میں سے میرے نزدیک کسی کی قدر و منزلت آپ کے برابر نہیں اگر میں کر سکتا تو ضرور ان مصائب کا طوفان آپ سے ہر ممکن کوشش کر کے دُور کرتا لیکن کیا کروں بے بس ہوں آپ میری قربانی قبول فرمائیے اور اذنِ جہاد عطا فرمائیے امام نے اجازت دی۔ اس نے امام کا آخری وداعی سلام کیا اور عرض کی آقا: گواہ رہنا کہ میں آپ کے اور آپ کے باپ کے دین پر تادمِ شہادت برقرار ہوں۔ پھر غضب ناک شیر کی طرح میدانِ کارزار کی طرف بڑھا اور مقابلہ کے لئے آوازیں بلند کیں۔

ربیع بن تمیم جو فوجِ اشقیاء سے تھا کہتا ہے میں عابس کو پہچانتا تھا اور اس کی

شجاعت کو آزما چکا تھا اور بڑے بڑے خطرناک اور سنگین مقامات پر خصوصًا جنگ صفین میں عابس کو میں نے دیکھا تھا۔ پس عابس للکارتا ہوا میدان میں نکلا تو میں نے قوم کو پکار کر کہا اَیُّھَا النَّاسُ ھٰذَا اَسَدُ الْاَسْوَد۔ لوگوں یہ شخص شیروں کا شیر ہے۔ ھٰذَا ابْنُ شَبِیْب۔ یہ عابس بن شبیب ہے تم میں سے جو بھی جنگ میں اس کے مقابلہ میں آئے گا۔ مجال نہیں کہ بچ کر جائے۔ جب لشکریوں نے میری آواز سُنی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور غصے ٹھنڈے ہو گئے۔ پس کسی میں جرأت نہ تھی مبارزت کے لئے آگے بڑھتا۔ جب عابس نے دیکھا کہ مقابلہ کے لئے کوئی نہیں آتا تو پھر پکارنا شروع کیا۔ ابن سعد ملعون نے دیکھا تو اسے یہ بات ناگوار گذری پس حکم دیا کہ اس پر پتھر برسائے جائیں۔ جب عابس نے یہ دیکھا تو غصہ سے اپنی زرہ اُتار پھینکی اور خود کو سر سے دُور کر دیا اور اس طرح حملہ کیا کہ کسی کو ٹھہرنے کا یارا نہ تھا اور وہ اس کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح شیر کے سامنے لومڑیوں کا ریوڑ۔ پس مارتا اور بھگاتا یہاں سے وہاں تک اور وہاں سے واپس یہاں تک جولان لگاتا رہا۔ ربیع بن تمیم کہتا ہے۔ خدا کی قسم میں دیکھتا تھا کہ جس طرف منہ کرتا تھا دو دو سو آدمیوں کو پچھاڑتا ہوا آگے چلا جاتا تھا۔ آخر پتھروں اور نیزوں کے زخموں سے چور ہو کر گر پڑا تو اس کا سر تن سے جدا کر لیا گیا۔ راوی کہتا ہے بہادروں کی ایک جماعت عابس کے سر کو ایک دوسرے سے لینے میں کوشش کرتی تھی۔ ایک کہتا تھا میں نے قتل کیا ہے تاکہ انعام کا استحقاق ثابت ہو لیکن جب عمر بن سعد کے پاس یہ جھگڑا پہنچا تو اس نے کہا سب غلط کہتے ہو کس کی جرأت ہے کہ عابس کو تنہا قتل کر سکے یہ کیوں نہیں کہتے کہ سب اس کے قتل میں شریک تھے۔

غلام کا حال تو آپ سن چکے اب اس وفادار غلام کے آقا کا حال سن لیجیے۔

آپ کو حضرت امیر المومنینؑ سے صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا اور وہ اتنے عبادت گزار تھے کہ جنگِ صفّین میں ایک دن امیر المومنینؑ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر عابس کی طرح خلوصِ دل سے خدا کی عبادت کرنے والے دنیا میں ایک ہزار ہو جائیں تو خدا کی پرستش اس طرح ہونے لگے جس طرح کہ پرستش کا حق ہے۔

عابس کو شاکری بھی کہا جاتا ہے اور دوائی بھی اس لیے کہ وہ ہمدان کی ایک دوسری شاخ بنو وادعہ کے پاس جا کر بھی مقیم ہوئے تھے۔

حضرت مسلم نے اٹھارہ ہزار کوفیوں کی اطاعت کے بعد اطلاعی نامہ لکھ کر امام کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے لے جانے والے یہی جنابِ عابس تھے۔ یہ خط پہنچانے کے بعد وہ امام کی خدمت سے الگ نہ ہوئے بلکہ یومِ عاشور امامؑ کے قدموں پر جان نثار کر دی۔

عابس بڑے بہادر انسان تھے اور متعدد جنگوں میں حصہ لے چکے تھے چنانچہ ایک زخم کا نشان ان کی پیشانی پر موجود تھا اسی نشان کو دیکھ کر فوجِ اعدا نے انھیں پہچانا۔

ان کی بہادری کی وجہ سے فوجِ اعدا میں سے کسی کو ان کے مقابلے کے لیے نکلنے کی جراُت نہ ہوئی اور اُنھوں نے عابس پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عابس نے زرہ بکتر اُتار کر پھینک دیئے اور خالی قمیص پہنے ہوئے تلوار لے کر فوجِ اعدا پر حملہ آور ہوئے اور سینکڑوں کا مجمع ان کے سامنے سے اس طرح بھاگ رہا تھا جیسے شیر کے سامنے سے بھیڑیں۔

آخر کار آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور شہید کر دینے کے بعد آپ کا

سر قلم کر لیا تھا۔

عمرِ سعد کے لشکر کے متعدد افراد اس کے دعویدار تھے کہ عابس کو میں نے قتل کیا ہے اس کا فیصلہ خود عمرِ سعد نے اس طرح کیا کہ نہیں نہیں یہ شرف تم سب کو اجتماعی حیثیت سے حاصل ہے اس لیے کہ عابس جیسے شجاع شخص کو کوئی تنہا شخص قتل نہیں کر سکتا تھا۔

اکاسی شیر دشتِ کربلا میں کام آئے ہیں　　زیارت میں امامِ عصر ان کے نام لائے ہیں
حبیبِ بن مظاہر مسلمِ بن عوسجہ جندب　　سعید و سعد و حجاج ابن زید و مالک و قعنب
نعیم و نافع و عمرو ضبیعہ عابس و شوذب　　جوین و جون و حجاج ابن جعفی خاصگانِ رب
(مرزا فصیح)

---

عمران و شبیب و عمرو شوذب و ابرار　　قربان حسینؑ بن علیؑ ہو گئے ایکبار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پرا تھا　　اور دور تلک دشت ستم خوں سے بھرا تھا
(میر انیس)

---

اے ابنِ قین و ابنِ مظاہر مدد کو آؤ　　ہاں اے ہلال وہبِ مسافر مدد کو آؤ
اے زید و قیس و عابس و عامر مدد کو آؤ　　مسلمؑ کے لاڈلو دمِ آخر مدد کو آؤ
(میر مونس)

---

جاں نثاروں کے لئے رو کر یہ کہتے تھے حسینؑ　　جس میں تھی بوئے محبت وہ گلستاں چھٹ گیا
(مرزا تعشق)

---

چہرے تھے سب کے سرخ شجاعت کا تھا یہ جوش　　اک اک دلیر سر کو سمجھتا تھا بارِ دوش
(مہر علی اُنس)

---

تا شامِ ابد سایۂ رحمت ہو مبارک　　بچھڑے ہوئے شیرو؟ تمہیں جنت ہو مبارک
(عزیز لکھنوی)

# حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی

اصحابِ حسینی کی مختصر سی فہرست تاریخِ انسانی میں سنہری حروف سے جریدۂ عالم پر قیامت تک ثبت رہے گی۔ حسین علیہ السلام سے بیدار مغز اور بے مثال قائد نے ان میں ایسی روح پھونک دی تھی کہ ان کی بے مثالی میں اضافہ ہی ہوتا گیا، اس میں سے ہر ایک عدالت وسخاوت میں اپنی مثال آپ تھا، ہر ایک میں قربت و مساوات کی بے پناہ تڑپ تھی، ایک ایک صحابی عزیمت، جوشِ عمل اور عزتِ نفس کا متحمل تھا، ایثار وقربانی تو اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، وہ شجاعت کے پُتلے اور صبر و رضا کے مجسمے تھے، خدا شناسی، پاک بازی اور پاک دامنی اُن کا طواف کرتی تھی، قول وعمل میں اُن کے یگانگت اور فداکاری کا بے پناہ جذبہ اُن میں موجزن تھا۔ ان سب کے پس منظر میں حسینؑ ابنِ علی علیہ السلام کی لاثانی قیادت تھی، انھیں ایسا بے مثال سردار ملا تھا۔ اپنے اس بیان کی تائید اِن گراں قدر الفاظ سے ہوتی ہے۔

"کربلا میں حسینی فوج نے سچی اور جوشیلی وفاداری، غیر متزلزل ارادت مندی کی وہ تصویر پیش کی جس کی مثال ملنا غیر ممکن ہے۔ ایسی ارادت مندی اور وفاداری اگر صرف اعزّا کرتے تو بھی لائقِ تحسین ہوتے لیکن چند نفوس کے علاوہ جن کو حسینؑ سے خونی تعلق تھا اور تمام لوگوں نے جو اتنی خوفناک تکلیفیں اٹھائیں وہ زیادہ تر اس وجہ سے تھیں کہ یہ لوگ حسینؑ کے اس مقصد سے جس کے لیے حسینؑ ایسی عدیم المثال قربانی پیش کر رہے تھے خود بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ وہ یزید

کی علانیہ لامذہبیت اور بداطواری سے بے حد بیزار تھے اور صرف حسینؑ کی ذات کو اس شجاعت کے طوفان؟ کے خلاف ایک پشتہ اور حصار سمجھتے تھے اسی وجہ سے حسینؑ کے اصحاب و انصار آخر وقت تک فداکاری و جاں نثاری میں ثابت قدم رہے اور یہی وجہ تھی کہ جب ان میں کوئی شہید ہوتا تھا تو لوگ اُسے مبارک باد دیتے تھے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوا یعنی اس کی قربانی کی تکمیل گویا حق کی طاقت کی ایک فتح ہوتی تھی۔

حسینؑ کے جانبازوں کی راست کرداری اور جاں بازی نے درندوں کے خلاف انسانی کارنامے کی تاریخ میں ایک نہیں بہت سے شان دار صفحوں کا اضافہ کردیا۔ ان جانبازوں کی قبروں پر حسینؑ کے دہن سے نکلے ہوئے فقرے جو کہ انھوں نے مسلم بن عوسجہ کے مرتے وقت کہے تھے موزوں ترین کتبہ ہوسکتے ہیں اور وہ یہ ہیں ”سفرِ آخرت اختیار کرنے والوں میں سے بہت سے رخصت ہوچکے ہیں اور بہت سے جانے کے منتظر ہیں لیکن ایک نے بھی معینہ راستے سے قدم نہیں ہٹائے“۔

حسینی سپاہ کے مجاہدِ اول جناب عبداللہ بن عمیر کلبی ہیں۔ آغازِ جنگ کے بعد سب سے پہلے میدانِ کارزار میں اس بہادر نے قدم جمائے، حالانکہ آپ کے حالات بہت ہی شرح و بسط سے تاریخوں میں نہیں ملتے ہیں لیکن جو کچھ واقعات اور بہادری کے بے مثال مظاہرے میدانِ کربلا میں وقوع پذیر ہوئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسین علیہ السلام نے اپنی مختصر سپاہ میں کیسے کیسے یگانۂ روزگار کو منتخب کرلیا تھا۔

اس سے قبل کہ آپ کے حالات کچھ پیش کئے جائیں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ

کربلا میں جنگ کی صورت کیا تھی، وہاں تشدد کا مقابلہ نرمی سے ''ظلم کا مقابلہ مظلومیت سے اور طاقت کا مقابلہ کردار سے ہو رہا تھا۔ حسین علیہ السلام نے ہر فرد کے ذہن نشین کرا دیا تھا کہ میرے ساتھ کربلا کی اس ہولناک جنگ میں سب ہی شہید کر دیئے جائیں گے اس لیے زندگی کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا، لہٰذا ہر فرد کے لیے آسان تھا کہ جس قدر جلد وہ موت کی آغوش سے ہمکنار ہو جائے اُسے وقتی تکلیف سے چھٹی مل جائے کیونکہ کربلا میں تو جتنا وقت گزرتا تھا امتحان سخت ہوتا جاتا تھا بقول علامہ مدظلہٗ کے'' تین دن کی بھوک اور پیاس اور یہ ظاہر ہے کہ دن چڑھنے کے ساتھ تمازتِ آفتاب میں ترقی ہوتی جاتی ہے، میدانِ جنگ میں عرب کے ریگستان اور کھلے ہوئے صحرا کی سخت دھوپ میں پیاس کا طوفان ایک ایک دم ترقی کرتا جاتا ہے پھر اس حالت میں دشمنوں کے بار بار حملے، ساتھیوں کی جدائی اور ان کے دم توڑنے کے ہولناک مناظر ان کے سہنے کے لیے بڑے دل وجگر کی ضرورت ہے ایسی حالت میں جتنا کسی شہید کے جہاد کا موقع دیر میں آئے اُس کے امتحان کی شدت میں اتنا ہی اضافہ ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے ترتیب اسی لحاظ سے قائم کی تھی کہ جو اس منزلِ صبر وتحمل میں ابتدائی درجہ رکھتے ہیں ان کے لیے یہ مرحلہ جلد آسان ہو جائے اور جن کی قوتِ برداشت زیادہ سخت امتحان کی متقاضی ہے وہ آخر کے لیے رکھے جائیں اور اس لحاظ سے بنی ہاشم کے ایک ایک بچے کو جو سخت اور دشوار گزار منزل طے کرنا پڑی وہ اصحاب میں کسی بڑے سے بڑے مجاہد کو بھی طے کرنے کا موقع نہیں ملا اور امام کی منزلِ امتحان سب سے زیادہ سخت تھی''۔

اس ترتیب کو ذہن میں رکھ کر اس مجاہدِ اول عبداللہ بن عمیر کلبی کی بہادری کا

اندازہ لگایئے اور ان کے حالات اور پھر ان کی گراں مایہ قربانی کے بعد دیگر اصحاب وانصار اس کے بعد ہاشمی نوجوان اور سب سے آخر میں عونؑ ومحمدؑ، قاسمؑ و اکبرؑ اور عباسؑ، حسین علیہ السلام کی شجاعت کو تصور میں لایئے تب سمجھ میں آئے گا کہ ان مٹھی بھر افراد نے کیونکر دائمی فتح لاکھوں کے مقابل میں حاصل کر لی۔

عبداللہ بن عمیر کلبی کوفے کے باشندے تھے اور قبیلۂ ہمدان کے ''برجعد'' نام کنویں کے پاس اپنے ذاتی مکان میں رہتے تھے۔ اس کا جائے وقوع ذرا شہر سے باہر اُن باغاتِ خرمہ کے قریب تھا جو ''نخیلہ'' کے حدود میں تھے، یہیں ابنِ زیاد اپنی فوج کے ساتھ مقیم ہو کر فوجوں کی کمک پر کمک قتلِ حسینؑ کے لیے بھیجتا تھا۔ عبداللہ کی رفیقۂ حیات قبیلۂ نمر بن قاسط سے تھیں اور اُمِ وہب بنت عبد کے نام سے یاد کی جاتی تھیں، بہادر دل اور اطاعت شعار بیوی تھیں۔ جس وقت عبداللہ کو صورتِ حال معلوم ہوئی کہ یہ تمام فراہمی لشکر فرزند رسولؐ کی مخالفت میں کربلا کی طرف ہے، انھوں نے اپنی مونس وغمگسار بیوی سے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ اپنے آقا و مولاؑ کی نصرت میں ان مشرکین سے جنگ کروں۔ اُس بہادر عورت نے جواب دیا کہ کیا میں اس سعادت میں تم سے پیچھے رہ جاؤں گی، مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلو چنانچہ یہ دونوں کربلا میں آکر حسین علیہ السلام سے ملحق ہو گئے۔

جنابِ عبداللہ کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ کا رنگ گندمی تھا، قد لانبا، مضبوط کلائیاں اور بازو، چوڑے پشت اور سینے کے ساتھ بہادر دل بھی رکھتے تھے۔ کربلا میں دشمنوں نے جب آغازِ جنگ کر دیا اور زیاد وابن زیاد کے غلام یسار اور سالم مبارز طلبی کر رہے تھے اُس وقت بہادر عبداللہ کے جوشِ شجاعت پر اور تازیانہ لگا۔ انھوں نے آقائے

نامدار سے اجازت مانگ کر جوابی حملہ کیا۔ پہلے ہی وار میں یسار کا کام تمام کر دیا لیکن اُنگلیاں آپ کی تلوار کی ردو بدل میں کٹ چکی تھیں اور سالم سر پر تلوار مار چکا تھا مگر جس وقت عبداللہ پلٹے تو اس کا بھی کام تمام ایک ہی ضرب میں کر چکے تھے۔

بہادر شیر کی انگلیاں الگ قطع ہو چکی تھیں اور سر پر تلوار کے چھ پھلے وار نے زخم خوردہ کر دیا تھا۔ دشمن باوجود شکست اور کم ہمتی کے آوازے کس رہے تھے کہ کسی بہادر کو ہمارے سامنے جنگ کے لیے بھیجو، عبداللہ گرج گرج کر اُن کے جواب میں رجز خواں تھے۔

''اگر مجھے نہ پہچانتے ہو تو پہچان لو کہ میں قبیلہ کلب کا سپوت ہوں، میرے حسب ونسب کے لیے اتنا کافی ہے کہ خاندانِ علیم میں میرا گھرانا ہے، میں ایک سخت مزاج، درشت خو انسان ہوں اور مصیبت کے وقت پست ہمت نہیں ہوتا''۔ اس کے بعد عبداللہ نے اپنی زوجہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے ام وہب میں تجھ سے پوری ذمے داری سے کہتا ہوں کہ میں ان دشمنوں کے اوپر بڑھ بڑھ کر نیزے لگاؤں گا اور تلواریں ماروں گا۔ ایسی لاجواب شمشیر زنی کروں گا جو خدا پر ایمان رکھنے والے جواں ہمت انسان کے شایانِ شان ہو''۔

بہادر عبداللہ کا یہ تخاطبِ شیرانہ دل رکھنے والی باہمت خاتون ام وہب کے گوش زدہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا کہ اس میں ایک بجلی سی دوڑ گئی اور ایک نئی روح، ایک نیا ولولہ، جوشِ شجاعت میں موجزن ہو گیا۔

کربلا کا یہ مجاہدِ اول اسی حملے میں اپنی سرفروشیاں لکھا کر جامِ شہادت نوش کر چکا ہوتا لیکن دورانِ رجز میں اُس نے اپنی باہمت رفیقۂ حیات کو جو تخاطب کیا تھا اس نے نوعیت کسی حد تک بدل دی اور بہادر ام وہب ایک گُرز ہاتھ میں لے کر بیتابانہ

میدان جنگ میں کود پڑی اور پکار کر اپنے شوہرِ نامدار کو مخاطب کیا کہ "میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار، اولادِ رسولؐ کی نصرت میں کوتاہی نہ ہونے پائے"۔

دلیر وغیور اور معرفتِ امام میں ڈوبے ہوئے باہمت عبداللہ کے لیے یہ منظر انتہائی صبر شکن تھا اور انھوں نے چاہا کہ میرے جیتے جی تو میری زوجہ کے قدم خیمے میں واپس چلے جائیں لیکن پُرجوش خاتون نے اپنا دامن عبداللہ کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور کہنے لگی کہ اُس وقت تک میں تمھیں نہ چھوڑوں گی جب تک تمھارے ساتھ میں بھی شہید نہ کر ڈالی جاؤں۔

چونکہ شریعتِ اسلامی کے حدود کے آگے زوجہ کے قدم خواہ غیر اختیاری طور سے سہی جا چکے تھے اس لیے امام حسین علیہ السلام نے آواز دی کہ "خدا تم دونوں کو جزائے خیر دے اے مومنہ عورتوں کے پاس واپس جا اور ان کے ساتھ بیٹھی رہ کیونکہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے"۔ ایمان اور اطاعتِ امام کا احساس تھا جو بے پناہ جذبۂ الفت اور جوشِ قربانی پر غالب آیا اور عورت خواتین کے پاس خیمہ میں واپس چلی گئی اور اس کے بعد عبداللہ بن عمیر بھی صفِ مجاہدین میں واپس آ گئے۔

طبری ج ۶ صفحہ ۲۴۹ کے حوالے سے تحریر ہے کہ "عبداللہ بن عمر کی شہادت مسلم بن عوسجہ کے بعد ہوئی ہے جب فوجِ مخالف کے میسرہ نے شمر بن ذی الجوشن کی قیادت میں حملہ کیا ہے اور اصحابِ امام حسینؑ نے اس کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اس موقعے پر عبداللہ بن عمیرؒ نے کافی جانفشانی کی اور دو سپاہی دشمن کے پھر قتل کیے مگر اس کے بعد وہ ہانی بن شبیت حضرمی اور بکیر بن حی تیمی کے ہاتھ سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہ اصحابِ حسینؑ میں دوسرے مقتول تھے"۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں شیدائے شوہر خاتون اُمِ وہب کے دلیرانہ اقدام پر تبصرہ پیش کروں تاکہ بہادر عبداللہ کے جذبۂ قربانی کے ساتھ ساتھ اس بہادر عورت کے عزم وولولے، ہمت وشجاعت پر ایک طرف روشنی پڑ جائے دوسری طرف اُس کے قدم شرعؑ سے آگے نکل جانے کی رد ہو سکے اور تیسری طرف یزیدی افواج کے چہرے سے وہ بزدلانہ نقاب بھی ہٹ جائے کہ انھوں نے ایک صنفِ نازک پر بھی ہاتھ اُٹھانے میں پس وپیش نہیں کیا۔

''شیدائے شوہر خاتون جس نے اپنی زندگی کی تمام دنیا اپنے عزیز جذبۂ ایمانی کی خاطر قربان کردی تھی اب یہ معلوم کر کے کہ اس کا شوہر ہمیشہ کے لیے اُسے چھوڑ گیا اور کربلا کی گرم زمین پر اپنے بہتے ہوئے خون کی سُرخ چادر اوڑھے موت کی نیند سو رہا ہے پھر بے چین ہوگئی اور اس ارادے سے نہیں کہ وہ جنگ کرے گی یا اپنے شوہر کے خون کا بدلہ لے گی کیونکہ یہ سب باتیں اُس کے ایمان کے نزدیک امام کی ممانعت کے بعد حکمِ خدا کے خلاف تھیں جس کے لیے وہ کسی طرح تیار نہ تھی لیکن صرف اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کی لاش سے ایک وداعی ملاقات کرے، میدان میں آئی اور شوہر کے سرہانے بیٹھ گئی، اس کے چہرے سے گرد وغبار صاف کرتی جاتی اور کہتی جاتی تھی کہ ''تمھیں جنت مبارک ہو، بہشت کی سیر کرنا مبارک ہو''۔ مگر دشمن کے ظلم وتشدد کی حد تھی کہ شمر نے اپنے غلام کو جس کا نام رستم تھا آواز دی کہ اس کا کام تمام کردے وہ بڑھا اور اُس نے ستم رسیدہ اور دل خستہ خاتون کے سر پر ایک ایسا گُرز مارا کہ وہ اُس جگہ ختم ہوگئی''۔

(طبری ج٦ صفحہ ۲۵۱)

اور اس طرح کربلا کے رنگین مُرقع میں ایک قابلِ احترام خاتون کا مقدس

خون بھی شامل ہو گیا۔

جناب عبداللہ بن عمیر کلبی کے مختصر حالات اور ان کی سرفروشی کی ایسی بے مثال داستان سُن کر اہلِ ایمان کے دِلوں میں امامِ حسینؑ کی محبت بڑھ جاتی ہے اور یہ کہ حسینی قیادت یادگارِ زمانہ رہے گی۔ انھوں نے اپنے مختصر لشکر کی جو ترتیب دی تھی وہ بالکل مختلف تھی۔ جس لشکر کے مجاہدِ اول کا ایسا آغاز ہوا اور اُس کی جانبازی ایسی ہو جس نے دشمنوں سے ان کی بہادری کا کلمہ پڑھوا دیا اس کے بعد آنے والوں کے ایک ایک فرد کے متعلق تاریخوں کے ابواب پلٹیے اُس وقت سمجھ میں آئے گا کہ حسینؑ کی مختصر سپاہ میں کیسے کیسے نبرد آزما، جواں ہمت، دلیر اور بلند حوصلہ افراد اکھٹا تھے بلکہ یہ سب کے سب پیدائشی بہادر تھے، انھوں نے بہادروں کی زندگی گزاری تھی اور بہادری کی موت پر مرنا چاہتے تھے۔ وہ سب کے سب بھوکے، پیاسے متردّد اور متفکر تھے لیکن ہر ایک اپنی جگہ کوہِ ثبات تھا، اُن کے چہروں پر کسی پریشانی کا نشان نہ تھا، لہجوں میں مایوسی نہ تھی اور زبان پر حرفِ شکایت نہ تھا، اُن کے گلے سوکھے مگر ہونٹوں پر تبسم کی لہر دکھائی دیتی، عزم اُن کی پیشانی سے نمایاں تھا اور سچائی اُن کی جبینوں سے عیاں تھی، اُن کی ہمت کہہ رہی تھی کہ دشمن کی فوج کا کیا ذکر اگر ضرورت ہو تو وہ تاریخِ عالم کو درہم وبرہم کر دیں"۔

تاریخِ انسانی جواب دے کہ چشمِ عالم نے اتنے اہم اور نازک موقعے پر ایسے وفاداروں اور بے نفس سپاہیوں کی فوج دیکھی ہے جس کا مجاہدِ اول عبداللہ بن عمیر کلبی تھا"

بوڑھا مجاہد

# حضرت مسلم ابن عوسجہ اسدی

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳) أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (سورۂ الانفال۔ آیت ۱ تا ۴)

ارشادِ قدرت ہے کہ وہی لوگ مومن و کامل الایمان ہیں، اُنھیں کے واسطے ہمارے یہاں درجات بلند ہیں اور انھیں کے لیے مغفرت اور رزقِ کریم یعنی (جنت کی نعمتیں) ہیں جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور ہمارے رزق و روزی کو جو ہم نے عطا کیا ہے سب کچھ ہماری راہ میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس آیت شریفہ کے مصداق تو البتہ وہی بزرگوار ہو سکتے ہیں جنھوں نے محرم ۶۱ ھ میں کربلا کے پُرہول کارزار میں حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ راہِ خدا میں اپنی جانیں نثار کیں۔ کامل الایمان انھیں کو کہنا چاہیئے، دین دار انھیں کو سمجھنا چاہیئے جنھوں نے جنگِ کربلا میں کسی وقت بھی مصیبت اور عالمِ شدت میں اسلام اور محافظِ اسلام اپنے آقا جناب سیدالشہدا کا ساتھ نہ چھوڑا اور ہر حال میں شریک رہے اور جذبۂ وفاداری میں وطن چھوڑا، گھر بار اور اہل و عیال سب کو خیرباد کہا، مسافرت اختیار کی اور بالآخر تلواروں

سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اسلام اور محافظِ اسلام حسینؑ پر نثار ہو گئے اور راہِ خدا میں سب کچھ لٹا بیٹھے۔ کیا کہنا! حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کا۔ اگر صرف جنگِ کربلا میں اولادِ علیؑ اور بنی ہاشمؑ ہی نے اپنے بزرگ خاندان کی ہمراہی میں اسلام پر جانیں دی ہوتیں تو چنداں تعجب کی بات نہ ہوتی کیونکہ دنیا کہہ دیتی کہ وہ تو اپنے جدِّ امجد کے چلائے ہوئے دین پر فدا ہو گئے لیکن حیرت تو ہے اُن اصحابِ وفا پر جنھوں نے حسینؑ کے ساتھ راہِ خدا میں تلواروں پر اپنے گلے رکھ دیے اور غیر معمولی شوق و ذوق کے ساتھ شہادت کا خونیں پیراہن پہن لیا۔

اگر تاریخِ عالم کی ورق گردانی کیجئے تو آپ کو دیگر انبیاء و اوصیا کے بھی اصحاب و انصار ملیں گے اور ان میں سے بھی بیشتر میں آپ کو جان نثاری کا وصف اور جذبۂ ایثار چھلکتا نظر آئے گا لیکن جنگِ کربلا میں جو وصفِ جاں نثاری اور جذبۂ ایثار و فداکاری آپ حسینؑ کے اصحاب و انصار میں پائیں گے وہ بہت کم دوسروں کے اصحاب و انصار میں ملے گا۔ اوّل تو کسی نبیؑ کے اصحاب و انصار کی فداکاری و جاں نثاری اور وفا کی کبھی اتنی سخت آزمائش ہی نہیں ہوئی جتنی کہ میدانِ کربلا میں حسینؑ کے اصحاب اور انصار کی ہوئی۔ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ بعض اولوالعزم انبیا کے حوارئین کی تو ذرا سی آزمائش میں یہ کیفیت ہو جاتی تھی کہ وہ بعض مشکل اوقات اور مصیبت کے لمحوں میں اپنے آقا اور نبیؑ سے بیزاری کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے اور ساتھ چھوڑ کر چلے جایا کرتے تھے۔ بطور مثال جمل، صفین اور نہروان والوں سے معرکہ آرائی میں حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں نے تو ان کی نصرت پر متفق ہو کر اور ان کا ساتھ دیتے ہوئے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی جب ہی تو حسینؑ ابنِ علیؑ نے جو کہ ان سب باتوں

کا علم رکھتے تھے اپنے اصحاب باوفا کے اس غیر معمولی جذبۂ فداکاری کی خصوصیت کو شبِ عاشورہ کے معرکہ آرا خطبے میں یہ خراج ادا فرمایا۔ ''میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور نیک اصحاب نہیں دیکھے''۔

اصحابِ حسینؑ میں تو متعدد بزرگوار سامنے آتے ہیں اور ہر بزرگ اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی مجاہدانہ خدمات وعلمی خصوصیات کی بنا پر ایک مثالی نمونہ نظر آتا ہے اور اپنی منزلت و رتبے کے اعتبار سے ایک دوسرے پر سبقت رکھتا ہے لیکن انصار واصحابِ حسینؑ میں سے ایک سن رسیدہ، ضعیف العمر بزرگ مسلم بن عوسجہؒ اسدی کو خصوصیت حاصل ہے جن کی عمر شریف جنگِ کربلا میں قریب قریب نوّے برس کی تھی۔ انوار الشہادۃ اور دیگر کتبِ تاریخ ومقاتل سے پتہ چلتا ہے کہ آپ علماءِ اہلِ اسلام میں سے تھے اور عرب میں بہت ہی ممتاز ومعزز پائے کے مالک تھے اور اپنے عہد میں بڑے عابد وتہجد گزار مانے جاتے تھے۔ جنگِ کربلا سے قبل آپ پیغمبرِ اسلام کی ہمراہی میں بھی متعدد معرکہ آرائیوں میں شامل رہے تھے۔ بعد حضرت رسالت مآب آپ حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب کی خدمتِ باسعادت سے بھی برابر مستفیض ہوا کیے اور اصحاب امیر المومنین میں تو آپ کا اعزاز ووقار یہ تھا کہ حضرت آپ کو بھائیوں کی طرح بہ لفظِ ''اخی'' خطاب کیا کرتے تھے اور پھر بعدِ رسولِ اسلام وعلی مرتضیٰ کے آپ کی عقیدت ومحبت کا مرکز حضرتِ امام حسنؑ اور ان کے بعد حضرت حسینؑ ابن علیؑ بنے رہے یہاں تک کہ بالآخر اپنی اسی عقیدت ومحبت کے تحت جنگِ کربلا میں حسینؑ کے قدموں پر اس ضعیف العمری میں نثار ہوئے اور اپنے جسمِ مبارک کو تلواروں اور نیزوں کے سامنے تارتار ہونے کے لیے پیش کردیا۔

## مسلم ابنِ عوسجہؓ کا نام ونسب:

جناب مسلمِ ابن عوسجہ بن سعد بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی سعدی ان کی کنیت ابوحجل تھی اشراف عرب میں امتیازی درجہ رکھتے تھے، اپنی قوم میں سرداری کے مرتبہ پر فائز تھے۔ عملی بلندیوں کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو بڑے عابد وزاہد، راتوں کا سناٹا جن کی عبادت کا گواہ۔

## مسلم ابنِ عوسجہؓ کا شمار اصحابِ رسولؐ میں ہوتا ہے:

علامہ ابنِ سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ صحابی تھے جیسا کہ علامہ شیخ محمد سماوی نے ابصار العین میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حضوری سے مشرف ہوئے تھے

## مسلم ابنِ عوسجہؓ کی شجاعت:

اکثر اسلامی فتوحات اور جنگوں میں ان کا ذکر موجود ہے چنانچہ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ ۲۰ھ میں اسلامی فوج نے جب ایران کے ترکستانی علاقے آذربائیجان کی طرف رخ کیا تو اس وقت مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں شریک تھے اور شرکت بھی ایسی کہ ابھی مسلمانوں کی فوج پورے طور سے منظم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انھوں نے میدانِ جنگ میں چھ مشرکین کو تہِ تیغ کر دیا۔ آذربائیجان فتح ہوا اور یہ کامرانی حذیفہ بن الیمان کی قیادت میں حاصل ہوئی۔

یہ واقعہ نبرد آزما آپ کے بہادر ہونے کا ثبوت ہے۔ علامہ مامقانی تحریر فرماتے ہیں کہ بہادر انسان تھے، غزوات اور فتوحات کے موقعوں پر آپ کا ذکر اکثر موجود ہے، ابنِ سعد نے طبقات میں اس کی صراحت کی ہے۔

## مسلم ابنِ عوسجہؑ حافظِ قرآن تھے:

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بیان کیا ہے کہ وہ صاحبِ شرف بزرگ تھے، بلند ہمت، دریا دل سردار تھے، عبادت گزار، قاریِ قرآن، حافظِ قرآن، عابدِ شب زندہ دار تھے، حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

## مسلم ابنِ عوسجہؑ صاحبِ کردار، وفادار تھے:

علامہ مامقانی تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی جلالتِ قدر اور ملکہ عدالت، ایمانی قوت، پرہیزگاری کے مراتب و درجات نہ کوئی قلم لکھ سکتا نہ کوئی زبان بیان کرسکتی، علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ صرف زیارت نامۂ مقدسہ کے الفاظ ان کی شخصیت کی ترجمانی کے واسطے کافی ہیں۔ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ فرماتے ہیں ''سلام ہو مسلم بن عوسجہ اسدی پر جنھوں نے امام کی خدمت میں اس وقت فرمایا تھا جب امام نے ان کو چھوڑ کر واپس چلے جانے کی اجازت دی تھی کہ یہ صرف میرے طلبگار ہیں تم لوگ شب میں نکل جاؤ اور تمام شب چل کر اپنے اپنے شہروں اور قبیلوں میں داخل ہو جاؤ میں بیعت کی ذمے داری تمہاری گردنوں سے اُٹھائے لیتا ہوں، کہ ہم آپ کو چھوڑ کر جان بچالے جائیں اور پھر آپ کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق جب ہم سے محاسبہ کیا جائے تو کیا جواب دیں اور کیا عذر پیش کریں۔ بخدا یہ کبھی نہ ہوگا جب تک کہ میں اپنا یہ نیزہ ان کے سینوں میں توڑ نہ دوں اور اپنی اس تلوار سے ان کو مارتا نہ رہوں۔ جب تک میرے قابو میں اس کا قبضہ رہے میں آپ کو کبھی چھوڑ کر جا نہیں سکتا ان سے لڑنے کے واسطے اگر میرے ہاتھ میں کوئی اسلحہ نہ رہ جائے گا تو میں ان کو پتھر ماروں گا مگر آپ کی مدد ترک نہ

کروں گا جب تک مر نہ جاؤں۔ مسلم بن عوسجہ تم پہلے وہ شخص ہو جس نے اپنی جان خدا کے ہاتھ فروخت کردی اور پہلے وہ شخص ہو جس نے خدا کی راہ میں جان کی بازی لگا دی اور شہادت کا درجہ حاصل کیا اور اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ کعبے کے پروردگار کی قسم تم کامیاب ہو کے رہے، خدا نے تمھاری پیش قدمیوں کو قبول فرمایا اور تمھارے امام نے اس وقت تمھارے پاس آکر اپنی ہمدردیوں کا اظہار فرمایا جبکہ تم زمین پر آچکے تھے اور سرہانے آکر فرمایا کہ مسلم خدا کی رحمت ہو تم پر اور اس کے بعد ارشادِ خداوندی کی تلاوت کی کہ کچھ تو اپنا وعدہ پورا کر گئے اور کچھ وقت کے منتظر ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات نہیں بدلی، خدا کی لعنت ہو تمھارے قتل میں شرکت کرنے والے عبداللہ ضبابی، عبدالرحمان بن خشکارہ، یحیٰی اور مسلم بن عبداللہ ضبابی پر۔

## مسلم ابنِ عوسجہؑ اور حضرت مسلمؑ ابنِ عقیل:

واقعۂ کربلا کے موقعے پر اگرچہ ضعیف العمر اور سن رسیدہ ہو چکے تھے لیکن معاویہ کے مرنے کے بعد ہی سے ان کی دینی خدمات سامنے آنے لگیں۔ انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو کوفے آنے کی دعوت دی اور جب جنابِ مسلم بن عقیل کوفے تشریف لائے اور انھوں نے امام حسینؑ کی بیعت کوفہ والوں سے لینا شروع کی تو انھوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے پوری مدد کی اور نہایت جانبازانہ اقدامات کیے۔ انھوں نے جنابِ مسلم کی نمائندگی پورے طور پر کی اور امام کی بیعت لینے کے لیے نہایت تندہی سے کام کیا جس کا ثبوت معقل ابنِ زیاد کے غلام کا واقعہ ہے جس کو ابنِ زیاد نے تین ہزار درہم دے کر جنابِ مسلم بن عقیل اور ان کے رفقاءِ کار کا پتہ لگانے کے لیے مقرر کیا تھا۔

یہ غلام کوفے کی جامع مسجد میں آیا تو اس کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عوسجہ اسدی جنابِ مسلم کے خاص نمائندہ ہیں اور وہ وہی ہیں جو اُدھر گوشے میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جنابِ مسلم کی نیابت میں حسین بن علی کی بیعت لیتے ہیں یہ سب معلوم کر کے وہ آیا اور بیٹھ گیا، جب وہ نماز سے فراغت پا چکے تو ان کے پاس گیا، سلام کیا اور کہا میں ایک شام کا باشندہ ہوں اور ذوالکلاع کا غلام ہوں، مجھ پر خدا کا یہ فضل و کرم ہے کہ خاندانِ رسالت کا دوست اور ان کے ہوا خواہوں کا ہوا خواہ ہوں، میں نے سنا ہے کہ آج کل کوئی بزرگ اس خاندان کے یہاں تشریف لائے ہیں جو امام حسینؑ کے نائبِ خاص ہیں اور ان کی طرف سے بیعت لیتے ہیں۔ حضرت میں ان سے ملنے کا بے حد مشتاق ہوں اور یہ تین ہزار درہم ان کی خدمت میں نذر کرنا چاہتا ہوں مگر اب تک مجھ کو کوئی ایسا نہ ملا جو میری دستگیری کرتا اور ان کی خدمت میں پہنچاتا یا کم از کم ان کا پتہ ہی بتاتا، ابھی ابھی میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے کچھ لوگوں کو کہتے سنا آپ کے متعلق کہ انھیں اس خاندان کے لوگوں کے بارے میں کافی واقفیت حاصل ہے لہٰذا میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ یہ روپیہ مجھ سے لے لیجئے اور مجھے ان بزرگ کی خدمت میں لے چلئے تاکہ میں ان کے ہاتھوں پر امام کی بیعت کروں اور اگر آپ چاہیں تو وہاں لے چلنے سے پہلے یہیں پر مجھ سے بیعت لے لیجئے"۔

صاف دل اور نیک نیت انسان ہر ایک کو پاک و صاف سمجھتا ہے، وہ لفظوں کو حقیقت کا ترجمان سمجھتا ہے چنانچہ جنابِ مسلم بن عوسجہ نے فرمایا مجھ کو تمھاری ملاقات سے بے حد مسرت ہوئی تمھاری آرزو پوری ہوگی اور تمھارے ذریعے سے اہلِ بیتِؑ رسالت کو قوت ملے گی۔

لیکن روشن ضمیر انسان کی نگاہ ہونے والے واقعات تک بصورتِ حتم و جزم نہ سہی بصورتِ شک ہی سہی پہنچ جایا کرتی ہے صاف تصویر نہ سہی دھندلی تصویر مستقبل کی وہ دیکھتا ہے، چنانچہ اس کے بعد کے الفاظ آپ کے یہ بھی ہیں۔

''بیشک مجھ کو اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں اس کی اطلاع تمہاری طرح فریقِ مخالف کو بھی ہو جائے لہٰذا مجھ کو افسوس ہے کہ قبل از وقت اس کی شہرت حصولِ مقصد کے لیے سدِّ راہ نہ بن جائے''۔

اس کے بعد اسی وقت مسلم بن عوسجہ اسدی نے اس سے بیعت کی اور کافی اطمینان، عہد و پیمان، راز داری کے وعدوں کے ساتھ اس سے اقرار کیا کہ میں چند روز میں تمھارے لیے حضرت مسلمؑ سے اجازت حاصل کرلوں گا جس کے جواب میں اس نے بھی تمام وعدے اور قسمیں بلا کسی تردّد و تامّل کے ان کے منشا کے مطابق کھائیں جس کے بعد مسلمؒ بن عوسجہ نے فرمایا کہ تم میرے پاس آیا جایا کرو تا کہ جب موقع ہو تو میں تم کو تمہارے مقصد میں کامیاب بناؤں۔ بہرحال وہ اسی طرح اپنے طور طریق سے جنابِ مسلمؒ بن عوسجہ کو غلط فہمی کا شکار بنائے رہا اور اکثر و بیشتر آتا جاتا رہا یہاں تک کہ ان کی معیّت میں وہ حضرت مسلمؑ کے یہاں پہنچ گیا اور اس کے بعد ہی اسی کے ذریعے سے ان کی قیام گاہ کا پتہ ابنِ زیاد کو چل گیا۔

اس کے بعد خدمت کا موقع اس وقت ملا جب ابنِ زیاد نے ہانی بن عروہ کو طلب کیا اور پھر ان کو شدید زدوکوب کر کے قید کر دیا تو جناب مسلمؑ نے اپنے اعوان و انصار کو جمع کیا اور جنگ کی تیاری کی تو اس وقت مسلمؒ بن عوسجہ حضرت مسلمؑ کے ساتھ تھے اور جب فوج کو ترتیب دینے کا وقت آیا تو قبیلہ مذحج جو جناب ہانی

کا خاص ہمدرد سمجھا گیا تھا اور قبیلۂ بنی اسد کی سپہ سالاری مسلمؓ بن عوسجہ ہی کے متعلق ہوئی اور انھیں کو پیادوں کی قیادت کا منصب عطا ہوا۔

## مسلم ابنِ عوسجہؓ اور شبِ عاشور:

اس کے بعد پھر جنابِ مسلمؓ بن عوسجہ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا یہاں تک کہ کربلا کی شبِ عاشور آجاتی ہے اور امام خطبہ فرماتے ہیں جس میں اپنے ساتھیوں کو بیعت کی ذمے داریوں سے سبکدوش کررہے ہیں اور اکیلا چھوڑ کر چلے جانے کو کہتے ہیں ان تمام باتوں کے جواب میں اقارب میں عباسؑ اور دوستوں میں سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ ہی نے کھڑے ہوکر انصار کے مجمعے سے فرمایا تھا اور تمام انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے وہ فقرات کہے تھے جس کا تذکرہ زیارتِ ناحیہ میں آچکا ہے۔

تاریخِ کامل میں ہے کہ بنی عقیل کے جواب کے بعد مسلمؓ ابنِ عوسجہ نے اُٹھ کر جواب دیا تھا۔

اس کے بعد صبحِ عاشور شمر کی گستاخی پر آپ مشتعل ہوئے ہیں جب جنابِ سیّدالشہدا نے خندق میں آگ روشن کرائی ہے اور اُدھر سے شمر کا گزر ہوا اور آگ مشتعل دیکھ کر اس نے بدتمیزی کی ہے کہ اے حسینؑ تم نے قیامت سے قبل دنیا ہی میں آگ اپنے لیے فراہم کرلی تو جناب مسلم ابنِ عوسجہؓ کو جوش آگیا اور امام سے اجازت چاہی کہ اس کو اِسی وقت تیر کا نشانہ بنادوں یہ موقع پر ہے مگر امام نے اجازت نہیں دی اور اپنے بے مثال کارنامے کے لیے اس کو داغ سمجھا کہ جنگ کی ابتدا اِدھر سے ہو۔

شبِ عاشور جب امام حسینؑ نے یہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا'' کہ تم سب مجھے چھوڑ

کر علیحدہ ہو جاؤ اور مجھ کو تنہا ان سے مقابلہ کرنے دو"۔ تو اس کے جواب میں بعد اعزّا اصحاب میں سے سب سے پہلے یہی بزرگ مسلم بن عوسجہ اسدی کھڑے ہوئے تھے اور جوش و خلوص سے بھرے الفاظ میں کہا تھا "مولا! یہ کیسے ممکن ہے اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو خدا اور پیغمبرِ اسلام کو کیا جواب دیں گے ہرگز یہ نہیں ہو سکتا۔ بخدا میں اتنا لڑوں گا کہ ان کے سینوں میں اپنے نیزے توڑ دوں گا اور اس وقت تک تلواریں لگاؤں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں سنبھل سکے۔ مگر ہم آپ سے کبھی جدا نہ ہوں گے اور آپ کی نصرت سے منہ نہ موڑیں گے"۔

## مسلم ابنِ عوسجہؑ کی شہادت:

آخری خدمت کا موقع جیسا کہ ابوالحسن علی بن محمد بن اثیر جزری نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ پھر عمر حجاج نے فرات کی طرف سے امام پر حملہ کیا اور ایک ساعت تک برابر تلوار چلتی رہی اسی جنگ میں جنابِ مسلم بن عوسجہؓ گر گئے اور عمر بن حجاج واپس گیا۔ جناب مسلمؓ ابنِ عوسجہ خاک و خون میں غلطاں پڑے تھے کہ امام تشریف لے آئے ان میں ایک رمقِ حیات باقی تھی حضرت نے فرمایا تم پر اے مسلم خدا کی رحمت ہو اور اس کے بعد یہ آیۂ مبارکہ تلاوت کی جس کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ تو درجۂ شہادت حاصل کر چکے اور کچھ ہنوز منتظر ہیں پھر جنابِ حبیب بن مظاہر اسدی قریب تشریف لائے اور جنت کی بشارت دی۔ جنابِ مسلم نے اُس عالم میں اس بشارت کو قبول فرمایا۔ حبیب نے عرض کی کہ اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ تمھارے بعد ہی مجھ کو بھی تم سے آ کر ملنا ہے تو کہتا کہ کچھ وصیت کرو، مسلم نے فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہو یہ کہہ کر اپنے دستِ مبارک سے امام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں تم کو اُن کی وصیت کرتا ہوں ان کے واسطے جان دے

دینا حبیب نے فرمایا یقین جانو ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد روح پرواز کرگئی۔ یہ تھے وفا و محبت، عزم و استقلال، سکون و اطمینان کے مثالی کارنامے جنھوں نے کربلا کے کارنامہ کو لازوال زندگی بخشی۔

طبری نے تصریح کی ہے کہ یہ سب سے پہلے شہید ہیں اور زیارتِ ناحیہٗ مقدسہ امامِ عصر کے الفاظ اس کے مصدّق ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ مسلم بن عوسجہ نے چھپّن آدمی لشکرِ مخالف کے فی النار کیے۔

قاتلوں کے نام زیارتِ ناحیہ میں موجود ہیں۔ طبری کی روایت میں عبداللہ ضبابی کا ذکر نہیں ہے اور زیارتِ ناحیہ میں عبداللہ ضبابی اور مسلم بن عبداللہ صبابی دونوں کا نام لیا گیا ہے۔ عبدالرحمان بن ابی خشکارہ کا نام بھی دونوں جگہ ہے ہاں زیارت میں عبدالرحمان بن خشکارہ بجلی ہے اور طبری میں عبدالرحمان بن ابی خشکارہ بجلی ہے۔

آپ ان جاں نثاروں میں ہیں جو مع اہل و عیال کے کربلا تشریف لائے ہیں۔ یہ رفاقت زیادہ قابلِ قدر ہے بہ نسبت انفرادی نصرت کے کیونکہ اس کے مطلب یہ ہوئے کہ پورا گھر نصرت و رفاقت میں شریک ہے اور جو کچھ بھی گزر جائے اس کے مقابلے کو سب تیار ہیں۔

شہادت کے بعد آپ کی کنیز کا نالہ اس کا ثبوت ہے کیونکہ جب شہادت کی خبر خیمے میں پہنچی تو ایک کنیز نے چیخ مار کر کہا "ہائے مسلمؓ ہائے میرے مالک۔"

یہ صرف آج کل کی مادّی دنیا کے ساتھیوں کی طرح کا زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ مسلم بن عوسجہ اسدی نے اپنے اس دعوے کو عملی جامہ بھی پہنا کر اہلِ عالم کو یہ بتا دیا کہ۔ "دیکھو ساتھ یوں دیا جاتا ہے"۔ جب روزِ عاشورہ معرکہ کارزار گرم ہوا تو

یہ بزرگ سب سے پہلے اصحاب حسینؑ میں سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب عمرو بن الحجاج نے پوری یورش کے ساتھ اپنی میمنہ فوج کو لے کر فرات کی طرف سے جماعتِ حسینی پر حملہ کیا تو حسینی میسرہ نے ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ افواجِ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور پیچھے ہٹ کر مقابلے سے بھاگنا پڑا۔ مگر آہ جب غبارِ جنگ کا دامن چاک ہوا اور انصارِ حسینی نے افواجِ دشمن کو کافی پیچھے ہٹا کر اطمینان کر لیا تو ان کو مسلم بن عوسجہ اسدی کی آوازِ سلام سنائی دی جو وہ اپنے وقتِ آخر میں اپنے آقا و مولا کی خدمت میں پیش کر رہے تھے اور پھر ان کو خاک و خون میں بھی غلطاں پایا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل ہی لوگ ان کو دیکھ چکے تھے کہ انھوں نے ایک تھوڑے سے وقفے ہی میں اعدا کی ایک بڑی تعداد کو زیرِ تیغ کر لیا تھا لیکن افسوس! فاقہ کشی اور ضعیف العمری کی وجہ سے دشمن کی کثیر فوج سے زیادہ دیر نہ لڑ سکے اور بالآخر زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے زمین پر گر گئے۔ وہ اپنی زندگی کی ان آخری گھڑیوں میں اپنے آقا حسین ابنِ علیؑ کی خدمت میں اپنا آخری سلام پیش کر رہے تھے کہ السّلام علیك یا ابا عبدالله ادر کنی۔ اِدھر امامؑ بھی اپنے بوڑھے مجاہد، ضعیف العمر دوست اور وفادار ناصر کی یہ آوازِ سلام کان میں پڑتے ہی بیتابانہ فوراً حبیب ابنِ مظاہر کو ساتھ لئے بالینِ سر پہنچ گئے اور دعائے خیر کرتے ہوئے فرمانے لگے "اے مسلم خدا تم پر رحم کرے کہ تم نے اس سن و سال میں ذرّیتِ رسولؐ کی نصرت و مددگاری کی۔ بہشت میں تم آگے چلو ہم سب بھی آگے پیچھے چلے آتے ہیں"۔

اُدھر جب عمرو بن حجاج کے ساتھیوں کو یہ خبر معلوم ہوئی جو کہ مختصر سی جماعت

حسینی کے مقابلے کی تاب نہ لا کر بے تحاشہ سر پر پیر رکھے بری طرح بھاگ رہے تھے تو ذرا ٹھہر گئے اور اچھی طرح یہ معلوم کر کے کہ ہم نے مسلم بن عوسجہ کو قتل کیا ہے آپس میں خوشیاں منانے لگے۔ تاریخِ طبری کی جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۲۴۹ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ جب لشکرِ یزید مسلم ابنِ عوسجہ کے قتل کی آپس میں خوشیاں منا رہے تھے تو شیث بن ربعی کو غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا کہ "وائے ہو تم لوگوں پر کہ مسلم بن عوسجہ کا سا شخص قتل ہو جائے اور تم لوگ خوشیاں مناؤ۔ بخدا! میں نے خدمتِ اسلام میں آج تک برابران بزرگ کے کارنامے دیکھے ہیں"۔

یہ تھے وہ اصحابِ حسینؑ جن کی عقیدت و محبت اسلام کا زبانِ دشمن بھی اعتراف کر رہی تھی۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج دنیا میں گو کہ یہ ہستیاں جسمانی و مادّی حیثیت سے موجود نہیں ہیں لیکن عظمت و حقانیت اور درسِ اخلاق کے اُبھرے ہوئے نقوش صفحۂ عالم پر ان کی یادگار ہیں۔

یہ مسلم ابنِ عوسجہؓ ایسے تھے با وقار
علم و عمل پہ شرعِ نبیؐ کو تھا افتخار
تھا عالمانِ مذہبِ اسلام میں شمار
تعلیم سے علیؑ کی بڑھا تھا یہ اقتدار
بھائی جنابِ شیرؑ خدا اِن کو کہتے تھے
اِس رشتے سے حسینؑ چچا ان کو کہتے تھے

(فراستؔ زید پوری)

# حضرت منجح بن سہم

کربلا کا وہ یادگار دن جس نے کائناتِ عالم میں انقلاب پیدا کر دیا افق پر نمودار ہو چکا ہے۔ آفتاب کی وہ شعاعیں جو عموماً صبح کے وقت نرم و ہلکی رہا کرتی ہیں معمول کے خلاف اپنے زرّیں دامنوں میں غیر معمولی حرارت کا ذخیرہ لیے دشتِ نینوا کے ذرّوں پر بکھر رہی ہیں۔ نسیم صبح چاہے ہمیشہ قلوب کے لیے فرحت کا سامان مہیا کرتی ہو لیکن آج سبطِ رسولؐ اللہ کے ضبط و تحمل کی نمائش کے لیے شعلہ بار ہو گئی ہے اِدھر زمین اپنے سینے کی چنگاریاں اُگلنے میں مشغول ہے اُدھر آسمان سے آگ برسنا شروع ہو گئی ہے عالم یہ ہے کہ زمین پر کوئی دانہ بھی گرتا ہے تو جل بھُن کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ فضا میں پرواز کرنے والے طیوریوں تو تمام دن منڈلاتے رہنے کے خوگر ہیں ان کے نازک پر و باز و موسمی تغیرات سے شاذ شاذ ہی متاثر ہو جاتے ہیں مگر آج ہلاکت آفریں گرمی نے انھیں بھی اثر پذیر بنا کر پُرامن گھونسلوں میں آسودہ ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ فرات کی مچھلیاں بھی پانی کی سطح پر ابھرنے کی جسارت نہیں کر سکتیں بلکہ سلطانِ قادر کی آتش بارنگاہوں سے پناہ حاصل کرنے کے واسطے تہ نشین ہو گئی ہیں۔

جبکہ موسمی سختیوں نے انتہائی صورت اختیار کر لی تھی، اخلاق و انسانیت کے بدترین دشمن نبی زادے کے قتل و غارت پر اتفاق کرتے ہوئے اس ہولناک

جنگل میں صف آرا ہو گئے تھے، ان کی کثیر التعداد فوجیں وسیع ریگستان میں دور دور تک پھیلی تھیں۔ بلند نیزوں کی نمائش ظاہر کرتی تھی کہ یہ یزید کا مقصد پورا کرنے کو عراق و شام کے بداندیش قبائل متفق و متحد ہو گئے ہیں۔ کہیں سواروں کے آہن پوش پرے صفیں جمائے تھے، کہیں پیادوں کے دستے قدم گاڑے تھے، نیزہ باز ایک سمت تو کماندار دوسری جانب تھے۔

صرف یہی نہیں کہ جنگجو اعراب عقبیٰ خراب کرنے کی نیت سے آ گئے تھے بلکہ ایک گروہ ایسے بدبختوں کا بھی موجود تھا جو گمراہ امیر کی عارضی خوشنودی حاصل کرنے کو محض اس لیے جمع ہو گیا تھا کہ جب معرکۂ کارزار گرم ہو جائے اور کوئی تشنہ و گرسنہ مجاہد خدا کے پسندیدہ دین کے خاطر جہاد کرنے میدان میں آ نکلے تو اس پر دور سے پتھر برسا کر اپنی جھولیاں خالی کر دے اور غلبہ پانے کے بعد اپنے نبیؐ کا اثاث البیت لوٹ کر خالی کیسے بھر لے!

اس کثرت کے مقابلے میں مظلوم و بیکس امام کی چھوٹی سی فوج تھی جو خدا اور رسولؐ کی رضامندی حاصل کرنے کو لڑنے کے لیے نہیں صرف مرنے کے واسطے تپتی ہوئی زمین پر پرے لگائے تھی، مجاہدوں کی نورانی صورتیں مرجھائے پھولوں کی سی کیفیت نمایاں کر رہی تھیں، خدا کا ذکر کرنے والی زبانیں دہنوں کے اندر سوکھ کر کانٹا بن گئی تھیں، خشک لبوں پر کہیں تری کا نام و نشان نہ تھا۔ متواتر سات وقت کے فاقوں نے پیٹ اور پیٹھ کو ایک کر دیا تھا لیکن پرجگری کا یہ عالم تھا کہ خوف و ہراس پاس نہ پھٹک سکتا تھا۔ ان کا نفس مطمئن اور دل قوی تھا۔ اگرچہ تشنہ لبی اور گرسنگی نے جسمانی طاقت کو سست و کمزور کر دیا تھا مگر روحانی کس بل اور ایمانی قوتیں فزوں سے فزوں تر ہو رہی تھیں، آج وہ جنگ و جدل کے لیے نہیں

صرف اپنے خالق سے جانوں کا سودا کرنے کو میدان میں صف آرا ہوئے تھے۔

وہ فرزندِ رسولؐ کے ساتھ مواسات برتنے کا حلف اٹھا چکے تھے اس لیے تیس ہزار یزیدیوں کی جمعیت ان کی نگاہوں میں مور و ملخ سے زیادہ حیثیت کی مالک نہ تھی۔ وہ صراطِ مستقیم پر رہتے ہوئے تلواروں کی تیز دھاروں پر گزرنے والے دل کے کانوں سے سن رہے تھے کہ ان کا رسولؐ پکار پکار کر ارشاد کر رہا ہے "اے لوگو! میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسری عترت۔ یہ دونوں آپس میں کبھی جدا نہ ہوں گے تا اینکہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں۔ پس جس نے ان کا دامن مضبوط تھام لیا وہ پار ہو گیا اور کبھی گمراہ نہ ہوگا"۔

کیا حسینؑ کے سوا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے جو رسولؐ کی عترت ہونے کا مدعی بن سکے؟ یہ سوال تھا جس کا جواب مجاہدوں کے قلوب نے آج دلیرانہ مظاہرہ کر کے عملی طور پر دے دیا۔ وہ اپنے پاک و پاکیزہ خون کے قطروں سے حق و صداقت کا ثبوت دینے کو تیار تھے۔ ہنوز جنگ کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ سورج اونچا ہو رہا تھا اور موسمی تپش بڑھتی جاتی تھی یکایک بریر بن خضیر ہمدانی امام سے اجازت لیکر صفوفِ دشمن کی طرف پند و نصیحت کی غرض سے روانہ ہو گئے انھوں نے اولاً عمرِ سعد سے کلام کا سلسلہ چھیڑا۔ خدا کے قہر و غضب سے ڈراتے ہوئے فرزندِ رسولؐ کے قتل سے باز رکھنے کی سعی میں لسانی طاقت صرف کی مگر حکومتِ رے کی طمع میں بُری طرح گرفتار ہو جانے والے سردارِ لشکر پر ان کی بہترین نصیحتوں نے مطلق اثر نہ کیا۔ اُس کی دنیوی تمنائیں امام کے قتل پر منحصر تھیں۔ جس خواب کو کوفے سے دیکھتا ہوا کربلا تک پہنچا تھا بظاہر اس کی خاطر خواہ تعبیر حاصل ہونے میں بہت ہی تھوڑا وقفہ رہ گیا تھا۔ اس نے بریر کی تقریر خاموشی کے ساتھ سنی مگر کوئی جواب

نہیں دیا البتہ اس کی فوج کے بعض کمینہ فطرت رکیک الحرکات عسکریوں نے تمسخر کرتے ہوئے غیر مہذب فقرے کسے جو اُن کے باطنی 'خبث وشیطنت پر دلالت کرتے تھے۔

ناچار بریر اپنے مقصد میں ناکام واپس آئے اور خود امام بہ نفسِ نفیس ایک ناقے پر سوار ہو کر دونوں لشکروں کے درمیان بالو کے ٹیلے پر حجت تمام کرنے کو جا کھڑے ہوئے، فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرما کر جادۂ حق وراستی سے بھٹک جانے والوں کو صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی دعوت دی جو پذیرا نہ؟ ہوئی بلکہ عمرِ سعد نے گمراہ کاذبوں کو گواہ کرتے ہوئے رسول زادے کی طرف اپنی کمان سے تیر رہا کرتے ہوئے لڑائی کا اعلان کر دیا۔

---

امام کا قلب فوج میں مراجعت فرمانا تھا کہ بے شمار تیروں کی آمد نے شہادت کے مشتاقوں کو مجاہدہ شروع ہونے کی نوید پہنچائی۔ وہ مکّار لشکریوں کے بزدلانہ حملے سے خائف ہونے والے نہ تھے۔ انھوں نے کشادہ سینے تان کر دشمن کے پھینکے ہوئے زہر آلود تیروں کا استقبال کیا۔ شہادت کے بڑھتے ہوئے اشتیاق نے قلب وجگر پیش کرنے پر آمادہ کر دیا۔ جواں مرد جوہر دار شمشیروں کے قبضہ چوم چوم کر اپنے سے ہزاروں گنی زیادہ اور شکم سیر تعداد سے نبرد آزمائی کو بے چین ہو کر آقائے نامدار کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

تیروں کی بارش پوری طرح تھمنے نہ پائی تھی کہ زیاد اور اس کے بیٹے کے دو غلام بسیار وسائم تلواریں چمکاتے ہوئے نیزے ہلاتے قتل گاہ پہنچ کے مبارز طلب ہوئے۔ خدا کی فوج سے بریر بن خُضیر اور حبیب بن مظاہر نے مقابلے پر نکلنے میں سبقت کرنا چاہی مگر مصلحت شناس آقا نے انھیں روکتے ہوئے عبداللہ بن

عمیر الکلبی کو جہاد کا اذن مرحمت فرمایا۔ وہ گھوڑے چمکا کے گئے۔ پہلے مکالمہ پھر مجادلہ شروع ہوا۔ دشمن کا دُہرا حملہ رد کرتے ہوئے ایک حریف کو شمشیر کی ضرب سے دونیم کر کے گھوڑے سے گرا دیا، ہنوز تلوار اس کے ناپاک جسد سے برآمد بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسرے حریف نے دوبارہ سر پر تیغ کا وار کر دیا جری نے گھبرائے بغیر وار روکنا چاہا جس سے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو کر ریتی پر جا گریں۔ شیر زخمی ہو کے بے پناہ ہو جاتا ہے۔ عبداللہ نے بھی جھنجھلاہٹ میں پھر کر اس شدت سے حملہ کیا کہ وہ بھی کٹ کر زمین پر آ رہا۔ دونوں دشمنوں کے قتل سے فارغ ہو کر دلیر رجز پڑھتا ہوا مخالف صفوں کی طرف بڑھا لیکن اس کی باوفا زوجہ اُمِّ وہب رجز سے متاثر ہو کر خیمے کی چوب ہاتھ میں لیے رزم گاہ میں آ گئی اور غیور شوہر کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

اس کے معاً بعد ہی عمرو بن الحجاج میمنۂ فوج کے ساتھ فرات سے حسینی میسرے کی جانب یلغار کرتا ہوا بڑھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسلحہ کا خوں ریز سمندر اُمڈا چلا آتا ہے۔ زرہ بکتر کی گھٹاؤں میں ہزاروں بجلیاں کوندتی دکھلائی دیتی تھیں۔

اتنا پُر نہیب و زہرہ گداز نظارہ تھا کہ بڑے بڑے شجاعوں کا پِتا پانی کر دیتا ہے لیکن ان پچاس پُر جگر مجاہدوں کو مطلق اضطرار نہ ہوا۔ انھوں نے کمالِ دلیری سے زمین پر گھٹنے ٹیک دیے، نیزے سیدھے کر دیئے اور کچھ ایسی پامردی کا ثبوت دیا کہ عمرو بن الحجاج کو سینکڑوں کُشتے چھوڑ کر ناکام واپس ہونا پڑا۔

جنگ کے آتش ریز شعلے پورے زور و شور کے ساتھ بھڑک رہے تھے، رزم گاہ متضاد کیفیتوں کا آئینہ بن گئی تھی۔ چھوٹی سی جماعت میں وفا محبت، استقلال و پامردی، سکونِ نفس و اطمینانِ قلب نیز حیرت انگیز شجاعت و شہامت کی محیر العقول

مثالوں کی فراوانی تھی۔ اس کے برخلاف لاکھوں کے اژدہام میں اضطرار و ناشکیبائی، جُبن و بے حمیتی، خوفِ جان وطمع زندگی کی بہتات تھی۔ وہ بھیڑ بکریوں کے مانند شیروں کے سامنے سے بھاگتے تھے۔ ایک ایک جواں مرد پر ہزاروں کا نرغہ تھا۔ وہ بھی ناکامیوں سے لبریز، فرار سے آلودہ اور ثباتِ قدم سے بے نیاز!

یہی باعث تھا کہ مخالف سپاہ کے افسران پریشان ہو گئے، ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ مٹھی بھر لوگ جنھیں اپنے زعم کے مطابق دور سے ایک پتھر بھی مارا جاتا تو دب کر ہلاک ہو جاتے اس بے باکی اور بے جگری سے کیونکر مقابلہ کر رہے ہیں، ان کے دماغوں میں کثرت کا غرور پیدا ہو گیا تھا وہ ہمہ تن اس گتھی کے سلجھانے میں مشغول تھے کہ لڑائی کا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جو بھوکے پیاسے مجاہدوں پر غلبہ حاصل ہو۔؟

وہ فتح حاصل کرنے کی فکروں میں غرق تھے اور امام کے پُرحوصلہ انصار صفوں میں گھس گھس کے کُفرکش تیغوں سے منافقوں کو ہلاک کرتے پھرتے تھے۔ ایک ایک بہادر ضیغم کے مانند جدھر جا پڑتا تھا پرے کے پرے صاف کر دیتا تھا۔ نجع بن سہم جو بیمار۔ کربلا کی غلامی اور خانہ داری کے شرف سے بہرہ ور تھے عمرو بن خالد اور ان کے پانچ شیر دل ساتھیوں کے شانہ بہ شانہ مقابلہ کرنے میں مصروف تھے، انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج آلِ رسولؐ کے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں یادگار جدوجہد کریں گے حتیٰ کہ اسی سعی و کوشش کے سلسلے میں شہادت سے مشرف ہو کر رسولؐ اللہ کی خدمت میں پہنچ جائیں۔

کربلا کے ہولناک بیابان میں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی خوں ریزیوں کا سیلاب اُمنڈتا دکھائی دیتا تھا۔ اسلامی بہادر جان ہتھیلی پر رکھ کر روباہ دل شامیوں

کے دل میں ضیغمانہ شکار کھیلتے پھرتے تھے اور دنیوی زندگی پر مر مٹنے والوں کو ان کی بے پناہ تلواروں کی ہلاکت آفریں آنچ سے کسی ایسے کف دشت میدان میں کوئی بھی حسبِ دلخواہ مامن نظر نہ پڑتا تھا۔

یہ حالات تھے جن سے متاثر ہو کر عمرو بن الحجاج نے ان احمقوں کو جو دلاوری کے فریب میں مبتلا ہو کر حسینی سرفروشوں کے منہ چڑھتے اور دل کا حوصلہ نکالنے سے پہلے ہی جہنم کے سب سے بدترین طبقے کی طرف کُوچ کرتے تھے متنبہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اے بے وقوفو! جانتے ہو کس سے نبرد آزمائی کر رہے ہو۔؟ یہ ملک کے مشہور شہسوار لوگ ہیں۔ یہ جانوں پر ٹھانے ہوئے لوگ ہیں، تم میں سے کوئی شخص ان سے انفرادی طور پر جنگ کے لیے نہ نکلے مگر ان کی تعداد کم ہے یہ بہت تھوڑی دیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ اگر تم سب لوگ مل کر ان کے اوپر پتھر ہی برساؤ تو بھی انھیں قتل کر سکتے ہو''۔ عمرِ سعد نے سنا تو اسے لڑائی کا یہ طریقہ بہت پسند آیا فی الفور لشکریوں میں اعلان کر دیا گیا ''اب اِدھر سے کوئی پہلوان مبارز طلبی کو نہ نکلے''۔

اس درمیان میں عمرو بن الحجاج نے منتشر اور بے ترتیب ہو جانے والے سپاہیوں کو حربی تنظیم پر جمع کر کے جنگ پر ابھارنے اور جوش و ولولہ پیدا کرنے کو خطبہ شروع کر دیا۔ ''اے اہلِ کوفہ! اطاعت و فرمانبرداری کے پابند رہو اور اپنی جماعت سے جدا نہ ہو نیز ان لوگوں کے بارے میں ذرا بھی شک و شبہ کو دل میں جگہ نہ دو یہ لوگ دین سے نکل گئے ہیں اور امامِ وقت (یزید) کے مخالف ہیں''۔

قلبِ فوج سے سید الشہداؑ نے بھی یہ پُراز کفر تقریر سنی اور لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لیے بلند آواز سے فرمایا۔ ''اے عمرو بن الحجاج! تو لوگوں کو میرے

خلاف آمادہ کرتا ہے۔ کیا ہم دین سے نکل گئے ہیں اور تو دین پر قائم ہے؟ خدا کی قسم عنقریب معلوم ہوگا، اس وقت جب تمہاری جانیں جسموں سے جدا ہوں گی اور تم اپنے اعمال کے ساتھ دنیا سے جاؤ گے کہ کون دین پر تھا اور کون دین سے پھر گیا تھا اور کون جہنم کی آگ میں جلنے کا مستحق تھا"۔؟

ان تقریروں نے فریقین کو ایک سخت اور فیصلہ کن حملے کے لیے تیار کر دیا۔ یزیدی میمنہ پھر خوں ریز جوش و خروش کے ساتھ عمرو بن الحجاج کی قیادت میں بڑھا۔ سرفروش مجاہدوں نے سابق کی طرح پھر زمین پر گھٹنے ٹیک کر نیزے کر دیئے اگرچہ انھوں نے حریف کو پسپا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی لیکن ایسا بہادر ضائع کر دیا جس کی تلافی دنیا کرنے سے معذور ہے یعنی امام کا عظیم القدر فدائی مسلم بن عوسجہ نے شربتِ شہادت نوش فرما کر آتش ناک ریتی پر دم توڑ دیا۔

حریف کے حواس باختہ سپاہیوں کو مطلق احساس نہ تھا کہ ان کے ریلے نے عراق کے سب سے بڑے بہادر کو پیس ڈالا مگر شیروں کی زد سے باہر آنے کے بعد حواس درست ہوئے تو مسلم کی کنیز کا نوحہ سن کے حوصلہ بڑھ گیا اور سمٹ کر پھر مقابلے کی تیاری کرنے لگے۔ شمر نے بھی میسرہ فوج کو لے کر حسینی میمنے پر دھاوا بول دیا اور ہزاروں سے تیس سواروں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ جنگ گاہ گھوڑوں کے بے تحاشا دوڑنے سے لرزنے لگی۔ ہتھیاروں کی جھنکار اور مجروموں کی چیخ و پکار سے قیامتِ صغریٰ برپا ہو گئی۔ حسینی ضیغم دشمنوں کی فوج میں ڈوب کر حملے کر رہے تھے۔ جس جانب متوجہ ہو جاتے تھے کوفہ و شام کا موّاج سمندر ریوں پیچھے ہٹ جاتا تھا جیسے چڑھی ہوئی آندھی اُتر جاتی ہے۔ منبج بھی چھ بہادروں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے، نجس کشتوں کو روندتے پھاندتے اور تلواروں کی

ضربوں سے حریف کو کاٹتے چھانٹتے آخری صف تک جا پہنچے۔

دست بدست لڑائی نے ان پاک جسموں کو چور چور کردیا تھا۔ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی لپیٹ سے تشنگی بڑھتے بڑھتے اس آخری حد تک پہنچ گئی جہاں بشری برداشت کی حدیں ختم ہوجاتی ہیں تاہم وہ کامل یقین رکھتے تھے کہ عنقریب ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے سیراب ہونے والے ہیں۔ پیاس جس قدر زیادہ ہوگی اتنا ہی کوثر کا پانی لذت آفریں ہوگا۔ دشمنوں کے پرے بدحواسی سے بھاگ رہے تھے، بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ انھوں نے آن کی آن اک نگاہ کی، پھر اپنے لشکر کی طرف واپس ہونا چاہا۔ دفعتاً کئی ہزار کی جمعیت نے بہادروں کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے کر وار شروع کردیئے۔ ہنوز امام کا لشکر تھوڑی دور تھا کہ بھاگتے ہوئے سپاہیوں نے مجتمع ہوکر عقب سے حملہ کردیا۔ زخمی سورماؤں نے بھگوڑوں کو منہ چڑھتے دیکھا تو ان کا جوش وولولہ بے قابو ہوگیا شہادت کے تمنائی ذرا بھی مضطرب نہ ہوئے لیکن عین اس وقت جبکہ شہادت کا چھلکتا ہوا ساغر ان کے سامنے تھا حسینی علم بردار امام کے حکم سے ان کی کمک کو پہنچ گیا۔ علیؑ کی جنگی مہارت اور یداللّٰہی کس بل پر حریفوں کو بکریوں کی طرح سامنے سے مار بھگایا۔ پھر زخم خوردہ دلیروں کو لشکر کی طرف واپسی کا حکم دے کر اپنی حفاظت میں لے چلا۔ وہ خون آلودہ تلواریں سونتے ہوئے پھر اسی بادل میں ڈوب گئے مگر ان کے دست و بازو بے کار ہوچکے تھے اور ہر سو پچاس قدم کے بعد کوئی نہ کوئی سرفروش شہید ہوکے گر جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ سب شہید ہوگئے۔ منجح کو بھی جنت کا اشتیاق بے چین کر رہا تھا انھوں نے داڑھی کو دانتوں میں دبا کر شیرانہ حملہ بول دیا۔ جہاں تک کہ بازوؤں میں طاقت رہی شمشیرزنی کرتے رہے مگر کب تک بالآخر ایک محل ایسا بھی آگیا کہ حسان بن حنظلی کی مومن کش تلوار نے ان کی آرزوئے شہادت پوری کردی۔

---

# حضرت نافع بن ہلال جملؒی

ابنِ اثیر جزری سے اسد الغابہ میں منقول ہے کہ یہ نافع بن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرہ بن مدحج جملی ہیں۔ زیارت ناحیہ ورجبیہ میں ان پر ان الفاظ سے سلام وارد ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی نَافِعِ بْنِ هَلَالِ بِنْ نَافِعِ الْجَمَلِی الْمُرَادِی۔ پس کلماتِ زیارت اور ماہرینِ رجال کی نقول سے اِس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کا نام نافع بن ہلال درست ہے۔ لہٰذا بعض کتب میں ہلال بن نافع کا ہونا تحریف ہے۔ نیز جملی درست ہے۔ اور بعض کتب میں بجلی کا لفظ بھی تصحیف معلوم ہوتا ہے۔

یہ حضرت امیر علیہ السلام کے پروردہ تھے۔ اور جرأت وشجاعت اور فن سپہ گری میں یگانۂ روزگار تھے۔ نیز علمِ حدیث اور فن کتابت میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے۔ ولا اہل بیت اور محب رسالت پیغمبرؐ میں اپنے پورے قبیلہ کے پیش رو تھے۔ جنگ جمل صفین اور نہروان میں حضرت امیر کے ہمرکاب تھے۔ جب لوگوں نے حضرت امیر مسلم سے غداری کی تو یہ چند دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مقام عذیب الہجانات۔ امام حسینؑ کی خدمت میں آپہنچے۔ جب حُر نے پیش بندی کے طور پر راستہ روکا اور امام حسینؑ نے خطبہ دیا تو زہیر بن القین نے کھڑے ہو کر چند کلمات کہے جو ان کے خلوص وجوشِ عقیدت کے آئینہ دار تھے۔ پھر نافع بن ہلال اٹھے اور اُن سے عرض کی اے آقائے نامدار! آپ کے جد عالیمقدار نے لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دی تو لوگ دو قسموں پر تھے۔ بعض ایسے تھے جو وعدہ وفا

کرتے تھے اور بعض ایسے بھی ہوا کرتے تھے کہ وعدہ کر کے اس کو پسِ پشت ڈال دیتے تھے اور کئی منافق تو اس قسم کے تھے کہ حضور کے سامنے ان کے کلمات شہد سے بھی شیریں تر ہوا کرتے تھے اور ان کا عمل ایلوے سے بھی زیادہ تلخ ہوا کرتا تھا۔ پس آپ بھی اسی دستور سے آگے بڑھے اور غداروں کی پروا نہ کریں خدا کی قسم ہم خدا کی قضا سے ہرگز ناراض نہیں ہیں۔ آپ ہمیں جس طرف بھیجیں ہمیں کوئی عذر نہ ہوگا۔ ہم اپنے ارادہ عقیدے پر ثابت ہیں اور ثابت رہیں گے۔ آپ کے دوستوں کو دوست اور آپ کے دشمنوں کو دشمن سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے۔

طبری سے منقول ہے کہ جب امام حسینؑ پر پانی بند کر دیا گیا تو رات کے وقت امام نے حضرت ابوالفضل عباسؑ کو کنارِ فرات بھیجا۔ تیس سوار اور بیس پیادے اور بیس مشکیں ان کو دیں۔ سب سے آگے آگے نافع بن ہلال تھے۔ عمرو بن حجاج زبیدی جو ساحلِ فرات پر عمر بن سعد کی طرف سے مامور تھا۔ اس کو جب خبر ہوئی تو آواز دی کہ تم کون ہو؟ نافع نے جواب دیا کہ میں نافع بن ہلال جملی ہوں۔ عمرو بن حجاج نے پوچھا کیوں آیا ہے؟ تو نافع نے جواب دیا کہ پانی لینے آیا ہوں۔ عمرو بن حجاج نے جواب دیا تم بے شک پی سکتے ہو۔ نافع نے جواب دیا خدا کی قسم میرا آقا پیاسا ہے۔ میں ان کے بغیر ہرگز پانی نہ پیوں گا عمرو بن حجاج نے کہا کہ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کے لئے پانی پینے کی کوئی اجازت نہیں اور میں دریائے فرات پر پہرہ دار ہوں۔ نافع نے ان مشک برداروں کو حکم دیا کہ خیمہ گاہ کی طرف جائیں۔ ایک شخص مزاحم ہوا جس کو نافع نے تلوار کی ضرب لگائی اور وہی اس کے لئے پیغامِ موت ثابت ہوئی۔ اِس جنگ کے بعد ظالموں نے فرات سے

پانی نہیں لینے دیا اور سات محرم سے دس محرم تک لشکرِ حسینؑ پیاسا رہا۔

دمعہ ساکبہ سے منقول ہے کہ جب امام حسینؑ وارد کربلا ہوئے تو نافع بن ہلال کو بارگاہِ حسینی میں شرف خصوصی حاصل تھا۔ خصوصاً خطرہ کے مقام پر یہ امام پاک کے لئے جائے اعتماد تھا کیونکہ علم وفراست اور تدبّر وسیاست میں یہ دانا وبینا اور بصیر وخبیر تھے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ امام حسینؑ تنہا خیموں سے باہر نکلے اور دشت وصحرا میں گھومنے لگے۔ گھومتے گھومتے کافی دُور نکل گئے۔ نافع بن ہلال نے دیکھا تو فوراً شمشیر حمائل کی اور جلدی سے امام کے پاس پہنچے جب آپ کے کانوں میں ان کے پاؤں کی آہٹ پہنچی تو پیچھے کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کون ہو؟ عرض کی میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں میں نافع بن ہلال جملی ہوں۔ فرمایا اس وقت خیموں سے باہر کیوں آئے ہو؟ تو جواب دیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو خیمہ گاہ سے تنہا باہر آتے دیکھا تو مجھ سے آپ کی مفارقت برداشت نہیں ہوسکی۔ خطرہ ہے کہ کہیں یہ کفار آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس لئے فوراً حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا میں اس لئے آیا ہوں کہ دیکھوں کہیں ابن سعد نے اس طرف خفیہ فوجیں تو نہیں بٹھائیں کہ مبادا کل کو پیچھے سے خیموں پر حملہ آور ہو جائیں۔

امامِ عالی مقام نے نافع سے فرمایا اے نافع! میری طرف سے تجھے اجازت ہے اور میں نے اپنی بیعت تجھ سے اُٹھالی ہے۔ بے شک تو چلا جا اور اس مصیبت سے اپنے آپ کو نجات دے۔ سامنے والے دونوں پہاڑوں کے درمیان سے گذر کر کسی امن کی جگہ پہنچ جا۔ جب نافع نے امام کا کلام سنا تو قدموں پر گر پڑا۔ اور رو کر عرض کی۔ مولا میری ماں میرے غم میں بیٹھے اگر میں ایسا کام کروں۔

اے آقا: میں نے یہ گھوڑا اور یہ تلوار ایک ایک ہزار کی قیمت سے خریدا ہے اور مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے آپ کی معرفت سے نوازا ہے۔ جب تک گھوڑے اور تلوار میں مقابلہ کی تاب رہے گی آپ کی نصرت سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹوں گا۔

نافع بن ہلال کہتے ہیں کہ اتنے میں امام اپنی بہن حضرت زینبؑ خاتون کے خیمہ میں داخل ہو گئے اور میں انتظار میں دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہن جو بھائی کی انتظار میں تھی بھائی کو آتے دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور آرام کے لئے تکیہ پیش کیا پھر دونو بھائی بہن باہمی راز کی باتوں میں مشغول ہوئے اچانک میں نے عالیہ بی بی کے گریہ کی آواز سنی کہ کہتی تھیں ہائے کیا میں آپ کو اپنے سامنے ذبح ہوتے دیکھوں گی۔ اور بنی ہاشم کے چاند میری آنکھوں کے سامنے شہید ہوں گے۔ پھر آواز آئی بھائی جان کیا آپ نے اپنے صحابہ کو آزمالیا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ لڑائی کے وقت موت سے ڈر کر آپ کو تنہا چھوڑ نہ جائیں۔ مولا اپنی بہن کی یہ باتیں سن کر رو دیئے اور فرمایا اے بہن تسلی کرو میں نے اپنے جانثاروں کو خوب آزمالیا ہے۔ وہ میری محبت میں موت کو اس طرح چاہتے ہیں جس طرح بچہ اپنی ماں کے سینہ کو چاہتا ہے۔

عالیہ بی بی کی حسرت واندوہ کے جگر سوز وہوشربا کلمات سُن کر نافع کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پس بچشم گریاں سیدھا حبیب بن مظاہر کے خیمہ میں آیا دیکھا کہ حبیب نے تلوار میان سے نکالی ہے اور درِ خیمہ پر بیٹھا ہے۔ نافع نے سلام کہہ کر سارا ماجرا سنایا اور عالیہ بی بی کی پریشانی و بے چینی کا ذکر کیا اور کہا کیا یہ ممکن نہیں کہ تمام اصحاب کو جمع کر کے اس مخدرہ بی بی کی تسلی کرائی جائے۔ حبیب

نے جواب دیا بہت خوب ہے۔ پس دونو اُٹھ کھڑے ہوئے ایک طرف سے حبیب اور دوسری طرف سے نافع نے اصحاب کو بلانا شروع کیا تمام صحابہ نے اپنے برج خیام سے درخشندہ ستاروں کی طرح منہ باہر نکالا، حبیب نے بنی ہاشم کے نوجوانوں کو واپس آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اور باقی اصحاب سے بایں الفاظ خطاب فرمایا۔ اے غیورو! اے میدانِ کارزار کے شیرو! نافع بن ہلال نے اِس اس طرح خبر دی ہے کہ حسینؑ کی بہن ہماری وفاداری سے مطمئن نہیں ہے اب تم سچی سچی اور کھری کھری بات بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے۔ حبیب کا کلام سنتے ہی تمام اصحاب میں نالہ وفریاد کی آواز بلند ہوئی۔ عمامے اُتار پھینکے اور تلواریں نیام سے نکال لیں اور کہا اے حبیب اس خدا کی قسم جس نے ہمیں امام کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ اگر اس قوم نابکار میں سے کسی بدنہاد نے خیام کی جانب کوئی قدم اُٹھایا تو اس کا سرتن سے جُدا کر دیں گے۔ اور پیغمبرؐ کی وصیت پر اس کی ذرّیت کی حفاظت کے لیئے پورا پورا عمل کریں گے۔ حبیب نے کہا اگر ایسا ہے تو میرے ساتھ چلیے چنانچہ حبیب آگے اور باقی اصحاب پیچھے روانہ ہوئے اور خیام کے درمیان آ کھڑے ہو گئے۔ حبیب نے آواز دی اے حریم عصمت کی شہزادیو: اے خانوادۂ رسالت کی پردہ نشینو! یہ لو تمہارے غلام قسم کھا کر عرض کرتے ہیں کہ ہماری آبدار تلواریں ان لوگوں کی گردنوں میں فرو کش ہوں گی جو تمہارے حق میں سُوادب کا ارادہ رکھتے ہوں اور تمہارے غلاموں کے نیزے ان سینوں میں گھسیں گے جو تمہارے ساتھ کینہ رکھتے ہوں۔ جب امام عالی مقام نے صحابہ کے یہ کلمات سنے تو اہل حرم سے فرمایا سُنو میرے وفادار اصحاب کیا کہہ رہے ہیں۔ بیبیوں نے اصحاب کے فرطِ عقیدت جوشِ محبت کے دل افزا و ایمان افروز

کلمات جب سُنے تو ان کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا شاباش۔ اے پاک زادو فاطمہؑ کی شہزادیوں کے پردہ کی حفاظت میں پوری جانبازی دکھاؤ۔

روضۃ الاحباب سے منقول ہے کہ نافع بن ہلال نہایت خوبصورت نوجوان تھا اور ایک خوشرو دوشیزہ سے تازہ شادی کر کے آیا تھا۔ ابھی تک اپنی بیوی سے آزادانہ پیار ومحبت کی رُسوم ادا نہ کر چکا تھا۔ جب زوجہ نے نافع کو آمادۂ مرگ دیکھا تو روتے ہوئے اس نے اپنے شوہر کا دامن تھام لیا اور فریاد کرتے ہوئے کہا مجھ بے مراد کو کس کے حوالے کر کے جاتے ہو۔ امام نے جب اس کے سوز وگداز کے غم درد بھرے کلمات سنے تو نافع سے فرمایا میری طرف سے تجھے اجازت ہے بے شک اپنی بیوی کے ساتھ خوشی کے دن گذارو۔ نافع نے عرض کی۔ اے فرزندِ رسولؐ اگر آج آپ کی نصرت چھوڑ دوں تو کل بروزِ محشر آپ کے نانا کو کیا جواب دوں گا۔ پس عورت سے وداع کر کے میدانِ جنگ میں پہنچا چونکہ نہایت دلیر و بہادر اور فنِ تیر اندازی میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا کہ کبھی اس کا تیر نشانہ سے خطا نہ کرتا تھا۔ اس وقت اس کے ترکش میں اسی تیر موجود تھے۔ پس کمان ہاتھ میں لی اور تیر مارنا شروع کیا اور ہر تیر سے ایک سوار کو پشتِ زین سے فرشِ زمین پر گرایا۔ جب ترکش خالی ہوا تو تلوار ہاتھ میں لے کر بجلی کی طرح لشکرِ اعدا پر حملہ آور ہوا اور یہ کہتا تھا اے کوفیو اگر تم مجھے نہ پہچانتے ہو تو میں ابن جملی ہوں۔ میرا دین حسینؑ اور علیؑ کا دین ہے۔

عمر بن سعد کے لشکر سے ایک شخص مزاحم بن حریث نکلا اور اس نے نافع کو آواز دے کر کہا کہ میں عثمان کے دین پر ہوں۔ نافع نے کہا کہ عثمان کے دین پر نہیں بلکہ شیطان کے دین پر ہے۔ یہ کہہ کر اس پر تلوار کا وار کر کے اسے جہنم رسید کیا۔

پھر یہ رجز پڑھتا ہوا مشغولِ جنگ ہوا۔

أَنَا الْغُلَامُ الْيَمَنِيُّ الْجَمَلِيُّ دِيْنِي عَلَىٰ دِيْنِ حُسَيْنٍ وَ عَلِيٍّ

أَضْرِبُكُمْ ضَرْبَ غُلَامٍ بَطَلٍ وَيَخْتِمُ اللهُ بِخَيْرٍ عَمَلِي

إِنْ أُقْتَلِ الْيَوْمَ فَهٰذَا أَمَلِي فَذَاكَ رَأْيِي وَأُلَاقِي أَمَلِي

ترجمہ: میں جوان یمنی وجملی ہوں۔ میرا دین حسینؑ وعلیؑ کا دین ہے۔

۲۔ میں تمہیں اس طرح ماروں گا جس طرح کوئی بہادر جوان مارتا ہے اور خدا میرے اعمال کا خاتمہ نیکی سے کرے گا۔

۳۔ آج قتل ہونا میری انتہائی خواہش ہے بس یہی میری رائے ہے اور میں اپنی اُمید کو پالوں گا۔

بعض روایات میں ہے کہ زخمیوں کے علاوہ بارہ جوانوں کو تہِ تیغ کیا اور ابومخنف سے منقول ہے کہ ستر ملاعین کو قتل کیا۔ اور بعض اسی کہتے ہیں۔ ممکن ہے اختلاف کی وجہ یہ ہو کہ جو لوگ بارہ کی تعداد بتلاتے ہیں ان کی مراد تلوار کے مقتولین ہوں اور جو ستر یا اسی کی تعداد بتلاتے ہیں وہ تیروں سے مقتولین ہوں۔

جنگ کرتے کرتے اس کے دونو بازو ٹوٹ گئے اور اس کو قید کر کے عمر بن سعد کے پیش کیا گیا۔ اس کے سر وصورت سے خون جاری تھا۔ ڈاڑھی خون میں ترتھی اور نہایت جرات سے کہتا تھا۔ کاش میرے ہاتھ کام کرتے ہوتے تو تم مجھے گرفتار کرنے پر قادر نہ ہوتے۔ شمر نے کہا کہ اس کو قتل کیا جائے۔ ابن سعد نے نافع کے قتل کے لئے خود شمر کو متعین کیا تو نافع نے شمر کو نہایت دلیری سے ایک کلمہ کہا کہ اے شمر خدا کی قسم اگر تو مسلمان ہوتا تو تجھے میرے قتل کا احساس ہوتا۔ پس اللہ کا شکر ہے کہ ہماری موت بدترین انسان کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔ پس شہید کر دیا گیا۔

# حضرت نصر بن ابی نیزر

جنابِ نصر کے والد ماجد حضرت ابونیزر ملکِ عجم کے کسی صاحبِ حکومت فرد کی نسل میں تھے۔ زمانۂ طفولیت میں ہی مشرف بہ اسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور آپ کی تعلیم و تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمائی۔ سرورِ کائناتؐ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد حضرت علیؑ کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

خود جنابِ نصر نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور حضرت امیر المومنینؑ اور حضرت امام حسنؑ کے ساتھ گزار دیے۔ پھر اس کے بعد دوسرے سردارِ جوانانِ جنت حضرت امام حسینؑ کی شرفِ غلامی سے سرفراز ہوئے۔ جب مظلومِ کربلا روانہ سفر ہوئے تو آپ بھی امام کے شریکِ کارواں بنے اور زمینِ نینوا پر تشریف لائے۔

حملۂ اولیٰ میں پہلے آپ کا رہوار شہید ہوا پھر آپ خود درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

''ابونیزر'' نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم کے بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپنے میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا، رسالتمآب کی خدمت میں لائے گئے اور اسلام لائے، حضرتؐ نے اُن کی تربیت کی۔ آپؐ کی وفات کے بعد وہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہے اور آپؑ کے ایک مملوکہ نخلستان میں اصلاح وتربیت پر مامور ہوئے۔ کامل میں اُن کے حالات کا تذکرہ ہے اور اُن کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیر المومنینؑ کے چشمے کے برآمد کرنے اور اُسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے۔

ان کے فرزند نصر نے کمسنی اور نوجوانی امیرالمومنین اور امام حسنؑ کے ساتھ گزاری اور آخر میں امام حسینؑ کی غلامی میں رہے یہاں تک کہ سفرعراق میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکّہ اور مکّہ سے کربلا آئے۔ حملۂ اولیٰ میں ان کا گھوڑا کام آیا پھر وہ خود درجۂ شہادت پر فائز ہوئے (ابصارالعین، ص ۵۴و۵۵)

ابنِ شہرآشوب نے حالات امیرالمومنینؑ کے ذیل میں غلاموں کی فہرست میں سعدؓ اور نصرؓ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "قتل مع الحسین" امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔ (مناقب، ج ۳، ص ۱۶۲)

# حضرت وہب کلبیؑ

## اصحابِ حسینؑ میں سے کتنے افراد کے نام وہب تھے:

ناسخ، جلد ۲۶۹/۲ میں مرقوم ہے: طریحی نے روزِ عاشورا کے مبارز اصحاب میں "وہب" نام کے دو مجاہدین کا ذکر کیا ہے۔

ان میں سے پہلے "وہب بن وہب" تھے۔ یہ پہلے نصرانی تھے اور اپنی ماں سمیت امام حسینؑ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا تھا اور کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ دوسرے وہب بن عبداللہ تھے۔ بحار، جلد ۴۵/ ۱۷، اور عوالم، جلد ۱۷/ ۲۶۰ میں ان کا نام یوں لکھا ہے: وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی۔

مقتل خوارزمی جلد ۲/ ۱۲ میں ان کا نام ونسب یوں مذکور ہے: وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی اور قمقام، ص ۴۱۸ میں ان کا نام ونسب یوں لکھا ہوا ہے: وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی۔

وہب بن عبداللہ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے: وہ اپنی والدہ اور بیوی سمیت کربلا میں روزِ عاشورا موجود تھے۔

مورخین نے جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق وہب نام کا کربلا میں صرف ایک ہی شخص تھا جب کہ طریحی نے وہب کے حالات کو بعض مقامات پر وہب بن وہب کے نام سے بیان کیا ہے اور بعض مقامات پر وہب بن عبداللہ کے نام سے بیان کیا ہے۔

لواعج، ص ۱۴۳ کی سطر آخر اور سیّد محسن امین رحمۃ اللہ علیہ کی اعیان الشیعہ، جلد اوّل، ص ۶۰۴ میں مرقوم ہے: اس کے بعد وہب بن خباب کلبی نے میدانِ جنگ میں قدم رکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے نصرانی تھے۔ پھر انھوں نے وہب بن عبداللہ کا قصہ بیان کیا۔

لواعج، ص ۱۳۹ میں عبداللہ بن عمیر کلبی کے حالات میں مرقوم ہے: معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کو وہب بن خباب کلبی اور عبداللہ بن عمیر کلبی کے واقعات میں اشتباہ لاحق ہوا ہے۔

## وہب بن عبداللہ کلبی اور ان کی زوجہ:

میدانِ کربلا میں اُن کی ماں اور زوجہ ہمراہ تھیں۔ اُن کو اپنی ماں نے جہاد پر ترغیب دی۔ چنانچہ ایک ہی حملے میں انہوں نے بہت سے منافقین کو تہ تیغ کیا اور واپس آکر ماں سے کہنے لگے کیا آپ مجھ سے راضی ہوگئی ہیں، تو نیک بخت شیر دل خاتون نے جواب دیا۔ اے بیٹا میں تو اس وقت راضی ہوں گی جب تم امام حسینؑ کی نصرت میں جامِ شہادت نوش کرو گے۔ زوجۂ وہب نے جب یہ دیکھا تو نہایت حالِ زار سے شوہر کے پاس آئی اور اپنے بیوہ ہونے کا خطرہ ظاہر کیا اور اپنی بے کسی و بے بسی کا مداوا چاہا لیکن ماں نے کہا اے فرزند عورت کی باتوں کو چھوڑو اور جہاد میں سُستی نہ کرو۔ کل رسولِ خدا ہماری شفاعت فرمائیں گے۔ پس وہب دوبارہ میدان میں گئے اور شیرِ غضبناک کی طرح ان بے حیاؤں پر حملہ آور ہوئے۔ چنانچہ اُنیس سواروں اور بارہ پیادوں کو فی النار کیا۔ آخر کار اُن کے دونو ہاتھ قلم ہو گئے۔ جب ماں نے دیکھا تو عمودِ خیمہ لے کر میدان میں آئیں اور بیٹے کو نصرتِ حسینؑ پر تحریص کرنے لگیں۔ وہب نے اپنی ماں کو ہر چند واپس کرنے

کی کوشش کی لیکن کوشش سُودمند نہ ہوئی۔ پس امام حسینؑ خود تشریف لائے اور اُن کو واپس خیمے گاہ کی طرف بھیج دیا۔ جب وہب شہید ہوے تو اُن کی زوجہ اُن کے بالینِ سر پہنچی اور خاک وخون کو وہب کے چہرے سے صاف کر رہی تھی کہ شمر نے اپنے غلام کو اس مظلومہ کے قتل پر مامور کیا وہ ظالم آگے بڑھا اور عمودِ خیمہ لے کر اس کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کی روح اپنے شوہر کے ساتھ ملحق ہوگئی اور دونو میاں بیوی اکٹھے جنت میں پہنچے۔

## شہادت حضرت وہب بن عبداللہ:

بحار، جلد ۱۶/۴۵ اور عوالم جلد ۱۷/۲۶۰ میں مرقوم ہے: کربلا میں وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی کی والدہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! اُٹھو اور نواسۂ رسولؐ کی مدد کرو۔

وہب نے عرض کیا: بسر وچشم! میں آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ ناسخ، جلد دوم صفحہ ۲۶۹ میں مرقوم ہے: وہب بن عبداللہ سوار ہوکر میدان میں آئے اور رجز پڑھے۔

ان تنکرونی فانا ابن الکلب    سوف ترونی وترون ضربی
وحملتی وصولتی فی الحرب    ادرک ثاری بعد ثار صحبی
وادفع الکرب امام الکرب    لیس جهادی فی الوغیٰ باللعب

"اگر تم مجھے نہیں جانتے تو سنو میرا تعلق بنی کلب سے ہے۔ بہت جلد تمہیں میری دلیری اور ضربت دکھائی دے جائے گی۔ میں اپنے دوستوں کا تم سے انتقام لوں گا اور یکے بعد دیگرے مصائب برداشت کروں گا۔ (روزِ جنگ میں میرا جہاد بازیچۂ اطفال نہیں ہے)۔

کچھ ملاعین کو دوزخ پہنچایا۔ پھر خیام میں اپنی والدہ اور بیوی کے پاس آیا اور ماں سے کہا کہ کیا اب تو مجھ سے راضی ہے؟

ماں نے جواب دیا: ہرگز نہیں، جب تک امامؑ کی رکاب میں خاک وخون میں غلطاں نہ دیکھوں گی، تب تک راضی نہیں ہوں گی۔

بیوی نے کہا: تجھے خدا کا واسطہ! مجھے اپنے غم میں جتلا نہ کرنا۔

ماں نے کہا: بیٹا! اس کی باتوں پر دھیان نہ دینا، واپس جاؤ اور فرزندِ رسولؐ کے سامنے جنگ کرو، تا کہ قیامت کے دن رسولِ خدا تیری شفاعت کریں۔

(بحار، جلد ۴۵ ص ۱۷، عوالم جلد ۱۷، ص ۲۶۰، قمقام، ص ۴۱۹، لہوف مترجم ص ۱۰۵، مقتل خوارزمی جلد ۲، ص ۱۳)

ناسخ جلد ۲، ص ۲۷۰ میں مرقوم ہے کہ وہب کی شادی کو ابھی سترہ دن ہی گزرے تھے اسی لیے بیوی شوہر سے جدائی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا: وہب! میں جانتی ہوں کہ جب تو فرزندِ رسولؐ کی نصرت میں شہادت کا اعزاز حاصل کرے گا تو تو بہشت بریں میں چلا جائے گا اور حورالعین سے ہم آغوش ہوگا۔ مگر جانے سے پہلے امام علیہ السلام کے سامنے میرے ساتھ یہ وعدہ کرو کہ کل قیامت کے دن مجھ سے جدا رہائش اختیار نہ کرو گے۔

یہ کہا اور بیوی اپنے شوہر کو لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور اس نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! میں ایک درخواست کرنے آئی ہوں۔ پہلی درخواست یہ ہے کہ یہ مسافر جوان چند لحوں بعد تلواروں اور نیزوں کی ضربتیں کھا کر باغِ جنت میں پہنچ جائے گا۔ اس بیابان میں اس غریب کا کوئی فریاد رس موجود نہیں ہے۔ آپؑ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے اپنے اہلِ بیتؑ کے سپرد

کریں اور انھیں وصیت کریں کہ وہ میری سرپرستی کریں۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ جب وہب شہادت کا اعزاز حاصل کرے گا تو حورالعین سے ہم آغوش ہوگا۔ آپؑ کے سامنے مجھ سے یہ وعدہ کرے کہ یہ حوریں حاصل کر کے مجھے فراموش نہیں کرے گا۔

جب امام حسینؑ نے زوجہ وہب کے یہ کلمات سنے تو آپؑ بے حد روئے اور اس کی خواہش کو قبول کیا۔ اس وقت وہب پورے جوش وخروش سے میدان کی طرف روانہ ہوئے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

انی زعیم لك اُم وهب بالطعن فیهم تارة والضرب

ضرب غلام مؤمن بالرب حتی یذیق القوم مر الحرب

انی امرؤ ذومرة وعضب ولست بالخوار عند النكب

حسبی اللهی من علم حسبی

''اے مادرِ وہب! رب پر ایمان رکھنے والا جوان، نیزہ اور شمشیر سے دین کی نگہبانی کرے گا اور دشمنوں کو جنگ کی تلخی چکھائے گا۔ میں طاقت ور اور شمشیر براں رکھنے والا ہوں اور آزمائش کے وقت کمزور نہیں ہوں۔ میرے لیے خدائے علیم ہی کافی ہے''۔

یہ کہہ کر خونخوار چیتے کی طرح سے کوفیوں کی صفوں پر حملہ کیا اور دائیں بائیں جنگ کرنے لگے اور انھوں نے بارہ پیادے اور انیس سواروں کو جہنم واصل کیا۔

اچانک ایک کوفی کو موقع ملا تو اس نے اُن پر تلوار کا وار کیا اور ان کا دایاں بازو شہید کر دیا۔ وہب نے بائیں ہاتھ میں تلوار اُٹھائی اور جہاد کرنے لگے۔ قبیلہ کندہ کے ایک شخص نے تلوار کا وار کیا اور ان کا بایاں بازو شہید کر دیا۔

اس وقت وہب کی زوجہ چوبِ خیمہ لے کر میدان میں آئی اور کہا: وہب! جہاں تک ممکن ہو جنگ کرو اور حرمِ رسولؐ کا دفاع کرو۔

وہب نے کہا: کیا بات ہے، تم پہلے تو مجھے جنگ سے روکتی تھیں اب جنگ کی ترغیب دے رہی ہو؟

بیوی نے جواب دیا: میں نے ابھی امام حسینؑ کا یہ استغاثہ سنا، انھوں نے فرمایا:

واغربتاه، واقلة ناصراه، واوحدتاه، أما من ذاب يذب عنا أما من مجير يجيرنا۔

"ہائے غریبی، ہائے مددگاروں کی قلت، ہائے تنہائی، کیا کوئی ہے جو ہمارا دفاع کرے۔ کیا کوئی ہے جو ہمیں پناہ دے"۔

امام حسینؑ کا یہ استغاثہ سن کر اہلِ حرم رونے لگے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: آلِ رسولؐ کے بعد زندگی کس کام کی ہے؟ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ سے لڑتے ہوئے شہادت حاصل کروں۔

وہب نے کہا: واپس جاؤ، عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔

بیوی نے جواب دیا: میں واپس نہیں جاؤں گی۔ میں تیرے ساتھ ہی شہید ہونا چاہتی ہوں۔

وہب کے ہاتھ کٹ چکے تھے۔ انھوں نے اپنے دانتوں سے بیوی کے کپڑوں کو پکڑا اور خیام میں لے جانا چاہا لیکن بیوی نے اپنے آپ کو اس سے چھڑا لیا۔

وہب نے امام حسین علیہ السلام کو آواز دی: امام حسینؑ آئے اور وہب کی بیوی سے کہا: خدا میرے اہلِ بیتؑ کی جانب سے تجھے جزائے خیر عطا کرے۔ خیام میں چلی جاؤ۔ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔

زوجۂ وہب نے عرض کیا: مولاً! مجھے اجازت دیں میں جنگ کروں گی کیونکہ میدان میں قتل ہونا آسان ہے لیکن بنی اُمیہ کے ہاتھوں گرفتار ہونا زیادہ مشکل ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم ہمارے خاندان کے ساتھ زندگی بسر کروں گی۔ پھر آپؑ نے اسے نصیحت کر کے خیام میں روانہ کیا۔

لشکرِ کوفہ نے وہب کو زخمی کر کے خاک وخون میں نہلا دیا۔ زوجۂ وہب نے جب یہ حال دیکھا تو دوڑتی ہوئی شوہر کے سرہانے پہنچی اور شوہر کے چہرے سے خون پونچھنے لگی۔

شمر لعین نے یہ منظر دیکھا تو غلام کو حکم دیا کہ عورت کے سر پر گرز مار کر اسے شوہر کے ساتھ ملحق کر دو۔ چنانچہ زوجۂ وہب وہ پہلی خاتون ہیں جس نے لشکرِ حسینؑ میں سے جامِ شہادت نوش کیا۔ کوفی خاک وخون میں غلطاں وہب کو اُٹھا کر ابنِ سعد کے پاس لے گئے۔

ابنِ سعد نے کہا: تیرے حملے بڑے شدید تھے، پھر اس نے حکم دیا کہ ان کا سرتن سے جدا کر کے لشکرِ حسینؑ کی طرف پھینک دیا جائے۔ چنانچہ وہب کو شہید کر دیا گیا۔ اور ان کا سر لشکرِ حسینؑ کی طرف پھینکا گیا۔ مادرِ وہب نے بیٹے کے سر کو اُٹھایا اور بوسہ دیا اور کہا: میں خدا کا شکر بجالاتی ہوں کہ تو نے مجھے حسینؑ کے سامنے سرخرو کیا ہے۔

پھر مادرِ وہب نے اہلِ کوفہ کی طرف رُخ کر کے کہا: اے بدکار لوگو! میں گواہی دیتی ہوں کہ کلیسا کے نصاریٰ اور کینسہ کے مجوسی تم سے زیادہ بہتر ہیں۔ یہ کہا اور پورے زور سے وہب کا سر ابن سعد کے لشکر کی طرف پھینکا۔ اتفاق سے وہب کا سر ان کے قاتل کے سینہ سے ٹکرایا اور وہ زخمی ہو گیا۔

وہب کی والدہ نے خیمہ کی چوب اُٹھائی اور دو کوفیوں کو دوزخ پہنچادیا۔

امام حسین نے بی بی کو خیام میں بھیجا اور فرمایا: خیام میں چلی جائیں، عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔ تو اور تیرا فرزند وہب میرے جد امجد کے پاس جنت میں ہوں گے۔

یہ سنا تو مادرِ وہب واپس آئیں اور کہا: اے میرے پروردگار! مجھے مایوس نہ کرنا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: وہب! خدا تیری اُمید منقطع نہیں کرے گا۔

علامہ مجلسی جلاء العیون صفحہ ۵۶۱ میں لکھتے ہیں: امام زین العابدینؑ کی حدیث میں وارد ہے کہ یہ وہب پہلے نصرانی تھے۔ انھوں نے اپنی والدہ سمیت امام حسینؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ انھوں نے جنگ میں آٹھ افراد کو قتل کیا تھا۔ (امالی صدوق مجلسی، ج۳۰، صفحہ ۱۴۳، مقتل خوارزمی، جلد ۲، صفحہ ۱۳، نقل از مجلد الائمہ سرخسکی)

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت وہب نے چوبیس پیادے اور بارہ سواروں کو قتل کیا تھا۔ زیادہ زخم لگنے کی وجہ سے ان پر کمزوری چھا گئی۔

ایک شقی نے وہب کے سر پر آہنی گرز مارا اور وہ شہید ہو گئے۔ امامِ مظلوم لاش کو گنجِ شہیداں میں لائے اور آنسو بہائے۔ اُن کے مراتب پر قلم کیا لکھ سکتا ہے، جن کے غم نے راحتِ قلبِ رسولؐ کو اشک بار کردیا۔ جس زمین پر وہ دفن ہوئے وہاں ملائکہ طواف کرتے ہیں۔ اے شہیدِ راہِ خدا آپ پر ہمارا اسلام ہو اور ظالمین پر خدا کی لعنت ہو۔

فراست زید پوری:

# مرثیہ در حال وہب کلبی

بڑے شجاع تھے اصحاب سیّدِ مظلوم ہٹا رہے تھے نگاہوں سے ظالموں کا ہجوم
چہار سمت بہتّر کی آج تک ہے دھوم گھٹایا پیاسوں کی ہمت نے زورِ لشکرِ شوم

وہ رن میں قبضۂ چوم کر بڑھنا
مے اَلست کے مستوں کا جھوم کر بڑھنا

کہاں ہیں نامِ خدا شیرِ نامور ایسے زبانِ تیغ سے لی داد باہنر ایسے
قدم پہ شاہ کے نازش تھی جن کو سر ایسے دبے نہ برچھیوں کی نوکوں سے جگر ایسے

بڑھا جو اُس کا رتبہ وقارِ ہوش بڑھا
جو وہب اُن سے مِلے اور دل کا جوش بڑھا

دلھن بھی ساتھ تھی ماں بھی تھی بیٹے کے ہمراہ بدن میں بوئے عروسی سوئے بہشت نگاہ
ہوئے جو خلد کو راہی بُریرِ حق آگاہ کہا یہ وہب کے دل نے کہ پڑھیے بسم اللہ

پسر کو ماں نے دیا اذن رن میں جانے کا
سوجھایا یہ بھی کہ چھوڑ دو چلن زمانے کا

ذرا دلھن سے خبردار خود ہو تم ہشیار سمجھ ہے عورتوں کی ناقص اے مرے دلدار
محبت اِس کی اگر ہوگئی گلے کا ہار شگفتہ ہو گل مقصود پھر یہ ہے دشوار

کہا پسر نے یہ جنّت کی سیر کا دن ہے
کریں نہ آپ تردّد وہ غیر ممکن ہے

گیا عروس کے نزدیک ماہِ برجِ وفا　　کہا کہ شمعِ حرم کو بجھاتے ہیں اعدا
غضب کا وقت ہے واجب ہے نصرتِ مولا　　یہ چاہتا ہوں کہ ظاہر کرو تم اپنی رضا
کہا دولھن نے شہِ مشرقین کے صدقے
ہزار جان سے میں بھی حسینؑ کے صدقے

نہیں ہے بس کہ ہے عورت جہاد سے مجبور　　زہے نصیب میں ہوتی اگر فدائے حضور
مگر یہ چاہیئے اقرار اے شجاع غیور　　مرے بغیر نہ تم دیکھنا جناں کے قصور
ٹھہر کے گلشنِ عنبر سرشت میں جانا
جو ہولے ساتھ مراتب بہشت میں جانا

کہا دلیر نے اِس قول کا ہوں میں پابند　　یہ کہہ کے خدمتِ شہ میں گیا سعادت مند
دولھن بھی ساتھ تھی شوقِ بہشت میں تحر بند　　یہ عرض کرنے لگا اے رسولؐ کے فرزند
ہنسی خوشی سے رضا دی خوشی تھی ہاتھ اس کے
یہ شرط ہے کہ میں جاؤں جناں میں ساتھ اِس کے

یہیں رہے گی مرے بعد شاہِ دیں کی کنیز　　اک اور بھی ہے ضعیفہ یہ گھر ہے جس کو عزیز
وہ میری ماں ہے وفا کی ہے جس کے دل میں تمیز　　نہیں سمجھتی یہ بڑھ کر حسینؑ سے کوئی چیز
اجازت اس نے بھی دے دی سلام کرتا ہوں
میں لونڈیوں کو سپردِ امام کرتا ہوں

رہیں گی عترتِ اطہار کی یہ خدمت میں　　حرم کے ساتھ نہیں آوے گا فرق عزت میں
یہ ذکر سُن کے لگی چوٹ قلبِ حضرت میں　　بہائے شاہ نے آنسو خیالِ عترت میں
سمجھتے تھے کہ مرے بعد حال کیا ہوگا
نظر میں نقشہ اسیری کا پھر گیا ہوگا

گماں تھا وہب کو میں تو ہوں عازمِ جنّت طفیلِ آلِ نبیؐ میں نہ جائے گی عزّت
ہزار حیف نہ ظاہر تھی اس پہ یہ حالت کریں گے پاس نبیؐ کا نہ بانیٔ بدعت
اسیر عترتِ سردارِ انبیاء ہوگی
کِسی کے سر پہ نہ بازار میں رِدا ہوگی

اِسی کو سوچ کے رونے لگے تھے شاہِ زمن زباں سے کہہ نہ سکے کچھ امامِ تشنہ دہن
پسِ قنات اُدھر رو رہی تھی شہ کی بہن بلا تھی سر پہ جفا پر تلے ہوئے دشمن
رضا جہاد کی دی خلد کے مسافر کو
لگایا سینے سے مولا نے اپنے ناصر کو

سوار وہب ہوئے رن کو راہوار چلا چمک کے صورتِ شمشیرِ آبدار چلا
اجل کا بن گیا کام آزمودہ کار چلا پکارا فتنۂ محشر کہ مجھ پہ وار چلا
غضب کا ناز ہے بجلی سے کوندنے والے
سُموں سے خرمنِ حسرت کو روندنے والے

ہلے جہنمیوں کے مزار بڑھتا جا دِلوں پہ آیا عذابِ فشار بڑھتا جا
گھٹے کبھی نہ ترا اختیار بڑھتا جا اِسی طرح صفتِ اعتبار بڑھتا جا
دکھائے حُسن یہ فتح و ظفر کی میزاں میں
رہے تلی ہوئی شمشیرِ ناز میداں میں

سمند سے نئے دولھا کے روحیں تھیں مانوس مہک رہا تھا عرق اُس کا مثلِ عطرِ عروس
عدو کی عقل تھی ترچھی نگاہ سے معکوس عجیب شان سے نوشاہ کا تھا اُس پہ جلوس
یہ غل تھا شاد بہت جاں نثار شاہ کا ہے
فرس کا زین ہے یا تخت اس کے بیاہ کا ہے

گری سپاہ پہ بجلی جو اس کی باگ اُٹھی اُدھر جلانے کو دوزخ کی تیز آگ اُٹھی
مٹا نشان جہاں سے ستم کی لاگ اُٹھی فرس کے صیحے سے قسمت ظفر کی جاگ اُٹھی
تھا پہنچ کے صفِ نیزہ باز کے آگے
سرِ نیاز جُھکا کارساز کے آگے

رجز شروع کیا شاہِ دیں کے یاور نے لگائے موتیوں کے ڈھیر پاک گوہر نے
بڑھائے اپنے علم لشکرِ ستمگر نے اِدھر نیام سے لی تیغِ تیز صفدر نے
صفوں میں ڈوب کے دریائے خوں بہانے لگا
جہاز فوجِ مخالف کا ڈگمگانے لگا

غبارِ دشت میں شمشیر جلوہ کرنے لگی دلھن کی طرح اِسی پردے میں سنورنے لگی
ہجومِ فوج ہٹا جس طرف گذرنے لگی قدم قدم پہ قیامت دم اُس کا بھرنے لگی
وہ چال ڈھال صفِ رزمگاہ میں اُس کی
کلیجے بجھ گئے ڈھالوں کے راہ میں اُس کی

سنانیں چھینتی پھرتی تھی نیزہ داروں سے نہ سر پہ خود سنبھلتے تھے سرگذاروں سے
ہوا ثباتِ قدم دُور بیقراروں سے پیادے بھاگنے میں بڑھ گئے سواروں سے
چمک سے اُس کی رُخ اہلِ ستم کے مڑتے تھے
اُڑے سر اُن کے جو رہوار برچھیوں اُڑتے تھے

پکارا دشت کہ اے وہبِ صف شکن شاباش چھپا دے فوج کے خیمے گرا دے لاش پہ لاش
اُڑا دے چوبوں کے پُرزے طنابیں ہوں صد پاش سراچہ پسرِ سعد کا ہو پردہ فاش
کلس لرزتا ہے خیمے پہ قہر نازل ہے
یہ اُس عدوئے خدا کا مرقعِ دل ہے

اِدھر کی فوج اُدھر ہوگئی صفیں ٹوٹیں نہ سوجھی راہ کہ آنکھیں شریروں کی پھوٹیں
شکست نے جو امیدوں کی بستیاں لوٹیں ہوا و حرص کی باگیں سواروں سے چھوٹیں
سپر بلند نے اقبال کی دعائیں لیں
عروسِ فتح نے نوشاہ کی بلائیں لیں

سیاہ کاروں سے میدان صاف جب پایا پلٹ کے رن سے وہ جانباز ماں کے پاس آیا
کہا کہ خوش ہوئیں مجھ سے تب اُس نے فرمایا ابھی نہیں یہ ہُنر تو نے اپنا دکھلایا
خوشی ہو مجھ کو اگر ہو امام پر صدقے
ہزار تجھ سے پسر اُن کے نام پر صدقے

اُٹھائی باگ سُنا جب یہ اپنی مادر سے مقابلہ ہوا پھر بے شمار لشکر سے
پہاڑ ہٹنے لگے باد پا کی ٹھوکر سے پھر ابرِ گرد اُٹھا، چمکی برق، سر بر سے
فضائے دشت کی تلوار سیر کرنے لگی
سروں پہ چڑھنے لگی سینوں میں اُترنے لگی

اخیر دور ہے یہ وہب کی لڑائی کا بیاں کچھ اور سنو تیغ آزمائی کا
چلا وہ ہاتھ جو عادی رہا صفائی کا صفیں وہ گرنے لگیں شور اُٹھا دُہائی کا
اُٹھیں جدھر فرسِ ارجمند کی ٹاپیں
سمائیں کاسۂ سر میں سمند کی ٹاپیں

جدھر بپھر کے وہ ضرغامِ حیدری آیا حواسِ فوج کو پیغامِ ابتری آیا
کسی زبان پہ نہ لافِ سپہ گری آیا پکارے گھاٹ کے پہرے وہ کوثری آیا
جبیں کے نور کے سانچے میں شان ڈھلتی ہوئی
ہوا بہشت کی دامن کو رُخ پہ جھلتی ہوئی

کچھ انتہا تھی نہ اوجِ دلیر خوشخو کی　　کہ باتیں کرتی تھی طوبا سے شاخیں ابرو کی
وہ تیور اور امنگیں شبابِ گلرو کی　　ہوا کے دوش پہ انگڑائیاں وہ گیسو کی

سب اِن کی تیغ کے لوہے کو مان لیتے ہیں
یہ وہ جواں ہیں جو بے تیغ جان لیتے ہیں

چمنا تیغ کا چہرے کی وہ ضیا باری　　زمین ہل رہی تھی گردشوں میں تھے ناری
رگوں میں خون کے ساتھ آبِ تیغ تھا جاری　　ذلیل وخوار ہوئے مستِ جامِ خونخواری

ادھر سے بھاگ کے ظالم اُدھر کو جاتے تھے
یہ بدمعاشوں کی حالت تھی دم چُراتے تھے

چھدا خود اپنی سناں میں جو نیزہ وار گرا　　یہ شور دشت میں تھا فوج کا حصار گرا
پہاڑ ہوگیا جب جسم پہ غبار گرا　　وہ منہ کی کھا گیا رہوار وہ سوار گرا

وہ پہنچی موت رواں نابکار ہوتے ہیں
سواری آئی پیادے سوار ہوتے ہیں

کہاں ہے ہاتھوں میں قوت کہ برچھیاں تانیں　　دلوں میں خوف سمایا نکلتی ہیں جانیں
جو لوہا مانگئے حکمِ شمر کیا مانیں　　سوار زین سے کھسکے اُکھڑ گئیں رانیں

دماغ شق ہوا اِس طرح فتنہ گر پہ گئیں
رکابیں پاؤں سے نکلیں اُچھل کے سر پہ گئیں

مقامِ جنگ کے نقشے سے ہوش ہوتے ہیں دنگ　　کھنچے ہیں ایسے دل آزار ہوگئے دل تنگ
جمایا دشت میں شمشیر نے لہو کا رنگ　　زمیں کا صفحہ ہے تصویر خانۂ ارژنگ

نشانِ خوں کے ہزاراں ہزار کھینچ دیئے
یہ کیسے فتح کے نقش و نگار کھینچ دیئے

نشانے پر نہیں اعدا کے تیر پڑتے ہیں　　زمیں تک آ نہیں سکتے ہوا سے لڑتے ہیں
جو نیزے تن رہے تھے اب کہاں اکڑتے ہیں　　پڑاو اُٹھنے لگے مورچے اُجڑتے ہیں

وہ لوٹتے ہوئے سر آبشار میں پہنچے
نشان چھوڑ کے میداں کچھار میں پہنچے

وہ اسپ تیز وہ شمشیر یادگار جہاد　　کہ جن کے چلنے سے بڑھتا گیا وقار جہاد
شگوفہ کار بیاباں ہوئی بہار جہاد　　تمام دشت میں پھولا تھا لالہ زار جہاد

بندھے تھے لاشوں کے پل گشت کر رہی تھی قضا
لہو کی نہروں پہ گلگشت کر رہی تھی قضا

جہاد کر رہا تھا سرکشوں سے اہلِ وفا　　کہ اشقیا نے کیے اُس کے دونوں ہاتھ جُدا
یہ حال دُور سے جس دم عروس نے دیکھا　　نہ آئی تاب چلی رن کو جتلائے بلا

پکارتی تھی فدا ہو شہ حجازی پر
نثار ہوں مرے ماں باپ ایسے غازی پر

دلھن کو دیکھ لیا اُس غیور نے جس دم　　صدا یہ دی کہ پلٹ جا سوئے خیام حرم
رُکے نہ جوشِ محبت میں مومنوں کے قدم　　پہنچ کے تھام لیا دامنِ قتیلِ ستم

کہا نہ پلٹوں گی بہہ جائے خون مقتل میں
مری بھی قبر ہے کربلا کے جنگل میں

یہ حال دیکھ کے بے چین ہو گئے شبیرؑ　　صدا یہ دی کہ پلٹ آ نہ چاہیے تاخیر
دکھائی الفتِ آلِ رسولؐ کی تاثیر　　جزائے خیر تجھے دے گا مالک تقدیر

لبوں پہ جان تنِ زار سے سمٹ آئی
امام کا جو سُنا حکم وہ پلٹ آئی

سپاہِ شام سے پھر بھڑ گیا وہ زخمی شیر بڑھایا دوڑ کے مادر نے دل رُکا نہ دلیر
بہشت سامنے رستے میں تھا نہ کوئی پھیر جُدا تھے ہاتھ نہ تھی سر کٹانے میں کچھ دیر
رواں کیا پسرِ سعد نے شریروں کو
اُٹھائے فوج نے بھالے چلا کے تیروں کو

گرا کے اُس نئے دولھا کو جان سے مارا مگر یہ ایک روایت میں ہے اسیر کیا
جو ابنِ سعد کے نزدیک لائے اہلِ جفا کہا لعیں نے جمایا تھا خوب رنگ وغا
دیا یہ حکم کہ سر کاٹ لو سزا ہے یہی
رفاقتِ شہِ مظلوم کا مزا ہے یہی

جُدا ہوا سرِ مہماں تو روئی روحِ بتولؑ اُدھر سے پھینک دیا باغیوں نے آہ یہ پھول
گرا جو سامنے آ کر یوتاں ہوئی نہ ملول اُٹھا کے سر کو یہ بولی کنیزِ آلِ رسولؐ
مِلی مراد سعادت یہ دی ہے کس نے مجھے
خدا کا شکر کیا رو سفید جس نے مجھے

نہ کیوں یہ آنکھیں ہوں روشن مرے جوانِ سفید ہوا حمایتِ سبطِ رسولؐ میں تو شہید
سر اپنی گود میں رکھ کر کہا کہ سُن لیں پلید نبیؐ کے تم کلمہ گو ہو خیر خواہ یزید
کب ایسے دشمنِ ربِّ ودود بہتر ہیں
مجوس تم سے ہیں اچھے یہود بہتر ہیں

زباں پہ تھا یہ سخن کر رہی تھی سر کو وہ پیار چھڑا کے خون کو لیتی تھی بوسۂ رخسار
لہو کے جوش میں غصہ جو آ گیا اکبار سر اُن شریروں کو واپس کیا نہ آیا قرار
پسر کے غم میں گریباں نہ اپنا چاک کیا
بڑھی تو ایک ستمگار کو ہلاک کیا

جواُنڈی فوج تو یہ چوب خیمہ لے کے چلی     ملی نہ رن میں لعینوں کو بھاگنے کی گلی
اجل جو آگئی سر پر تو جان لے کے ٹلی     ہلاک ہو گئے دو اور دشمنانِ علیؑ
جنابِ فاطمہؑ کے نورِ عین نے دیکھا
یہ حال پوچھ کے آنسو حسینؑ نے دیکھا

کہا پکار کے اے میرے وہب کی مادر     یہ عورتوں سے ہے ساقط ارے جہاد نہ کر
پسر کے پاس تجھے بھی وہیں ملے گا گھر     جہاں مکیں مرے نانا ہیں شافعِ محشر
تو واپس آ سوئے خیمہ نہ اب یہ زحمت ہو
مقامِ صبر ہے تجھ پر خدا کی رحمت ہو

امام خلق کا تھا حکم واجب التعمیل     سوئے خیام پلٹنے میں اُس نے کی تعجیل
دعا یہ کر رہی تھی خیر خواہِ نسلِ خلیل     کرے نہ قطع امید کنیز ربّ جلیل
حسینؑ کہنے لگے یاس کا تو ذکر نہ کر
نہ منقطع تری ہوگی اُمید فکر نہ کر

عروسِ وہبِ دلاور کو پھر نہ تاب آئی     کلیجے میں غمِ شوہر نے آگ بھڑکائی
رواں ہوئی سوئے مقتل کہ روح گھبرائی     ہجومِ فوج میں ہے ہے وہ اُس کی تنہائی
پہنچ کے لاش پہ وہ غمزدہ جو رونے لگی
صدائے گریہ سے بیکل زمین ہونے لگی

وہ ہولناک بیاباں وہ چار سمت سپاہ     نہ اپنا دیس نہ غمخوار تھا کوئی ہمراہ
وہ بیوہ ہونے کا صدمہ وہ حسرت جانکاہ     پیام حشر ہوا مومنہ کے حق میں یہ بیاہ
زمیں پہ کروٹیں لیتا تھا خستہ تن دولھا
کسی نے کاہے کو دیکھے تھے یہ دولھن دولھا

لکھا ہے شمر ستمگر کی پڑ گئی جو نظر    شقی نے تیز کیا اپنے ظلم کا خنجر
کہا غلام سے یہ بھی ہو قتل دیر نہ کر    بڑھا سنبھال کے گرزِ گراں وہ بد اختر
عدوئے دیں کو نہ بیوہ سے کچھ حیا آئی
وداع ہونے لگی جسم و جاں قضا آئی

شقی نے گرزِ گراں پار تان کر مارا    سر اُس کا شق ہوا چھوٹا لہو کا فوارا
غش آ گیا نہ رہا آہ اُٹھنے کا یارا    پڑی وہ ضرب کہ میدان ہل گیا سارا
لرز کے کرتے تھے صحرا کے سنگ و خار افسوس
شہید ہو گئی وہ مومنہ ہزار افسوس

کیا تھا وہب نے وعدہ جو روبروئے امام    نہ اُس میں فرق پڑا ہو گیا جناں میں مقام
خدا گواہ بڑے سنگدل تھے بد انجام    کسی کو شرم نہ آئی کہ ہے یہ کیسا کام
کوئی بتائے کہ عورت نے کیا خطا کی تھی
خدا کو بھولے تھے حالت یہ اشقیا کی تھی

جو رو رہی تھی وہ شوہر کو اپنے کیا تھا گناہ    یہی ہے رسمِ زمانہ فقیر ہو یا شاہ
سُنا گیا نہ لعینوں سے نالۂ جانکاہ    سیاہ قلب یہ کیسے تھے اے معاذ اللہ
بہت سی عورتیں اُن کے بھی ساتھ تھیں رن میں
پر اُن کے واسطے کچھ بھی نہ خوف تھا بن میں

وہ عورتیں جنہیں پردے سے بھی نہ تھا مطلب    خدا کی فوج نے کس پر اُٹھائی چشم غضب
مگر تھے دشمنِ اسلام ظالمانِ عرب    عدو تھے شرعِ نبیؐ کے خلاف حدِ ادب
خیال وہب کی زوجہ کا پھر وہ کیا کرتے
جو ڈرتے حق سے تو بانوؔ پہ کیوں جفا کرتے

یہ وہ شقی تھے کہ چھینیں رِدائیں بیوؤں کی سمجھتے تھے کہ نہیں کچھ خطائیں بیوؤں کی
بھری ہوئی ہیں اثر سے دعائیں بیوؤں کی سنائیں ہیں دمِ گریہ صدائیں بیوؤں کی
نہ کچھ امام کے ناموس کا خیال کیا
حدیثیں اس پہ ہیں شاہد جوان کا حال کیا
غم اُن کا وہ ہے کہ جس پر جبال روتے ہیں جہاں کے بحرِ رواں ماہ و سال روتے ہیں
ہر ایک در پہ ہیں نالاں غزال روتے ہیں تمام بسملِ تیغِ ملال روتے ہیں
بیانِ غم سے ہے لرزاں زباں فراستؔ کی
فدا ہو اُن کی مصیبت پہ جاں فراستؔ کی

---

مرزا دبیرؔ:

# مرثیہ درحال وہب کلبی

یوں رقم کرتا ہے اب راوی مغموم وحزیں ایک دولھا لیے جاتا تھا برات اپنی کہیں
وہب کلبی تھا لقب تھا وہ غلامِ شہِ دیں دور سے اُس کو نظر آ گئی مقتل کی زمیں
دل پہ شبیرؑ کے ماتم کا اثر ہونے لگا
دیکھ کر گنج شہیداں کی طرف رونے لگا

اک زمیندار کھڑا تھا یہ کیا اُس سے کلام کس کی یہ فوج ہے اور کس کے یہ لاشے ہیں تمام
یہ جو زخمی ہے کھڑا لاکھوں میں کیا اس کا ہے نام رو کے وہ شخص پکارا کہ ہے رونے کا مقام
ہیں یہ جلاد جو کھینچے ہوئے شمشیریں ہیں
اور زہراؑ کے مرقع کی یہ تصویریں ہیں

اور یہ مظلوم جو کھاتا ہے کھڑا نیزہ و تیر ہے سخن ابنِ سخی اور اسیر ابن اسیر
وطن آوارہ مصیبت زدہ بیکس دلگیر ہے یہی تین شب روز کا پیاسا شبیرؑ
اب تلک صبح سے لوٹا گیا باغ زہراؑ
اب یہ بے رحم بجھاتے ہیں چراغ زہراؑ

یوں تو اک ظلم سے اک ظلم ہوا شہ پہ سوا تین صدموں میں مگر صبر کا یارا نہ رہا
اک جوان اس کا بھتیجا تھا حسنؑ کا بیٹا شب کو وہ دولھا بنا صبح شہیدوں میں ملا
اُس کے مرنے کی خبر شہ نے جو پہنچائی تھی
ماں دولھن کو لیے سر ننگے نکل آئی تھی

دوسرا غم ہے یہ اک بھائی تھا اس کا صفدر جب سے وہ مر گیا سیدھی نہیں ہوتی ہے کمر
اب بھی روتا ہے اُسے ہائے برادر کہہ کر بے کفن لاش وہ اُس کی ہے پڑی دریا پر
ابھی یہ لاش عجب درد سے تھرائی تھی
لڑکی اک ہائے چچا کہہ کے جو چلائی تھی

تیسرا حادثہ میں کیا کہوں پھٹتا ہے جگر اس کا اک بیٹا تھا اٹھارہ برس کا اکبرؑ
برچھیوں سے ابھی مارا گیا رن میں وہ پسر حیف ہے دفن ہوئی رات کو جس کی مادر
غم اکبرؑ میں اُسے کیا کہوں کیونکر دیکھا
سب نے میدان میں زینبؑ کو کھلے سر دیکھا

وہب کلبی نے وہیں خاک پہ پٹکی دستار بیاہ ماتم ہوا جینا نظر آیا دشوار
مادرِ وہب نے جس وقت سُنے یہ اخبار پیٹتی سر کو محافہ سے گری وہ ناچار
کہا بیٹے سے کہ موقع یہ نہیں رونے کا
وقت ہے سبطِ پیمبرؐ پہ فدا ہونے کا

باندھ کر دستِ حنائی کہ پکارا دلدار اتنی تاکید نہ فرماؤ میں خود ہوں تیار
مگر اک رات کی بیاہی کا ہے صدمہ دشوار پوچھ لوں اُس سے تو ہوں جا کے میں آقا پہ نثار
اپنے ماتم میں اُسے دیدوں قسم رونے کی
آرزو ہے مجھے مولا پہ فدا ہونے کی

بولی وہ عقل ہے عورت کی ناقص بیٹا اب نہ کچھ پوچھ نہ کچھ کہہ تو کسی سے اصلا
دی دولھن نے بھی صدا شوق سے جا شوق سے جا نام پر فاطمہؑ کے مہر بھی میں نے بخشا
کیوں نہ منظور مجھے اپنا رنڈاپا ہوئے
جب دُلھن قاسمؑ نوشاہ کی بیوا ہوئے

سن کے یہ گنجِ شہیداں کو وہ نوشاہ چلا　　ہاتھ باہم جو مَلے چھوٹ گیا رنگِ حنا
ماں بھی ہمراہ تھی تھامے ہوئے بازو اسکا　　اور محافہ میں دولھن رات کی مشغول رُکا

پہنچے یہ اُس گھڑی خدمت میں شہِ والا کی
غش سے جب بند تھیں آنکھیں پسرِ زہراؑ کی

مادر وہب ادب سے نہ گئی شہ کے حضور　　دونوں ہاتھوں سے بلائیں لیں کھڑے دُور رہ کر
اور کہا غرق بخون دیکھ کے شکلِ پُرنور　　حیف جیتی نہ ہوئی آج بتولؑ مغفور

کھول کر گیسوؤں کو حشر وہ برپا کرتی
فاطمہؑ دیکھتی ان زخموں کو تو کیا کرتی

سُن کے یہ ہوش میں آئے جو امامِ خوشخو　　اور نظر یاس سے کی پونچھ کے پلکوں سے لہو
کہا آہستہ ترا نام ہے کیا کون ہے تُو　　بیکسی پر مری اس دم نہ بہانا آنسو

دوستی میں مری سب لوگ ضرر پاتے ہیں
رحم اس شہر میں سیدؑ پہ نہیں کھاتے ہیں

مادرِ وہب نے رو کر یہ کہا آ کے حضور　　اے خوزادے تری لونڈی ہوں بیکس مجبور
واری کچھ اور تو اس دم نہیں مجھ کو مقدور　　نذر لائی ہوں یہ فرزند سو ہوئے منظور

حق یہ زہراؑ کی کنیزی کا ادا کرتی ہوں
رات کا بیاہا پسر تم پہ فدا کرتی ہوں

رات کو عقد تھا لونڈی کے پسر کا یا شاہ　　لیے جاتی تھی بہو کر کے میں فرزند کا بیاہ
میرے بیٹے نے تمہیں دور سے دیکھا سرِ راہ　　مجھ سے بولا کہ نہ اب جاؤں گا گھر کو واللہ

اس کے مرنے پہ ہوں اب شاہِ زمن بھی راضی
ماں بھی اس دولھا کی راضی ہے دولھن بھی راضی

میں تو یاں لاشۂ قاسمؑ پہ بہاؤں آنسو خدمتِ فاطمۂ کبرا میں رہے میری بہو
لو قسم مجھ سے اگر روؤں میں بیٹے کو کبھو اے خوشا بخت یہ ہو فدیہ شاہِ خوشخو

یہ تو کیونکر کہوں لاش اس کی برابر ہووے
پائنتی لاشۂ قاسمؑ کی میسر ہووے

وہب کلبی کو لگے دیکھنے حیرت سے امام اس نے سہرے کو اُلٹ کر کیا حضرت کو سلام
اور کہا سامنے آقا کے کروں کیا میں کلام بس مری ماں نے کہا جو یہی کہتا ہے غلام

روئے بیساختہ شہ اُس کی پُر ارمانی پر
نامرادی پہ جوانی پہ پریشانی پر

اُس گھڑی فضہ درِ خیمے پہ موجود تھی آہ متعجب ہوئی یہ حال جو دیکھا ناگاہ
جا کے خیمہ میں کہا سب سے یہ احوالِ تباہ باتیں کرتا ہے خوزادے سے مرا نوشاہ

جب وہ سر شاہؑ کے قدموں پہ جھکا دیتا ہے
پسرِ فاطمہؑ چھاتی سے لگا لیتا ہے

ماں نے قاسمؑ کی کہا کون ہے دولھا یہ بنا اک مرا لال تھا نوشاہ ہوا شہ پہ فدا
غم سے اکبرؑ کے جو بیہوش تھی بانوؑ دکھیا بولی میں سمجھی میں سمجھی نہیں تشویش کی جا

دل میں حسرت نہ رہے دھیان یہ آیا ہوگا
شہ نے دولھا مرے اکبرؑ کو بنایا ہوگا

سوچے ہووینگے یہی دل میں امامِ دوسرا مرتا ہوں دیکھ لوں سہرا تو علی اکبرؑ کا
کوئی شہ سے کہے یاں لایئے اکبرؑ کو ذرا ان کے سہرے کی مجھے بھی تو تمنا تھی سدا

پہلے اک ہاتھ سے چہرے کی بلائیں لونگی
دوسرے ہاتھ سے سہرے کی بلائیں لونگی

کہا خوش ہو کے سکینہؑ نے یہ سچ ہے اماں کیا مرے بھائی بھی اس دم بنے نوشاہ وہاں
وہ اگر دولھا بنے نیگ ہے بہنوں کا کہاں ہے تو اچھا اُنھیں بلوائیے تو رن سے یہاں
بھائی قاسمؑ کی طرح ان کو نہ مہلت دوں گی
ان سے تو نیگ ابھی لوں گی اسی دم لونگی

روئی زینبؑ بہت اور بانو سے رو کر یہ کہا ہائے بھابی تجھے اکبرؑ نے کہیں کا نہ رکھا
بے حواس اتنی ہے کیوں ہوش میں آ ہوش میں آ کس طرف دھیان ہے اکبرؑ کہاں سہرا کیسا
خون میں ڈوبے ہوئے شہ جو ابھی آئے تھے
تیرے بیٹے ہی کا لاشا تو ابھی لائے تھے

آئی زینبؑ درِ خیمے پر حرم کو لے کر دیکھتی کیا ہے چلے آتے ہیں رن سے سرور
ساتھ اک دولھا ہے رومال رکھے آنکھوں پر اور جلو میں ہے ضعیفہ بھی کوئی ننگے سر
اک محافہ ہے صدا اُس سے یہی آتی ہے
لونڈی سادات کی سادات کے گھر جاتی ہے

پہنچی جب در پہ تو روکی شہِ بیکس نے رِدا زوجہ ٔ وہب کو عزت سے اُتارا اُس جا
پوچھا زینبؑ نے کہ اے پشت پناہِ غربا کون یہ دولھا دلھن ہے مجھے بتلا بھیّا
کسی دشمن نے مگر دکھ انھیں پہنچائے ہیں
آلِ حیدرؑ میں یہ چھپنے کے لیئے آئے ہیں

رو کے شہ بولے یہ ہم طالع قاسمؑ ہے جواں دولھا اک شب کا ہے اور ہوتا ہے مجھ پر قرباں
یہ دولھن اس کی ہے ناشاد یہ بیکس ہے ماں ان کی توقیر کرو تم یہ ہیں میرے مہماں
قدرداں بھائی کی غمخواری کی تو ہے زینبؑ
یہ پسر ہے مرا یہ میری بہو ہے زینبؑ

صاحب درد تھے سب رونے لگے یہ سن کر    واقعہ شادیٔ قاسمؑ کا پھرا پیش نظر
یاد اکبرؑ میں کہا بانوؑ نے ہے ہے اکبرؑ    مر کے فرزند جوان دولھا بنے اے دلبر
میں نے اک دم بھی نہ سہرا ترے سر پر دیکھا
لاش دیکھی تری اور ہاتھ جگر پر دیکھا

پیار زینبؑ نے بہت وہب کی زوجہ کو کیا    اور اُسے پہلوئے کبراؑ میں دیا لا کے بٹھا
اُس کے پہلو سے سرک کر یہ پکاری کبراؑ    رانڈ کے پاس دُلھن کو بٹھاؤ اِک جا
غم نوشاہ میں گھل گھل کے مجھے مرنا ہے
صاحبو اب مرے سایہ سے حذر کرنا ہے

کہا زینبؑ نے بڑا حادثہ تجھ پر گذرا    جتنا تو روئے سو کم ہے جو کہے تو سو بجا
پر دُلھن اس کو نہ تو جان ہے یہ بھی بیوا    اس کا شوہر بھی تو شبیرؑ پہ ہوتا ہے فدا
ہے یہ مہمانِ حسینؑ اس کی مدارات کرو
یہ بھی ہمدرد تمہاری ہے ملاقات کرو

ناگہاں وہب نے یہ شاہِ شہیداں سے کہا    دیر اب کیا ہے مجھے دیجیے مرنے کی رضا
سر جھکا کر شہِ مظلوم نے فرمایا کہ جا    بھائی کچھ تیری تواضع نہ ہوئی ہم سے ادا
اب تو مجبور ہوں ہاں جبکہ شہادت ہوگی
حر کی اور تیری بھی فردوس میں دعوت ہوگی

وہب نے چوم لیے پائے شہِ عرشِ سریر    ذوالفقارِ اسدؑاللہ سے مس کی شمشیر
شیر کی طرح چلا سوئے سپاہِ بے پیر    تھا وہ تنہا پہ نگہبان تھی دعائے شبیرؑ
رن پکارا کہ مددگار امام آتا ہے
جنگ کو قاسمؑ نوشاہ کا غلام آتا ہے

گو کہ دولھا ہے پہ ناشاد و پُر ارمان ہے یہ　　طالبِ خلد بھی اور صاحبِ ایمان ہے یہ
مرد ہے مرد غلامِ شہِ مرداں ہے یہ　　شیر ہے شیر کو کس شیر کا مہمان ہے یہ
سر رکھا ہوئے گا پائے شہِ دیں کے اوپر
جب تو یہ نور کا جلوہ ہے جبیں کے اوپر

قصہ کوتاہ ہوے جنگ پہ تیار شقی　　وہب نے سوے نجف دیکھ کے گفتار یہ کی
تم مدد کیجیو اے کُل کے مددگار مری　　پشت سے بول اُٹھے حیدرِؑ کرار ابھی
پیارا قاسمؑ کی طرح اے مرے غمخوار ہے تُو
مرے مظلوم کا بیکس کا مددگار ہے تُو

حملہ ور وہب ہوا کھینچ کے تیغِ بُراں　　کس کا یاور تھا لڑا خوب عدو سے وہ جواں
حق پہ لڑتا تھا مددگار تھا اُس کا یزداں　　آفریں کہتے تھے ہر وار پہ شاہِ مرداں
کون تھا تیغ کی ہیبت سے جسے فرق نہ تھا
اور اگر فرق نہ تھا جسم نہ تھا فرق نہ تھا

یا علیؑ کہتا تھا جب یاور شاہِ کونین　　جان نا اس شوق سے رہتی تھی بدن کے مابین
نیزے پڑتے تھے مگر تھا نہ وہ غازی بے چین　　تیغ گر نام علیؑ تھی تو سپر حسبِ حسینؑ
بے حواسی میں جو ہر ایک لعیں کرتا تھا
وہ کہیں گرتا تھا اور سایہ کہیں گرتا تھا

مادرِ وہب درِ خیمہ پہ دیتی تھی دعا　　کہتی تھی آلِ پیمبرؐ سے کہ دیکھو تو ذرا
صاحبو لڑتا ہے فرزند کنیزِ زہراؑ　　قاتلوں کو شہِ بیکس کے تہِ تیغ کیا
اس کی طاقت ہے نہ یہ زور مرے شیر کا ہے
بس یہ سب حوصلہ بخشا ہوا شبیرؑ کا ہے

ناگہاں وہب دہانِ زخم سناں کھا کے گرا　　لاش کو ظالموں نے گھیر کے حلقے میں لیا
غل تھا ہوش آنے نہ دو غش میں کرو سر کو جدا　　شمر کہتا تھا کہ مادر اسے دے کر ایذا

ایک باری نہ گلے کو تہِ خنجر کاٹو
ہاتھ کاٹو کبھی گہ پاؤں کبھی سر کاٹو

ایک خونخوار تھا خنجر لیے بالیں پہ کھڑا　　غش سے اتنے میں کھلیں وہب کی آنکھیں جوذرا
یا حسینؑ ابنِ علیؑ منھ سے کئی بار کہا　　کہا اعدا نے کہ کیوں پائی رفاقت کی سزا

اب تو قابو ہے ہمیں کہ تجھے کیونکر ماریں
پیاسا ماریں تجھے یا پانی پلا کر ماریں

وہب نے پوچھا کہ اکبرؑ کو دیا تھا پانی　　تم سے قاسمؑ نے دمِ مرگ لیا تھا پانی
کہو سقائے سکینہؑ نے پیا تھا پانی　　تم نے اصغرؑ کے بھی کچھ نذر کیا تھا پانی

تم نے ان سب کو دیا ہو تو مجھے پانی دو
ان غریبوں نے پیا ہو تو مجھے پانی دو

بولے اعدا کہ پلایا نہیں ان کو زنہار　　وہ پکارا کہ مجھے بھی نہیں پانی درکار
یہ سخن سنتے ہی قاتل نے لیا سر کو اُتار　　اور وہ سر پھینک دیا شاہ کی جانب یکبار

سر گرا پائے شہنشاہِ امم کے اوپر
سجدۂ شکر کیا سر نے قدم کے اوپر

در سے خیمہ کے چلی وہب کی ماں ننگے پا　　اپنا سر پیٹے نہ اُس سر کو بہ شفقت دیکھا
کہہ کے یہ بات اُسے شاہ پہ قربان کیا　　اب میں کوئی نہیں اس سر کی ہے مالک زہراؑ

آرزو ہے مجھے یاں اپنے بھی سر دینے کی
میں نہیں لینے کی اس سر کو نہیں لینے کی

راوی کہتا ہے کہ اُس وقت جو میں نے کی نگاہ     اک دولھن خیمے سے سر پیٹتی نکلی ناگاہ
ایک شہزادی بھی سر ننگے تھی اُس کے ہمراہ     کبھی روتی تھی کبھی کہتی تھی بانالۂ آہ

صبر کر گو کہ تجھے صبر کا یارا نہ رہا
کیا کیا ہم نے جو نوشاہ ہمارا نہ رہا

لوگ اُس وقت یہ سب کرتے تھے باہم چرچا     انکسار آلِ پیمبرؐ کا کوئی دیکھو ذرا
یہ دُلھن وہب کی ہے اور یہ بیکس کبراؑ     لونڈی کے ساتھ ہے شہزادی بھی مشغول بُکا

قدر اس درجہ غلاموں کی کہاں ہوتی ہے
وہبؑ کے مرنے سے شبیرؑ کی بہو روتی ہے

❀❀❀

# حضرت ہانی بن عروہؒ

ہانی بن عروہؒ صحابیِ رسول اور علی بن ابی طالب کے صحبت یافتہ تھے یعنی شیعانِ علیؑ میں سے تھے۔ یہ کوفے کے رہنے والے تھے اور شہر کوفہ میں بزرگ اور محترم مانے جاتے تھے۔ ۶۰ھ میں ہانی بن عروہ کی عمر نواسی ۸۹ برس کی تھی، کبرسنی کی وجہ سے قوائے جسمانی جواب دے رہے تھے، چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی اس لیے خانہ نشین تھے۔ جسمانی کمزوریوں کے باوجود ہانی بن عروہ کی ایمانی طاقت زبردست تھی۔ قرآن کی آیتِ مودۃ اور پیغمبرِ خدا کی حدیثِ ثقلین کے پورے عامل تھے۔ نواسی برس کے سن میں ہانی نے اہلِ بیتؑ رسولؐ کے ساتھ بے مثل رفاقت کا ثبوت دیا اور محبتِ آلِ رسولؐ میں وہ تکلیف اُٹھائی جو ایک ضعیف العمر کے لیے ناقابلِ برداشت تھی یہاں تک کہ سخت ترین اذیت جسمانی کے ساتھ درجۂ شہادت حاصل کیا۔ ہانی بن عروہ کی شہادت بھی جنگِ کربلا کی پیش خیمہ ہے۔ ہانی بن عروہ، مسلم بن عقیل، قیس بن مُسہر صیداوی۔ یہ تین بزرگوار قبل از جنگِ کربلا شہر کوفے میں شہید ہوئے ان میں سے ہانی بن عروہ کے حالاتِ شہادت کتبِ تواریخ میں اس طرح درج ہیں۔

۶۰ھ میں جب اہلِ کوفہ کی دعوت پر فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی مسلم کو بطور اپنے نائب کے کوفہ روانہ کیا اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے جناب

مسلم کی بیعت کر کے پھر شرمناک بے وفائی کی اور عبداللہ بن زیاد کے مطیع بن کر جناب مسلم کو تنہا چھوڑ دیا۔ چنانچہ جب جناب مسلمؑ کوفے میں بے یار و مددگار ہو گئے تو کاشفی کی کتاب روضۃ الشہدا میں ہے کہ "حضرت مسلمؑ نے ہانی بن عروہ کے گھر جا کر کہا کہ اے ہانی میں غریب الوطن ہوں، کوفیوں کی بے اعتنائی کا خیال کر کے تمہاری پناہ میں آیا ہوں تا کہ تم دشمنوں کے شر سے مجھے بچاؤ اور میری حمایت کرو۔ ہانی نے قبول کر کے اپنے گھر میں ان کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا اور کہا کہ آپ اس میں بہ سلامت و عافیت قیام فرمائیں۔

چنانچہ جنابِ مسلمؑ ہانی بن عروہ کے گھر میں پناہ گزین تھے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہ تھا۔ ابنِ زیاد بدنہاد جنابِ مسلمؑ کی تلاش میں تھا چنانچہ اس نے اپنے غلام معقل نامی کو تین ہزار درہم دے کر کہا کہ جس طرح ممکن ہو مسلمؑ کا پتہ لگائے۔ معقل نے نہایت چالاکی اور مکاری کے ساتھ پتہ لگایا اور اپنے آقا ابنِ زیاد کو بتلایا کہ جنابِ مسلم ہانی بن عروہ کے گھر میں ہیں، اس وقت ہانی بن عروہ بیمار تھے۔ عبیداللہ بنِ زیاد نے ابنِ اشعث اور اسماء بن خارجہ کے ذریعے سے ہانی کو طلب کیا۔ یہ دونوں شخص ہانی کے یہاں گئے اور سواری پر ابنِ زیاد کے پاس لائے ابنِ زیاد نے جناب مسلم کا حال دریافت کیا۔ ہانی نے پہلے چھپانا چاہا لیکن جب ابنِ زیاد کے غلام معقل نے تصدیق کی تو کہا کہ وہ بلا طلب میرے یہاں آئے اور میں نے ان کو پناہ دی۔ عبیداللہ بن زیاد نے کہا اچھا ان کو پیش کرو۔ ہانی نے کہا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ جس کو میں نے پناہ دی ہے اس کو دشمن کے حوالے کر دوں۔ الغرض ان کے بارے میں دونوں میں گفتگو ہوتی رہی اور سخت کلامی پر نوبت پہنچی، ابنِ زیاد بدنہاد نے ہانی پر چھڑی کا وار کیا جس سے بوڑھے صحابی کی

ناک ٹوٹ گئی اور خون بہنے لگا۔ دو شخص جو ہانی کو سواری پر ان کے مکان سے ابنِ زیاد کے پاس لائے تھے ان میں سے ایک شخص اسماء بن خارجہ نے ابنِ زیاد کی یہ حرکت دیکھ کر کہا اے غدّار ہم تیرے کہنے سے ہانی کو لائے تھے اور تو نے ان کے ساتھ یہ حرکت کی۔ ابنِ زیاد نے اسماء بن خارجہ کو اتنا پٹوایا کہ جاں بلب ہو گیا اس کے بعد ابنِ زیاد نے پھر ہانی سے کہا کہ تو اپنی جان کو دوست رکھتا ہے یا مسلم کو۔ ہانی نے جواب دیا میری ہزار جانیں مسلم پر فدا ہیں۔ یہ ہے صحابیِ رسولؐ کی شان۔ جنابِ مسلمؑ پیغمبرِ خدا کے جدّی تھے اور فرزندِ رسولؐ کے چچازاد بھائی تھے اسی لیے ہانی بن عروہ صحابیِ رسولؐ خاندانِ رسالتؐ کے ایک فرد پر دل و جان سے فدا تھے اور اپنی جان پر مسلمؑ کی جان کو مقدم سمجھتے تھے۔

## خانوادۂ رسالت سے ہمدردی کی سزا:

عالمِ ضعیفی میں بعمر ۸۹ بحالتِ بیماری ہانی بن عروہ صحابیِ رسولؐ سواری پر عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے جو کوفے میں یزید بن معاویہ کی جانب سے حاکم تھا لائے گئے تھے، ان کے بارے میں ابنِ زیاد نے حکم دیا جیسا کہ روضۃ الشہدا میں ہے کہ "ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو برہنہ کر کے تازیانے لگائے جائیں، جن کی عمر نواسی برس کی تھی اور وہ رسولِ خدا اور علیِ مرتضیٰؑ کی صحبت کا شرف حاصل کر چکے تھے، دو چوبوں میں باندھ دیئے گئے تھے۔ ابنِ زیاد نے ان سے پھر کہا کہ مسلم کو لاؤ تو چھوڑ دیے جاؤ۔ ہانی نے جواب دیا کہ بخدا اگر تو مجھ پر بدترین عقوبت روا رکھے تب بھی پتہ نہ دوں گا۔ تو نہیں جانتا کہ جب سے میں نے اہلِ بیت محمدؐ کی راہ میں قدم رکھا تھا دنیا کی تمام تکلیفوں کو اپنے اوپر گوارا کر لیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ پانچ سو کوڑے مارے جائیں پس ہانی صحابیِ رسولؐ کو اس قدر

کوڑے لگائے گئے کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ حاضرین نے ابنِ زیاد سے کہا کہ یہ شخص اصحاب رسولؐ سے ہے اس کو لکڑیوں سے کھول کر نیچے اتارنے کا حکم دے۔ چنانچہ ہانی نیچے اتارے گئے اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا"۔

ہانی بن عروہ کی شہادت جنابِ مسلمؑ کی شہادت سے پہلے واقع ہوئی۔ ہانی بن عروہ کی شہادت بھی دنیا میں بڑا عبرتناک واقعہ ہے اور اس واقعے سے اہلِ دنیا کو دو غم کے سبق حاصل ہوتے ہیں۔

## ایک سبق عبرت:

نیابتِ رسولؐ کے مدعی، خلافتِ اسلامی کے دعویدار کا بھائی اور نائب جو حاکم کوفہ تھا (ابنِ زیاد) جانتا تھا کہ ہانی صحابیِ رسولؐ ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ ہانی نواسی برس کے ضعیف العمر بحالت بیماری سواری پر آئے ہیں، جو سمجھتا تھا کہ ہانی نے جنابِ مسلمؑ کو پناہ دے کر اپنا ایک انسانی فرض ادا کیا ہے اتنی سی بات پر ابنِ زیاد پہلے اپنی چھڑی سے ان کی ناک زخمی کرتا ہے پھر لکڑیوں میں بندھوا کر ایک بوڑھے اور بیمار شخص کو برہنہ کر کے پانچ سو کوڑے لگواتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔ یہ انتہائی ظلم، بہیمیت اور بے رحمی ہے اور خلافتِ اسلامیہ کی جانب سے یہ شرمناک کارروائی اسلام پر ایک شرمناک دھبہ ہے۔

## دوسرا سبق اخلاق انسانی:

ہانی بن عروہ جو صحابیِ رسولؐ تھے انھوں نے اپنے طرزِ عمل سے اخلاقِ انسانی کا نمونہ پیش کیا۔

(۱) اخلاقِ محمدیؐ کے مطابق ہانی نے ایک غریب الوطن کو اپنے گھر میں پناہ دی۔

(۲) ہانی نے خاندانِ رسالتؐ کی محبت اور رفاقت میں صحابیِ رسولؐ کی حقیقی شان دکھا دی کہ رسول اللہ کے دوست اور صحبت میں بیٹھنے والے خاندانِ رسولؐ کے فدائی اور جاں نثار ایسے ہوتے ہیں۔

(۳) ہانی نے ابنِ زیاد سے کہہ دیا اور عمل سے دکھلا دیا کہ راہِ محبتِ آلِ محمدؐ میں قدم رکھنے کے بعد تمام دنیا کی تکلیفوں کو گوارا کر لینا چاہیے۔

(۴) ہانی بن عروہ نے باوجود ضعیف العمر، ناتواں اور بیمار ہونے کے جناب مسلم کو سامنے پیش کرنے کا اقرار نہیں کیا۔ ناک زخمی ہوئی، خون جاری ہوا مگر خوے وفا نہ بدلی۔ برہنہ کیے گئے، دو لکڑیوں میں باندھے گئے پھر بھی وفا میں ثابت قدم رہے۔ بالآخر آہ ناتواں جسم پر کوڑے مارے گئے، لکڑیوں میں بندھے تھے، تڑپنے کا موقع نہ تھا، صدہا تازیانے کھائے اور جان دے دی، لیکن وفا میں فرق نہ آنے دیا۔ ہانی آپ بے شک سچے صحابیِ رسولؐ تھے۔ بے شک آپ محبِ آلِ محمدؐ تھے۔ بے شک آپ نے محبتِ آلِ محمدؐ میں بہت تکلیف اٹھائی۔ دنیا آپ کی محبت و رفاقت کو یاد کرے گی اور اس سے سبق لے گی لیکن جس کی رفاقت میں آپ نے اپنی جان قربان کی وہ بچ نہ سکا۔ مسلم کی موت آپ کی موت سے بھی زیادہ سخت اور دردناک ہے اور مسلم جس کی رفاقت میں مارے گئے اس کی موت مسلم کی موت سے زیادہ سخت اور پُر درد ہے۔ دربارِ ابنِ زیاد میں آپ کی حالت دیکھ کر حاضرین کو اتنا تو خیال ہوا کہ یہ صحابیِ رسولؐ ہیں لکڑیوں میں بندھے ہیں کھول دیئے جائیں۔ کاش آپ میدانِ کربلا میں دیکھتے کہ رسولِ اسلام جناب محمدؐ کے فرزند حسینؑ کی لاش جب گھوڑوں سے پامال کی جارہی تھی

ہزاروں مسلمانوں میں سے کسی نے بھی نہ کہا کہ یہ رسولؐ کا لختِ جگر ہے، روحِ رواں ہے اس کی لاش پامال نہ کرو۔ بیشک آپ نے مسلمؑ کی رفاقت میں اپنی جان فدا کی اور مسلمؑ نے حسینؑ کی رفاقت میں اپنی جان نثار کی اور حسینؑ نے راہِ خدا میں اپنا گلا کٹوایا اور کنبہ فدا کیا۔ رفاقت اور قربانیوں کے افسانے اہلِ عالم کے لیے انسانیت اور صراطِ مستقیم کے سبق ہیں۔

"دربار میں حاکم کے طلب ہو گئے ہانیؓ"

جب پڑتا تھا دُرّہ تو وہ یہ کرتا تھا تقریر یا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ شبّرؑ و شبیرؑ
شاہد تمھیں رہنا کہ مری کچھ نہیں تقصیر الفت میں تمھاری یہ مجھے ملتی ہے تعذیر
آتی تھی نِدا ہم کو بھی ہانیؓ ترا غم ہے
ہم پنجتنِ پاک پہ یہ ظلم و ستم ہے

وہ کہتا تھا مسلمؑ کو ابھی تجھ سے میں لوں گا گر عُذر کیا قتل اِسی وقت کروں گا
یہ کہتا تھا سر دوں گا پہ مسلمؑ کو نہ دوں گا اس امر پہ راضی نہ ہوا ہوں میں نہ ہوں گا
بے شرم! مسافر پہ ترس کھانا ہے لازم
مرجانہ کے بیٹے تجھے مرجانا ہے لازم

کر قطع زباں ہاتھ اُٹھاتا ہوں میں جاں سے واللہ نہ مسلمؑ کا نشاں دوں گا زباں سے
گو پُتلیاں آنکھوں کی تُو کھینچے گا سِناں سے پر آنکھ نہ پھیروں گا میں فخرِ دو جہاں سے
مسلمؑ کا نشاں کافر و ظالم کو بتاؤں
ہو جاؤں جو میں خاک نہ مسلمؑ کو بتاؤں

(مرزا دبیرؔ)

# وہ اصحابِ رسولؐ
# جو واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے

## رسولؐ اکرم کے وہ صحابہ جو نصرتِ حسینؑ میں شہید کئے گئے:

کیسی جلیل القدر تھیں وہ ہستیاں اور کیسے مبارک تھے وہ لوگ جنھوں نے رسولِ اسلام کے عہدِ زرّیں کی زیارت نیز اُن کی صحابیت کی سیادت وسعادت حاصل فرمائی اور وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد بھی حق پر قائم رہتے ہوئے نصرتِ سیّدالشہداؑ میں اپنی جانوں کی گرانقدر قربانیاں پیش کر کے درجۂ شہادت حاصل کیا۔

ایک حیثیت سے میدانِ کربلا میں شہید ہونے والے یہ اصحابِ رسولؐ اور بھی قابلِ تعریف ہیں اس لیے کہ عمر کے اعتبار سے یہ فدایانِ امامِ مظلوم اس حصے میں پہنچ چکے تھے جسے ضعیفی اور پیری کہا جاتا ہے اور جہاں پہنچ کر انسان کے جذبات اور ولولے ٹھنڈے اور نرم پڑ جاتے ہیں نیز سابق کا سادہ جوش اور گرما گرمی باقی نہیں رہ جاتی لیکن اس کے باوجود بھی ان حضرات نے جس عزم وثبات کا مظاہرہ میدانِ کربلا میں کیا اور شجاعت و بہادری کے جیسے مرقعے پیش کئے ان کے آگے نوجوانوں کی شجاعت وبہادری بھی ہیچ نظر آتی ہے۔

عمرِ طبعی کو پہنچنے کے بعد انسان میں سنجیدگی آجاتی ہے اور وہ ہر اقدام سوچ سمجھ کر نیز اپنے سابق تجربات ومشاہدات کو پیشِ نظر رکھ کر ہی کرتا ہے اس لیے ان

اصحابِ رسولؐ (جو شہیدانِ کربلا ہیں) کی بھی سنجیدگی و متانت جزوِ مزاج بن چکی تھی اور ان کے اقدام کو ہم "وقتی جذبے" کے نام سے تعبیر نہیں کر سکتے بلکہ اس کو تو ہم دانشمندانہ، دلیرانہ اور سمجھ بوجھ کر کیا جانے والا قابلِ ستائش اقدام کہیں گے۔

اس لحاظ سے بھی یہ اصحابِ رسولؐ ہماری نظروں میں بہت ہی مکرم و معزز اور محترم ہیں کیونکہ جب اصحابِ رسولؐ کی اکثریت حسینؑ مظلوم کے دامن کو چھوڑ چکی تھی اس وقت بھی یہ حضرات ماحول سے متاثر نہیں ہوئے اور دنیائے اسلام کو صحابیت کے صحیح مفہوم سے متعارف کرایا۔ جس صحابیِ رسولؐ نے دامنِ سید الشہدا سے متمسک ہونے کو ضروری نہ سمجھا، بزمِ رسولؐ میں بیٹھنے کے باوجود بھی جو عظمت و بزرگیِ حسینؑ کا قائل نہ ہو بلکہ نصرتِ امام حسینؑ سے پہلوتہی کی یا جرأت رندانہ سے کام لے کر خود میدانِ جنگ میں ان سے لڑنے کو نکل آیا وہ ہرگز سچا صحابی کہلانے کا مستحق نہیں اس لیے کہ ایسے صحابۂ رسولؐ امامِ حسینؑ کے مرتبے سے، جو اقوال و اعمالِ رسولؐ سے بخوبی واضح تھا دوسروں سے بہتر طور پر متعارف تھے۔ ایسی حالت میں ان کو تو سید الشہدا کا اور بھی زیادہ شیدا، فدائی اور جان نثار ہونا چاہیئے تھا۔

اب ہم اُن برگزیدہ ہستیوں اور واجب الاحترام شخصیتوں کا مختصر ذکر کریں گے جو اصحابِ رسولؐ تھے اور واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے نیز جن کے اسمائے گرامی ہمیں معلوم ہو سکے ہیں۔

## حضرت عبدالرحمان بن عبدرب انصاری خزرجی:

تاریخ کے اوراق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صحابیِ رسولؐ تھے اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سے قرآن مجید پڑھنے کی سعادت بھی حاصل

کی تھی نیز بابِ مدینۃ العلم سے تربیت و تعلیم بھی پائی تھی۔

امیر المومنینؑ جیسے عالم سے اکتسابِ فیض کے بعد آپ کے علم و فضل نیز بلندیِ کردار و اخلاق میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

آپ کا نامِ نامی ان صحابہ میں بھی شامل ہے جنھوں نے حدیث غدیر کی روایت فرمائی ہے یہ بھی آپ کی دوستیِ اہلِ بیتؑ کا ایک ثبوت ہے۔

آپ اُن جانثارانِ حسینِ مظلومؑ میں ہیں جو آپ کے ساتھ حرمِ محترم ہی سے تشریف لائے تھے اور اس طرح آپ کو آقائے دو عالم کے ساتھ سفر کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

آپ کا نام ہمیں عاشورہ کے روز حضرت بریرؓ کے ساتھ گفتگو کرنے میں بھی ملتا ہے جب جنابِ بریرؓ آپ سے مزاح کرنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ آج کا یہ قیامت خیز ہنگام ہے اور تم مزاح کر رہے ہو تو اس پر حضرت بریرؓ نے جواب دیا کہ آج سے زیادہ مسرت کا موقع کب نصیب ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر بعد اس قفسِ عنصری سے نجات ملے گی اور پھر بہشت کی ابدی آرام دہ زندگی ہے (دیکھیے طبری) اس کی روایت آپ کے ایک غلام نے کی ہے۔

آپ کی شہادت حملۂ اولیٰ میں واقع ہوئی اور انعاماتِ آخرت سے سرفراز ہونے کے لیے بارگاہِ احدیث میں پہنچے۔

## حضرت زاہر بن عمرو اسلمی کندی:

آپ کا شمار اُن اصحاب میں ہے جنھوں نے رسولؐ اسلام سے روایتیں فرمائی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان اصحاب میں بھی جنھیں بیعتِ رضوان کا شرف خصوصی حاصل ہوا تھا۔

تاریخ کی ورق گردانی کرنے پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپ بے انتہا شجاع و بہادر تھے۔ چنانچہ جنگِ خیبر میں آپ کی شرکت تاریخوں سے ثابت ہے۔ صلحِ حدیبیہ کے موقعے پر بھی آپ کا نام نامی پایا جاتا ہے۔ محبتِ آلِ محمدؐ آپ کا طرۂ امتیاز تھی اور اس سلسلے میں عظیم نقصانات برداشت کیے تھے۔ آپ عمرو بن حُمق کے ساتھی اور معاویہ کے زمانہ حکومت میں زیاد بن سمیہ گورنر کوفہ نے جناب عمرو بن الحمق کی گرفتاری کا حکم دیا تو آپ کے نام بھی وارنٹِ گرفتاری جاری کیا گیا لیکن آپ قبضے میں نہ آسکے۔

خوش نصیبی سے آپ کو ۶۰ ھ ہی میں حج بیت اللہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب امامِ مظلوم سفرِ عراق اختیار کرنے سے پہلے حج کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے وہیں سے جگر گوشہ رسولؐ کے شریکِ کارواں بنے اور کربلا تشریف لائے۔ آپ کے حملہ اولیٰ میں شہید ہونے کا ذکر کتب میں موجود ہے۔

## حضرت عقبہ بن صلت جُہنی:

آپ صحابیِ رسولؐ اور راویِ احادیث ہیں۔ آپ سید الشہدا کے ساتھ راستے میں شامل ہوئے، تخت و تاج اور حکومت و اقتدار کے لالچ میں نہیں بلکہ محض نصرتِ حسینؑ اور خدمتِ اسلام کے جذبے کی خاطر کیونکہ جب امام نے اپنے خطبوں میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں حکومت و اقتدار، تاج و تخت کے واسطے نہیں جا رہا ہوں بلکہ میرے پیشِ نظر راہِ حق میں اپنی جان کی قربانی دینا ہے تم میں سے جو شخص اس غرض سے آیا ہو کہ اسے کچھ دولت و مال حاصل ہو جائے گا تو وہ واپس چلا جائے اور آپ کے یہ خطبات و ارشادات سن کر کافی لوگ چلے بھی گئے مگر حضرت عقبہ بن صلت جہنی نے جو عزمِ مصمم کر لیا تھا اس سے ایک قدم نہ ہٹے اور

امام مظلوم کا ساتھ نہ چھوڑا یہاں تک ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو سرزمینِ کربلا پر ناصر سیدالشہدا ہو کر حیات ابدی کے حامل بنے۔

## حضرت عمّار بن ابی سلامہ دالانی:

آپ نے زمانہ رسولؐ کا ادراک کیا ہے۔

آپ بڑے پائے کے شیعانِ علیؑ میں سے تھے اور جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں مولائے کائنات کے دوش بدوش منافقین سے جہاد کیا اور انتہائی دوستی و محبت کا اظہار فرمایا۔ بہت کم وہ اصحابِ رسولؐ ہیں جنھیں ان تینوں جنگوں میں شرکت کا موقع ملا نیز کبھی آپ کے پاؤں صراطِ حق سے نہیں بھٹکے اور ہمیشہ راہِ حق و صداقت پر گامزن رہے۔

حضرت علی مرتضیٰؑ کی رفاقت کے بعد سیّدالشہدا کی نصرت میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور اپنی گرانقدر قربانی سے اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا ممنونِ احسان بنا گئے۔

## حضرت مسلم بن کُثیّر اعرج اِزدی:

آپ نے بھی حضرت رسولِ مقبولؐ کے عہدِ مبارک کا ادراک کیا ہے۔

آپ نے بھی فاتح خیبر کی رفاقت و نصرت میں جنگ جمل میں حصہ لیا اور آپ کے بعد بھی محب اہلِ بیتؑ بنے رہے یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ میدانِ نینوا میں شہید ہوئے اور امام آخرالزمانؑ کی اس مدح کے مستحق قرار پائے کہ میرے ماں باپ فدا نصرتِ حسینؑ میں اپنی جانوں کی گرانقدر قربانیاں پیش کرنے والی بزرگ ہستیوں پر۔

آپ کا نام بھی فہرستِ شہدائے حملۂ اولیٰ میں ہے۔آپ کے نام اور ولدیت کے متعلق تاریخ کے الفاظ میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ناسخ نے آپ کا اسمِ گرامی اسلم بن کثیر ازدی اعرج تحریر کیا ہے کسی نے ازدی کے بعد اعرج کی بھی شمولیت کی ہے۔

## حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی:

آپ کو بھی صحابیِ پیغمبرؐ ہونے کا شرف حاصل تھا نیز آپ نے بھی سرورِ کائناتؐ سے متعدد احادیث کی روایت فرمائی ہے۔

آپ کی ولادت عرب کے ایک معزز خاندان میں ہوئی تھی اس لیے کسی انسان کو بہتر واعلیٰ بنانے میں نسبی وخاندانی صفات کی جو آمیزش ہوتی ہے وہ آپ میں پوری طرح موجود تھی۔ آپ بہت ہی عبادت گذار اور محبِ اہلِ بیتؑ تھے۔ بحیثیت شجاع کے بھی تاریخ آپ کا ذکرِ خیر کرتی ہے۔

حضرت مسلمؑ ابنِ عقیل جو امام حسینؑ کے سفیر بن کر کوفہ تشریف لے گئے تھے ان کی آپ نے کافی امداد فرمائی اور بیعت لینے وغیرہ میں شریک رہے نیز آپ جنابِ مسلمؑ ابنِ عقیل کے معتمد اور خاص نمائندے کی حیثیت رکھتے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے (طبری ج ۶ صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۷)

حضرت مسلمؑ ابنِ عقیل کی شہادت کے وقت آپ کی موجودگی کا ذکر تاریخ میں نہیں ہے اور آپ امام حسینؑ سے آکر کب ملحق ہوئے اس کا بھی پتہ نہیں چلتا البتہ ابصار العین میں لکھا ہے کہ:-

''جب حضرت مسلمؑ ابنِ عقیل شہید کر ڈالے گئے تو اس وقت مسلمؑ ابنِ عوسجہ کہیں چھپ گئے پھر اس کے بعد کسی طرح دشمنوں کے نرغے سے نکل کر امام

حسینؑ تک پہنچے اور ان پر اپنی جان نثار کی"۔

بہر حال کربلا میں آپ کی موجودگی تاریخ سے بخوبی ثابت ہے اور آپ کی شہادت اعوان و انصارِ حسینیؑ میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ شہادت کے علاوہ بھی متعدد ایسے مواقع ہیں جہاں آپ کا ذکر ملتا ہے۔

ایک تو اس موقع پر جب شبِ عاشورہ امامِ عالی مقام نے خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ تھا کہ "میرے فدائیوں اور جان نثاروں! میں تم سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔ جس کا جی چاہے چلا جائے اس لیے کہ یہ یزیدی میرے خون کے پیاسے ہیں اور میری جان لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس وقت اعزّا کے بعد انصار میں سب سے پہلے حضرت مسلمؓ ابنِ عوسجہ اٹھے تھے اور جو جملے ارشاد فرمائے تھے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آپ نصرتِ حسینؑ کے لیے کس قدر بے چین تھے اور امام حسینؑ پر جان فدا کرنے کے کتنے متمنی۔ وہ الفاظ تاریخ میں آج تک محفوظ ہیں اور سونے کے حرفوں سے لکھے ہوئے ہیں جو حضرت مسلم ابنِ عوسجہ کے فدائی امام ہونے کے بہترین معرف ہیں اور جن سے جوش و عزم و استقلال ٹپک رہا ہے۔ وہ جوشیلے، استقلال انگیز اور عزم خیز جملے یہ ہیں۔

"آپ کا ساتھ چھوڑنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم عند اللہ جواب دہ ہوں آپ کی نصرت کے لیے۔ قسم بخدا ایسا کرنا محال ہے یہاں تک میں اشقیا کے سینوں میں اپنے نیزوں کو توڑ دوں اور ان کو تلوار لگاؤں۔ جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے میں آپ سے کبھی علیحدہ نہ ہوں گا۔ اگر میرے پاس ہتھیار نہ ہوں گے تو آپ کی رفاقت میں ان کو پتھروں سے مجروح کروں گا یہاں تک کہ آپ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دوں"۔

دوسرا موقع وہ ہے جہاں آپ کا ذکر ملتا ہے کہ جب سیّدالشہدا نے صبحِ عاشورہ آغازِ جنگ سے قبل خندق میں آگ روشن کرادی تھی۔ اس وقت شمرِ ملعون خیامِ حسینی کے پاس سے ہوکر گزرا اور آگ کو روشن دیکھ کر بولا کہ تم نے قیامت کی آگ میں جلنے سے پہلے ہی اپنے لیے آگ کا سامان کرلیا۔ اس وقت حضرت مسلم ابنِ عوسجہ کو تابِ ضبط باقی نہ رہی اور امام حسینؑ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ مولا اجازت دیں تو۔ تیر سے اس کا کام تمام کردوں مگر مصلحِ اعظم اور پیغامبرِ امن امام نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ابتدائے جنگ میری طرف سے ہو۔ اس سے ایک طرف حضرت مسلم کے جوشِ ایمانی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے مطیع و فرمانبردارِ امام تھے کہ کوئی بھی اقدام بلا اجازت نہ اٹھاتے۔

متعدد معتبر کتب میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے شہید آپ ہیں۔ اس اعتبار سے بھی آپ کو فہرستِ شہیدانِ کربلا میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

جب امام کی مختصر سی فوج پر میمنہ کے ساتھ فرات کی طرف سے فوجِ اشقیا حملہ آور ہوئی تو فوجِ حسینیؑ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمنوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ جب اس خونریز جنگ کا اختتام ہوا اور دامنِ غبار چاک ہوا تو اس وقت حضرت مسلم ابنِ عوسجہ خون میں غلطاں دکھائی دیے۔ مہمان نواز امام سرہانے پہنچے تو دیکھا کہ عنقریب روح پرواز کرنا چاہتی ہے۔ راکبِ دوشِ رسولؐ نے فرمایا کہ ربِ سبحانہٗ تعالیٰ تمھیں اپنی رحمتوں سے نوازے تم چلو ہم بھی جلد پہنچتے ہیں"۔

یہاں پر تاریخ میں وہ گفتگو جو حبیب ابنِ مظاہر اور مسلم ابنِ عوسجہ کے مابین ہوئی تھی یادگار حیثیت رکھتی ہے اور ناقابلِ فراموش ہے۔ جنابِ مسلم ابنِ عوسجہ کی

یہ حالتِ زار دیکھ کر جنابِ حبیب نے انھیں مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ''تم عنقریب ہی انعاماتِ الٰہی سے سرفراز ہوگے''۔ جنابِ مسلم نے بخوشی اس مبارکباد کو قبول فرمایا اس کے بعد جنابِ حبیب نے سوال کیا کہ کوئی وصیت ہو تو بیان کرو۔ اس وقت جنابِ مسلم کا جواب اس بات کا مظہر ہے کہ آپ کے پیشِ نظر صرف نصرتِ امامؑ تھی چنانچہ یہ نہیں کہا کہ میری زوجہ کا خیال رکھنا یا میرے بچوں کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آنا بلکہ فرمایا کہ ''تم بھی اپنی جان جلد امام پر قربان کرو''۔

اس کے بعد روح جنتِ فردوس کی طرف پرواز کرگئی۔

## حضرت حبیبِ ابنِ مظاہر:

آپ صحابیِ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ صحابیِ امیرالمومنینؑ، صحابیِ امام حسنؑ اور صحابیِ امام حسینؑ ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں۔ شیخ طوسی نے تحریر فرمایا ہے۔

''آپ کی ولادت عرب کے ایک ممتاز خاندان میں ہوئی تھی اور آپ کے چچا زاد بھائی جناب ربیعۃ بن حوط ایک بہت ہی معروف شاعر ہوئے ہیں۔ یہی نہیں کہ صرف آپ کی ولادت ایک معزز خاندان میں ہوئی ہو بلکہ آپ کی درس و تدریس اور تعلیم و تربیت بھی ایک ایسے بزرگ کے ذریعے ہوئی ہے جسے دنیائے اسلام بابِ مدینۃ العلم اور خطیبِ منبرِ سلونی کے القاب سے یاد کرتی ہے۔ امیرالمومنینؑ کا تعلیم و تربیت دینا اس بات کا مستقل ثبوت ہے کہ آپ کا کردار انتہائی بلند تھا۔

آپ امام حسینؑ کے سچے مخلص اور محب تھے چنانچہ تاریخ اپنے دامن میں ایسے بہت سے واقعات محفوظ کئے ہوئے ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے

خط و کتابت نیز ذاتی و نجی گفت و شنید کے ذریعے شیعانِ امام حسینؑ میں اضافہ کرنے کی سعیِ بلیغ فرمائی ہے۔ آپ کے حضرت مسلمؑ ابنِ عقیل کے مدد کرنے کا ذکر تاریخ میں ہے۔ (دیکھئے طبری ج ۱ صفحہ ۱۹۹)۔ یہی نہیں بلکہ کربلا تک میں حبیب ابنِ مظاہر امام حسینؑ کے فدائیوں اور جان نثاروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے عملاً کوشاں رہے۔ چنانچہ شبِ عاشورہ بھی آپ نے امام سے اجازت طلب فرمائی کہ وہ جا کر اپنے قبیلے بنی اسد سے جو اس کے اطراف میں مقیم ہیں آپ کی نصرت کرنے کی استدعا کریں۔ امامِ عالی مقام نے اجازت مرحمت فرمائی اور آپ وہاں تشریف لے گئے اور ہر ممکن طریقے سے اُن کو امام حسینؑ کی نصرت کی طرف متوجہ فرمایا اور اُن لوگوں نے بھی آپ کی نصیحت سے اثر لیا اور سب سے پہلے عبداللہ بن بشیر نے آپ کی حمایت میں آواز بلند کی اور اس کے بعد اور بھی بہت سے افراد نے نصرتِ سیدالشہدا کے نام پر لبیک کہی۔ حضرت حبیبؑ سب کو لے کر چلے لیکن اس کا پتہ عمرِ سعد کو چل گیا اور اس نے پانچ سو سواروں کو راستہ روکنے کی غرض سے بھیج دیا جس کا مقابلہ کرنے کی قوت اس مختصر جماعت میں نہ تھی۔ نتیجتاً وہ سب لوگ لوٹ گئے اور جنابِ حبیبؑ تنہا تشریف لائے۔

آپ کی معرفت کی انتہائی بلندیوں کو دیکھنے کے بعد ہی آپ کو امام حسینؑ نے اپنی مختصر اور بے مثال فوج کے حصہ میسرہ کا سردار بنایا تھا۔

امام سے بے انتہا محبت رکھنے کی وجہ سے یہ مجاہدِ راہِ خدا مظلومِ کربلا کے متعلق کوئی گستاخانہ یا نازیبا کلمہ سننے کا روادار نہ تھا چنانچہ اس کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں کہ جب کسی دشمن نے کوئی گستاخی کی ہے یا نازیبا کلمہ کہا ہے تو حضرت حبیب نے

اس کا دنداں شکن جواب دیا ہے۔ صبحِ عاشورہ جب امام حسینؑ نے اپنا خطبہ ارشاد فرمایا ہے تو اس کے سننے کے بعدِ شمر ملعون نے بہ آوازِ بلند کہا کہ میں منافق ہوں اور عبادتِ پروردگارِ عالم صرف ایک حرف پر (یعنی زبانی) کرتا ہوں۔ اگر کچھ میری سمجھ میں آرہا ہے کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ حبیب ابنِ مظاہر نے ان نازیبا کلمات کا جواب ان الفاظ میں دیا جو طبری میں یوں مذکور ہیں۔

''بے شک خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تُو خدا کی ستّر حرفوں پر عبادت کرتا ہے (یعنی تیری عبادت مخلصانہ حیثیت سے یک رنگ نہیں بلکہ ہفتاد رنگ ہے) اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے کہ تیری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ امام کیا فرماتے ہیں کیونکہ تیرے دل پر مہر لگ چکی ہے''۔

دوسرا موقع وہ ہے کہ جس وقت حبیب کو غیظ آیا ہے اور وہ دشمنوں کے گستاخانہ کلمات کو نہیں سن سکے ہیں۔ یہ اُس وقت ہوا جبکہ امام نے اصحاب کے ساتھ نمازِ جماعت پڑھنے کا قصد کیا اور فرمایا کہ ہمیں اتنی مہلت دی جائے کہ ہم نمازِ ظہر ادا کرلیں تو اس وقت اشقیا کی فوج میں سے کسی ملعون نے کہا کہ ہاں نماز پڑھ لو مگر تمہاری نماز درجۂ قبولیت تک نہ پہنچے گی''۔

جنابِ حبیب یہ کلمات سن کر بے چین ہو گئے اور پیمانۂ ضبط لبریز ہو گیا نیز یہ فرماتے ہوئے کہ تیری نماز قبول ہوگی اور فرزندِ رسولؐ کی نماز قابلِ قبول نہیں حملہ آور ہوئے۔ لعین کے منہ پر تلوار ماری، وہ زمین پر گرا دوسرے لوگوں نے حلقہ کرلیا اور جناب حبیبِ سے اسے چھڑا کر لے گئے۔

لیکن اب جنابِ حبیبؓ میدان میں تھے، جوش میں آکر یہ اشعار پڑھنے لگے کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تعداد میں تمہارے برابر یا آدھے بھی

ہوتے تو تم ہمارے سامنے سے یقینی طور پر بھاگ جاتے۔ اے حسب ونسب و اخلاق کے اعتبار سے بدترین قوم'' اس کے بعد آپ نے رجز پڑھا جو آپ کی خودداری کا واضح ثبوت ہے۔

''میں حبیب ہوں اور میرے باپ کا نام مظاہر تھا، میدانِ جنگ اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کے ہنگام کا شہسوار ہوں۔ تمہاری تعداد ہم سے زیادہ اور لڑائی کا سامان تمہارے پاس فراواں ہے مگر ہم اپنی بات کے زیادہ دھنی اور مشکلات کے زیادہ برداشت کرنے والے ہیں نیز حجت ہماری بالا اور حقیقت نمایاں اور فرائض کی پابندی زیادہ اور دامن صاف ہے''۔

یہاں پر یہ واضح رہے کہ جنابِ حبیب بے انتہا شجاع و بہادر تھے یہاں تک کہ مخالفین بھی آپ کی بے پناہ شجاعت و دلیری کا لوہا مانتے تھے اسی لیے جب فوجِ مخالف سے کوئی بہادر لڑنے آتا تھا تو وہ اپنے خیالِ باطل میں مدِّ مقابل کو ہیچ سمجھتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ تم سے کیا مقابلہ کروں اپنی فوج میں سے حبیب ابنِ مظاہر، زُہیر بن قین یا بریر بن خضیر جیسے کسی شجاع کو میرے مقابلے کے لیے بھیج دو۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ میں ایک نیا جوش وولولہ پیدا ہوا اور آپ تلوار لے کر پوری طرح سے آمادۂ جنگ ہوئے اور بہت خوب جنگ کی۔ آپ نے بدیل بن صریم کو بھی ایک ہی وار میں ختم کیا۔ اس نے جنابِ حبیب پر حملہ کیا اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے حضرت حبیب پر نیزے کا وار کیا جس سے وہ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور اُٹھنے کی کوشش ہی فرما رہے تھے کہ حصین جسے آپ پہلے شکست دے چکے تھے ایک تلوار لگائی جس سے وہ بے جان ہو کر گرے اور کچھ دیر بعد روح جنت کی طرف پرواز کر گئی اور کائنات میں تاریکی چھا گئی لیکن

مظالم کی انتہا اب بھی نہ ہوئی تھی بلکہ تمیمی اور حصین میں مباحثہ ہونے لگا۔ تمیمی کا دعویٰ تھا کہ انھیں قتل کرنے کا سہرا میرے سر ہے کیونکہ میں نے ہی اپنے وار سے گھوڑے سے گرایا اور حصین کہتا تھا کہ میری تلوار کے وار سے ان کا کام تمام ہوا اس لیے یہ سعادت مجھے نصیب ہوئی بالآخر حصین نے کہا کہ مجھے اتنا کر لینے دو کہ ان کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر لشکر میں گردش کرلوں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کارِ نمایاں میں نے انجام دیا ہے اس کے بعد تم انعامات سے سرفراز ہونے کے لیے ان کے سر کو دربارِ ابنِ زیاد میں لے جانا۔ تمیمی نے یہ بات منظور کر لی اور پھر حصین نے ایسا ہی کیا اور اپنی شقاوتِ قلبی اور انتہائی بربریت کا مظاہرہ کر دیا۔

تاریخ کے اوراق اس کے بھی شاہد ہیں کہ آپ کے قتل ہونے پر امامِ مظلوم پر کافی اثر ہوا اور الفاظِ حسرت و یاس زبانِ مبارک پر جاری ہوئے۔

ہزار ہزار درود اور لاکھ لاکھ سلام تم پر اے اصحابِ رسولؐ کہ تم نے جگر گوشۂ رسالت، مالکِ تارو جنت، پروردۂ آغوشِ نبوت، سیّد الشہدا مظلومِ کربلا حضرت امام حسینؑ اپنی جانوں کو قربان کر کے صحابیت کی لاج رکھ لی۔ اسلام کو حیاتِ جاودانی بخشی اور اپنے لافانی نقوشِ دین داری و حق پرستی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی پر چھوڑ گئے نیز دنیائے اسلام کو یہ درس دیا کہ مجاہدینِ راہِ خدا تحفظِ دین و مذہب کے لیے ہر عزیز سے عزیز شے کو قربان کر دینے میں کچھ دریغ نہیں کرتے یہاں تک کہ موت کو بھی شہد سے شیریں سمجھتے ہیں اور بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔

کاش ہمارے نوجوان! کربلا کے ان بوڑھے مجاہدین سے سبق لیں کہ کس

طرح حق و صداقت کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹانے پر بھی چہرے پر مسکراہٹ نظر آتی ہے نہ کہ ماتھے پر شکن۔

## حضرت شبیب بن عبداللہ بن حرث (صحابیِ رسولؐ):

آپ کا شمار اصحابِ رسولؐ میں ہوتا ہے اور آپ صفِ اوّل کے فدایان و محبانِ حضرت علیؑ میں سے تھے نیز حضرت علیؑ کے ساتھ نہروان، صفین اور جمل کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ آپ کوفے کے رہنے والے تھے اور حارث بن سریع کے غلام تھے۔ کربلا میں امامِ مظلوم کی رفاقت و نصرت میں شہید ہوئے، آپ کا ذکر ہم نے بہ عنوانِ "کربلا میں غلاموں کی شہادت" میں بھی کیا ہے اس لیے آپ رسولِؐ اسلام کے صحابی ہونے کے ساتھ غلامی کے زمرے سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

## حضرت انس بن حرث اسدی:

آپ کو بھی پیغمبرِؐ اسلام کے صحابی ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور آپ نے رسولِؐ کریم سے متعدد احادیث کی روایتیں فرمائی ہیں۔

سرکارِ رسالت کی لسانِ وحی ترجمان سے شہادتِ سیّدالشہدا کا حال سن چکے تھے اس لیے منتظر تھے کہ کب وہ وقت آئے اور کب میں نصرتِ امام میں جان دے کر درجۂ شہادت پر فائز ہوں۔

تاریخیں بتاتی ہیں کہ آپ معرکۂ کربلا میں موجود تھے اور آغازِ جنگ ہو جانے کے بعد امام سے اجازت حاصل فرما کر میدانِ جدال و قتال میں آئے اور اس شان سے کہ عمامے سے اپنی کمر باندھے ہوئے تھے اور اپنی بھوؤں کو رومال سے

باندھ رکھا تھا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ اس وقت بہت ضعیف ہو چکے تھے اور یہ آپ کا انتہائی جذبہ نصرتِ امام حسینؑ تھا جو آپ نے اس کبیر سنی میں بھی تیر و تلوار کی اذیت و تکلیف کو برداشت کیا مگر نصرت و رفاقت حسینی سے گریز نہ فرمایا۔ امام آپ کے لیے یہ دعائے خیر فرمارہے تھے کہ اے خداوند عالم تو اس ضعیف مجاہد راہ خدا کے جذبۂ عمل کو پسند فرما۔ جنابِ انسؓ آخرکار جنگ کرتے کرتے شہید ہوئے اور فضائے عالم میں رنج و الم کی بجلیاں کوندنے لگیں، کائنات میں اندھیرا چھا گیا اور رسولؐ کے ایک صحابی کا لاشہ جلتی ہوئی ریت پر پڑا تھا اور اس نبیؐ کا کلمہ پڑھنے والے خوشیاں منارہے تھے کہ لشکرِ حسینی کا ایک سپاہی اور کم ہوا۔

## جُنادہ بن حرث انصاری سلمانی اِزدی:

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اِن پر بھی سلام وارد ہے یہ کوفے کے رہنے والے تھے اور ابنِ عسا کر نے اُن کو صحابہ رسولؐ میں سے شمار کیا ہے۔ جنگِ صفین میں یہ حضرت علیؑ کی فوجِ ظفر موج میں داخل تھے، حضرت مسلمؑ جب کوفے میں پہنچے تو انہوں نے ان کی بیعت کی تھی لیکن جب کوفیوں نے غداری کی تو یہ خفیہ وہاں سے نکل پڑے اور مقامِ عُذیب الحجانات پر امامِ حسینؑ کے ساتھ ہو گئے۔ جب حُرؓ کے ساتھیوں نے اُن کو گرفتار کرنا چاہا تو امامِ حسینؑ اور ان کے اصحاب نے فوجِ یزید کو اس اقدام سے روکا۔ چنانچہ وہ باز آ گئے۔

مناقب ابنِ شہر آشوب نے لکھا ہے کہ عاشور کے دن جُنادہ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ کارزار میں پہنچے اور ۱۶ بے دینوں کو واصلِ جہنم کر کے شہید ہوئے۔

## حرث بن نبہان:

حرث کے والد نبہان حضرتِ حمزہ کے غلام تھے اور نہایت بہادر جنگجو اور مردِ میدان تھے۔ حضرت حمزہ کی شہادت کے دو سال بعد نبہان کا انتقال ہو گیا تھا تو حرث حضرت علیؑ کی غلامی میں آ گئے تھے اور پھر امامِ حسنؑ کی غلامی میں رہے اور اُن کے بعد امامِ حسینؑ کے ساتھ مل کر کربلا میں آئے روزِ عاشورہ حملۂ اُولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ربیعہ بن خوط اسدی:

خوط اور مظاہر دونوں بھائی تھے اور اس اعتبار سے ربیعہ اور حبیب ایک دوسرے کے چچا زاد بھائی تھے اور دونوں واقعۂ کربلا میں موجود تھے، اور حبیب کی طرح ربیعہ بھی جنابِ رسالت مآب کے صحابی تھے، چنانچہ ابنِ عساکر نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ربیعہ بھی حضرت علیؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے اور حضرت علیؑ کی جنگوں میں شریک ہوئے اور آخرکار امامِ حسینؑ کے ساتھ روزِ عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## سعد بنِ حرث:

اصابہ سے منقول ہے کہ سعد حضرت علیؑ کے غلام تھے اور کوفے میں حضرت علیؑ کی طرف سے پولیس کے انچارج تھے اور پھر حضرت علیؑ نے سعد کو آذربائیجان کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ سعد کو حضرتِ رسالت مآبؐ کی صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا، حضرت علیؑ کے بعد سعد امامِ حسنؑ کے ساتھ رہے اور آخرِکار امام حسینؑ کے ہمراہ میدانِ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

---

# اصحابِ امیر المومنینؑ

## جو ہمراہِ رکابِ حسینی شرف یابِ شہادت ہوئے

امام حسینؑ کے انصار و اعوان منتخبانِ روزگار اور یگانۂ دہر افراد تھے جن میں عارفانِ ربانی عابدانِ شب زندہ دار، قاریان و حافظِ قرآن، صاحبان فضل و کرم، اصحاب رسالتمابؐ اصحاب امیر المومنینؑ سب ہی تھے، یوں سمجھئے کہ گلشن نسلِ آدم کے گلہائے خوش رنگ و بُو کا ایک دیدہ زیب گلدستہ حسینی انصار کی صورت میں سرزمینِ کربلا پر مہک رہا تھا۔ ہم نے اپنے کئی مقالات میں خصوصیت سے شہداءِ بنی ہاشم، اصحابِ جناب رسالتمآبؐ، اور اصحابِ امیر المومنین کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مقالے میں اُن اصحابِ امیر المومنینؑ کا ذکر مقصود ہے جو واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے۔ حضرت کے اصحاب میں پانچ بزرگوار تو ایسے تھے جن کو شرفِ صحبتِ رسولؐ بھی حاصل تھا اس وقت صرف ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو صرف امیر المومنین کے صحابی کہے جا سکتے ہیں۔

(۱) جناب سعد بن حرث غلام جنابِ امیر، کچھ دن حضرت کے ساتھ رہے۔ آپ کے بعد امام حسنؑ کی خدمت میں اور پھر امام حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ جب حضرت نے مدینے سے مکّے کا سفر اختیار فرمایا تو یہ ساتھ ساتھ رہے اور پھر مکّے سے کربلا پہنچے۔ حملۂ اُولیٰ میں شہید ہوئے۔

(۲) جناب نصر بن ابو نیزر غلام امیر المومنینؑ، آپ کے والد شاہانِ عجم میں

سے کسی کی اولاد یا نجاشی کی اولاد میں سے تھے۔ المبرد نے "کامل فی الادب" میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آپ نجاشی کی اولاد میں سے تھے۔ صغر سنی ہی میں اسلام کی جانب مائل ہوئے، رسولؐ اللہ کی خدمت میں لائے گئے، اسلام لائے، رسولِ خدا نے ان کی تربیت کی۔ جب حضرت کا انتقال ہوا تو جنابِ فاطمہؑ اور اولادِ فاطمہؑ کے ساتھ ہو گئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ملوکِ عجم کی اولاد تھے۔ رسولؐ خدا کو ہدیتاً بھیجے گئے پھر امیر المومنین کے ساتھ رہے۔ آپ کے نخلستان میں کام کیا کرتے تھے انھیں کے فرزند جناب نصر تھے جو امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ کے ساتھ رہتے تھے۔ حضرت ہی کے ساتھ کربلا گئے۔ حملۂ اولیٰ میں شہادت واقع ہوئی۔ پہلے آپ کا گھوڑا پے کیا گیا پھر آپ کو شہید کیا گیا۔

۳۔ حرث بن نبہان۔ نبہان جناب حمزہ کے غلام تھے، بڑے دلیر اور شہسوار تھے، اُن کے فرزند جناب حرث کو امیر المومنین جناب امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت کے ہمراہ کربلا پہنچے اور پہلے حملے میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۴۔ ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ بن کعب صائدی سر برآوردہ تابعی تھے۔ عرب کے شہسواروں میں شمار تھا۔ شیعوں میں نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے، آپ ہمراہِ رکاب لڑائیوں میں جہاد کئے ہوئے تھے پھر امام حسینؑ کا ساتھ رہا یہ کوفے ہی میں مقیم تھے۔ جب معاویہ دنیا سے اٹھا تو آپ نے بھی امام کو خط لکھا تھا۔ جب جنابِ مسلم کوفہ آئے تو یہ ان کے ہمراہ ہو گئے۔ جب جناب مسلم نے اقدام کیا ہے تو ربیع، تمیم و ہمدان پر

انھیں کو امیر بنایا تھا۔ آپ نے ابنِ زیاد کے قصر کا محاصرہ بھی کر لیا تھا لیکن جب لوگوں نے دغا کی اور حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ مخفی ہو گئے۔ ابنِ زیاد نے آپ کی تلاش بڑی سختی سے جاری رکھی۔ آپ جنابِ نافع بن ہلال کے ساتھ خدمتِ امام میں روانہ ہوئے، راستے میں ملاقات ہوئی اور پھر آپ ہی کے ہمراہ رہے یہاں تک کہ شہید ہوئے..... کربلا میں چند مواقع پر آپ کا مخصوص تذکرہ ہے۔

طبری ناقل ہے کہ جب امام واردِ کربلا ہوئے اور پسرِ سعد بھی آ گیا تو اس نے حضرت کی خدمت میں کثیر بن عبداللہ شعبی کو گفتگو کے لیے بھیجا۔ یہ بڑا اشقی تھا۔ ابنِ سعد نے کہا جا کر دریافت کرو، کیوں آئے ہیں؟ یہ بولا کہئے تو صرف دریافت کروں اور کہئے تو ان پر حملہ کر کے قتل ہی کر ڈالوں۔ ابنِ سعد نے کہا نہیں ابھی یہ مقصد نہیں ہے صرف ان سے دریافت کر کے چلے آؤ۔ کثیر امام کے لشکر کی طرف آیا، جب ابوثمامہ صائدی نے اسے دیکھا تو حضرت سے عرض کرنے لگے۔ حضورِ "شرِ اہلِ ارض آ رہا ہے خوں بہانے اور اچانک حملہ کرنے میں بڑا اجری ہے، جب وہ نزدیک پہنچا تو جنابِ صائدی نے بڑھ کر فرمایا، "اپنی تلوار رکھ دے" اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میں تو ایلچی ہوں اگر میری بات سنو گے تو پیغام پہنچا دوں گا ورنہ واپس چلا جاؤں گا" ابوثمامہ نے کہا "جب تو امام کی خدمت میں حاضر ہو گا تو میں تیری تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے ہوں گا تو بات کر لینا"، اس نے کہا ہرگز نہیں۔ تم میری تلوار کو چھونا بھی نہیں۔ انھوں نے کہا جو پیغام ہو مجھ سے کہہ دے میں حضرت سے جا کر عرض کر دوں تجھے ان سے نزدیک بھی نہ ہونے دوں گا۔ کیونکہ تو بڑا فاجر ہے۔ بڑی دیر تک دونوں میں سخت کلامی رہی۔ آخر کو کثیر عمرِ سعد کے

پاس واپس گیا، اس نے قرہ بن قیس کو بھیجا جس نے آکر پسرِ سعد کا پیغام حضرت کو پہنچایا۔

دوسرا تذکرہ آپ کا نماز کے مشہور واقعے میں ملتا ہے۔ عاشور کے روز جب جنگ ہو رہی تھی اور زوال کا وقت آیا تو آپ ہی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا "یا اباعبداللہ" میری جان آپ پر قربان، میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن آپ سے نزدیک ہوتے جا رہے ہیں۔ خدا کی قسم انشاءاللہ جب تک میں آپ پر نثار نہ ہو لوں گا آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے پروردگار سے یوں ملاقات کروں کہ نماز پڑھ لی ہو جس کا وقت اب آ گیا ہے" یہ سن کر امام نے آسمان کو دیکھا اور فرمایا "تم نے نماز کو یاد کیا خدا تم کو نماز گزاروں اور ذکر خدا کرنے والوں میں محبوب کرے۔ ہاں یہ اوّل وقت ہے۔ یہی وہ موقع ہے جب اشقیا سے نماز کی مہلت مانگی گئی۔" انھوں نے نماز کے لیے لڑائی نہیں روکی امام نے مطابقِ حکمِ شریعت نماز خوف ادا فرمائی۔

ابو ثمامہ نے نماز سے فراغت کے بعد امام سے عرض کیا "میں چاہتا ہوں اپنے (شہید) اصحاب سے ملحق ہو جاؤں۔ مجھے یہ گوارہ نہیں ہے کہ اُن سے آپ کو یکہ و تنہا دیکھوں، آپ کو شہید دیکھوں"۔ امام نے فرمایا "اچھا جاؤ! ہم بھی گھڑی بھر میں تم سے آملیں گے" ابو ثمامہ بڑھے، جہاد کیا، زخموں سے چُور ہوئے انھیں اُن کے چچازاد بھائی قیس بن عبداللہ صائدی نے شہید کیا، آپ کی شہادت جنابِ حُرؑ کی شہادت کے بعد واقع ہوئی۔

(۵) جناب بریر بن خضیر ہمدانی، اپنی قوم کے سردار اور بڑے عبادت گزار، قاریِ قرآن بلکہ شیخ القرا تھے، امیر المومنینؑ کے صحابی تھے۔ کوفے میں ہمدان

کے اشراف میں سے تھے۔ جب آپ کو امام حسینؑ کے حالات کی اطلاع ہوئی ہے تو آپ کوفے سے نکلے روانہ ہو گئے، امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شہادت پائی۔

جب جناب حر کے رسالے کا راستے میں سامنا ہوا ہے اور امام علیہ السلام نے اس وقت ایک تقریر فرمائی ہے تو جناب مسلم و جناب نافع نے امام سے خطاب کیا تھا وہاں جناب بریر نے بھی اُٹھ کر ایک مختصر تقریر کے ذریعے سے اپنے جذبات کا اعلان کیا تھا۔ انھوں نے حضرت سے خطاب کر کے عرض کیا۔

''خدا کی قسم اے فرزند رسولؐ، خدا نے آپ کے ذریعے سے ہم پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ہم آپ کے سامنے جہاد کریں۔ آپ کی محبت میں ہمارے اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں اور قیامت کے دن آپ کے نانا ہمارے شفیع قرار پائیں۔ وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنے نبیؐ کے نور کو ضائع کر دے۔ ان کے لیے ویل ہو، کیا منہ لے کر ید اللہ کا سامنا کریں گے؟ اُن کے لیے اُف ہو اُس دن جب یہ آتشِ جہنم میں واویلاہ والثبوراہُ کہہ کر چیخ رہے ہوں گے''۔ (نالہ و فریاد کرتے ہوں گے۔)

آپ کی قوتِ یقین اس درجہ تھی کہ نہم محرم کو عبدالرحمان کے ساتھ آپ نے کچھ کلماتِ مزاح استعمال فرمائے، جواب میں جناب عبدالرحمان نے کہا تھا کہ ان باتوں کو چھوڑو یہ مزاح کا وقت نہیں ہے ان کے جواب میں جناب بریر نے فرمایا خدا کی قسم میری قوم آگاہ ہے کہ میں نے کبھی جوانی یا بڑھاپے میں مزاح کو دوست نہیں رکھا لیکن بات یہ ہے کہ اس وقت میں خوش ہوں انجام کو سوچ کر، خدا کی قسم ہمارے درمیان اور جنت کی حوروں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہ گیا

ہے کہ ہم ان دشمنوں پر حملہ آور ہوں۔ وہ ہم پر اپنی تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں۔ میں تو چاہتا ہوں بس اب جلدی سے یہ مرحلہ آ جائے۔

روزِ عاشورہ جنابِ بریر کے اشقیا سے بہت سے مکالمے ہوئے ہیں اُن سب میں اہم آپ کا مباہلہ ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ لشکرِ مخالف سے یزید بن معقل نکلا اس نے کہا ''بریر دیکھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا''؟ آپ نے جواب دیا ''خدا کی قسم میرے ساتھ تو خدا نے جو کچھ کیا وہ خیر ہی خیر ہے، ہاں تیرے ساتھ جو ہوا وہ بُرا ہے''۔ وہ بولا ''جھوٹ کہتے ہو اور آج کے پہلے بھی تم جھوٹ بولا کرتے تھے، کیا تمہیں وہ موقع یاد ہے جب میں تمہارے ساتھ کوفے میں کوچۂ بنی دودان سے گزر رہا تھا اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان ایسے تھے،! اور معاویہ گمراہ اور گمراہ کُن تھے اور اعلیٰ ابنِ ابی طالب امامِ حق وہدایت ہیں''۔ بریر نے یہ سن کر فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ ہاں یہی میری رائے اور میرا قول ہے''۔ زید بن معقل بولا ''تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہوں میں سے ہو!'' یہ سن کر جنابِ بریر کو جوش آ گیا۔ ایک حق پرست اپنی طرف گمراہی کی نسبت کیسے گوارہ کر سکتا ہے جب کہ وہ فرزندِ رسولؐ کی حمایت پر کمر بستہ ہے۔ آپ نے یزید سے فرمایا کہ ''کیا تو مجھ سے مباہلے کے لیے تیار ہے اور یہ کہ ہم دونوں مل کر دُعا کریں کہ خدا جھوٹے پر لعنت کرے اور جو حق پرست ہے وہ باطل والے کو قتل کر دے اور یہ دُعا کرنے کے بعد تو میرے مقابلے کے لیے نکل وہ تیار ہو گیا دونوں نے اپنے ہاتھ مباہلے کے لیے بلند کئے اور جھوٹے کے لیے بددعا کی اور یہ کہ حق والا باطل والے کو قتل کر دے پھر دونوں نے تلوار لے کر مقابلہ شروع کیا دو دو چوٹیں چلیں۔ یزید نے جنابِ بریر پر ایک ضربت لگائی جو بالکل اوچھی پڑی اور جنابِ بریر کو

کوئی نقصان نہ پہنچا سکی پھر جنابِ بریر نے یزید پر وار کیا خود کٹا، ضربت دماغ تک پہنچ گئی وہ اس طرح گرا جیسے اونچے پہاڑ پر سے کوئی گرتا ہے۔ بریر کی تلوار اس کے سر میں ڈوب گئی جسے ہلا ہلا کر اس کے سر سے نکالا اس وقت آپ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

آنا بُریر وانی خضیر و کل خیرٍ قلهٔ بریر

میں بُریر ہوں اور میرے باپ خضیر ہیں اور ہر خیر کے لیے بریر ہے۔

آپ مباہلے میں دشمن پر غالب آئے اور ہمیشہ کے لیے فیصلہ کر دیا کہ کون باطل اور کون حق پر تھا۔ مباہلے میں مقابل پر فتح حاصل کرنے کے بعد جنابِ بریر لشکرِ اعدا پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی دیر تک جہاد کیا آخر میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۶۔ جناب عمار الدلانی بن سلامہ۔ اصحابِ امیر المومنین میں تھے۔ حضرت کی تینوں لڑائیوں میں ہمراہِ رکاب رہ کر جہاد کیا۔ کربلا میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۷۔ حضرت جنادہ بن حرث سلمانی۔ مشاہیر شیعہ اور اصحابِ امیر المومنین میں تھے پہلے کوفے میں جنابِ مسلم کا ساتھ دیا۔ جب دیکھا کہ ساتھ چھوڑ کر لوگ الگ ہو گئے تو عمرو بن خالد صیداوی وغیرہ کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں شرف یاب ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں حُر کے رسالے نے روکا۔ امام نے ان لوگوں سے کہہ کر اپنے ساتھ لے لیا۔ کربلا میں بڑے معرکے کی لڑائی لڑ کر شہید ہوئے۔

۸۔ مجمع بن عبداللہ مذحجی عائذی آپ کے والد صحابیِ رسولؐ تھے اور خود آپ اصحابِ امیر المومنین میں تھے۔ جنابِ جنادہ کے ہمراہ لڑائی میں شہید ہوئے۔

۹۔ جناب نافع بن ہلال۔ قوم کے سردار، سورما، قاریِ قرآن اور حاملانِ حدیث میں تھے۔

امیر المومنین کے ہمراہ آپ کی تینوں لڑائیوں میں شرکت کا فخر حاصل کر چکے تھے۔ شہادتِ جنابِ مسلم سے پہلے امام کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ راستے ہی میں حضرت سے ملحق ہو گئے۔ اصحابِ حر کے سامنے امام نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے بعد جب زہیر نے تقریر کی، پھر جنابِ نافع اٹھے اور امام سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔ "اے فرزندِ رسول! حضور کو علم ہے کہ حضور کے نانا لوگوں کو اپنی محبت گھول کر پلانے پر قادر نہ ہوئے اور نہ ہو سکا کہ آپ سب کی باتیں مان لیں۔ آپ کے اصحاب میں منافق بھی تھے جو نصرت کا وعدہ تو کرتے تھے مگر دل میں بے وفائی چھپائے رہتے تھے سامنے تو شہد سے زیادہ شیریں مگر پیٹھ پیچھے حنظل سے زیادہ تلخ یہاں تک کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ آپ کے بابا علی کو بھی یہی مواقعے درپیش ہوئے۔ ایک جماعت نے تو آپ کی نصرت پر کمر باندھی اور آپ کے ساتھ ہو کر ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جہاد کیا اور ایک جماعت مخالف ہو گئی یہاں تک کہ آپ بھی رحمت و رضوانِ الٰہی کی طرف سدھارے آج آپ کی بھی یہی حالت ہے۔ جو اپنا عہد توڑ ڈالے اور اپنی نیت بدل دے وہ اپنے ہی کو ضرر پہنچائے گا اور خدا آپ کو اس سے مستغنی فرما دے گا۔ آپ ہمارے ساتھ بخیر و عافیت جہاں چاہیں تشریف لے چلیے، چاہے مشرق چاہے مغرب، خدا کی قسم ہم قضا الٰہی سے ڈرتے نہیں ہیں اور نہ اپنے پروردگار کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم اپنی سچی نیت اور عقیدت پر باقی ہیں۔ ہم آپ کے دوست کے دوست دشمن کے دشمن ہیں"۔

روزِ عاشور آپ نے کئی لڑائیاں لڑیں۔ آپ کے رجز کا یہ شعر خاص معنویت رکھتا ہے جس میں آپ نے اپنے اور اپنے فریق کے اختلافِ عقائد کی جانب اشارہ فرمایا۔ ان تنکرونی تانا ابن الجملی دینی علی دین حسین بن علی۔ اگر تم مجھے نہیں پہچانتے ہو تو سنو میں جملی کا بیٹا ہوں میرا دین وہی ہے جو حسینؑ بن علی کا دین ہے۔

انھوں نے اپنے تیروں کے سرے پر اپنا نام لکھ لیا تھا، تیرِ زہر آلود آپ انھیں دشمنوں پر مارتے تھے۔ صرف تیروں ہی سے بارہ دشمنوں کو قتل کیا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو تلوار سونت کر صفوں پر ٹوٹ پڑے اور فرماتے جاتے تھے۔

انا الھذبر الجملی دین علی دین علی
میں ہوں جملی شیر میرا دین وہی ہے جو علی کا دین تھا

لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں تیروں، پتھروں کی بارش شروع کر دی یہاں تک کہ آپ کے دونوں بازو شل ہو گئے، آپ کو اسیر کر کے لے گئے، ابنِ سعد سے آپ نے بڑی دلیری سے باتیں کیں، اپنی حقانیت کا اعلان کیا آخر میں شمر کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۰۔ جناب حجاج بن مسروق۔ امیر المومنینؑ کے ہمراہ کوفے میں رہے جب امام حسینؑ مکہ گئے تو یہ بھی کوفے سے مکے جا کر حضرت سے ملحق ہو گئے، اوقات نماز میں آپ بھی اذان دیا کرتے تھے۔ عاشورۂ محرم کو جب جنگ کا بازار گرم ہوا تو آپ اجازت لے کر گئے۔ پلٹ کر یوں آئے کہ ریشِ مبارک خون سے تر تھی۔ امام سے عرض کیا۔ قد تلك نفسی ھادیا۔ الیوم القی جنت البنیاد ثم اباك ذالذی علیاد ذاك الذی تعرنه الوصیة۔

"آپ پر میری جان نثار۔ آپ ہادی و مہدی ہیں۔ آج آپ کے نانا رسولؐ خدا سے ملاقات کروں گا پھر آپ کے صاحبِ جود و سخا باپ علی سے ملوں گا۔ وہی علی جن کی ہمیں یہ معرفت ہے کہ وہ وصی رسولؐ تھے۔

امام نے یہ سن کر فرمایا ہاں۔ ہاں اور میں بھی تمہارے بعد ہی ان بزرگوں سے ملاقات کروں گا"۔

۱۱۔ زید بن مغفل جعفی بڑے شجاع اور خوش گو شاعر تھے۔ امیر المومنینؑ کے ہمراہِ رکاب صفین کے معرکے میں جہاد کیا" بروزِ عاشور امام سے اذنِ جہاد لے کر رجز پڑھتے ہوئے نکلے، دلیرانہ جنگ کر کے شہید ہوئے۔ جنابِ عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری اور حضرت جون کا حال کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے۔

۱۲۔ جنابِ مسلم بن کثیر۔ امیر المومنین کی بعض لڑائیوں میں آپ کا پیر ناکارہ ہو گیا تھا۔ کربلا میں شرفِ شہادت حاصل کیا۔

۱۳۔ جنابِ نعمان و جناب حلاس پسرانِ عمرو ازدی پہلے عمرِ سعد کے ساتھ آئے جب اس نے امام کی شرطوں سے انکار کیا، رات کو امام سے ملحق ہوئے اور آپ کی نصرت میں شہید ہوئے۔

۱۴۔ جنابِ امیہ بن سعد طائی۔ کوفے میں قیام تھا۔ امام کے کربلا پہنچنے کی خبر پا کر آئے اور شہید ہوئے۔

(۱۵) جنابِ قاسط، (۱۶) جنابِ کردوس، (۱۷) جناب مقسط، زہیر بن حرث ثعلبی کے فرزند تھے۔ جنابِ امیرؑ کی لڑائیوں میں جہاد کیا۔ امام حسینؑ کی نصرت میں شہید ہوئے۔

# وہ غلام جو معرکۂ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

اسلام مساوات کا علمبردار ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے، امیر و غریب، مفلوک الحال و سرمایہ دار، آقا و غلام میں کوئی فرق نہیں۔ یہاں تو وہ زیادہ معزز و مکرم ہے جو اطاعتِ خدا و رسولؐ و ائمہؑ جتنی زیادہ کرتا ہے چاہے وہ نسلی، نسبی، خاندانی، صوری حیثیت سے کتنا ہی پست کیوں نہ ہو نیز خاندانوں اور قبیلوں کی تفریق محض تعارف کے لیے ہے لہٰذا معرکۂ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے غلاموں کو اس اعتبار سے کہ وہ غلام تھے کم مرتبہ نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ عظمت و بزرگیِ خاندان ہرگز وجہِ نازش و فخر نہیں بلکہ یہ ایک اضافی شرف ہے اس کے برخلاف افعال و اعمالِ انسانی ہی باعثِ افتخار و امتیاز ہوتے ہیں۔ کربلا کے میدان میں شہید ہونے والے یہ غلام عملی حیثیت سے اور معرفت کے اعتبار سے انتہائی بلند درجے پر فائز تھے اس لیے وہ ہمارے لیے قابلِ تقلید، لائقِ پیروی اور واجب الاحترام ہیں۔

ان کو تو ہم صرف غلاموں ہی کا سردار نہ کہیں گے بلکہ سادات الاحرار (آزادوں کا سردار) بھی کہنے پر مجبور ہیں اس لیے کہ سرزمینِ کربلا پر اگر یہ حضرات اپنی فقید المثال قربانیاں نہ پیش فرماتے تو آج حریت و آزادی کا کہیں

نام نہ ہوتا اور انسان حیوانیت، لامذہبیت اور مکروفریب کے شکنجوں میں کسا ہوتا نیز بدافعالیوں اور بداعمالیوں کے دلدل میں پھنسا ہوتا۔

اب ہم اُن غلاموں کا ذکر مختصر الفاظ میں کریں گے جو کربلا میں نصرتِ سیّدالشہدا کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۔ حضرت شبیب بن عبداللہ

آپ کو رسولؐ اسلام کی صحابیت کا شرف حاصل تھا نیز اس کے ساتھ آپ صفِ اول کے شیعیانِ علیؑ میں سے تھے اور آپ نے امیرالمومنین کی رفاقت و نصرت میں جنگ ہائے نہروان، صفین اور جمل میں حصہ لیا تھا۔

اوراقِ تاریخ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آپ کوفے کے رہنے والے تھے۔

آپ حارث بن سریع ہمدانی کی غلامی میں تھے اور اپنے آقا زادوں سیف بن حارث اور مالک بن حارث کے ساتھ سیّدالشہدا کی خدمتِ اقدس میں تشریف لائے تھے، حملۂ اولیٰ میں شہید ہو کر حیاتِ ابدی حاصل فرمائی اور دنیائے اسلام کو اپنا ممنونِ احسان بنا گئے۔

## ۲۔ حضرت سُلیم (امام حسنؑ کے غلام):

آپ حضرت امام حسن علیہ السلام کی غلامی کے شرف سے سرفراز تھے۔ ایسی جلیل القدر ہستی کا غلام بڑی بڑی اور قہار سلطنتوں کے بادشاہوں اور کشور کشاؤں سے بھی زیادہ بلند ہے اور آج بھی عظیم سے عظیم اور وسیع سے وسیع حکومتوں کے سلاطین اُن کے غلاموں تک کے غلام کہلانے میں عزت و فخر محسوس کریں گے اور ان کی حیاتِ طیبہ و سیرتِ مبارکہ کو اپنے لیے قابلِ تقلید سمجھیں گے بشرطیکہ وہ ان

کے مرتبہ شناس ہو جائیں۔

آپ نے امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں سرزمینِ کربلا پر اپنی جان کی عظیم قربانی پیش کی۔

## ۳۔ حضرت سعد (غلامِ عمرو بن خالد)

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ آپ بہت بلند کردار کے ایک انتہائی شریف انسان تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمت و جرأت میں بھی کافی شہرت رکھتے تھے۔ آپ اپنے آقا عمرو بن خالد کے ساتھ آخری عمر تک رہے۔

جنابِ سعد اس گروہ کے ساتھ آ کر امامؑ سے ملحق ہوئے تھے جو عذیب الہجانات میں سید الشہدا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے بھی انھیں حضرات کے ساتھ جامِ شہادت نوش فرمایا۔

## ۴۔ حضرت نصر بن ابی نیزر:

جنابِ نصر کے والد ماجد حضرت ابو نیزر رضی اللہ عنہ، ملکِ عجم کے کسی صاحبِ حکومت فرد کی نسل میں تھے۔ زمانہ طفولیت میں ہی مشرف بہ اسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور آپ کی تعلیم و تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ سرورِ کائناتؐ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد حضرت علیؑ کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

خود جنابِ نصر نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور حضرت امیر المومنینؑ اور حضرت امام حسنؑ کے ساتھ گزار دیے۔ پھر اس کے بعد دوسرے سردارِ جوانانِ جنت حضرت امام حسینؑ کی شرفِ غلامی سے سرفراز ہوئے۔ جب مظلومِ کربلا روانہ سفر ہوئے تو آپ بھی امام کے شریکِ کارواں بنے اور زمینِ نینوا پر تشریف لائے۔

حملۂ اولیٰ میں پہلے آپ کا رہوار شہید ہوا پھر آپ خود درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۵۔ حضرت منجح بن سہم:

(مُنجح کے معنی ہیں کامیاب و فتح مند ہونا)

آپ بھی خانوادۂ رسالت کے غلام تھے۔ ربیع الاحرار میں تحریر ہے کہ امام حسینؑ کی ایک کنیز حُسنیہ تھیں جن کا عقد ''سہم'' کے ساتھ ہوا تھا اور آپ ہی سے جنابِ منجح متولد ہوئے۔

کنیز حُسنیہ امام سیّد الساجدین علیہ السلام کے گھر کا کام انجام دیتی تھیں، جس وقت امامِ مظلوم کربلا کے سفر کو چلے اس وقت مُنجح بھی امام کے ساتھ ہو لیے اور کربلا تشریف لائے۔

کتب میں آپ کی شہادت کا ذکر حملۂ اولیٰ سے قبل کی جنگ میں ملتا ہے۔

زیارت کے نسخوں میں بھی آپ کا ہی نام لے کر سلام کیا گیا ہے۔

## ۶۔ حضرت جابر بن حجاج:

آپ کوفے کے رہنے والے تھے جو اپنی شجاعت و بہادری اور فنِ شہسواری میں مہارت کے لیے بہت مشہور و معروف تھے۔

آپ حضرت مسلم ابنِ عقیل کی نصرت و رفاقت کے لیے تیار تھے مگر نامساعد حالات و ماحول نے ایسا نہ کرنے دیا اور آپ کو رُوپوشی اختیار کرنا پڑی۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ امامِ عالی مقام کربلا پہنچ گئے ہیں تو آپ عمرِ سعد کی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا آئے اور کسی طرح چھپ چھپا کر امام کے فدائیوں اور جاں نثاروں میں مل گئے۔

جنگ کا آغاز ہو جانے کے بعد حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے اور انعاماتِ آخرت سے سرفراز ہونے کے لیے بارگاہِ احدیت میں پہنچے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ آپ عامر بن نہشل تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔

## ۷۔ حضرت سالم (عامر بن مسلم عبدی کے غلام)

جناب سالم اپنے آقا عامر بن مسلم العبدیؒ کے ساتھ کربلا آئے تھے۔ ابصار العین میں مذکور ہے کہ آپ اس کارواں کے ساتھ سرزمینِ کربلا پر وارد ہوئے تھے جو زید بن ثبیط قیسی کے ساتھ بصرہ سے کربلا آیا تھا۔

روزِ عاشور حملہ اولیٰ میں نصرتِ سیّد الشہدا کرتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا دی مگر جیتے جی امامؑ پر آنچ نہ آنے دی۔

زیارتِ شہداء میں بھی آپ کا نام ملتا ہے۔

## ۸۔ حضرت سلیمان شہید بصرہ:

آپ کی والدۂ گرامی کا نام کبشہ تھا جو امام حسینؑ کی کنیزی میں تھیں۔

حضرت سلیمان کو بعض تاریخیں امام علیہ السلام کا غلام لکھتی ہیں مگر متواتر یہی ہے کہ آپ سید الشہدا کی شرفِ غلامی سے بہرہ اندوز تھے۔

شیخ طوسی نے آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ آپ امام حسینؑ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے لیکن اکثر و بیشتر تاریخیں آپ کو شہیدِ بصرہ لکھتی ہیں لیکن علامہ شیخ مامقانی نے جو فیصلہ فرمایا ہے وہ بہت حد تک صحیح ہے کہ اگرچہ آپ شہید تو بصرہ ہی میں ہوئے لیکن شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل ہیں۔ آپ پر مفصّل مضمون دوسری جگہ دیا گیا ہے۔ آپ کو قاصدِ تحریکِ کربلا بھی مانا جاتا ہے۔

## ۹۔ حضرت جون (غلام حضرت ابوذر غفاری):

جناب جون حبشی النسل تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

جون بن حوئی (جوئی) بن قتادہ بن اعور بن ساعدۃ بن عوف بن کعب بن جوئی۔ آپ پہلے فضل ابنِ عباس عمِ جناب رسالت مآبؐ کی غلامی میں آئے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے ڈیڑھ سو اشرفی قیمت دے کر انہیں خرید لیا اور جناب ابوذر غفاری کو ہبہ فرما دیا تاکہ وہ ان کی خدمت انجام دیتے رہیں۔

جناب جون برابر حضرت ابوذر غفاری کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ آپ کو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان نے جلاوطن کر کے ایک کوردہ مقام ربذہ میں نظر بند کر دیا۔

اس جلاوطنی کے عالم میں بھی جون اپنے آقا کی رفاقت میں رہے اور جب حضرت ابوذر غفاری بے بسی و بے کسی اور غریب الوطنی کے عالم میں داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے تو وفادار جون ۳۲ھ میں پھر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آ کر رہنے لگے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی صحبت سے فیض اٹھایا اور پھر امام حسینؑ کے پاس رہے۔ گویا جناب جون نے جناب ابوذر غفاری جیسے مومنِ کامل کی صحبت کے علاوہ تین اماموں کی صحبت کا شرف بھی حاصل کیا۔

میدانِ کربلا میں جب بازارِ کارزار گرم ہوا تو جون نے حضرت امام حسینؑ سے اذنِ جہاد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت نے اجازت دینے میں تامّل فرمایا اور ارشاد کیا کہ "میں تم سے خصوصیت کے ساتھ زور دے کر یہ کہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ اور اپنی جان بچا لو تم تو ہمارے ساتھ آرام اٹھانے

آئے تھے نہ کہ رنج و مصیبت برداشت کرنے کے لیے، ہماری وجہ سے اپنے آپ کو کیوں مصیبت و ہلاکت کا شکار بناتے ہو"۔

یہ سن کر وفادار جون امام کے قدموں پر گر پڑے اور پشتِ پا کے بوسے لے کر عرض کی "فرزندِ رسولؐ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ راحت و آرام کے دنوں میں تو آپ کے ساتھ رہا اور آپ کے گھر کے پیالے چاٹے اور اب مصیبت کے وقت آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں"۔

امام نے اب بھی جون کو لڑنے کی اجازت دینے میں پس و پیش فرمایا۔ اس پر جون نے انسان کے اس خود ساختہ اصول پر طنز کرتے ہوئے جس کی بنا پر انسانوں کے درمیان اونچ نیچ، کالے گورے اور بلند و پست کی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں عرض کی "مولا! کیا اس لیے مجھے اجازت نہیں دی جا رہی ہے کہ میرا حسب و نسب پست ہے، میرا رنگ سیاہ ہے، میرے جسم سے بدبو آتی ہے۔ آپ اپنے صدقے میں مجھے جنت کا مستحق بنا دیجئے کہ میری بدبو خوشبو سے بدل جائے، میرا حسب شریف ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے۔ بخدا میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ سیاہ خون آپ حضرات کے طاہر و مطہر خون میں نہ مل جائے"۔

اس انوکھی اپیل نے حسینؑ کو مجبور کر دیا کہ آپ جون کو رن کی اجازت دیں۔ جون یہ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جدال و قتال میں وارد ہوئے کہ ذرا گنہگار لوگ دیکھیں تو ایک سیاہ غلام شمشیر و نیزے سے کس طرح جنگ کرتا ہے آل رسولؐ کی امداد و حمایت میں۔" جون نے یادگار جنگ لڑی اور بالآخر شہادت کی سعادت حاصل فرمائی۔

امام بہ نفسِ نفیس سید الاحرار حضرت جون کی لاش پر تشریف لائے اور ان کی شہادت پر متاثر ہو کر جون کے حق میں دعا فرمائی کہ خداوندا! جون کے چہرے کو روشن کر دے۔ اس کے جسم کی بد بو کو خوشبو سے مبدل کر دے اور اسے نیکو کاروں کے ساتھ محشور کر اور اسے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی معرفت رکھنے والوں میں محسوب فرما۔

کہا جاتا ہے کہ لاش ہائے شہدائے کربلا میں جون کی لاش اس خوشبو سے پہچانی گئی جو امام کی دعا کی برکت سے ان کے جسم میں پیدا ہو گئی تھی۔

## ۱۰۔ حضرت قارب (حضرت امام حسینؑ کے غلام)

حضرت قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دئلی کی والدہ کا اسم گرامی فکیہہ تھا جو امام حسینؑ کی حرم سرا میں جنابِ رباب کی کنیز تھیں۔ ان کی شادی عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ہوئی تھی جن سے قارب کی ولادت ہوئی۔ قارب اپنی والدہ کے ساتھ امام حسینؑ کے ہمراہ مدینے سے مکہ اور پھر وہاں سے کربلا آئے۔ آپ حملۂ اول میں شہید ہو گئے۔

## ۱۱۔ غلام ترکی (جناب اسلم بن عمرو):

حضرت امام حسینؑ کے غلام اور حافظِ قرآن تھے جنھیں آپ نے اپنے فرزند جنابِ سیدِ سجاد کو ہبہ فرما دیا تھا۔ یومِ عاشور امام سے اجازتِ جہاد چاہی تو آپ نے فرمایا کہ خیمے میں جا کر زین العابدین سے مانگو۔ غلام اجازت لے کر اور اہلِ حرم کو سلام کر کے میدانِ جنگ میں آیا اور یہ رجز پڑھا۔

سمندر میں میرے نیزہ و شمشیر کی حدت سے آگ لگ جائے اور فضا میرے تیروں کی پرواز سے مملو ہو جائے۔ جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمکتی ہے

مغرور، حاسد کا دل شگفتہ ہو جاتا ہے"۔

اس مجاہد نے یادگار جنگ کی اور بہت سے دشمنوں کو قتل کیا، جب زخمی ہو کر گرا تو امام کو پکارا۔ امام اس کے سرہانے پہنچے، اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اس کے منھ پر اپنے رخسار ملنے لگے۔ غلام نے آنکھیں کھولیں اور اپنی اس عزت افزائی پر مسکرا کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

## ۱۲۔ حضرت سعد بن حارث:

آپ حضرت امیر المومنین کے غلام تھے اس کے بعد حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں رہے، کربلا امام کے ہمراہ آئے اور عاشور کو امام پر جاں نثار کی۔

## ۱۳۔ حضرت شوذب ابن عبداللہ:

آپ اپنے آقا کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید ہوئے، آپ کے آقا عابس نے روزِ عاشور شوذب سے پوچھا کہ تمھارا کیا ارادہ ہے۔ شوذب نے جواب دیا کہ نصرت مولا میں شہید ہونا۔ جنابِ عابس نے کہا کہ اچھا سدھارو اور نصرتِ مولا میں جان دو اور تمہارا مرنا میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔

آپ تشریف لے گئے، جہاد کیا آخر کار اشقیا کے ہاتھوں مارے گئے۔

## ۱۴۔ حضرت رافع بن عبداللہ:

آپ مسلم بن کثیر اعرج کے غلام تھے اور حملۂ اول میں شہید ہوئے اور غلام رافع نے بعد ظہر شہادت پائی۔

---

# وہ انصار جو فوج یزیدی کو چھوڑ کر خدمت امامؑ میں چلے آئے

عام طور پر مشہور تو یہی ہے کہ جنابِ حُر فوج یزیدی سے علاحدہ ہو کر خدمتِ امام میں تشریف لائے اور اپنی جانِ عزیز حضور کے قدموں پر نچھاور کی لیکن تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حضرتِ حُر ہی نہیں تھے بلکہ ایسے متعدد افراد تھے جو امامِ مظلومؑ کے خطبوں سے اور اہلِ بیتؑ اطہار کی بے بسی، مجبوری اور مظلومی سے متاثر ہوئے اور موقع ملتے ہی خدمتِ امام میں چلے آئے اور نصرتِ امام کر کے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

فوجِ دشمن سے ٹوٹ کر خدمتِ امام میں حاضر ہونے والوں میں کچھ ایسے برگزیدہ افراد بھی تھے جو دل سے شیعۂ علیؑ تھے اور امامِ وقت کے سچے وفادار مگر نامساعد حالات کی بنا پر وہ نصرتِ امام کے کھُلم کھُلا اعلان اور ارادے سے کربلا نہیں جاسکتے تھے اس لیے کہ راستے مسدود اور ہر راہ پر پہرے بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی مسافر کو بغیر پوری جانچ پڑتال کے بصرہ و کوفہ سے کربلا کی طرف جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اور جس مسافر کے متعلق یہ شبہ بھی ہو جاتا کہ وہ امام حسینؑ کی مدد کے لیے جا رہا ہے اس کی جان محفوظ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ان مخلصین کے لیے جو نصرت کی سچی خواہش کے باوجود بھی کوفے میں حضرت مسلمؑ

کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکے تھے اور ابنِ زیاد کی ہوش رُبا سختیوں سے بچنے کے لیے مخفی (Under ground) ہو گئے تھے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ فوجِ یزید میں شامل ہو کر اپنے آپ کو کسی طرح کربلا پہنچائیں تاکہ اس طرح حضرت امام حسینؑ کے جوار میں پہنچ کر جب موقع ملے اور حالات اجازت دیں وہ لمحوں کے اندر فوجِ یزید سے کٹ کر چند قدم کی مسافت طے کر کے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ جنت تک پہنچنے کے لیے انھوں نے مجبوراً دوزخ کا یہ وقتی راستہ اختیار کیا تھا۔ ذیل میں ہم اُن انصارِ حضرت امام حسینؑ کے حالات درج کر رہے ہیں۔

## ۱۔ حضرت جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی:

آپ قبیلۂ تیم سے تو نہ تھے مگر رہتے اسی قبیلے کے ساتھ تھے اسی لیے ان کی نسبت اسی قبیلے کی طرف ہونے لگی اور آپ تیمی کہلائے جانے لگے۔

جب ابنِ زیاد نے حضرت امام حسینؑ کے مقابلے کے لیے اپنی فوج میں قبائل کی بھرتی کرنا شروع کی تو قبیلۂ بنی تیم کے ساتھ یہ بھرتی ہو گئی اور عمرِ سعد کے لشکر کے ساتھ کربلا پہنچے۔ جوین حالات کا برابر مطالعہ کرتے رہے اور جب آپ نے یہ دیکھا کہ امام کی پیش کی ہوئی کوئی شرط بھی منظور نہیں کی گئی تو آپ کو یقین ہو گیا کہ فوجِ اعدا بغیر جنگ کیے ہوئے نہ رہے گی تو آپ کے جوشِ ایمانی نے آپ کو دوزخ کا راستہ اختیار کر لینے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ تنہا نہیں بلکہ اپنے قبیلے کے بعض دوسرے افراد کے ساتھ رات کے وقت فوجِ دشمن سے الگ ہو کر امام کی طرف آ گئے اور جنگِ مغلوبہ میں شہادت پائی۔

## ۲۔ حضرت حرث بن امراؤالقیس بن عابس کندی:

آپ بھی جناب جوین کی طرح عمرِ سعد کی فوج میں شامل تھے مگر جب آپ نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ کی پیش کردہ شرطوں میں سے ہر شرط کو مسترد کردیا گیا ہے تو آپ فوج اعدا سے جدا ہو کر خدمتِ امام میں حاضر ہو گئے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

حرث بن امراؤالقیس بڑے ازمودہ کار نبرد آزما تھے اور مختلف جنگوں میں بڑے بڑے کارنامے کر چکے تھے۔ ان کے مذہبی ثبات واحساس کے ثبوت میں اس واقعے کا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ "قلعہ مجیر" کا جب محاصرہ کیا گیا ہے تو محاصر فوج میں آپ بھی شامل تھے۔ غلبہ حاصل کر لینے کے بعد جب مرتد محصورین کو قلعے سے باہر نکال کر قتل کیا جانے لگا ہے تو حرث اپنے حقیقی چچا پر حملہ آور ہوئے۔ چچا نے تعجب سے کہا کہ "تم بھتیجے ہو کر مجھ پر حملہ کر رہے ہو"۔ حرث نے جواب دیا کہ "تم تو میرے چچا ہی ہو مگر خدا تو میرا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے اس کے حکم کے سامنے اس قرابت کا پاس نہیں کیا جاسکتا"۔ یہ کہہ کر ان کی تلوار نے مرتد چچا کا کام تمام کر دیا۔

## ۳۔ حضرت جابر بن حجاج تیمی:

آپ حضرت مسلم بن عقیل کے حامیوں میں سے تھے مگر جب کوفے کے ناسازگار حالات نے حضرت مسلم کی نصرت سے مجبور کر دیا تو آپ اپنے قبیلے "تیم اللہ بن ثعلبہ" میں آ کر روپوش ہو گئے۔ جب آپ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا پہنچ چکے ہیں تو آپ عمرِ سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے اور چھپ

چھپا کر کسی طرح اپنے آپ کو خدمتِ امام میں پہنچا دیا اور روزِ عاشور جنگِ مغلوبہ میں آپ شہید ہوئے۔

جناب جابر بن حجاج ہی پہلے غلام تھے مگر ان کے آقا عامر بن نہش تیمی نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ وہ بڑے نبرد آزما سپاہی اور کوفے کے باشندے تھے۔

## ۴۔ حضرت حلاس بن عمر وازدی راسبی:

## ۵۔ حضرت نعمان بن عمر وِازدی راسبی:

یہ دونوں بھائی کوفے کے باشندے اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ جناب حلاس امیر المومنینؑ کے عہدِ خلافت میں کوفے میں پولیس کے افسر تھے اور جناب نعمان جنگِ صفین میں بھی شریک تھے۔ آپ کا نام بعض کتابوں میں جلاس، خلاص اور حلاسی بھی لکھا ہے جو طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ شیخ طوسی نے آپ کا نام اصحابِ امام حسینؑ کی فہرست میں بھی شامل کیا ہے۔

یہ دونوں بھائی عمرِ سعد کی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا پہنچے اور جب امام کے شرائطِ صلح مسترد کر دیے گئے تو آپ دونوں کسی نہ کسی طرح چھپ چھپا کر خدمتِ امام میں پہنچ گئے۔ دونوں حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۶۔ حضرت زُہیر بن سُلیم بن عمر وِازدی:

آپ بھی عمرِ سعد کی فوج ہی میں بھرتی ہو کر کربلا پہنچے تھے۔ جب ۹ محرم کا دن گزر کر رات آئی اور حالات نے اس کا یقین دلا دیا کہ اب صلح کی کوئی صورت نہیں ہے اور حضرت امام حسینؑ کے تمام پیش کردہ شرائط کو مسترد کر دیا گیا ہے اور صبح کو جنگ یقینی ہے تو اب آپ کا فوجِ اعدا میں رہنا ناممکن ہو گیا اور آپ نے

امام کی خدمت میں پہنچنا ضروری سمجھا چنانچہ آپ نے صحیح مرکز پر آ کر نصرتِ امام کرتے ہوئے حملہ اولیٰ میں امام پر اپنی جان تصدق کر دی۔

زیارتِ شہدا میں بھی نام لیکر آپ پر سلام کیا گیا ہے۔

## ۷۔ حضرت ضرغامہ بن مالک تغلبی:

آپ نے بھی کوفے میں جنابِ مسلمؑ کی بیعت کی تھی مگر ان کی شہادت کے بعد جب حالات بالکل ہی بدل گئے تو آپ بھی مخفی (under ground) ہو گئے اور کسی مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ کے مقابلے کے لیے کربلا فوجیں بھیجی جا رہی ہیں تو آپ نے بھی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا پہنچنے کی سبیل نکالی اور پھر امام حسینؑ سے جا کر ملحق ہو گئے۔ آپ کی شہادت بھی حملہ اولیٰ میں ہوئی ہے۔

## ۸۔ حضرت مسعود بن حجاج تیمی:

## ۹۔ حضرت عبدالرحمان بن مسعود تیمی:

جنابِ مسعود بن حجاج تیمی اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمان دونوں فوجِ عمرِ سعد میں شامل ہو کر کربلا پہنچے تھے۔ ساتویں محرم کو دونوں باپ بیٹے امام کی خدمت میں سلام کرنے حاضر ہوئے تو جذبۂ ایمانی نے پھر واپس جانے کی اجازت ہی نہ دی اور یہ دونوں بزرگوار حملۂ اوّل میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ زیارتِ شہدا میں دونوں پر ایک ساتھ سلام کیا گیا ہے۔

مسعود بن حجاج کوفے کے مقتدر و معروف شیعوں میں سے تھے اور بہت سی جنگوں میں شریک ہو چکے تھے اس اعتبار سے تجربہ کار شہسوار تھے۔ آپ کا شمار

اصحابِ حسینؑ میں بھی کیا گیا ہے۔

## ۱۰۔ حضرت عبداللہ بن بشر خثعمی:

آپ نے بھی فوجِ عمر سعد میں شامل ہو کر اپنے آپ کو کربلا پہچانے کی تدبیر پر عمل کیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ موقع ملتے ہی آپ خدمتِ امام میں پہنچ گئے اور حملۂ اولیٰ میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

آپ کے والد بشر بن ربیعہ اپنے عہد کے مشہور و معروف شخص تھے جنھیں بڑا آزمودہ کار سپاہی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ جنگِ قادسیہ میں بھی ان کا نام تاریخ کے اوراق پر نظر آتا ہے۔ کوفے کا مشہور احاطہ جو "جبانہ بن بشرؒ" کے نام سے پکارا جاتا تھا آپ ہی کے نام سے منسوب تھا۔ قدرت کی طرف سے آپ کے فرزند جناب عبداللہ کو بھی وہی اوصاف شجاعت و شہرت ورثے میں ملے تھے اور یہی وہ صفات تھے جن کے باعث انھیں میدانِ کربلا میں نصرتِ امام کرتے ہوئے شہادت کی سعادت نصیب ہوئی۔

## ۱۱۔ حضرت عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی:

آپ عمرِ سعد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا آئے اور پھر نصرتِ امام کے جذبے نے امام کی خدمت میں پہنچا دیا۔ جنگِ مغلوبہ میں شہید ہوئے۔ آپ بڑے شجاع اور آزمودہ کار سپاہی تھے اور محاربوں میں بڑے بڑے کارنامے کئے تھے۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے انھیں حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں بھی شمار کیا ہے۔

## ۱۲۔ حضرت قاسم بن حبیب بن ابی بُشر ازدی:

پورا نام و نسب یہ تھا قاسمؒ بن حبیب بن ابی بشر ازدی، کوفے کے دلیر اور

نامور شیعوں میں شمار ہوتے تھے نیز انھیں اصحابِ امام حسینؑ میں بھی منسوب کیا گیا ہے۔ عمرِ سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے اور پھر خدمتِ امام میں باریابی حاصل کر کے شہادت کے درجے پر فائز زیارتِ شہدا میں ان پر بھی سلام مذکور ہے۔

## ۱۳۔ حضرت بکر بن حی تیمی صحابیٔ رسولؐ:

آپ بھی عمرِ سعد کی فوج کے ساتھ کربلا آئے تھے مگر خوش بختی نے ساتھ دیا اور آپ نے جہنم کا راستہ ترک کر کے جنت کا سیدھا راستہ بالکل بروقت اختیار کیا اور روزِ عاشور جنگ چھڑنے کے بعد آپ امام حسین علیہ السلام کی طرف آ گئے اور حملۂ اولیٰ کے بعد درجۂ شہادت حاصل کیا۔

## ۱۴۔ حضرت حُرؑ:

حضرت حُرؑ ابنِ زیاد کی فوج میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے اور اس لشکر کے افسرِ اعلیٰ تھے جو حضرت امام حسینؑ کو کوفے تک پہنچنے سے روکنے کے لیے ابنِ زیاد نے تعینات کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی جنگوں میں شرکت کر چکے تھے۔ جنابِ حُر قادسیہ کی اس فوج میں بھی شامل تھے جو ناکہ بندی کے لیے معین کی گئی تھی۔

حُر کے جسمِ خاکی میں ایک سعید روح پنہاں تھی۔ ان کا خمیر نیکی و سعادت سے ہوا تھا اور جس کی طینت و فطرت میں نیکی شامل ہوتی ہے وہ بُرے سے بُرے ماحول میں رہ کر بھی بالآخر اپنے اصل مرکز کی طرف ضرور عود کرتا ہے۔ یہی حالت جنابِ حُر کی بھی تھی۔ انسان نما شیطانوں کے جھرمٹ میں گھرے ہونے کے باوجود ان میں نیکی و انسانیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ دل ان کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا مگر مجبوریاں انہیں دشمن کے کیمپ میں رکھے ہوئے تھیں

اور وہ اس وقت تک اس کیمپ میں موجود رہے جب تک کہ انھیں اس کا یقین نہ ہو گیا کہ یہ نام نہاد مسلمان امام کو بغیر شہید کئے باز نہ آئیں گے۔ اب یہ وقت وہ تھا جب مخالف کیمپ میں موجود رہنا منافیِ عدل و مذہب تھا اس لیے جنابِ حر نے عیش و آرام، اختیار و اقتدار، جاہ و منصب، دنیاوی کامیابی و کامرانی پر ٹھوکر مار کر اس انسانِ کامل سے ملحق ہو جانا ضروری سمجھا جس کے پاس مادّی راحت و آرام کے اسباب کا فقدان تھا، ناکامی اور تباہی و بربادی کا یقین تھا، بھوک تھی، پیاس تھی، مصائب و آلام تھے، ہلاکت و موت تھی اور اپنے بعد اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کو مصیبت میں مبتلا کر دینا تھا مگر حُر کے جذبۂ ایمانی نے سب مصیبتوں اور پریشانیوں کو گوارا کر لیا لیکن عمرِ سعد، ابنِ زیاد اور یزید کے احکام و ہدایات پر عمل کرنا اور ان کی خوشنودی کو ملحوظ رکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ آپ عین وقت پر جب کہ کوئی لمحے میں معرکۂ کربلا عملی شکل اختیار کرنے والا تھا فوجِ عمرِ سعد سے نکل کر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں جا پہنچے اور عفوِ تقصیر کرا کے چند ہی ساعت میں وہ تمام مراحل طے کر لئے جو ایک شہید کو اس مادّی دنیا سے دائمی زندگی والے عالم میں پہنچنے میں طے کرنا پڑتے ہیں۔

بہر حال حقّانیت کی یہ بھی ایک کشش ہے کہ ایک جنابِ حر نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات فوجِ عمرِ سعد کے آرام و آسائش، زندگی بھر کے سکون و چین اور اقتدار و منصب پر لات مار کر حضرت امام حسینؑ کی طرف آ گئے جن کے پاس تشنگی و گرسنگی و مصائب و آلام اور تباہی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے برخلاف کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی یہ نہیں بتاتی کہ حسینی گروہ میں سے کوئی متنفس ٹوٹ کر فوجِ یزیدی کی طرف گیا ہو۔

# انصارِ امام حسینؑ
# کے مکمّل حالاتِ زندگی

## (الف)

### ا۔ حضرت ابوثمامہ، عمرو بن عبداللہ بن کعب صیداوی:

بابِ اول کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

### ۲۔ ابنِ شبیط عبدی:

یہ بصرے کے ممتاز شیعوں میں سے تھے اور شاگردِ حضرت علیؑ جناب ابو الاسود دؤلی کے مصاحب تھے۔ بصرے میں جناب ابنِ شبیط ان خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے جو حضرت امام حسینؑ کی تائید میں قبیلۂ عبد قیس کی ایک مومنہ کے مکان پر ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے دس فرزندوں کو نصرتِ امام کے لیے آمادہ کیا مگر ان میں سے صرف دو بیٹے اس پر آمادہ ہوئے جن کی شہادت کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ روزِ عاشورا اپنے بیٹوں کی شہادت کے بعد امام پر اپنی جان نثار کی۔

### ۳۔ حضرت اِدہم بن امیہ عبدی بصری (حملۂ اولیٰ کے شہید):

بصرہ کے رہنے والے، قبیلۂ عبد قیس سے تعلق رکھتے تھے۔ بصرہ میں ان خفیہ

جلسوں میں شریک رہتے تھے جو ایک محبِ اہلِ بیتؑ خاتون جناب ماریہ بنتِ سعد کے مکان پر امام حسینؑ کی تائید میں ہوتے رہتے تھے۔ ابنِ زیاد نے بہ حیثیت گورنر بصرہ، بصرے کے پورے علاقہ کی ناکہ بندی کردی تھی تاکہ کوئی شخص نصرتِ امام حسینؑ کے لیے نہ جاسکے۔ ایسے پُرخطر وقت میں زید بن ثبیط قیسی نے نصرتِ حسینؑ کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو زید ابن ثبیط قیسی کے دو صاحبزادے عبداللہ ابنِ زید بن ثبیط قیسی اور عبیداللہ ابن زید بن ثبیط قیسی اور چار دیگر افراد نے عہد کیا کہ ہم تمام خطرات کو انگیز کر کے حسینؑ تک پہنچنے کے لیے آمادہ ہیں انھیں چار افراد میں ادہم بن اُمیہ بھی تھے۔ یہ لوگ مقام ''ابطح'' میں جو مکۂ معظمہ کے جوار میں واقع ہے امام سے آکر ملحق ہوئے۔

آپ روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۴۔ حضرت ابو عامر زیاد بن عمرو ہمدانی

زیاد بن عُریب بن حنظلہ بن دارم عبداللہ بن کعب الصائدی بن شرجیل بن شراحیل بن عمر بن حشم بن حاشد بن جشم بن حیزون بن عوف بن ہمدانی بنو صائد بھی ایک بطن منجملہ قبائل ہمدان کے ہے۔

عُریب تو صحابی تھے اور زیاد کو بھی شرف زیارتِ حضرتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نصیب ہوا تھا۔

زیاد شجاعانِ عرب میں مشہور شخص تھے اور بڑے عابد و زاہد تہجد گذار تھے اور مشاہیر عباد سے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں لکھا ہے کہ زیاد حضرت امام حسینؑ کے طرف سے کربلا میں شہید ہوئے۔

اور علامہ شیخ ابن نما مہران کاہلی سے راوی ہیں کہ میں کربلا میں روزِ عاشورا موجود تھا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ بڑی بہادری اور دلیری سے لڑ رہا ہے اور جس طرف ابن سعد کے لشکر پر وہ جاتا ہے اُدھر صفایا کر کے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے میں نے لوگوں سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا اِن کا نام ابوعمرہ حنظلی ہے اِس کے بعد عامر بن نہشل نے اُن پر حملہ کیا اور شہید کیا۔

## ۵۔ حضرت ابوعَمرو نہشلی:

اِن کے نام میں قدرے اختلاف ہے بعض کتب میں حبیب بن عبداللہ نہشلی مذکور ہے اور بعض نے زیاد بن عُریب لکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوا الگ الگ شخص ہوں جن کی کنیت ابوعمرو ہو اور زیاد بن عریب کا ہمدانی ہونا بھی اِن کا شاہد ہے۔

بہر کیف ابوعمرو نہشلی نمازیٔ شب بیدار متقی و پرہیز گار اور حضرت علی علیہ السلام کے شاگرد اور غلامِ وفادار تھے۔ بروایت ابن نما بنی کاہل کے غلام مہران کا بیان ہے کہ میں نے روزِ عاشورا ایک شخص کو دیکھا جو برقِ شرر بار بن کر قومِ اعدا پر اس شدت سے حملہ کرتا تھا کہ فوجیں اس کے سامنے نہ ٹھہر سکتی تھیں اور بیشہ شجاعت و شہامت کے اس بپھرے ہوئے شیر کی گونج سُن کر بڑے بڑے بہادروں اور نامی گرامی شہ زور جوانوں کے پتّے پانی ہوجاتے تھے پس وہ اِن کے حملہ کے وقت بھیڑوں اور بکریوں کی طرح سہمے ہوئے معلوم ہوتے تھے میں نے بحرِ تعجب میں غرقاب ہو کر دریافت کیا کہ یہ کون مردِ میدان ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ ابوعُمرو نہشلی ہے۔

میدانِ کارزار میں اُنھوں نے اپنی شجاعت کا لوہا منوایا تھا بہت سے ملاعین کو تہہِ تیغ کر کے ایک مرتبہ امامِ عالی مقام کی زیارت کے لئے پلٹ آئے اور سلام کر

کے دوبارہ واپس جا کر مصروفِ جہاد ہوے۔اُن کے کشتگان کی تعداد کو ضبط نہیں کیا گیا۔آخرکار قاتل (عامر بن نہشل) کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرما کر ملکِ بقا کی طرف روانہ ہوئے۔

## ۶۔ حضرت ابوالحتوف بن حرث انصاری:

ابوالحتوف اور اُن کا بھائی سعد بن حرث فوجِ اشقیا میں تھے اور خوارج میں شمار ہوتے تھے جب امام نے استغاثہ کی آواز بلند فرمائی اور خیمہ ہائے اہلِ بیتؑ سے بچوں اور بیبیوں کے گریہ کی آواز بلند ہوئی تو اُن دونوں بھائیوں کی قسمت نے یاوری کی اور آپس میں مشورہ کیا کہ بلاشک جب حسینؑ ہمارا پیغمبرزادہ ہے تو اس کو قتل کر کے ہم اس کے نانا کی شفاعت کے حقدار نہیں ہوسکیں گے پس تلواریں میان سے نکال کر آمادۂ نصرت فرزندِ رسولؐ ہوئے اور ایک جماعت کثیر کو فی النار کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔دونوں بھائی انصاری تھے۔

## ۷۔ حضرت ابوالشعثاء کندی:

ان کا نام زید بن جیاد بن مہاجر ہے اور قبیلہ کندہ کے فرد فرید ہیں کنیت ابوالشعثاء ہے، شہسواری اور فن تیراندازی میں اپنی آپ نظیر تھے اور اپنے دَور کے عالم اور محدّث تھے۔علاوہ بریں نہایت شریف مردِ میدان اور دلیر تھے۔

قبل اس کے کہ لڑائی کی نوبت حضرت امام حسینؑ تک پہنچے۔تلوار میان سے نکال کر دشمنانِ دین پر حملہ آور ہوئے جب اُن کے گھوڑے کے پیر کاٹ دیئے گئے تو امامِ پاک کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور تیراندازی شروع کی۔ان کے ترکش میں ایک سو تیر تھے اور سوائے پانچ تیروں کے سب نشانہ پر لگے۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں حضرت قائم آلِ محمدؑ نے اُن پر بھی نام لے کر سلام کیا ہے۔ جب یہ تیر مارتے تھے تو امام عالی مقام اُن کو دعا فرماتے تھے اور صرف تیروں سے ہی پانچ ملاعین کو فی النار کیا اُن کے کل مقتولین کی تعداد چالیس سے کچھ اوپر بیان کی گئی ہے۔ آخرکار درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۸۔ حضرت اسد کلبی:

جب حضرت امام حسینؑ نے آخری استغاثہ بلند کیا تو انصار میں سے جن پندرہ آدمیوں کو نام لے کر پکارا۔ ان میں سے ایک اسد کلبی بھی ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی شہدائے کربلا میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ کہیں صراحت سے اُن کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔

اور امام عالی مقام کے الفاظ ابومخنف سے اس طرح منقول ہیں۔

''حسینؑ نے دائیں دیکھا تو اپنے انصار میں سے کوئی نظر نہ آیا مگر یہ کہ ان کے چہرے مٹی سے اٹے پڑے تھے اور موت نے ان کی آخری ہچکی بھی ختم کردی تھی، پس آپ نے آواز دی اے مسلم بن عقیل، اے ہانی بن عروہ، اے حبیب بن مظاہر، اے زہیر بن قین، اے زید بن مہاجر، اے یحییٰ بن کثیر، اے نافع بن ہلال جملی، اے ابراہیم بن حصین، اے عمر بن مطاع، اے اسد کلبی، اے عبداللہ بن عقیل، اے علی اکبر، اے مسلم بن عوسجہ، اے داؤد بن طرماح، اے حر ریاحی، اے میدانِ کارزار کے بہادرو، اے عرصۂ حرب وضرب کے شاہسوارو کیا ہوگیا ہے کہ میں تمہیں بلاتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں پکارتا ہوں اور تم نہیں سنتے کیا تم محوِ خواب ہو کہ تمہاری بیداری کی اُمید کروں یا تمہاری محبت میں تبدیلی واقع ہوئی ہے کہ نصرت نہیں کرتے۔ یہ دیکھو تمہارے مرنے

سے رسولؐ کی شہزادیاں بے حال ہو چکی ہیں۔اے غیورو! اپنی نیند سے اُٹھواور ان کمینوں کو حرم رسول سے ہٹاؤ، ہاں بخدا تمہیں موت نے لے لیا اور خائن زمانے نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ورنہ تم میری نصرت سے کوتاہی نہ کرتے اور نہ میری نصرت سے کنارہ کرتے پس ہم تمہارے لئے غمزدہ ہیں اور تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔

## ۹۔ حضرت ابراہیم بن حصین اسدی:

بعض کتبِ معتبر میں ان بزرگوار کو شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے اور اِن کا شہدائے کربلا میں ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری استغاثہ میں جب اپنے اصحاب کو نام لے لے کر پکارا تو ان میں ابراہیم بن حصین کا نام بھی آتا ہے۔نفس المہموم سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے حملہ میں ۸۴ ملاعین کو جہنم رسید کیا اور ایک روایت میں ان کے مقتولین کی تعداد ۵۰ بیان کی گئی ہے۔بالآخر جامِ شہادت نوش فرما کر کوثر کے کنارے پہنچے۔

ابن شہر آشوب نے ابوثمامہ صائدیؒ کے بعد اِن کی جنگ کا ذکر کیا ہے۔

(مناقب جلد ۴، صفحہ ۹۶)

## ۱۰۔ حضرت اسلم ترکی (امام حسینؑ کے غلام)

حضرت امام حسینؑ کے غلام تھے ان کو آپ نے امام حسنؑ کی شہادت کے بعد خرید لیا تھا اور پھر امام زین العابدینؑ کو بخش دیا تھا۔ان کے والد ترک تھے اور یہ غلام قاریٔ قرآن اور امام عالی مقام کے منشی بھی تھے۔مکّے سے مدینے اور وہاں سے کربلا تک آپ کے ہمرکاب رہے۔جب روزِ عاشور لڑائی کی آگ بھڑک اُٹھی تو انہوں نے امام سے طلب اذنِ جہاد کیا۔آپ نے فرمایا میرے فرزند سجادؑ

سے اجازت لو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آقا حضرت سیّد سجادؑ سے اجازت طلب کی اور اہلِ حرم کو سلام کیا اور تلوار نیام سے نکال کر میدان میں پہنچے اور ایک ہی حملے میں ستّر نابکاروں کو تہہ تیغ کیا۔ حضرت سیّد سجادؑ نے اپنے غلام کے جوہر شجاعت ملاحظہ فرمانے کے لئے خیمہ کا پردہ بلند کیا اور دادِ شجاعت دی۔ ترکی غلام کافی جہاد کرنے کے بعد ایک دفعہ پھر خیام کی طرف پلٹے اور حضرتِ سیّد سجادؑ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے آقا کو دوبارہ سلام کرنے کے بعد پھر میدانِ کارزار میں مشغولِ جہاد ہوئے۔ آخر شدتِ پیاس اور کثرتِ زخم کی تاب نہ لاکر زمین پر گرے۔ اور حضرت امام حسینؑ فوراً اُن کے سرہانے پہنچے۔ گھوڑے سے اُتر کر روئے اور اُن کے منہ پر منہ رکھا۔ ابھی غلام ترکی میں رمق جان باقی تھی۔ آنکھ کھولی اور دیکھا کہ سر حضرتِ امام حسینؑ کے زانو پر ہے۔ آقا کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور اپنی خوش بختی پر مسکراتے ہوئے راہیٔ جنت ہوئے۔

## ۱۱۔ حضرت اُمیہ بن سعد بن زید طائی (حملۂ اولیٰ کے شہید):

یہ تابعی تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ شاہسوار اور شجاع تھے ان کا قیام کوفے میں تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ لڑائیوں میں خصوصاً جنگ صفین میں انہوں نے خوب حصہ لیا۔ جب کربلا میں امام حسینؑ کی آمد سے مطلع ہوئے تو کوفے سے نکل کھڑے ہوئے اور آٹھویں محرم کی رات خدمتِ اقدس امام میں پہنچے اور دسویں کے دن حملۂ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

## ۱۲۔ حضرت انس بن حرث اسدی کاہلی (صحابیٔ رسولؐ)

یہ جنابِ رسالت مآبؐ کے صحابہ میں سے تھے واقعہ کربلا میں کافی سن رسیدہ تھے۔ انہوں نے جنابِ رسالتمآب سے حدیثیں نقل بھی کی ہیں۔ چنانچہ عسقلانی

نے اصابہ میں انس بن حرث سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت رسالتمآب سے انہوں نے خود سنا تھا کہ فرماتے تھے میرا یہ فرزند یعنی حسین زمینِ کربلا میں قتل ہوگا جو شخص اس موقعے پر حاضر ہو اس پر اس کی نصرت واجب ہے۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں امام پاک نے اِن بزرگوار پر بھی سلام بھیجا ہے۔

جب امام حسینؑ نے ان بزرگوار کو ابنِ سعد کے ارادوں سے اطلاع پانے کے لئے بھیجا تو انہوں نے عمر بن سعد کو سلام نہ کیا۔

ابنِ سعد نے پوچھا کہ تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کہا کیا تو ہمیں مسلمان نہیں سمجھتا؟ حالانکہ ہم نے خدا اور رسولؐ کا انکار نہیں کیا تو اِن بزرگوار نے جواب دیا کہ تو نے خدا اور رسولؐ کو کس طرح پہچانا ہے جب کہ فرزندِ رسولؐ کے قتل پر کمر بستہ ہے؟ پس ابنِ سعد نے سر جھکا لیا اور کہا خدا کی قسم ان کے قتل کرنے والوں کا انجام بے شک جہنم ہے لیکن عبیداللہ ابنِ زیاد کے حکم کی اطاعت سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔

بہر کیف ان بزرگوار نے بروزِ عاشورا اجازت جہاد حاصل کی اور بحرِ جنگ میں غوطہ زن ہوئے۔ ضعیفی اور بڑھاپے کے باوجود ایسی جرأت اور ہمت سے حملہ کیا کہ روباہ صفت انسانوں کے درمیان گونجتا ہوا شیر معلوم ہوتے تھے۔ آخر اٹھارہ ملاعین کو تہِ تیغ کر کے جامِ شہادت نوش کیا۔

## ۱۴۔ حضرت انیس بن معقل اصبحی:

ابنِ شہر آشوب اور دوسرے محققین نے اِن کو بھی شہدائے کربلا کی فہرست میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بیس سے زیادہ ملاعین کو فی النار کر کے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

# (ب)

## ۱۴۔ حضرت بکر بن حی تیم اللات بن ثعلبہ تیمی:

اصابہ سے منقول ہے کہ بکر بن حی قبیلہ ثعلبہ سے ہیں اور ان کو صحبتِ جناب رسالت مآبؐ کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور مروی ہے کہ بکر بن حی ان لوگوں میں سے تھے جو ابن سعد کے ہمراہ امام حسینؑ سے لڑنے آئے تھے لیکن جب آتشِ جنگ مشتعل ہوئی تو امام پاک کی خدمت میں پہنچ گئے اور حملہ اولیٰ میں ہی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۵۔ حضرت بُریر بن خضیر ہمدانی:

کبیر السِّن تھے اور تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ عبادت گزار اور حافظِ قرآن ہونے کے علاوہ حضرت علیؑ کے صحابی بھی تھے۔ کوفے کے رہنے والے تھے اور ہمدانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ مشہور محدث و حافظ ابو اسحاق ہمدانی سبعی کے بھانجے تھے۔ مسجدِ کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ سیّد القرآ یعنی حافظوں کے سردار کے لقب سے مشہور تھے۔ جب حضرت امام حسینؑ کربلا تشریف لا رہے تھے تو اثنائے سفر میں آپ کہیں امامؑ سے ملحق ہوئے۔

یومِ عاشور آغازِ جنگ کے بعد جب زیاد اور ابن زیاد کے غلام یسار اور سالم نے آ کر مبارزت طلبی کی تو حبیب ابنِ مظاہر کے ساتھ جنابِ بریرِ ہمدانی بھی مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے تھے مگر امام حسینؑ نے انھیں اس محل پر جنگ کرنے سے روک دیا تھا اور عبداللہ بن عمیر کو اجازتِ مقابلہ مرحمت فرمائی تھی جن کے دستِ حق پرست سے یہ کافر سرشت مسلمان قتل ہوئے تھے۔

میدانِ جنگ میں آپ نے زید بن معقل سے (جو فوجِ عمر بن سعد میں سے تھا) مقابلہ کرنے سے پہلے مباہلہ بھی کیا جس کے نتیجے میں وہ ملعون جنابِ بریر کی ضربت سے فی النار ہوا۔

ابھی وہ اس کے قتل سے فارغ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ رضی بن منقذ عبدی جنابِ بریر پر حملہ آور ہوا اور وہ آپ سے لپٹ کر کشتی لڑنے لگا۔ جنابِ بریر نے اسے پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ زیر ہو جانے کے بعد جب اس نے اپنی جان خطرے میں پائی تو چلاّ کر اپنی فوج والوں کو مدد کے لیے پکارا۔ ایک شخص کعب بن جابر بن عمرو ازدی اس کی مدد کو دوڑ کر پہنچا اور نیزے سے بریر پر حملہ کر دیا جس کے صدمہ سے بریر زمین پر گر پڑے اور پھر اس نے تلوار سے ان کا کام تمام کر ڈالا۔ کعب کو اس کے فوج کے ساتھی برابر منع کرتے رہے کہ بریر پر حملہ نہ کرو یہ حافظِ قرآن ہیں اور بڑے مقدس بزرگ ہیں لیکن کعب نے ایک نہ سنی اور اپنے آپ کو عذابِ جہنم کا مستحق بنالیا۔

## ۱۶۔ حضرت بشیر بن عمرو بن الاحدوث حضرمی الکندی:

حضرموت کے رہنے والے تھے مگر کوفے میں محلۂ بنی کندہ میں قیام کرنے سے کندی کہلانے لگے۔ روزِ عاشورا انھیں اطلاع ملی کہ ان کا لڑکا عمر رے میں قید ہو گیا۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم چلے جاؤ اور لڑکے کو چھڑانے کی سعی کرو مگر وفادار ناصر رضامند نہ ہوا اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔

## ۱۷۔ حضرت بدر بن رقیط:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر بھی سلام کیا گیا ہے۔ باقی حالات کہیں نہیں ملتے۔

## (ج)

### ۱۸۔ حضرت جُنادہ بن کعب بن حرث انصاری۔خزرجی:

حضرت علیؑ کے مخلص شیعوں میں سے تھے۔آپ کا پورا نام جنادہ بن کعب بن حرث انصاری خزرجی تھا۔امام کے ساتھ آپ مکۂ معظمہ سے مع اہل وعیال کربلا تک پہنچے اور حملۂ اولیٰ میں جنگ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔اُن کے فرزند عَمر و بن جُنادہ بھی کربلا میں شہید ہوے۔

### ۱۹۔ حضرت جابر بن حجّاج تیمی (غلام عامر بن نہشل تیمی):

یہ کوفے کے باشندے تھے نہایت بہادر اور شہسوار تھے۔جب حضرت مسلمؑ کوفے میں تشریف لائے تو یہ بھی ان کی بیعت میں داخل ہوے لیکن جب کوفیوں نے بے وفائی کا مظاہرہ کیا تو یہ اپنی قوم میں چھپے رہے اور امام حسینؑ کی ورودِ کربلا کی اطلاع ملی تو ابن سعد کے لشکر میں داخل ہو کر کربلا پہنچے کیونکہ اس بہانے کے علاوہ کربلا پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔پس یہاں پہنچ کر امام حسین علیہ السلام کی فوج میں شامل ہو گئے اور امام عالی مقام کے قدموں میں جامِ شہادت پی کر راہی جنّت ہوے۔حملۂ اولیٰ میں ان کی شہادت ہوئی ہے۔

### ۲۰۔ حضرت جابر بن عروہ غفاری (صحابیِ رسولؐ):

یہ بزرگوار بہت بوڑھے اور عبادت گذار تھے۔جناب رسالت مآبؐ کی صحابیت کا شرف بھی ان کو حاصل تھا جنگِ بدر، حنین اور دیگر غزواتِ نبویہ میں شریک رہے۔پس کمر کو مضبوط باندھا اور ایک رومال اپنے ابروں کے بلند کرنے کے لئے پیشانی پر باندھا۔حضرت امام حسین علیہ السلام ان کی یہ جانفشانی وفدا کاری

ملاحظہ فرمارہے تھے اور فرماتے تھے شَکَرَ اللّٰہُ سَعۡیَکَ یَاشَیۡخ پس اپنی شمشیر شرربار سے قومِ نابکار پر حملہ آور ہوئے اور ساٹھ یا بقولے اسّی ملاعین کو تہہِ تیغ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۲۱۔ حضرت جبلہ بن عبداللہ:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر بھی سلام کیا گیا ہے لیکن تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

## ۲۲۔ حضرت جبلہ بن علی شیبانی:

شجاعانِ کوفہ میں سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے باوفا اصحاب میں سے تھے۔ اور ان کے ہمرکاب ہو کر جنگِ صفین میں بھی شریک رہے۔ انہوں نے حضرت مسلمؑ کی بیعت کی اور جب لوگوں نے ان کی بیعت توڑ دی تو یہ اپنے قبیلے میں چھپے رہے اور جب امام حسینؑ کی کربلا پہنچنے کی خبر سنی تو خدمتِ اقدس میں پہنچ گئے۔ اور اکثر اہلِ تاریخ کی رائے کی بنا پر حملہ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔

## ۲۳۔ حضرت جنادہ بن حرث انصاری سلمانی ازدی (صحابی رسولؐ):

یہ کوفے کے مشاہیر شیعہ میں سے تھے تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ ان کو صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا۔ جنگِ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر انہوں نے دادِ شجاعت دی حضرت مسلمؑ کی بیعت میں شریک تھے۔ جب لوگوں نے بے وفائی کی تو یہ چند دوسرے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے نکلے۔ اور عذیب الہجانات کے مقام پر امام حسین علیہ السلام کی فوج میں شامل ہو گئے۔ جب حُر کے لشکر نے ان کو حبس کرنا چاہا۔ تو امام نے فرمایا یہ میرے ساتھی ہیں۔ اگر تم

لوگوں نے ان کو چھیڑا تو ہم ان کی حفاظت کے لئے جنگ کریں گے پس حر اور اُن کے لشکر نے اُن سے تعرض چھوڑ دیا۔

منتہی الآمال سے منقول ہے کہ عمرو بن خالد صیداوی۔ جنادہ بن حرث سلمانی۔ عمر بن خالد کا غلام سعد اور مجمع بن عبداللہ عائذی نے پہلے یکجا جہاد کیا اور تلواریں کھینچ کر عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ آور ہُوئے۔ جب ملاعین کے لشکر نے ان کو گھیرے میں لے لیا تو حضرت ابوالفضل عباسؑ ان کی امداد کے لئے پہنچے اور قوم اشقیاء کے ہجوم کو درہم برہم کر دیا یہ لوگ بہت زخمی ہو چکے تھے لیکن ہمّت نہ ہاری اور دوبارہ مصروف جہاد ہُوئے۔ پس لڑ کر اکٹھے درجہ شہادت پر فائز ہُوئے۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں جنادہ بن حرث سلمانی پر بھی سلام وارد ہے۔

مناقب بن شہر آشوب سے منقول ہے کہ جنادہ نے باقاعدہ جنگ کی اور رجز پڑھتے ہُوئے میدانِ کارزار میں گئے مردانہ وار لڑ کر سولہ ملاعین کو جہنّم پہنچایا اور بالآخر درجۂ شہادت حاصل کیا۔

## ۲۴۔ حضرت جندب بن حجیر خولانی:

زیارت ناحیہ ورجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے خاص شیعوں میں سے تھے جنگ صفین میں قبیلہ کندہ واز دکا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام کی تشریف آوری کی ان کو اطلاع ہوئی تو حر کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے بطن الرمہ میں امام حسینؑ سے جا ملے اور آخر تک وفادار رہے۔ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شرف شہادت حاصل کیا۔

## ۲۵۔ حضرت جون بن حُوَیٔ (غلامِ ابوذر)

یہ علاقہ نوبہ کے رہنے والے سیاہ فام غلام تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فضل

بن عباس سے ایک سو پچاس دینار پر خرید کر ابوذر کو بخشا تھا تا کہ ان کی خدمت کریں پس یہ ابوذر کی خدمت میں رہے جب خلیفہ عثمان نے ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا تو یہ ان کے ساتھ رہے۔ جب ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ابوذر کا عالم غربت (ربذہ) میں انتقال ہوگیا تو جون واپس مدینے میں آگئے اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں رہے۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ہمرکاب رہے اور ان کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں رہے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نوکری کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب امام عالی مقام نے مدینہ چھوڑا اور کربلا میں آئے تو جون ساتھ تھے۔

جون آلاتِ جنگ کی شناخت میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور آلاتِ حرب کی اصلاح بھی اچھی طرح کر سکتے تھے چنانچہ شب عاشور امام حسین علیہ السلام کے خیام میں آلاتِ جنگ کی اصلاح اور دیکھ بھال جون کے ہی ذمہ تھی۔

لہوف میں سیّد سے منقول ہے کہ جب جون نے اذنِ جہاد طلب کیا تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اے جون تو خوشحالی کے لئے ہمارے ساتھ تھا۔ اب ہماری وجہ سے مصیبت وہلاکت میں قدم نہ رکھ میری طرف سے تجھے اجازت ہے۔ بے شک کسی جائے امن کی طرف چلا جا تو جون نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ: کیا میں خوشحالی کے زمانے میں آپ کے در کی کاسہ لیسی کروں اور تکلیف ومصیبت کے وقت آپ کا ساتھ چھوڑ دوں؟ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ بخدا میرا حسب پست ہے۔ میرا رنگ سیاہ ہے۔ میری بُو ناپاک ہے۔ ازراہِ کرم آپ مجھے بہشت میں جانے دیں تا کہ میری بُو پاکیزہ حسب شریف اور رنگ سفید ونورانی ہوجائے۔ خدا کی قسم میں آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا۔ جب تک کہ اپنے سیاہ

خون کو آپ کے خون کے ساتھ ملا نہ دوں پس اجازت طلب کی اور بحرِ جنگ میں غوطہ زن ہوئے۔ ۲۵ ملاعین کو تہہِ تیغ کر کے شربت شہادت نوش فرمایا۔ امام حسین علیہ السلام جون کے سرہانے تشریف لائے اور اُن کے حق میں دُعا فرمائی۔ اے اللہ اس کی شکل کو نورانی کر اور اس کی بُو کو پاکیزہ کر اور ابرار کے ساتھ اس کا حشر فرما اور محمدؐ وآلِ محمدؐ سے اس کو شناسا کر۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے پدرِ گرامی سے نقل فرماتے ہیں کہ جب بنی اسد میدانِ کربلا میں شہدا کو دفن کرنے کے لئے آئے تو جون کی لاش ان کو دس دن کے بعد دستیاب ہوئی لیکن جون کی لاش سے عطر و کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔

زیارتِ ناحیہ اور زیارتِ رجبیہ میں جون پر سلام وارد ہے۔

## ۲۶۔ جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی:

یہ بھی عمر بن سعد کے ہمراہ کربلا میں آئے تھے، جب دیکھا کہ ابنِ سعد نے امام حسینؑ کی تمام شرائط کو مسترد کر دیا تو دوسرے چند ساتھیوں کے ہمراہ رات کو امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہ شیعانِ کوفہ میں سے تھے۔

## (چ)

## ۲۷۔ چار یمنی جوان:

ان کے نام تفصیل وار نہیں ملے۔ یہ چاروں معاویہ کی فوج میں تھے۔ انہیں اپنی جوان کنواری بہن کے حاملہ ہونے کا شک ہوا پس انہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کے سامنے معاملہ پیش کیا تو حضرت نے باعجازِ امامت اس کے شکم سے

ایک آبی جانور کو نکالا پس یہ چاروں بھائی آپ کا معجزہ دیکھ کر آپ کے ہمرکاب ہو گئے اور کامل الایمان شیعہ ہوئے اپنی بہن کی کوفہ میں شادی کی اور خود بھی یہیں ساکن ہو گئے۔ حضرت امیرؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ہمرکاب رہے اور پھر حضرت امام حسینؑ کی غلامی میں رہ کر نصرتِ امام میں اپنے خون کا آخری قطرہ قربان کر دیا اور درجۂ شہادت پر فائز ہو کر خلد بریں میں جا آباد ہوئے۔

## (ح)

### ۲۸۔ حضرت حَباب بن حرث:

آپ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ ابن شہر آشوب نے آپ کا شمار حملۂ اولیٰ کے شہدا میں کیا ہے۔

### ۲۹۔ حضرت حَباب بن عامر بن کعب تیمی:

کوفے کے قبیلے تیم اللات بن ثعلبہ کی فرد اور شیعہ علیؑ تھے۔ جنابِ مسلمؑ کی بیعت بھی کی تھی اور اُن کی شہادت کے بعد مجبوراً روپوش ہو گئے اور خفیہ طور پر کسی طرح حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے یومِ عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

### ۳۰۔ حضرت حبشۃ بن قیس نہمی (حبشہ):

حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں کہ ان کے دادا جناب سلمہ بن طریف صحابیِ پیغمبرؐ تھے۔ اُن کا پورا نام اور نسب اس طرح ہے حبشہ بن قیس بن سلمہ بن ظریف بن ابان بن سلمہ بن حارثہ ہمدانی نہمی۔

جناب حبشۃ خود بھی راویِ حدیث ہیں عاشور کو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۳۱۔ حضرت حجاج بن زید سعدی تمیمی:

قبیلۂ بنی سعد بن تمیم میں سے تھے، بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مسعود بن عمرازدی کا وہ خط لے کر، جو امام کے جواب میں بھیجا گیا تھا، آپ کربلا کے مقام پر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور پھر وہیں شہادت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے ٹھہر گئے چنانچہ روزِ عاشورہ قبلِ ظہر حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۳۲۔ حضرت حنظلہ بن عمر شیبانی:

آپ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے البتہ ابنِ شہرآشوب نے ان کا نام حملۂ اولیٰ کے شہیدوں میں درج کیا ہے۔

## ۳۳۔ حضرت حنظلہ بن اسعد شبامی:

مقتدر شیعیانِ اہلِ بیتؑ سے تھے۔ کوفے کے رہنے والے، بہادر، خوش تقریر اور حافظِ قرآن تھے۔ امامؑ سے آکر کربلا میں ملحق ہوئے اور گفتگوئے صلح کے دوران میں عمرِ سعد کے پاس پیغامات لے کر آئے گئے۔

فوجِ دشمن کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی مگر اس کا اثر ان سنگ دلوں پر نہیں ہوا۔ آخرکار امام حسین علیہ السلام نے روک دیا کہ بس کرو۔ یہ بدبخت نہ مانیں گے تم حجت تمام کر چکے۔

اس کے بعد جنابِ حنظلہ نے رن کی اجازت حاصل کی فوج عدو پر حملہ کیا اور آخرکار درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۳۴۔ حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری کا برادرزادہ:

اس نیک بخت مجاہد کا نام نہیں مل سکا۔ فرسان الهیجا میں بصائر الدرجات سے

منقول ہے۔ حذیفہ بن اُسید غفاری صحابی ذکر کرتا ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کے بعد کوفہ سے مدینہ جارہے تھے تو میں ان کے ہمرکاب تھا میں نے دیکھا آپ کے سامنے ایک لدا ہوا اونٹ جارہا تھا نہ معلوم اس اونٹ پر کیا چیز بار تھی۔ اور جس طرف وہ اونٹ جاتا تھا آپ اس کے پیچھے پیچھے جاتے تھے۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس اونٹ پر کیا چیز بار ہے کہ آپ اس سے جدا نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا اس پر ایک دفتر ہے میں نے عرض کی کونسا دفتر تو فرمایا اس میں ہمارے شیعوں کے نام درج ہیں۔ میں نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ میں چاہتا ہوں کہ اپنا نام اس دفتر میں دیکھوں۔ آپ نے فرمایا کل آجانا میں تمہیں دکھادوں گا۔ حذیفہ کہتا ہے میں صبح کو اپنے بھتیجے کے ہمراہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے آنے کا سبب دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی حضور! کل کا وعدہ پُورا فرمایئے۔ تو فرمایا یہ جوان کون ہے؟ میں نے عرض کی یہ میرا برادرزادہ ہے اور یہ پڑھ بھی سکتا ہے لیکن میں نہیں پڑھ سکتا۔ پس حضرت نے درمیان والے دفتر کے حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ لایا گیا۔ حذیفہ کا بھتیجا مطالعہ میں مشغول ہوا اور اپنے چچا سے مخاطب ہوکر کہنے لگا یہ لو چچا جان میرا نام تو یہ لکھا ہوا ہے۔ حذیفہ نے کہا بیٹا میرا نام تلاش کرو کہ کہاں ہے پس حذیفہ کا نام بھی مل گیا چنانچہ وہ نوخوش حال اور شادمان واپس پلٹے اور یہی جوان درجہ شہادت پر میدانِ کربلا میں فائز ہوا۔ مامقانی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حذیفہ برو زِ محشر امام حسن علیہ السلام کے حوارئین میں سے محشور ہوگا۔

## ۳۵۔ حضرت حیان بن حرث

زیارت ناحیہ ورجبیہ میں اس پر بھی سلام وارد ہے۔ دیگر تفصیلی حالات معلُوم

نہیں ہو سکے۔

## ۳۶۔ حضرت حبیب بن مظاہر اسدی

بابِ اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۳۷۔ حضرت حجاج بن مسروق جعفیؒ (امام حسینؑ کے مؤذن)

اصحابِ امیر المومنینؑ کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۳۸۔ حضرت حرؒ:

بابِ اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۳۹۔ حضرت حلاس بن عمرو ازدی راسبی:

"ابصار العین" ص ۱۰۹ میں مذکور ہے: حلاس کوفی تھے اور وہ امیر المومنینؑ کے اصحاب اور آپؑ کے پاسبانوں کی جماعت کے فرد تھے۔

صاحبِ حدائق لکھتے ہیں: وہ ابنِ سعد کی فوج میں شامل تھے اور جب انھوں نے دیکھا کہ لشکرِ یزید نے امام حسینؑ کی شرائطِ مصالحت کو ٹھکرا دیا ہے تو انھوں نے فوجِ اشقیا کو چھوڑ دیا اور امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۴۰۔ حضرت حرث بن امراؤ القیس بن عابس کندی:

یہ نامی گرامی شجاع بے نظیر شہسوار اور عبادت گذاری میں یکتائے روزگار تھے۔ متعدد جنگوں میں اُنھوں نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے تھے کہ ان کا اثر صفحۂ ہستی سے کبھی ناپید نہ ہوگا۔ یہ بھی کوفہ سے عمر سعد کے ہمراہ آئے تھے۔ جب

دیکھا کہ عمر بن سعد نے شروطِ صلح کو ٹھکرا دیا ہے تو خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور جب لڑائی شروع ہوئی تو حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔

## ۴۱۔ حضرت حرث بن نبہان (غلام حضرت حمزہؑ)

نُبہان۔ بیدار ہونا، سمجھدار، شرافت، شہرت، مشہور ہونا، شریف ہونا۔

اصحابِ امیر المومنینؑ کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۴۲۔ حضرت حُجیر بن جندب

بعض کتب سے ان کا بروزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں مقتول ہونا پایا جاتا ہے۔

## ۴۳۔ حضرت حنظلہ بن عمرو شیبانی

# (خ)

## ۴۴۔ حضرت خالد بن عمرو بن خالد ازدی

بحار الانوار و دیگر کتبِ امامیہ سے اس کا میدان کربلا میں شہید ہونا منقول ہے۔

## ۴۵۔ حضرت خلف بن مسلم بن عوسجہ

مسلم بن عوسجہ کا ایک فرزند تھا جس کا نام خلف لکھا گیا ہے۔ ناسخ سے منقول ہے کہ جب مسلم بن عوسجہ شہید ہوئے تو اُن کا جوان سال فرزند خلف شیر غضبناک کی طرح میدانِ کی طرف بڑھا لیکن جب حضرت امام حسینؑ نے دیکھا تو فرمایا اے جوان تیرا باپ شہید ہو چکا ہے اگر تو بھی شہید ہو گا تو تیری ماں کا اس جنگل بے آب و گیاہ میں کون سہارا ہو گا اور وہ کس کی پناہ میں زندگی کے دن گذارے گی؟ امام عالی مقام کا یہ کلام سُن کر لڑکے نے واپس پلٹنے کا ارادہ کیا تو اس کی ماں

اپنے خیمے سے یہ ماجرا دیکھ رہی تھی چادر اوڑھ کر باہر آئی اور فرزند کے راستے میں کھڑی ہوگئی۔ پھر کہنے لگی اے فرزند تو اپنے نفس کی حفاظت کے لیے فرزندِ رسولؐ کی نصرت سے گریز کر رہا ہے۔ تیرے اس طرزِ عمل سے میں ہرگز راضی نہ ہوں گی۔ ماں کے یہ کلمات سُن کر دوبارہ میدان کی طرف پلٹا اور ماں پیچھے سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔ شاباش بیٹے ابھی ساقی کوثر کے ہاتھ سے تجھے سیرابی ہوگی۔ اور وہ بھی جان توڑ کر جہاد میں مشغول تھا حتیٰ کہ تیس ملاعین کو فی النار کیا اور آخر کار جام شہادت نوش کیا۔ بدنہاد لشکرِ یزید نے اس کا سر تن سے جُدا کر کے اس کی ماں کی طرف پھینک دیا۔ اس باہمت خاتون نے بیٹے کے سر کو اٹھالیا اور اس کو بوسہ دیا اور پھر خوب روئی جس سے کہرام ماتم بپا ہوا۔ فرسان الھیجاء، محرق القلوب ۱۱۸

(د)

۴۶۔ حضرت داوَد بن طرّماح:

امام عالی مقام نے عالم تنہائی میں آخری استغاثہ کے وقت اپنے جن جن صحابہ کو نام لے کر پکارا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی تھے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی سر برآوردہ جانثاروں اور بلند مرتبہ فداکاروں میں سے تھے ورنہ امام پاک ایسے آڑے وقت میں ان کو مخصوص اصحاب میں شمار نہ فرماتے۔ لیکن اس کے علاوہ تاریخ ان کے مزید حالات کا پتہ نہیں دیتی۔

(ر)

۴۷۔ حضرت رافع بن عبداللہ (مسلم بن کثیر کے غلام):

یہ مسلم بن کثیر ازدی کے غلام تھے کوفہ سے نصرت امام حسینؑ کی خاطر کر

بلا میں آئے۔ روز عاشور جب لڑائی کی آگ گرم ہوئی تو اُن کے آقا مسلم حملہ اولیٰ میں شہید ہو گئے اور یہ خود بعد از ظہر جنگ کر کے ایک کثیر جماعت کو فی النار کرنے کے بعد کثیر بن شہاب تمیمی اور مخفر بن اوس ضبی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۴۸۔ حضرت ربیعہ بن خوط صحابی رسولؐ:

ابنِ عساکر سے منقول ہے کہ ان کو صحبت جناب رسالت مآبؐ کا شرف بھی حاصل تھا اور پھر حضرت علیؑ کی فوج ظفر موج میں بھی یہ شامل رہے اور کوفے میں سکونت پذیر رہے یہاں تک کہ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

## ۴۹۔ حضرت رُجل خزیمی (قبیلۂ خزیمہ کا ایک شخص)

ان کا نام معلوم نہیں یہ ابنِ سعد کی طرف سے امام پاک کی طرف پیغام لائے تھے اور یہ دریافت کرنے آئے تھے کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں چونکہ یہ آلاتِ جنگ سے مسلح تھے۔ جب قریب پہنچے تو امام نے صحابہ سے دریافت کیا کہ اس کو تم پہچانتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اس کو ہم اہل خیر و صلاح سے پہچانتے تھے لیکن مقام تعجب ہے کہ اس لعین فوج میں یہ کس طرح شامل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے ادھر آنے کی وجہ دریافت کرو۔ جب دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں امام سے ملنا چاہتا ہُوں۔ زُہیر بن قین نے کہا کہ اپنے آلاتِ جنگ اُتار دو اور پھر خدمت امام میں جاؤ۔ چنانچہ اس نے ہتھیار اُتار پھینکے اور خدمت اقدس میں پہنچ کر سلام عرض کیا اور حضرت کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیا۔ اور پھر پُوچھا کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کوفیوں نے مجھے خطوط دعوت نامے بھیج کر بلایا ہے۔ اُس نے عرض کی

اے فرزند رسول! جن لوگوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں وہ اس وقت ابن زیاد کے مقرب ترین انسان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جاؤ اور میرا پیغام ابن سعد کو پہنچاؤ تو اس نے عرض کی۔ اے مولا وہ کون عقلمند ہے جو بہشت کو چھوڑ کر جہنم کی طرف جائے بخدا میں تو آپ پر ہی جان فدا کروں گا امام نے اس کے حق میں دعا کی پس یہ خدمت امام میں رہا حتیٰ کہ درجۂ رفیعہ شہادت پر فائز ہوا۔

## ۵۰۔ حضرت رُمَیث بن عمرو:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے اس کے علاوہ ان کے تفصیلی حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

## (ز)

## ۵۱۔ حضرت زُہیر بن بشر خثعمی:

آپ کے حالات بھی نہیں ملتے۔ ان کا شمار بھی حملۂ اولیٰ کے شہداء میں کیا گیا ہے۔ زیارتِ شہداء میں ان پر سلام موجود ہے۔ السّلامُ علیٰ زھیر بن بشر الخثعمی

## ۵۲۔ حضرت زائدہ بن مہاجر:

زیارت رجبیہ میں اُن پر سلام وارد ہے۔ لیکن ناسخ سے منقول زیاد بن مصاہر کندی ہے جس نے لشکرِ اعدا پر حملہ کر کے نو افراد کو فی النار کیا اور پھر شہید ہوا۔ واللہ اعلم

## ۵۳۔ حضرت زُہیر بن سُلیم بن عَمرو اِزدی

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اُن پر سلام وارد ہے اور یہ روز عاشور حملہ اولیٰ میں

درجۂ شہادت پر فائز ہوے۔

## ۵۴۔ حضرت زہیر بن سیار

زیارت رجبیہ میں اُن پر سلام وارد ہے۔ باقی اُن کے حالات نہیں مل سکے۔

## ۵۵۔ حضرت زُہیر بن قین بجلّی

باب اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۵۶۔ حضرت زاہر بن عمرو اسلمی کندی (صحابیٔ رسولؐ، ابن حُمق کے غلام)

اصحابِ رسولؐ کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۵۷۔ زوجۂ عبداللہ بن عمیر کلبی:

اس کا ذکر شہادتِ عبداللہ بن عمیر کلبی کے بیان میں آئے گا۔

## ۵۸۔ حضرت زید بن ضّاد بن مہاجر:

کوفے کے بہادر اور نبرد آزما شیعہ تھے۔ امام کی خدمت میں حضرت حر کے پہنچنے سے پہلے پہنچ گئے تھے۔

آپ کے پاس صرف آٹھ تیر تھے۔ آپ امام کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور ایک ایک تیر فوجِ اعدا کی طرف سر کیا جن میں سے پانچ تیروں نے اعدا کو فی النار کیا۔ پھر تلوار لے کر حملہ آور ہوئے۔ ولولہ انگیز رجز پڑھتے جاتے تھے اور شمشیر زنی کرتے جاتے تھے آخر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۵۹۔ حضرت زید بن حصین مشرقی:

مشرقی قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ سے ہیں۔ جب امام حسینؑ اور آپ کے

انصار واصحاب وعیال پر پیاس کا غلبہ ہوا تو انہوں نے امام سے اجازت طلب کی کہ پانی کے موضوع پر ابن سعد سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اجازت دے دی یہ زہد و تقویٰ میں مقامِ بلند رکھتے تھے۔ ابن سعد کے پاس جب پہنچے تو اس کو سلام نہ کیا۔ ابن سعد نے کہا اے برادرِ ہمدانی کیا تیرے نزدیک میں مسلمان نہیں ہوں حالانکہ توحید و رسالت کا قائل ہوں؟ تو زید بن حصین نے جواب دیا اگر تو مسلمان ہوتا تو عترتِ رسولؐ پر خروج نہ کرتا اور ان کے قتل کے درپے نہ ہوتا۔ دریائے فرات موجزن ہے۔ کتے، سور، یہود و نصاریٰ اس کو استعمال کررہے ہیں لیکن ذرّیت پیغمبرؐ کو تو نے اس سے محروم کررکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے جاں بلب ہیں۔ پھر کیسے تو اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا مستحق ہے اور خدا اور رسولؐ پر تیرا ایمان کس طرح ہے؟ ابن سعد نے یہ کلمات سن کر سر جھکا لیا اور پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔ اے برادرِ ہمدانی میں جانتا ہوں خدا کی قسم کہ حسینؑ سے جنگ کرنا دوزخ لینے کے مترادف ہے لیکن مجھے ابن زیاد نے ملک رَے کا لالچ دیا ہے اور میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ پس زید بن حصین ناکام واپس خدمتِ امام میں پہنچے اور حالات بیان کئے۔ روزِ عاشور جب لڑائی کا بازار گرم ہوا تو یہ اپنی پوری طاقت سے مصروفِ جہاد رہا اور نمازِ ظہر سے قبل ہی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

## ۶۰۔ حضرت زید بن مظاہر اسدی:

مقتل ابی مخنف سے منقول ہے کہ روزِ عاشور انہوں نے شیرِ غضبناک کی طرح قومِ اشقیا پر حملہ کیا اور ایک ہی حملہ میں پچاس ملاعین کا سر قلم کرڈالا آخر ہر طرف سے فوجِ یزیدی نے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور نیزہ اور تلوار کے پے درپے واروں سے ان کو شہید کرڈالا۔

## ۶۱۔ حضرت زید بن مغفل جُعفی:

ابنِ حجر عسقلانی سے اصابہ میں منقول ہے کہ زید بن مغفل بن عوف بن عمیر بن کلیب بن زہل بن سیار بن بستہ بن وئل بن سعد بن عامر بن جعفر بن سعد العشیرہ مذحجی جعفی صحابہ رسولؐ میں سے تھے۔ یہ اور ان کے بھائی زہیر بن مغفل خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔

علامہ سماوی کی ابصار العین سے منقول ہے کہ یہ نامی بہادروں میں سے تھے اور حیدرِ کرار کے شیعان خصوصی میں ان کا شمار تھا۔ نیز فن شعر گوئی میں بھی ان کو کافی دسترس حاصل تھی۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی رکاب فخر انتساب میں موجود تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے خریت بن راشد خارجی کے مقابلے میں بھی ان کو بھیجا تھا اور انہوں نے اس کو واصلِ جہنم کیا تھا۔

زید بن مغفل مکے سے امام کے ہمراہ آئے تھے روزِ عاشور صرصر عاصف کی طرح دشمنانِ حسینؑ پر حملہ آور ہوئے اور باوجود سن رسیدگی کے بیس سے زیادہ ملاعین کو تہِ تیغ کیا اور ایسی جنگ کی جس کی نظیر نہیں ملتی اور آخر کار درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۶۲۔ حضرت زید بن جیاد کندی

زید ایک مردِ شجاع شریف ماہر فن جنگ تھے امام حسینؑ کی خدمت میں کوفے سے نکل کر اُس وقت حاضر ہوئے تھے جب تک حر کا رسالہ حضرت سے نہیں ملا تھا۔ ابومخنف ناقل ہیں کہ حر نے حضرت امام حسینؑ کی ملاقات کے بعد جو خط ابن زیاد کو لکھا تھا اور اُس کا جواب ابن زیاد نے جو لکھا تھا وہ خط مالک ابن نسر کندی لے کر حر کے پاس آیا تھا اور جب اس نے مالک بن نسر کندی اور زید بن زیاد

کندی سے ملاقات ہوئی تو زید نے مالک سے کہا ارے تو مالک بن نسر ہے اُس نے کہاہاں زید نے کہااو بدبخت تجھے موت آوے تو یہ خط کیوں لے کر آیا مالک نے کہا میں نے اپنے امام کے حکم کی اطاعت کی اور اپنی بیعت جو زید سے ہے اُس کو پورا کیا زید نے کہا اپنے امام کی تو تُو نے اطاعت کی مگر خدا کی نافرمانی کی اور اپنے نفس کو یہ گناہ کر کے ہلاک کیا اور جہنم اپنے لئے حاصل کیا تو نے قرآن میں خدا کا یہ ارشاد سنا نہیں ہے۔

وجعلنا منهم ائمة يدعون الى النار ويوم القيامة لا ينصرون۔

اُن میں ایسے بھی امام ہیں جو اپنی جماعت کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے روز اُن کا کوئی ناصر و معین نہ ہوگا۔ زید کے جواب میں مالک نے کلمات سخت سے جواب دیا۔ ابومخنف نے روایت کی ہے کہ زید جب میدان میں آئے اور سواروں پر اُنھوں نے حملہ کیا لڑ رہے تھے کہ اُن کے گھوڑے کے پاؤں کاٹے گئے اُس وقت انھیں زید نے بیٹھے بیٹھے ایک سو تیر جو اُن کے پاس تھے سب لشکر شام پر مارے سوا پانچ تیروں کے اور سب نے کام کیا اُس وقت حضرت امام حسینؑ نے اُن کے لئے دعا کی بارِ الٰہا ان کے تیروں کو کارگر کر اور ثواب میں ان کو بہشت عطا فرما۔ جب پورے تیر ختم ہو گئے زید تلوار لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور لشکر پر حملے کرتے رہے آخرکار شہید ہوئے۔

## (س)

### ۶۳۔ حضرت سوار بن منعم:

پورا نام سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الہمدانی النہمی تھا، وہ راویِ

حدیث بھی تھے۔ کربلا میں ان دنوں پہنچے جب عمرِ سعد اور امام میں گفتگو مصالحت کی جاری تھی۔ حملۂ اولیٰ میں جنگ کی اور زخمی ہو کر گر گئے۔ اعدا نے انھیں گرفتار کر کے عمرِ سعد کے سامنے پیش کیا۔ اس نے قتل کرنا چاہا مگر ان کے قبیلے والے مزاحم ہوئے اور انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا مگر اس جنگ میں اتنے زخمی ہو چکے تھے کہ جانبر نہ ہو سکے اور ان کی یہ قربانی جو یومِ عاشور پیش کی تھی چھ مہینے بعد پوری ہوئی جبکہ زخموں کی تکلیف سے انتقال فرمایا۔

## ۶۴۔ حضرت سیف بن مالک عبدی بصری:

آپ بصرہ کے قبیلہ عبد قیس کی فرد اور شیعہ اہلِ بیتؑ تھے۔ یہ بھی ان خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے جو بصرہ میں ماریہ بنتِ منقذ عبدیہ کے مکان پر ہوا کرتا تھا۔ زید بن ثبیط قیسی کے ساتھ نصرتِ امام کے لیے روانہ ہوئے اور مقام ابطح میں امام سے ملحق ہوئے۔ حملۂ اولیٰ میں شہادت کی سعادت حاصل کی۔

## ۶۵۔ حضرت سلمان بن مضارب بن قیس اَنماری بَجَلّی:

آپ زہیر بن قین کے چچا زاد بھائی تھے اور انھیں کے ساتھ ۶۰ھ میں حج کرنے گئے تھے واپسی میں جب زہیر امامؑ کی نصرت کے لیے حضرت کے ساتھ آئے تو سلمان بھی چلے آئے اور روزِ عاشور ظہر کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۶۶۔ حضرت سیف بن حرث بن سریع بن جابر ہمدانی:

سیف بن حرث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع یہ دونوں ایک ہی دادا کے پوتے تھے اور اس لیے آپس میں چچازاد بھائی تھے اس کے علاوہ وہ ایک ماں کے بطن سے پیدا بھی ہوئے تھے۔ کربلا میں یہ دونوں امام کی خدمت میں

اس وقت پہنچے جب عمرِ سعد سے مصالحت کی بات چیت جاری تھی۔ ان کے ہمراہ ان کے غلام جناب شبیب بھی تھے جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

یہ دونوں روزِ عاشورا ایک محل پر امام کی خدمت میں آ کر رونے لگے۔ فرطِ رنج وغم سے منھ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ امامؑ نے سمجھایا اور انھیں جنگ کی اجازت دے دی۔ دونوں نے یادگار جنگ کی اور آخرکار شہید ہوئے۔

## ۶۷۔ حضرت سالم بن عَمرو بن عبداللہ (بنی المدینہ کے غلام):

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اُن پر سلام وارد ہے۔ بنی المدینہ جو قبیلہ کلب کی ایک شاخ تھے۔ سالم ان کے غلام تھے اور اُنہوں نے اُن کو آزاد کر دیا تھا۔ یہ شیعانِ کوفہ میں سے تھے۔ جب حضرت مسلمؑ کوفہ میں تشریف لائے تو یہ ان کی بیعت میں داخل ہوے جب حضرت مسلمؑ گرفتار ہو گئے تو کثیر بن شہاب ملعون نے ایک جماعتِ شیعہ کو گرفتار کیا تاکہ ابنِ زیاد کے سامنے ان کو پیش کیا جائے۔ اور سالم بھی انہی میں سے تھے پس یہ کسی طریقہ سے جان چھڑا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی قوم میں چھپے رہے اور جب امام حسین علیہ السلام کی ورودِ کربلا کی خبر سُنی تو چھپ کر وہاں پہنچے اور حملۂ اُولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوے۔

## ۶۸۔ حضرت سالم (عامر بن مسلم عبدی کے غلام):

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اُن پر بھی سلام ہے منتہی الامال سے منقول ہے کہ عامر بن مسلم اور اس کے غلام سالم شیعانِ بصرہ میں سے تھے۔ اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔ یہ دونوں اور سیف بن مالک۔ ادہم بن اُمیہ زید بن ثبیط اور اُن کے دونوں بیٹے سب اکٹھے بصرے سے نصرتِ امامِ حسینؑ کے لئے روانہ ہُوئے تھے۔

## ۶۹۔ حضرت سعد (عمرو بن خالد صیداوی کے غلام):

سعد عمرو بن خالد صیداوی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جب کوفہ میں قیس بن مسہر صیداوی نے امام کا پیغام پہنچایا تو یہ اپنے آقا عمرو بن خالد اور دیگر ہمراہیوں کے ہمراہ امام کے ساتھ جا ملے اور روز عاشور شہید ہوے۔

## ۷۰۔ حضرت سعد بن بشر حضرمی:

ناسخ التواریخ سے اس کا شہدائے کربلا میں سے ہونا مذکور ہے۔ حالات کی تفصیل کا کوئی علم نہیں۔

## ۷۱۔ حضرت سعد بن حرث انصاری (حضرت علیؑ کے غلام)

اصابہ سے منقول ہے کہ یہ شخص حضرت علی علیہ السلام کے غلام تھے کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے پولیس کے افسر مقرر تھے اور پھر آپ نے اُن کو آذربائیجان کا والی مقرر کیا تھا۔ اُن کو جناب رسالت مآبؐ کی صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا حضرت علیؑ کے بعد امام حسنؑ کی خدمت میں رہے اور بعد میں امام حسینؑ کے ہمرکاب رہے اور بروایت مناقب روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوے۔

## ۷۲۔ حضرت سعید بن حنظلہ تمیمی:

نفس المہموم و منتہی الآمال سے منقول ہے کہ یہ امام حسینؑ کے لشکر کے سربرآوردہ افراد میں سے تھے۔ روز عاشور مردانہ وار جہاد کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوے۔ لیکن اُن کے مقتولین کی تعداد نہیں بیان کی گئی۔

## ۷۳۔ حضرت سفیان بن مالک:

زیارتِ رجبیہ میں اُن پر سلام وارد ہے اس کے علاوہ اُن کے حالات کا کوئی علم نہیں۔

## ۷۴۔ حضرت سلیمان بن سلیمان ازدی:

صرف زیارت رجبیہ میں اُن پر سلام وارد ہے۔

## ۷۵۔ حضرت سلیمان بن کثیر (امام حسینؑ کے غلام):

زیارتِ رجبیہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

## ۷۶۔ حضرت سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ یہ بزرگ سن رسیدہ اور نہایت عبادت گذار تھے۔ متعدد جنگوں میں حاضر ہو کر کافی تجربہ رکھتے تھے۔ اپنے دَور میں شجاعت کے لحاظ سے بے نظیر تھے۔ روزِ عاشور جب بشر بن عمرو حضرمی کی شہادت ہو چکی تو یہ میدان کی طرف بڑھے اور آخر کار زخمی ہو کر گر گئے۔ لوگوں نے ان کو مقتول سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ جب امام حسینؑ کے قتل کی آوازیں بلند ہوئیں تو انہوں نے ہوش سنبھالا لیکن دشمن چونکہ ان کی تلوار لے چکے تھے۔ اس کے پاس ایک چھری موجود تھی جس کو چھپائے ہوئے تھے۔ پس وہ چھری ہاتھ میں لے کر مشغولِ جنگ ہوے۔ بہت سے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ بالآخر عروہ بن بکار تغلبی اور زید بن ورقا جہنی نے ان کو شہید کیا۔

## ۷۷۔ حضرت سوار بن ابی عمیر نہمی

ابصار العین، ص ۸۰ میں مرقوم ہے: سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الہمدانی النہمی ایامِ صلح میں حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حملۂ اُولیٰ میں انھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ قید ہو گئے اور انھیں ابن سعد کے پاس لے جایا گیا۔ ابن سعد نے انھیں قتل کرنا چاہا۔ اس کے رشتہ داروں نے اس کی

سفارش کی تو ابن سعد نے انھیں قتل نہ کیا۔ رشتہ دار انھیں زخمی حالت میں اپنے پاس لے گئے جہاں ایک سال بعد ان کی وفات ہوئی۔

کچھ مورخین نے لکھا ہے: وہ اشقیا کی قید میں رہے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ رشتہ داروں کی سفارش سے انھیں اس وقت قتل ہونے سے نجات مل گئی تھی۔

زیارتِ ناحیہ میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ السلام علی الجریح المأسور سوار بن ابی حمیر الفھمی الھمدانی۔

چنانچہ بحارالانوار، جلد ۴۵ صفحہ ۷۳، جلد ۱۰۱ صفحہ ۲۷۳، ناسخ التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۴ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ جب کہ ناسخ میں "ابی عمیر النہمی" میں لکھا ہوا ہے۔

صاحب ابصار العین لکھتے ہیں: کچھ کتابوں میں "فہمی" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جب کہ یہ بالکل غلط ہے صحیح لفظ "ابن عمیر نہمی" ہے۔

## ۷۸۔ حضرت سُلیم (امام حسنؑ کے غلام)

سادات الاحرار کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۷۹۔ حضرت سعید بن عبداللہ حنفی

باب اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## (ش)

## ۸۰۔ حضرت شبیب بن جراد کلابی وحیدی:

مردِ شجاع و دلیر اور کوفہ کے نامی گرامی بہادروں میں سے ان کا شمار تھا اور شیعیانِ امیرالمومنینؑ میں سے تھے کافی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دے کر نام پیدا کر چکے تھے خصوصاً جنگ صفین میں انہوں نے خوب جوہرِ شجاعت دکھائے تھے

جب حضرت مسلمؑ کوفے میں تشریف لائے تھے تو انہوں نے بیعت کی تھی اور لوگوں سے امام حسینؑ کے لئے بیعت لیتے تھے۔ انجام کار لشکر ابن سعد میں شامل ہو کر کربلا میں پہنچے اور نویں کے دن تک اُسی لشکر میں رہے۔ جب نویں کی عصر کو ابن زیاد کی طرف سے پیغام پہنچا کہ اگر حسینؑ یزید کی بیعت کو قبول نہ کریں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے۔ پس شبیب نے سمجھا کہ اب صلح کی کوئی صورت نہیں رہی لہٰذا دسویں کی رات کو امام حسینؑ کے لشکر میں داخل ہو گئے۔ رات کو حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے ہاں مہمان رہے کیونکہ جناب اُم البنینؑ والدہ حضرت عباسؑ انہی کے خاندان سے تھیں۔ جب صبح عاشور الڑائی کی آگ بھڑک اُٹھی تو یہ میدانِ کارزار میں لڑ کر شہید ہو گئے اور بعض کہتے ہیں کہ حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۸۱۔ حضرت شبیب بن عبداللہ نہشلی :

یہ تابعین میں سے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کی تینوں لڑائیوں میں یعنی جمل، صفین اور نہروان میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمرکاب رہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی خدمت میں اور پھر امام حسینؑ کی خدمت میں رہے تا ایں کہ واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ زیارتِ ناحیہ اور زیارتِ رجبیہ دونو میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۸۲۔ حضرت شبیب بن عبداللہ

اصحابِ رسولؐ میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۸۳۔ حضرت شوذب بن عبداللہ (عابس کے غلام):

چونکہ ان کی رہائش قبیلہ بنی شاکر میں تھی اس لئے ان کو قبیلہ شاکری کا غلام کہا

جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ ان کا غلام نہیں تھا۔ یہ شخص سربرآوردہ شیعان علیؑ میں سے تھا۔ مشہور حفاظ حدیث اور نامی گرامی شہسوارانِ کوفہ میں سے ان کا شمار تھا۔ حضرت علیؑ سے بہت کچھ حدیثیں انہوں نے حفظ کی تھیں۔ شیعانِ کوفہ ان سے احادیث حاصل کیا کرتے تھے۔ نیز حضرت علیؑ کے شجاع اور نامور جنگی سپاہیوں میں سے تھے۔

کوفے سے حضرت مسلمؑ کا خط امام حسینؑ کی طرف مکے میں لائے تھے اور پھر ہمرکاب امام کے رہے۔ بعض علما شوذب کا مرتبہ عابس سے بلند سمجھتے ہیں۔ شیعانِ علیؑ میں اُن کی منزلت بہت بلند تھی۔ روز عاشور فیض شہادت سے مشرف ہوئے۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ شوذب کے لغوی معنی دراز قد والا اور خوش اخلاق بھی بتایا گیا ہے۔

## (ض)

### ۸۴۔ حضرت ضرغامہ ابن مالک تغلبی:

جس طرح ضرغام کے معنی شیر ہے اِسی طرح بقولِ مورخین کے ضرغامہ اسم با مسمیٰ تھے۔ بیشہ شجاعت کے شیر صف شکن شہسوار اور مشاہیر شیعانِ کوفہ میں سے تھے۔ حضرت مسلم کی بیعت میں داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے غداری کی تو ضرغامہ عمر بن سعد کی فوج میں شامل ہوکر کربلا پہنچے اور اس بہانے سے خدمتِ امام میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔ بقول ابن شہر آشوب حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ اور بقول ابومخنف انھوں نے مردانہ وار حملہ کیا اور فداکارانہ جہاد کیا۔ یہاں تک کہ ساٹھ نامی شہسواروں کوواصلِ جہنم کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۸۵۔ حضرت ضاد بن عُریب ہمدانی:

آپ صحابیِ رسولؐ اللہ جنابِ عریب ہمدانی کے فرزند تھے۔ ضاد زہد وعبادت اور شجاعت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ عاشور کے دن سخت جنگ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

ان کی کنیت ابوعمرو تھی اور قبیلۂ ہمدان سے تھے۔ استیعاب و دیگر کتب میں ہے کہ ان کے والد صحابی رسولؐ تھے اور اصابہ سے منقول ہے کہ عریب کا بیٹا بھی رسولؐ کی صحبت کا شرف رکھتا ہے جو میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کے ہمرکاب شہید ہوا۔ رجال مامقانی سے منقول ہے کہ یہ شخص پرہیزگار اور شجاع تھا نیز تہجد گذار اور کثرتِ عبادت میں شہرت رکھتا تھا۔

حافظ بن حجر عسقلانی نے اصابہ میں اُن کا نام و نسب اس طرح لکھا ہے کہ:

"ابو عامر ضاد بن عمرو بن عریب بن حنظلہ بن دارم بن عبداللہ بن کعب الصائد الہمدانی"۔

اور یہ تصریح کی ہے کہ وہ حسین بن علی کے ساتھ واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے اور اُن کے والد کو خدمت رسولؐ میں حضوری کا شرف حاصل تھا۔ (اصابہ، جلد ۳ صفحہ ۱۱۶)

مؤلف ابصار العین نے اُن کا نسب اس طرح لکھا ہے کہ:

"زیاد بن عُریب بن حنظلہ بن دارم بن عبداللہ بن کعب الصائد بن شرجلیل بن شراحیل بن عمرو بن جشم بن حاشد بن جشم بن حیزون بن عوف بن ہمدان ابو عمرۃ الہمدانی الصائدی"

اس میں اور پہلی روایت میں اتنا اختلاف ہے کہ وہاں اُن کی کنیت ابوعامر مذکور ہے اور یہاں ابوعمرہ۔ وہاں عُریب ان کے دادا کا نام تھا اور یہاں والد کا۔

وہاں کعب الصائد کے آگے جس کی طرف صائدی کی نسبت ہے سلسلۂ نسب مذکور نہ تھا یہاں ہمدان تک مذکور ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ عُریب صحابی تھے اور تمام طبقات رجال میں مذکور ہیں اور ان کے فرزند ابو عمرہ کو جو شہدائے کربلا میں ہیں ادراک رسولؐ یعنی کمسنی میں زیارتِ رسولؐ کا شرف حاصل کیا تھا اور حافظ ابن حجر کا یہ بیان ہے کہ ان کے والد عمرو بن عُریب کو ادراک رسولؐ کا درجہ حاصل تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود ان کا سن اتنا نہ تھا۔ زیاد بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار، تہجد گذار اور شجاعت میں بڑے پایۂ بلند تھے۔ روزِ عاشور سخت جنگ کرنے کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (ابصار العین صفحہ ۸۰، شہدائے کربلا صفحہ ۱۸۹)

## ۸۶۔ حضرت ضبیعہ بن عُمرو:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی شہدائے کربلا سے ہیں۔

## (ط)

## ۸۷۔ حضرت طرماح بن عدی

بابِ اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## (ظ)

## ۸۸۔ حضرت ظہیر بن حسان اسدی:

کتاب ریاض الشہادۃ میں ان کو شہدائے کربلا سے شمار کیا گیا ہے۔

# (ع)

## ۸۹۔ حضرت عمرو بن خالد صیداوی:

عمرو بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی الصیداوی کوفے کے اشراف اور شیعیانِ اہلِ بیتؑ سے تھے۔ حضرت مسلمؑ کی شہادت کے بعد جب کامیابی کا کوئی امکان باقی نہ رہا تو آپ بھی پردۂ خفا میں چلے گئے۔ جب قاصدِ حسینؑ جناب قیس بن مسہر صیداوی کے اعلان کے مطابق یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ منزلِ حاجز تک پہنچ چکے ہیں تو جناب عمرو بن خالد اپنے غلام سعد اور تین دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ امام کی خدمت میں روانہ ہو کر عذیب الہجانات میں امام سے آ کر ملحق ہو گئے۔ فوجِ یزیدی کے سردار حرؑ نے مزاحمت کی اور اس پر امام سے کہا کہ میں ان لوگوں کو گرفتار کروں گا اس لیے کہ وہ آپ کے ہمراہ نہیں آئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اب جب کہ یہ آ ہی گئے ہیں تو میری امان میں ہیں اور میں انھیں گرفتار نہ ہونے دوں گا۔

روزِ عاشور وہ فوجِ اعدا پر مع اپنے چار ہمراہوں کے ایک ساتھ حملہ آور ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ دشمنوں کے نرغے میں گھر گئے اور لشکرِ امام سے منقطع ہو کر رہ گئے۔ امامِ مظلومؑ نے حضرت عباسؑ کو ان کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ آپ نے تنِ تنہا پہنچ کر دشمن کے محاصرے کو توڑ دیا اور پانچوں مجاہدوں کو اپنی حفاظت میں لے کر خیامِ امام کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی اثنا میں پھر فوجِ اعدا سمٹ آئی اور ان کے قریب پہنچ گئی۔ ان پانچوں شیروں کو پھر غیظ آ گیا اور حضرت عباسؑ کی حفاظت سے نکل کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور غضب کی شمشیر زنی کی۔ آخر کار

سب ایک ساتھ شہید ہو گئے اور حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی خدمت میں واپس ہوئے اور واقعے کی اطلاع پہنچائی امام نے ان بہادروں کے لیے کئی مرتبہ دعائے خیر فرمائی۔

## ۹۰۔ حضرت عائذ بن مجمع عائذی:

آپ مجمع بن عبداللہ عائذی کے فرزند تھے۔ وہ اپنے والدِ بزرگوار کے ساتھ کربلا آئے اور انھیں کے ہمراہ جنگ کر کے شہید ہوئے۔

## ۹۱۔ حضرت عامر بن مسلم عبدی بصری:

یہ بھی بصرے کے ان شیعوں میں سے تھے جو جنابِ ماریہ بنتِ منقذ کے یہاں جلسوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ زید بن ثبیط قیسی کے ساتھ نصرتِ امام کے لیے روانہ ہوئے اور مقام ابطح میں امام سے آکر ملحق ہوئے روزِ عاشورہ حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۹۲۔ حضرت عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی:

حضرت امام حسینؑ کے قافلے میں بہت سے صحرائی قبائل کے افراد اس لالچ میں شریک ہو گئے تھے کہ آپ کوفہ پہنچتے ہی حکمرانی کرنے لگیں گے اور اپنے ہمراہیوں کو انعام واکرام اور عہدوں اور جاگیروں سے نوازیں گے اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ جناب عباد بن مہاجر بھی حضرت کے ساتھ آئے تھے مگر آپ کا بعد والا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ آپ کسی دنیاوی لالچ میں حسینؑ کے ساتھ نہیں ہوئے تھے بلکہ واقعی خلوص وعقیدت کے جذبے کے ماتحت رفاقت اختیار کی تھی مگر جب منزلِ زبالہ پر حضرت مسلمؑ کی خبرِ شہادت سننے کے بعد امام نے اعلان کیا کہ وہ

لوگ واپس چلے جائیں جو کسی دنیاوی لالچ میں ہمارے ساتھ آئے ہیں تو دنیادار تو سب چلے گئے مگر عباد بن مہاجر نے اس وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا جب تک کہ آپ یومِ عاشور درجۂ شہادت پر فائز نہ ہو گئے۔

## ۹۳۔ حضرت عبدالرحمان بن عبداللہ بن کندن ارحبی:

آپ مشہور تابعی اور بڑے نبرد آزما بزرگ تھے۔ آپ اسی دوسرے وفد کے ساتھ جو ۵۳ عرضداشتیں لے کر کوفیوں کی طرف سے روانہ کیا گیا تھا امام کی خدمت میں آئے تھے۔ اس وفد میں قیس بن مسہر صیداوی اور عمارہ بن عبید سلولی کے علاوہ عبدالرحمان بن عبداللہ بھی تھے۔ ان تینوں افراد کو امام نے حضرت مسلمؑ بن عقیل کے ساتھ کوفے واپس بھیج دیا تھا مگر بعد میں کسی طرح عبدالرحمان بن عبداللہ امام کی خدمت میں پہنچ گئے اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۹۴۔ حضرت عبداللہ اور عبیداللہ شبیط قیسی:

ابصار العین صفحہ ۱۱۰ میں انہیں حملۂ اُولیٰ کے مقتولین میں شمار کیا گیا ہے۔

زیارتِ ناحیہ میں یہ جملے وارد ہیں: السّلام علی عبد الله و عبيد الله ابن زید بن ثبیط۔ زید بن شبیط کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ پر سلام ہو۔ (بحارالانوار، جلد ۳ صفحہ ۲۳، جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۳، جلد ۴۵ صفحہ ۷۲)

یہ دو شہید ہیں، یہ دونوں شہیدِ کربلا جناب زید بن شبیط کے صاحبزادے تھے، ان کے دس بیٹوں میں سے دو نے نصرتِ امام میں باپ کے شریک رہنے کی حامی بھری تھی۔ چنانچہ یہ تینوں باپ بیٹے مقام الابطح میں آ کر خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور دونوں اپنے باپ کی طرح حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۹۵۔ حضرت عمار بن حسّان طائی:

آپ کا پورا نام ونَسب تھا عمار بن حسّان بن شریح بن سعد بن حارثہ بن لام بن عمرو بن طریف بن عمرو بن ثمامہ بن ذہل بن جذعان بن سعد بن طے۔

جنابِ عمار کا شمار ممتاز شیعیانِ اہلِ بیتؑ میں ہوتا تھا اور وہ بڑے بہادر اور نبرد آزما سپاہی تھے۔ ان کے والد جناب حسّان بن شریح حضرت علیؑ کے جلیل القدر صحابی تھے جو جنگِ صفّین میں باغی فوجوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے۔

باپ نے حضرت علیؑ کی نصرت میں جان نثار کی تو ان کے فرزند جنابِ عمار نے حضرت سیّد الشہداؑ کی نصرت میں اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ عمار بن حسان طائی امام حسینؑ کی رفاقت میں مکۂ معظمہ سے حاضر ہوئے تھے۔ حملۂ اولیٰ میں شہادت کی سعادت حاصل فرمائی۔ عمار بن حسان کی ساتویں پشت میں ایک صاحب عبداللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان بن صالح بن عمار طائی ہیں۔ جو بواسطہ اپنے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ روایانِ حدیث میں ان کا شمار ہے۔ اُن کی تصانیف میں ایک کتاب قضایائے امیر المومنینؑ ہے۔ اس کتاب میں حضرت علیؑ کے جو جو فیصلے مقدمات کئے ہیں وہ سب مذکور ہیں۔

## ۹۶۔ حضرت عمران بن کعب بن حرث الشجعی:

آپ کے حالات تاریخوں میں نہیں ملتے مگر مورخین نے آپ کا شمار حملۂ اولیٰ کے شہداؑ میں کیا ہے۔

## ۹۷۔ حضرت عَمرو بن قُرظہ بن کعب انصاری:

آپ کے والد جناب قرظہ بن کعب صحابیِ رسولؐ تھے اور جنگِ احد اور اس

کے بعد والی جنگوں میں شریک تھے۔

حالات کی یہ بھی کیا ستم ظریفی ہے کہ جناب عمرو بن قرظہ تو حضرت امام حسینؑ کے جان نثاروں میں تھے اور ان کا چھوٹا بھائی علی بن قرظہ فوجِ عمرِ سعد میں شامل تھا۔

جناب عمرو بن قرظہ ہی کو حضرت امام حسینؑ نے عمرِ سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ تم مجھے رات کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان ملو۔

جنگ کرتے کرتے آپ امام کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کی کہ "کیا مولاؑ میں نے اپنا فرض پورا کیا"۔ امام نے فرمایا "کیوں نہیں تم آگے آگے جنت میں چلو، میرا اسلام رسولؐ خدا کو پہنچا دینا میں بھی تمھارے عقب میں آتا ہوں"۔ آخر زخموں کی تاب نہ لا کر آپ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد ان کا بھائی علی بن قرظہ فوجِ عمرِ سعد سے نکلا اور امام کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے لگا اور کہا کہ "تم نے میرے بھائی کو ورغلایا اور قتل کرا دیا، میں عہد کرتا ہوں کہ میں تمھیں قتل کروں گا یا خود قتل ہو جاؤں گا"۔

جنابِ نافع بن ہلال اس کی گستاخی کی تاب نہ لا سکے اور آگے بڑھ کر اسؑ کے نیزہ مارا جس سے وہ گر گیا وہ چوٹ کھا کر بھاگ نکلا اور بعد میں علاج و معالجے سے صحت یاب ہو گیا۔

## ۹۸۔ حضرت عابس بن ابی شبیب شاکری:

آپ کو حضرت امیر المومنینؑ سے صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا اور وہ اتنے عبادت گزار تھے کہ جنگِ صفین میں ایک دن امیر المومنینؑ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر عابس کی طرح خلوصِ دل سے خدا کی عبادت کرنے والے دنیا میں ایک ہزار ہو جائیں تو خدا کی پرستش اس طرح ہونے لگے جس طرح کہ

پرستش کا حق ہے۔

عابس کو شاکری بھی کہا جاتا ہے اور ودائی بھی اس لیے کہ وہ ہمدان کی ایک دوسری شاخ بنو وادعہ کے پاس جا کر بھی مقیم ہوئے تھے۔

حضرت مسلمؑ نے اٹھارہ ہزار کوفیوں کی اطاعت کے بعد اطلاعی نامہ لکھ کر امام کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے لے جانے والے یہی جنابِ عابس تھے۔ یہ خط پہنچانے کے بعد وہ امام کی خدمت سے الگ نہ ہوئے بلکہ یومِ عاشور امامؑ کے قدموں پر جان نثار کر دی۔

عابس بڑے بہادر انسان تھے اور متعدد جنگوں میں حصہ لے چکے تھے چنانچہ ایک زخم کا نشان ان کی پیشانی پر موجود تھا اسی نشان کو دیکھ کر فوجِ اعدا نے انھیں پہچانا۔

ان کی بہادری کی وجہ سے فوجِ اعدا میں سے کسی کو ان کے مقابلے کے لیے نکلنے کی جرأت نہ ہوئی اور اُنھوں نے عابس پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عابس نے زرہ بکتر اُتار کر پھینک دیے اور خالی قمیص پہنے ہوئے تلوار لے کر فوجِ اعدا پر حملہ آور ہوئے اور سینکڑوں کا مجمع ان کے سامنے سے اس طرح بھاگ رہا تھا جیسے شیر کے سامنے سے بھیڑیں۔

آخر کار آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور شہید کر دینے کے بعد آپ کا سر قلم کر لیا تھا۔

عمرِ سعد کے لشکر کے متعدد افراد اس کے دعویدار تھے کہ عابس کو میں نے قتل کیا ہے اس کا فیصلہ خود عمرِ سعد نے اس طرح کیا کہ نہیں نہیں یہ شرف تم سب کو اجتماعی حیثیت سے حاصل ہے اس لیے کہ عابس جیسے شجاع شخص کو کوئی تنہا شخص قتل نہیں کر سکتا تھا۔

## ۹۹۔ حضرت عامر بن حسان:

بروایت اعیان الشیعہ نجاشی سے منقول ہے کہ یہ شہدائے کربلا میں سے تھے۔

## ۱۰۰۔ حضرت عامر بن خلیدہ:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی شہدائے کربلا میں سے تھے۔

## ۱۰۱۔ حضرت عامر بن مالک:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

## ۱۰۲۔ حضرت عبدالرحمان الیزانی:

یہ شخص بھی شہدائے کربلا میں سے شمار کیا گیا ہے۔ روزِ عاشور میدان میں جا کر انہوں نے جہاد کیا اور چند ملاعین کو تہہِ تیغ کر کے شہید ہوئے۔

## ۱۰۳۔ حضرت عبدالرحمان بن عروہ بن حراق غفاری:

عبدالرحمان بن عروہ اور ان کا بھائی عبداللہ بن عروہ نہایت شجاع بارعب اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کے والد حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے اور جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت کے ہمرکاب تھے۔ یہ دونو بھائی خدمتِ امام میں اس وقت پہنچے جب آپ کربلا میں نزول اجلال فرما چکے تھے۔ روزِ عاشور جب آتشِ جنگ بھڑک اٹھی تو یہ دونو بھائی روتے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے فرزندِ رسولؐ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے فداکارانہ جنگ کریں اور آپ کے قدموں میں جامِ شہادت پئیں۔ امام نے

فرمایا شاباش: ذرا میرے قریب تو آو، جب یہ اپنی تر آنکھوں کے ساتھ قریبِ امام آئے تو آپ نے فرمایا روتے کیوں ہو؟ عنقریب تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ نعماتِ خداوندی کا مشاہدہ کر کے خوش ہوں گے۔ اُنہوں نے عرض کی آقا ہم خدا کی قسم اپنے لئے نہیں روتے بلکہ ہم تو آپ کی غریبی پر روتے ہیں کیونکہ کسی تدبیر سے ہم آپ کے اعدا کو دفع نہیں کر سکتے۔ امام نے فرمایا خدا تم کو جزائے خیر دے پس امام سے رخصت ہو کر ایک ہی ساتھ میدانِ جنگ میں گئے اور رجزیہ اشعار اس طرح پڑھتے تھے کہ ایک بھائی ایک مصرعہ کہتا تھا اور دوسرا بھائی دوسرا مصرعہ کہتا تھا۔ یہاں تک کہ دونو اکٹھے شہید ہو گئے۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ اور رجبیہ میں ان دونو بھائیوں پر سلام وارد ہے۔

## ۱۰۴۔ حضرت عبدالرحمان کدری اور اس کا بھائی:

ان دونوں بھائیوں نے مل کر جنگ کی اور اکٹھے شہید ہوئے۔ دوسرے بھائی کا نام نہیں مل سکا۔

## ۱۰۵۔ حضرت عبدالرحمان بن مسعود تیمی:

ان کے والد مسعود مشاہیر شیعانِ علیؑ میں سے تھے اور نہایت بہادر تھے۔ عبدالرحمان اپنے والد مسعود کے ہمراہ ساتویں محرم کو زمین کربلا میں پہنچے اور بروایتِ ابن شہر آشوب حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں ان دونوں پر سلام وارد ہوا ہے۔

## ۱۰۶۔ حضرت عبدالرحمان بن زید:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۱۰۷۔ حضرت عبداللہ بن بشر خثعمی:

پہلے لشکر ابنِ سعد میں تھے اور پھر امام عالی مقام کے ساتھ مل گئے اور شرفِ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۰۸۔ حضرت عبداللہ بن عروہ غفاری:

عبدالرحمان بن عروہ غفاری کے بھائی ہیں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

## ۱۰۹۔ حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی اور ان کی زوجہ:

یہ حضرت علیؑ کے صحابہ میں سے تھے بروایت مامقانی ان کی کنیت ابووہب تھی۔ نہایت شجاع و دلیر اور طاقت ور بہادر تھے۔ کوفہ میں بیر الجعدہ کے قریب ان کا گھر تھا ان کی زوجہ قبیلہ بنی نمر سے تھیں۔ ایک دن گھر سے باہر نکلے دیکھا کہ فوجیں نخیلہ کی طرف جا رہی ہیں۔ دریافت کیا کہ یہ لشکر کہاں جا رہے ہیں تو جواب ملا کہ کربلا میں امام حسینؑ سے جنگ کرنے جا رہے ہیں۔ دل میں سوچا کہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا شیدائی تھا لیکن وہ قوم جو فرزندِ پیغمبرؐ کے خون کی پیاسی ہو ان سے جنگ کرنے کا ثواب کفار کی جنگ سے یقیناً کم نہ ہوگا۔ پس گھر میں آئے اور اپنی زوجہ کو اطلاع دی تو ان کی نیک طینت زوجہ نے جواب دیا کہ آپ نے جو کچھ سوچا ہے بہت بہتر ہے۔ مجھے بھی ساتھ لے جائیں راتوں رات عبداللہ نے اپنی زوجہ کے ہمراہ کوچ کیا اور آٹھویں کی شب واردِ کربلا ہو گئے اور امامِ عالی مقامؑ سے باریابی کا شرف حاصل کیا۔

دسویں کے روز جب عمر بن سعد نے پہلا تیر امام کے خیام کی طرف پھینکا تو اس کے بعد ابنِ زیاد کا آزاد کردہ غلام پہلے فوجِ اشقیا کی طرف سے لڑنے کے

لئے نکلا۔ اس طرف سے حبیبؓ بن مظاہر اور بُریرؓ بن خضیر نے امام سے اجازت طلب کی لیکن امام حسینؑ نے ان دونو کو روک لیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمیر نے اجازت چاہی تو امام نے ایک نظر سے اُن کی طرف دیکھا اور اُن کے قدوقامت اور قوت وتوانائی کو ملاحظہ فرما کے ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں تم اس کے بہترین مدِ مقابل ہو گے۔ پس اُن کو رخصت ملی اور فوراً میدان میں پہنچے۔ ابنِ زیاد کے غلام یسار نے پوچھا میرے مقابلے میں کون آیا ہے؟ تو جواب دیا میں عبداللہ بن عمیر کلبی ہوں۔ یسار نے کہا تم واپس جاؤ۔ میرے مقابلے میں حبیبؓ یا بریرؓ کو آنا چاہیے۔ عبداللہ نے جواب دیا اے حرام زادے کیا جنگ میں مدِ مقابل کا انتخاب تیرے ذمے میں ہے کہ جس کو تو چاہے وہی آئے۔ پس اتنا کہہ کر شیر غضبناک کی طرح اس پر جھپٹے اور ایک ہی ضربت میں اس کا کام تمام کر دیا۔ ابن زیاد کا ایک غلام جس کا نام سالم تھا وہ فوراً عبداللہ کی طرف تلوار لے کر بڑھا تو عبداللہ کو آواز دی گئی کہ ہوشیار ہو یہ دشمن خدا وار کرنے کے لئے آرہا ہے لیکن عبداللہ نے اس وقت توجہ کی جب کہ سالم تلوار چلا چکا تھا۔ پس اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے تلوار کا وار روکا جس سے عبداللہ کی انگلیاں کٹ گئیں لیکن اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سنبھل کر سالم پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اُسے فی النار کر دیا۔ پھر شیر ببر کی طرح گونجتے گرجتے ہوئے میدان کی طرف بڑھے اور لشکرِ اعدا میں گھس گئے۔ اُن کی زوجہ یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں پس خیمے کا عمود لے کر اس کے پیچھے دوڑیں اور آواز دی کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں پیغمبرؐ کی ذرّیت معصومین کی طرف سے خوب فداکاری کرو۔ عبداللہ نے جب اپنی زوجہ کی آواز سنی تو فرطِ غیرت سے پلٹے اور چاہا کہ اُن کو واپس لوٹائیں لیکن وہ نہ مانیں

اور اُنھوں نے اپنے شوہر کا دامن تھام کر کہا کہ میں تمہارے ساتھ قتل ہوں گی۔

چونکہ عبداللہ کے دائیں ہاتھ میں تلوار تھی اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ چکی تھیں اور وہ زخمی ہو گئے تھے اس لئے زوجہ کو واپس پلٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فوراً امامِ عالی مقامؑ کی خدمت میں فریاد کی تو امام اُن کی آواز سُن کر بنفسِ نفیس خود تشریف لائے اور عبداللہ کلبی کی زوجہ سے فرمایا خدا تیرے اوپر رحم کرے اور خدا آلِ رسولؐ کی طرف سے تجھے جزائے خیر دے تو عورتوں کی طرف واپس آجا۔ کیوں کہ عورتوں سے جہاد ساقط ہے۔ اُنھوں نے امام کے فرمان کی تعمیل کی اور واپس آگئیں۔ عبداللہ مصروفِ جہاد رہے حتیٰ کہ شربتِ شہادت پی کر راہیٔ جنت ہوئے۔

جب زوجہ نے اپنے شوہر کو شہید دیکھا تو پھر بے تابانہ دوڑ کر لاش پر پہنچیں اور اُن کے سرہانے بیٹھ کر اُن کے چہرہ سے خاک وخون صاف کرنے لگیں اور کہتی تھیں تم کو بہشت مبارک ہو۔ اور میری دعا ہے کہ خدا مجھے فوراً تمہارے ساتھ ملحق کر دے کہ اتنے میں شمر ملعون نے اپنے غلام رستم سے کہا کہ جاؤ اور عبداللہ بن عمیر کی زوجہ کو اپنے شوہر سے ملا دو۔ چنانچہ اس بے حیا نے ایک عمود کی ضرب سے اس نیک نصیب خاتون کے سر پر وار کیا جس سے اُن کا سر پھٹ گیا اور شوہر کے ہمراہ جنت میں جا داخل ہوئیں۔

## ۱۱۰۔ حضرت عبداللہ بن زید بن ثبیط بصری:

زیارتِ ناحیۂ مقدسہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ بصرے سے اپنے باپ کے ہمراہ آئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۱۱۔ حضرت عبید اللہ بن زید بن ثبیط بصری:

زیارتِ ناحیہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

## ۱۱۲۔ حضرت عمران بن عروہ غفاری:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

## ۱۱۳۔ حضرت عقبہ بن سمعان:

زیارتِ ناحیہ میں ان پر سلام وارد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہدائے کربلا میں سے تھے اور یہ وہی عقبہ بن سمعان ہیں جن کو حرؑ کی ملاقات کے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ وہ تھیلا لاؤ جس میں کوفیوں کے خطوط ہیں۔ پس اُنھوں نے ہی یہ تھیلا پیش کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ جناب رباب کے غلام تھے۔

## ۱۱۴۔ حضرت علیؑ بن حر (حر کا بیٹا حرؑ کے سامنے شہید ہوا):

بروایت مُلّا حسین کاشفی مورخین نے بیان کیا ہے کہ حر کے فرزند لشکر کوفہ میں موجود تھے جن کا نام علی تھا، جب انہوں نے اپنے والد اور چچا کو دیکھا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں تو بیتاب ہو کر اپنے غلام سے کہا آیئے کہ گھوڑوں کو پانی پلائیں پس دونوں سوار ہوئے اور عمر بن سعد کی فوج سے نکل کر امام حسینؑ کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے جب علی بن حر امام حسینؑ کے لشکر کے قریب پہنچے تو اپنے گھوڑے سے اُتر کر آداب بجالائے اور اپنے والد کے نزدیک آ کر اپنا مُنہ اپنے والد کے منہ پر رکھ دیا امام حسینؑ نے فرمایا اے جوانمرد تو کون ہے اس نے عرض کیا میں حر کا بیٹا ہوں جس نے حضور کے قدموں میں رہ کر جان قربان کر دی ہے اور میں بھی اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اپنی جان حضور کے سامنے قربان کروں۔ اور یہ نکتہ کہ

شریف فرزند اپنے بزرگ آباؤ اجداد کی پیروی کرتا ہے واضح کروں امام حسینؑ نے اسے دُعا دی اور علی بن حُر اجازت لے کر میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے رجز کہتے ہوئے للکارتے تھے اور گھوڑے کو دوڑاتے تھے اور مقابل کو طلب کرتے تھے فوجِ شام سے ایک مسلح سپاہی باہر آیا علی بن حر اس کے سامنے آئے اور اسے بات کرنے کا موقع تک بھی نہ دیا اسے نیزے کی نوک سے زین گھوڑے سے اُٹھا کر زمین پر دے مارا، مقابل ان کے سامنے آیا اور انہیں اپنے والد اور چچا کے انتقام میں قتل کر دیا امام حسینؑ ان سے کہہ رہے تھے آفرین مرحبا اور ان کے لیئے دعا کرتے تھے آخر کار یزیدی لشکر نے انہیں گھیر کر شہید کر دیا اور یہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ جنّت فردوس میں داخل ہوئے۔ (روضۃ الشہدا)

علی بن حرؑ کی لاش امامِ حسینؑ نے اُٹھائی اور مقتل میں لا کر رکھ دی، حر چاہتے تھے کہ بیٹے کی لاش خود لے کر آئیں لیکن امامِ حسینؑ نے فرمایا اے حرؑ جوان بیٹے کی لاش باپ نہیں اُٹھاتا میں خود تمہارے بیٹے کی لاش اُٹھا کر لے آؤں گا۔ اِس واقعے کو لکھنؤ کے مشہور جدید مرثیے کے شاعر ناصر لکھنوی نے ایک مرثیے میں نظم کیا ہے۔

رخصت پسر نے باپ سے لی اور چل دیا — گھوڑا اُڑا ہواؤں کے رُخ موڑنے لگا
کیا چال تھی فرس کی رواں تھا براق سا — پل بھر میں اتنی تیز بڑھا نہر پر رُکا

پانی میں لینے آیا ہوں حرؑ کا پسر ہوں میں
اے فوجِ شام پیاسوں سے اب باخبر ہوں میں

اے فوجِ شام حرِؑ جری کا میں لال ہوں — شانِ سپہ گری میں بھی اک باکمال ہوں
ہے خون میرا پاک تو روشن خیال ہوں — مشکل کشا علیؑ ہے مرا خوشخصال ہوں

میرا رجز سنو گے جفا بھول جاؤ گے
مانی نہ میری بات تو سب جھول جاؤ گے

خوفِ خدا سے ہے مرا لرزاں بدن تمام دیکھو خدا کے واسطے اب تو سوئے امامؑ
باقی نبیؐ کی آل سے ہے بس خدا کا نام مانی نہ بات میری تو تم پر ہو والسلام
پانی میں لینے آیا ہوں اب لے کے جاؤں گا
روکو گے گر مجھے تو ٹھکانے لگاؤں گا

عباسؑ کہہ رہے تھے کہ ظالم ہیں اشقیا اور حرؑ نامدار کا بیٹا ہے با وفا
دھوکے سے مار سکتے ہیں بے درد بے حیا اب بات سوچنے کی ہے ہونے کو ہے دغا
یہ مانا فرض جنگ میں وہ بے پناہ ہے
لیکن یہ فوجِ شام بڑی روسیاہ ہے

دیکھو ذرا فرات پہ تلوار چلتی ہے تلوار حرب و ضرب کے جوہر بدلتی ہے
تلوار ہے جو آگ کے شعلے اگلتی ہے تلوار خوں میں ڈوب کے باہر نکلتی ہے
لگتا ہے حرؑ کے بیٹے سے کچھ رود کد ہوئی
ظلم و ستم کی پیاس کے ماروں پہ حد ہوئی

ہونٹوں سے خون پونچھ رہے ہیں شہِ انام حرؑ کے پسر کا اب بھی بدن گرم ہے تمام
پانی نہ پاس ہے نہ دوا ہے نہ اہتمام جنّت کی دے رہے ہیں بشارت مرے امامؑ
ماں کا خیال آتے ہی سر گھومنے لگا
جھک جھک کے حرؑ پسر کا دہن چومنے لگا

حرؑ کے پسر کا اوج یہ اقبال یہ حشم زانوئے شاہ تکیہ بنا ہے یہ ہے کرم
چہرے کو حرؑ کے دیکھ رہے ہیں شہِ امم کیا تعزیت ادا کریں بیٹے کا ہے یہ غم
کرتے نہیں ہیں آہ وہ آنسو بہاتے ہیں
شبیرؑ حرؑ کے بیٹے کا لاشہ اُٹھاتے ہیں

وقائع الایام جلد چہارم اور دوسری کتب سے بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب روز عاشورا لڑائی شروع ہوئی تو خدا نے امام حسینؑ پر نصرت نازل فرمائی جو امام پاک کے سر پر پرواز کرتی تھی اور امام حسینؑ کو نصرت اور لقائے پروردگار میں اختیار دیا گیا تھا لیکن آپ نے لقائے پروردگار کو پسند فرمایا۔

جب امام نے آوازِ استغاثہ بلند فرمائی تو حر نے اپنے بیٹے علی سے کہا کہ میں تو امام حسینؑ کے پاس جاتا ہوں اگر تو میرے ساتھ آنا چاہے تو خوب ہے چنانچہ دونو باپ بیٹے لشکرِ اعدا سے نکل کر لشکرِ امام میں پہنچے اور حر نے شکرِ خدا ادا کیا۔

مخزن البکاء سے منقول ہے کہ حُر نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اے فرزند مجھے آتشِ جہنم پر صبر کی تاب نہیں بہتر ہے کہ حسینؑ کی طرف چلے جائیں۔ اس نیک بخت نے باپ کی آواز پر لبیک کہا اور اُدھر آتے ہی حرؒ نے پہلے اپنے بیٹے کو میدانِ کارزار میں روانہ کیا اور مردانہ وار لڑنے کی تلقین کی۔ چنانچہ حر کا بیٹا گھوڑے پر سوار میدان میں پہنچا اور ایسا سخت حملہ کیا کہ اہلِ کوفہ کا ناک میں دم کر دیا۔ اور ۲۵ آدمیوں کو فی النار کر کے ایک دفعہ پھر باپ کی خدمت میں پہنچا اور کہا اگر ہو سکے تو ایک گھونٹ پانی پلا دیجئے حُر نے جواب دیا بیٹا صبر کرو اور جہادِ رہِ خدا میں ہرگز کوتاہی نہ کرو۔ پس وہ دوبارہ میدان میں پلٹا اور مردِ میدان بن کر دادِ شجاعت دی اور ایک بڑی تعداد کو واصلِ جہنم کیا اور آخر کار جامِ شہادت نوش فرما کر راہی ملکِ بقا ہوا۔ حُر نے جب اپنے فرزند کو شہید دیکھا تو کہا اللہ کا شکر ہے کہ تجھے امام کے قدموں میں شہادت نصیب ہوئی۔ اس کے مقتولین کی تعداد ستر تک بیان کی گئی ہے۔

## ۱۱۵۔ حضرت علی بن مظاہر اسدی:

غالباً حبیب بن مظاہر کے بھائی ہیں۔ رجز پڑھتے ہوئے فوجِ اشقیا پر حملہ آور

ہوئے اور ستر ملاعین کو تہِ تیغ کر کے شہید ہوئے۔

## ۱۱۶۔ حضرت عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی انصاری:

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں جنادہ بن کعب اور اُن کے بیٹے عمرو بن جنادہ بن کعب دونو پر سلام وارد ہے۔ عمرو بن جنادہ کی عمر بعض نے نو برس اور بعض نے گیارہ برس لکھی ہے۔ ان کے والدہ جنادہ پہلے شہید ہو چکے تھے۔ بعض مورخین نے ان کو نوجوان بھی لکھا ہے۔ چنانچہ منتہی الآمال سے مروی ہے کہ ایک جوان خیمہ سے نکلا جس کا باپ پہلے شہید ہو چکا تھا۔ ان کی والدہ ان کے ہمراہ تھیں۔ انہوں نے کہا دیکھو بیٹا جاؤ اور فرزندِ پیغمبرؐ کے سامنے جہاد کرو۔ پس ماں کا فرمان سُن کر یہ نوجوان میدان کی طرف بڑھا۔ جب امام حسینؑ کی نظر پڑی تو بلا کر فرمایا اے بیٹے تیرا باپ شہید ہو چکا ہے۔ تیری موت تیری ماں کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوگی۔ اس جوان نے عرض کی آقا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے ماں ہی نے تو جہاد کے لیئے بھیجا ہے۔ اس لڑکے نے یہ رجزیہ اشعار پڑھے۔

أَمِيْرِيْ حُسَيْنٌ وَنِعْمَ الأَمِيْرِ سُرُوْرُ فُؤَادِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ
میرا امیر حسینؑ اور بہترین امیر ہے جو بشیر ونذیر کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَالِدَاهُ فَهَلْ تَعْلَمُوْنَ لَهُ مِنْ نَظِيْرٍ
جس کے ماں باپ علیؑ و فاطمہؑ ہوں اس کی کون نظیر ہوسکتا ہے

لَهُ طَلْعَةٌ مِثْلُ شَمْسِ الضُّحىٰ لَهُ غُرَّةٌ مِثْلُ بَدْرٍ مُنِيْرٍ
اس کا چہرہ سورج کی طرح نورانی ہے اور رونق مثلِ بدرِ منیر کے ہے

عمرو بن جنادہ نے خوب جنگ کی آخر کار کوفیوں نے اُن کا سر تن سے جدا کر دیا اور لشکر گاہِ حسینی کی طرف پھینک دیا۔ اُن کی ماں نے بچے کا سر لے کر سینے

سے لگایا اور کہا شاباش بیٹا تم نے میرے دل کو روشن کیا۔ پس سر کو پورے غصے کے ساتھ ایک شقی کی طرف پھینکا کہ وہ واصلِ جہنم ہوا پھر عمود خیمہ لے کر حملہ آور ہو گئیں اور یہ رجز پڑھا۔

اَنَا عَجُوْزٌ سَیِّدِیْ ضَعِیْفَة خَالِیَةٌ بَالِیَةٌ نَحِیْفَة

میں اپنے آقا کی بوڑھی اور کمزور خادمہ ہوں

اَضْرِبُکُمْ بِضَرْبَةٍ عَفِیْفَة دُوْنَ بَنِیْ فَاطِمَة الشَّرِیْفَة

اولادِ فاطمہؑ کی حفاظت کے لئے اے دشمنو تمھیں تلوار سے سخت ضرب ماروں گی

پس دو ملعونوں کو تہِ تیغ کیا اور امام کے فرمانے سے واپس آ گئیں اور امام نے اُن کے حق میں دعا کی۔ ان نیک بخت خاتون کا نام بحریہ بنت مسعود خزرجی تھا اور اُن کے بیٹے کے قاتل کا نام مالک بن نسر کہا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا ایک تشریع خاص کے ماتحت تھا۔

## ۱۱۷۔ حضرت عمرو بن جندب حضرمی:

ان کی کوفہ میں رہائش تھی۔ حضرت علیؑ کے صحابہ میں سے تھے اور آپ کے ہمراہ جنگ جمل و صفین میں شریک رہ چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ حُجر بن عدی کے ہم نشین تھے جب حجر گرفتار ہوئے تو یہ کسی طریقہ سے جان بچا کر نکلے تھے۔ جب زیاد واصلِ جہنم ہوا تو یہ دوبارہ واپس کوفے میں آ گئے۔ حضرت مسلمؑ بن عقیل کی بیعت میں داخل ہوئے۔ جب حضرت مسلمؑ گرفتار ہو گئے تو خفیہ طور پر کوفے سے نکل کر امامِ عالی مقام کی فوج میں جا ملے اور آپ کے ہمرکاب رہے۔ پس دسویں محرم کو حملۂ اولیٰ میں شہادت پا کر راہئ جنت ہوئے۔

## ۱۱۸۔ حضرت عمرو بن خالد صیداوی:

زیارتِ ناحیہ میں ان پر سلام وارد ہے یہ کوفے میں مشہور و معروف شریف و مخلص شیعوں میں سے تھے۔ حضرت مسلمؑ کی بیعت میں داخل ہوئے تھے۔ جب حضرت مسلمؑ گرفتار ہوئے تو یہ چھپے رہے۔ جب امام حسینؑ کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی نے آ کر خبر دی کہ حسینؑ تشریف لا رہے ہیں تو یہ چند اور ساتھیوں کے ہمراہ خفیہ طور پر امامِ عالی مقام کی خدمت میں پہنچے اور شرفِ شہادت پا کر راہیٔ جنت ہوئے۔

## ۱۱۹۔ حضرت عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی:

ان کو صحابیت رسالت مآب کا شرف حاصل تھا۔ اپنے زمانہ میں بڑے شجاع دلیر اور مردِ میدان تھے۔ کئی جنگوں میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے۔ عمر بن سعد کے ہمراہ کربلا آئے اور جب دیکھا کہ اشقیاء نے صلح کی تمام شرائط ٹھکرا دی ہیں تو امام حسینؑ کی فوج میں شامل ہو گئے اور حملۂ اولیٰ میں شرفِ شہادت پر فائز ہوئے۔ زیارتِ ناحیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۱۲۰۔ حضرت عمرو بن عبداللہ جندعی:

زیارتِ ناحیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ روزِ عاشور سے پہلے کربلا میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور عاشور کے دن فوجِ اشقیا پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے سر پر ایک کاری ضرب لگی جس سے بے ہوش ہو کر زمین پر گرے۔ پس ان کے قبیلہ والے ان کو اُٹھا کر لے گئے۔ کوفے میں ایک سال صاحبِ فراش رہے اور پھر راہیٔ جنت ہوئے۔

## ۱۲۱۔ حضرت عمرو بن کعب انصاری:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۱۲۲۔ حضرت عمرو بن مطاع جعفی:

مورخین نے شہدا کربلا کی فہرست میں ان کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ تفصیل معلوم نہیں۔

## ۱۲۳۔ حضرت عمیر بن عبداللہ مذحجی:

بروایت ابنِ شہر آشوب یہ بھی شہدائے کربلا سے ہیں ان کو عبداللہ بَجَلی اور مسلم جنابی نے شہید کیا۔

## ۱۲۴۔ حضرت عمیر بن کناد:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۱۲۵۔ حضرت عبداللہ بن یقطر

ان کی والدہ حضرت امام حسینؑ کی کھلائی تھیں جیسے امام حسینؑ کی کھلائی اُم قیس بن ذریح تھیں عبداللہ بن یقطر کی ماں نے امام حسینؑ کو گود میں کھلایا تھا دودھ تو نہیں پلایا تھا مگر اس سبب سے کہ اُن کی ماں نے آپ کی طفلی میں آپ کو کھلایا تھا عبداللہ آپ کے دودھ شریک بھائی مشہور ہو گئے۔ اور اُم الفضل بن العباس لبابہ بھی حضرت امام حسینؑ کی کھلائی تھیں انھوں نے بھی دودھ نہیں پلایا تھا جیسا کہ روایات صحیحہ سے ظاہر ہے کہ امام حسینؑ نے سوائے اپنی والدہ ماجدہ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کے کسی کا دودھ نہیں پیا یا جناب رسالت مآب کی زبان مبارک چوسی یا حضرت کا انگوٹھا چوسا۔ ابن حجر عسقلانی جو علمائے اہلِ سنّت سے ہیں اپنی کتاب

اصابہ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن یقطر کا شمار اصحاب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہے۔ کیونکہ وہ امام حسینؑ کے ہم عمر تھے۔

ارباب سیر وتاریخ نے لکھا ہے کہ جناب امام حسینؑ نے مکے سے چلنے کے بعد عبداللہ کو جناب مسلمؑ کے پاس روانہ فرمایا اور جناب مسلمؑ نے کوفہ پہنچ کر جو خط حضرت امام حسینؑ کو لکھا تھا جس میں اہلِ کوفہ کی بیعت اور اطاعت کا حال اور حضرت کو کوفہ آنے کے لئے لکھا تھا اُس خط کا جواب حضرت امام حسینؑ نے بنام جناب مسلمؑ لکھ کر اُنھیں عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا۔ عبداللہ جب قادسیہ پہنچے وہاں حصین بن نمیر جو ابن زیاد کی طرف سے لشکر لئے ہوئے ٹھہرا تھا اور آنے جانے والوں کو پکڑتا تھا اُس نے عبداللہ کو قید کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ میں بھیج دیا ابنِ زیاد نے عبداللہ سے دریافت حال کیا اُنھوں نے کچھ نہیں بتایا اُس وقت ابنِ زیاد نے کہا کہ قلعہ کے کوٹھے پر جا کر حضرت امام حسینؑ کو بُرا بھلا پکار کر کہو کوٹھے سے اُترنے کے بعد تجویز کروں گا کہ تجھ سے کیا سلوک کیا جائے۔ عبداللہ کوٹھے پر گئے اور کہا اے اہلِ کوفہ میں حضرت امام حسینؑ کا قاصد ہوں اُس جناب نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تم حسب وعدہ مقابلہ میں ابنِ مرجانہ اور یزید کے اُن حضرت کی مدد کرو بس یہ سننا تھا کہ ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ ان کو قلعہ سے گرادو لوگوں نے اُن کو قلعہ سے گرادیا تمام ہڈیاں چکنا چُور ہوگئیں۔ قدرے جان باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر اللخمی قاضی اور عالم کوفہ نے چُھری سے عبداللہ کو ذبح کردیا جب لوگوں نے اُس کو ملامت کی تو قاضی نے کہا میں نے اس وجہ سے ذبح کیا کہ تکلیف سے عبداللہ کو نجات ہوجائے۔

حضرت امام حسینؑ کو جب منزل زبالہ میں خبرِ شہادت جناب مسلم و ہانی و

عبداللہ بن یقطر پہنچی تھی تو آپ نے جملہ اصحاب کو جمع کر کے وہ خبر سنائی اور فرمایا کہ اہلِ کوفہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا جس کو ہمارے ساتھ مرنا ہو وہ رہے اور جو بغرض حصولِ راحت وثروت ساتھ ہوا وہ چلا جاوے میں نے اپنی بیعت تم سب سے اُٹھالی ہے۔

ابن قتیبہ اور ابن مسکویہ نے اپنی کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ جس کو امام حسینؑ نے بعد جناب مسلمؑ کوفہ بھیجا تھا اُن کا نام قیس بن مسہر صیداوی ہے اور عبداللہ بن یقطر تو جناب مسلم کی ہمراہ ہی گئے تھے۔ اور جناب مسلم نے اہلِ کوفہ کا رنگ بدلا ہوا دیکھا تو عبداللہ بن یقطر کو فوراً خدمت میں حضرت امام حسینؑ روانہ کیا کہ اُن حضرت کو یہ حال معلوم ہو جائے اور وہ جناب ادھر نہ آویں راہ میں قادسیہ کے منزل میں حصین بن نمیر نے عبداللہ کو قید کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا اور وہاں وہی واقعہ گذرا جو اوپر بیان ہوا۔

## ۱۲۶۔ حضرت عبداللہ بن زید عبدی

زید شیعہ آلِ محمد تھے اور اپنی قوم کے شریف تھے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ منقذ عبدی کی بیٹی شیعہ تھی اور ماریہ کا مکان شیعوں کا نشستگاہ تھا وہاں لوگ جمع ہوا کرتے تھے اور ہر طرح کی صلاح ومشورہ وہیں ہوتے تھے۔

انھوں نے یعنی زید بن شبیط نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ کر حضرت کی اطاعت وجان نثاری میں رہیں اور اُن کے دس بیٹے تھے اُن میں سے عبداللہ اور عبیداللہ نے اپنے والد کے ہمراہی منظور کی اُس کے بعد ماریہ کے گھر میں جلسہ میں انھوں نے اپنا یہ ارادہ بیان کیا اور کہا تم لوگوں سے کون کون میرے ساتھ حضرت کی خدمت میں چلنے کو تیار ہے سب نے کہا ہم تو

ابنِ زیاد کے خوف سے یہ ارادہ نہیں کر سکتے زید نے جواب میں کہا کہ میں تو ضرور جاؤں گا چاہے کتنی ہی مشکلیں اور سختیاں پیش آ دیں اس کے بعد زید مع اپنے دونوں بیٹوں کے مکّے کو روانہ ہوئے اور عامر اور عامر کا غلام اور سیف بن مالک اور اِدہم بن اُمیہ یہ چار شخص اور اُن کے ہمراہ ہوئے اور شاہراہ چھوڑ کر جنگلوں کی راہ اختیار کی کیونکہ ابنِ زیاد نے تمام راہیں بند کر دی تھیں اور دور دور منزلوں پر فوج بھیج دی تھی کہ کوئی آنے جانے نہ پائے بعد قطع منازل یہ سب ملّہ معظّمہ میں اُس وقت پہنچے جب تک حضرت امام حسینؑ مکّے ہی میں تھے۔ یہ اپنے مقام پر اُترنے اور آرام لینے کے بعد حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ ہوئے جہاں حضرت مقیم تھے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت خود اُن کے آنے کی خبر سُن کر وہاں تشریف لے گئے جہاں یہ فروکش ہوئے تھے یہ سُن کر فوراً وہاں سے پھرے اور اپنے قیام گاہ کو آئے تو دیکھا کہ حضرت اُن کے انتظار میں وہاں تشریف فرما ہیں حضرت کو دیکھ کر انھوں نے کہا خدا کا فضل اور خدا کی رحمت مجھ پر ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے یہ کہہ کر اس طرح سے آداب بجالائے کہ سلام ہو آپ پر یابن رسولؐ اللہ حضرت نے جواب سلام دیا یہ سامنے مودب بیٹھ گئے اور اپنا ارادہ اور اپنے آنے کی وجہ بیان کی حضرت نے دعائے خیر دی پھر حضرت اپنی جگہ چلے گئے یہ سب اُسی وقت مع سب اپنے ہمراہیوں کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور برابر حضرت کے ہمرکاب رہے اور عاشورے کے دن میدان جنگ میں آئے اور لڑ بھڑ کر حضرت امام حسینؑ کے سامنے شہید ہوئے۔

علامہ سروی نے لکھا ہے کہ ان کے دونوں فرزند عبداللہ و عبیداللہ جو اِن کے ساتھ آئے تھے وہ دونوں پہلے حملہ مین شہید ہوئے ہیں عامر نے اپنے والد اور

بھائیوں کا مرثیہ کہا ہے جس کو ابوالعباس حمیری اور دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے۔وہ یہ ہے۔

یاُفروۃ قومی فاندبی خیرالبریۃ فی القبور
وابکی الشھید بعبرۃ من فیض دمع ذی دُرود
وارث الحسین مع التفجع والتأوہ و الزفیر
قتلوا الحرام من الائمۃ فی الحرام من الشھور
وابکی زید مجدلا وابنیہ فی حرّالھجیر
متزملین دمأوھم تجری علیٰ البب النحور
یالھف نفسی لم تفز معھم بجناتٍ و حور

## ۱۲۷۔حضرت عبدالاعلیٰ بن زید کلبی

بڑے شہسوار بہادر کوفے کے رہنے والے مذہباً شیعہ تھے جب جناب مسلمؑ نے ابن زیاد پر چڑھائی کی تھی یہ بھی جنابِ مسلمؑ کے ہمراہ تھے جب جنابِ مسلمؑ کے ہمراہیوں نے اُن کو چھوڑ دیا اور سب بھاگ گئے اُن کو کثیر بن شہاب نے قید کر کے ابنِ زیاد کے پاس پہنچا دیا ابنِ زیاد نے ان کو قید رکھا جب جنابِ مسلمؑ کو ابن زیاد قتل کرا چکا تو اُس نے ان کو اپنے سامنے بلایا اور دریافت کیا کہ کیا تم بھی مسلمؑ کے ساتھ ہم سے لڑنے آئے تھے اُنھوں نے کہا میں محض دیکھنے آیا تھا ابنِ زیاد نے کہا اچھا قسم کھاؤ کہ تم مسلمؑ کے ہمراہ لڑنے نہیں آئے تھے اُنھوں نے قسم نہیں کھائی ابنِ زیاد نے ان کو قتل کرا دیا۔

## ۱۲۸۔حضرت عبدالرحمان بن عبدالرّب انصاری

اصحابِ رسولؐ کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۱۲۹۔ حضرت عقبہ بن صلت جُہنی

اصحابِ رسولؐ کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۱۳۰۔ حضرت عمار بن ابی سلامہ دالانی

اصحابِ رسولؐ کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۱۳۱۔ حضرت عمار بن صلحب ازدی

یہ اُن لوگوں میں تھے جنھوں نے جنابِ مسلمؑ کے ہاتھ پر حضرت امام حسینؑ کی بیعت کی تھی اور جب حضرتِ مسلمؑ نے کوفے میں قلعہ پر چڑھائی کی تھی یہ بھی حضرتِ مسلمؑ کے ہمراہ تھے جب حضرتِ مسلمؑ قید ہو کر شہید کئے گئے یہ بھی ابنِ زیاد کے سامنے لائے گئے اُس نے دریافت کیا تم کس قبیلے سے ہو اُنھوں نے کہا میں ازدی ہوں ابنِ زیاد نے کہا ان کو ان کے قبیلے میں لے جاؤ اور وہیں ان کو قتل کر دو چنانچہ وہیں ان کی گردن کو جسم سے قطع کر دیا گیا اور شہید ہوئے۔

## ۱۳۲۔ حضرت عبدالرحمان بن عبداللہ یزنی

ابنِ شہر آشوب نے اُن کا ذکر مسلم بن عوسجہؓ کے بعد کیا ہے۔ (مناقب، ج ۴، صفحہ ۹۴، ۹۵) اور روضۃ الصفا جلد ۳، صفحہ ۵۸۴ میں سعید بن عبداللہ حنفیؒ کے بعد اُن کا ذکر ہے۔

## (غ)

## ۱۳۳۔ حضرت غیلان بن عبدالرحمان:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۴۳۱۔ حضرت غرّہ (غلامِ حرؒ):

ان کا نام بہت سے لوگوں نے غرّہ لکھا ہے اور کچھ کتابوں میں عروہ مذکور ہے۔ لشکر اشقیا میں داخل تھے۔ جب اپنے آقا حر کو شہید دیکھا تو فوجِ اشقیا پر حملہ آور ہو گئے۔ کافی ملاعین کو تہِ تیغ کر کے خدمتِ امام میں پہنچے اور اذنِ جہاد حاصل کر کے دوبارہ میدان میں گئے اور مصروفِ جہاد ہو کر آخر شہید ہوئے۔

بروایت مُلّا حسین حرؒ کے غلام جن کا نام غرّہ تھا اپنے آقا اور اپنے آقا کی امارت کے فراق میں رونے لگا اور اس کا دل ان کی جدائی اور ہجر میں کباب ہو چکا تھا اس لئے بے اختیار ہو کر میدان جنگ کی طرف آیا، سخت جنگ کی اور دشمنوں کو مہلت نہ دیتے ہوئے کئی آدمیوں کو میدانِ جنگ میں تہہ تیغ کیا پھر امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے نواسۂ رسولؐ میں نے گستاخی کی مہربانی فرما کر مجھے معاف فرمائیں کیونکہ میں ابھی تک جنگ کے رسوم اور آداب نہیں سیکھا ہوں اور اپنے آقا اور آقا زادے کی جدائی میں جل گیا ہوں آج میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی حضور کے قدموں میں رہ کر قربان کروں اور قیامت کو میدانِ حشر میں اپنے سرداروں پر فخر کروں، امام حسینؑ نے فرمایا آفرین اور وہ نہایت خوشی اور انبساط سے میدانِ جنگ میں آیا اور بہت جلد اپنے آقا اور اس کی امارت سے جا کر ملحق ہوا اور شہادت کی دولت سے ہمیشہ رہنے والی سعادت کا مال خریدا۔ (روضۃ الشہداء، ۲۶۹۔۲۷۰)

علامہ محمد تقی نے بھی ناسخ التواریخ جلد ششم مطبع طہران صفحہ ۲۶۲ پر حر بن زید ریاحی کے غلام کی شہادت کے واقعات نقل کئے ہیں مگر غلام کا نام غرّہ کی بجائے عروہ لکھا ہے۔ العلم عند اللہ۔

بروایت مُلّا محمد باقر مجلسی بعدازاں ایک ایک اصحاب امام حسینؑ میں سے آتا اور رخصت جہاد مانگتا تھا اور امامِ مظلوم کو وداع کر کے کہتا تھا السلام علیک یا بن رسول اللہ حضرت فرماتے تھے وعلیک السلام جاؤ بہت جلد ہم بھی پیچھے سے آتے ہیں اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے۔

فمنھم من قضی نحبہ و منھم ینتظر و ما بدلوا تبدیلا۔

یعنی بعض وفات پا چکے ہیں اور بعض منتظر ہیں اور اپنا دین تبدیل نہ کیا اور اپنے دین پر ثابت قدم رہے موافق روایات معتبرہ اس وقت جو فرشتے نصرت حضرت کو آئے تھے زمین سے آسمان تک ان سے بھر گیا اور حضرت نے ان کی نصرت قبول نہ کی اور شہادت اختیار کی و بروایتِ دیگر جنّات آئے اور چاہا نصرت کریں مگر حضرت نے انکار کیا۔ (جلاء العیون۔ ۳۹۴)

## ۱۳۵۔ غلام نافع بن ہلال:

یہ کوفے سے بمعہ چند ساتھیوں کے خفیہ طور پر نکل کر خدمت امام میں پہنچے اور روزِ عاشور شرفِ شہادت سے فیضیاب ہوئے۔

## ۱۳۶۔ غلام حجاج بن مسروق:

بعض کتب میں ان کا نام شہدا کربلا میں ملتا ہے جیسا کہ حجاج بن مسروق کے ذکر میں گذر چکا ہے۔

## ۱۳۷۔ غلام ترکی:

سادات الاحرار میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## (ف)

### ۱۳۸۔ حضرت فیروزان:

ریاض الشہادۃ سے منقول ہے کہ یہ امام حسن علیہ السلام کے غلام تھے اور روزِ عاشور شہید ہوئے بعض مورخین نے ان کے مقتولین کی تعداد ایک سو تین بیان کی ہے۔

## (ق)

### ۱۳۹۔ حضرت قارب بن عبداللہ بن اُریقط (حضرت امام حسینؑ کے غلام)

جنابِ رسالت مآبؐ جب غارِ ثور میں تھے تو قارب کے باپ عبداللہ کا وہاں سے گذر ہوا۔ آپ نے فرمایا اے ابن اُریقط اگر میں تیرے اوپر اعتماد کروں اور اپنی جان تیرے حوالہ کروں تو کیا تو میری حفاظت کرے گا اور کسی خفیہ راستہ سے مجھے مدینے پہنچائے گا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ عنکبوت کے جال اور کبوتروں کے آشیانہ سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ پیغمبرِ خدا ہیں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی حفاظت بھی کروں گا پس وہ مدینے تک آپ کے ساتھ آیا۔

امام حسینؑ کی ایک کنیز تھی جس کا نام فکیہہ تھا۔ امام حسینؑ نے اِسی کنیز کی شادی اِسی عبداللہ سے کردی اور اُسی سے قارب پیدا ہوئے اور قارب کی والدہ فکیہہ جناب اُم ربابؑ حرمِ سید الشہدا کی خدمت پر مامور تھی اور یہ قارب اپنی والدہ کے ہمراہ امام کے ہمرکاب کربلا میں آئے اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ زیارتِ ناحیہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

### ۱۴۰۔ حضرت قُرّہ بن ابی قُرّہ غفاری:

نفس المہموم سے منقول ہے کہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کی طرف بڑھے

اور نہایت بہادری اور دلیری سے قومِ اشقیا پر حملہ آور ہوئے۔ ۶۸ ملاعین کو تہِ تیغ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۴۱۔ حضرت قاسط بن زہیر بن حرث تغلبی:

زیارتِ ناحیہ و رجبیہ میں قاسط اور کردوس دونو بھائیوں پر سلام ہے۔ ان کے باپ کا نام زہیر تھا۔ بعض روایات میں ان کے تیسرے بھائی کا نام مقسط وارد ہے کہ یہ تینوں حضرت علیؑ کے ہمرکاب جنگِ صفین میں موجود تھے اور خوب جہاد کیا تھا اور آپ کے بعد امام حسنؑ کے ہمراہ رہے اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ میدانِ کربلا میں آئے اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں تینوں شہید ہوئے۔

## ۱۴۲۔ حضرت قاسم بن حبیب بن ابی بُشر ازدی:

یہ کوفے سے ابنِ سعد کی فوج میں شامل ہو کر نکلے اور کربلا میں پہنچ کر امام حسینؑ کی فوج میں شامل ہو گئے اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ زیارتِ ناحیہ و رجبیہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

## ۱۴۳۔ حضرت قاسم بن حرث کاہلی:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۱۴۴۔ حضرت قعنب بن عمرو نمری:

شیعانِ بصرہ میں سے تھے۔ روزِ عاشور جہاد کر کے شہید ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حجاج سعدی کے ہمراہ یہ بھی بصرے سے آئے تھے۔ زیارتِ ناحیۂ مقدسہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۱۴۵۔ حضرت قیس بن مسہر صیداوی

قیس بن مسہر بن خالد بن جندب بن منقذ بن عمرو بن قعین بن الحرث بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن حزیمہ الاسدی الصیداوی یہ ایک بطن ہیں قبیلہ بنی اسد کا اُن کی طرف صیداوی نسبت ہے۔

قیس اپنی گروہ میں نہایت شریف اور بڑے شجاع تھے اور پکّے اور سچے اہلِ بیتؑ اطہار کے محب اور مطیع تھے۔ ابومخنف کا بیان ہے کہ معاویہ کے مرنے کے بعد اہلِ کوفہ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہوئے اور ایک عرضی حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں سب کی طرف سے اس مضمون کی لکھی گئی کہ آپ یہاں تشریف لائیں ہم سب آپ کی بیعت کے لئے تیار ہیں اور یہ عرضی عبداللہ بن سبع اور عبداللہ بن وال لے کر مکہ کو حضرت کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ دو روز کے بعد ایک عرضی اور لکھی گئی اور وہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمان بن عبداللہ الارحی کے ہاتھ بھیجی گئی۔ پھر تیسری عرضی دو روز کے بعد سعید بن عبداللہ اور ہانی بن ہانی کے ہاتھ روانہ کی گئی اور سب عرضیوں کا ایک مضمون ایک ہی مطلب تھا کہ آپ جلد یہاں تشریف لائیں۔ اِن عرایض کے پہنچنے کے بعد حضرت امام حسینؑ نے جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمان ارحی جو کوفہ سے عرضی لے کر آئے تھے اُن کو جناب مسلمؑ کے ہمراہ کیا جب جناب مسلمؑ منزل مضیق میں پہنچے اور اُن کے ہمراہ جو راہ بر تھے وہ رستہ بھولے اور پیاس کی شدت سے مر گئے تب جنابِ مسلمؑ نے یہ حال لکھ کر خدمت میں حضرت امام حسینؑ کے انہیں قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ روانہ کیا اور قیس حضرت امام حسینؑ کا جواب لے کر پھر جنابِ مسلمؑ کے پاس پلٹ آئے اور جناب

مسلمؑ کے ہمراہ کوفہ روانہ ہوئے۔ اور جناب مسلمؑ کے ہمراہ کوفہ میں رہے۔ جب جناب مسلمؑ نے کوفہ کے لوگوں کے بیعت کا حال حضرت امام حسینؑ کو لکھا اور حضرت کی تشریف آوری کو لکھا اور یہ عرضی جناب مسلمؑ نے قیس بن مسہر کو دے کر حضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور قیس کے ہمراہ عابس شاکری اور شوذب غلام عابس کو بھی ہمراہ کیا یہ تینوں شخص مکے میں حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور حضرت کے ساتھ ساتھ مکے سے روانہ ہوئے حضرت امام حسینؑ نے مقام حاجز سے جناب مسلمؑ اور اہلِ کوفہ کے نام اپنی مکہ سے روانگی کا خط لکھا وہ خط لے کر پھر قیس بن مسہر کوفہ کو روانہ ہوئے راہ میں درمیان خفاں و قادسیہ حصین بن تمیم جو لشکر لئے ہوئے کوفہ کی راہ روکے پڑا تھا اُس نے قیس کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا جب قیس کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا جب قیس ابن زیاد کے سامنے گئے ابنِ زیاد نے کہا امام حسینؑ کا جو خط تمہارے پاس ہے وہ مجھے دکھا دو قیس نے کہا میں نے اُسے پھاڑ ڈالا ابنِ زیاد نے کہا کیوں پھاڑا قیس نے جواب دیا تا کہ تو اُس کے مضمون پر مطلع نہ ہو پھر ابنِ زیاد نے کہا وہ خط کس کے نام تھا قیس نے کہا ایک جماعت کے نام خط تھا تم نہیں بتاتے ہو تو منبر پر جا کر حسینؑ کو بُرا بھلا کہو قیس یہ سُن کر منبر پر گئے اور کہا اے اہلِ کوفہ یہ یقین جانو کہ حسینؑ اس زمانہ میں سب خلق اللہ سے بہتر اور افضل ہیں اور رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند ہیں میں اُن جناب کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں اور حاجز کی منزل پر اُن جناب کو چھوڑا ہے تم سب اُن کی پیشوائی کرو اُن کی اطاعت کرو یہ کہہ کر پھر قیس نے ابنِ زیاد پر لعنت کی اور حضرت امیر المومنینؑ پر سلام و درود بھیجا۔ بس ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ اِن کو کوٹھے پر لے جاؤ اور وہاں سے نیچے گرا دو قیس کو اوپر

لے گئے اور وہاں سے زمین پر گرایا اُن کا جسم چور چور ہو گیا اور روح پرواز کر گئی۔

طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ ہجانات میں پہنچے اور حر کا رسالہ حضرت کے ساتھ ساتھ تھا اُس وقت چار شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کو طرماح بن عدی لے کر آئے تھے اور نافع مرادی کا گھوڑا اُن کے ہمراہ تھا حضرت امام حسینؑ نے اہلِ کوفہ کا حال اور اپنے قاصد کا حال اِن لوگوں سے دریافت فرمایا اُن سب نے اہلِ کوفہ کا حال بیان کیا اور عرض کی آپ کے قاصد کا کیا نام ہے حضرت نے فرمایا قیس بن مسہر صیداوی اُن لوگوں نے عرض کی کہ حصین بن تمیم نے اُن کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا ابنِ زیاد نے قیس سے کہا کہ تم منبر پر جا کر حسینؑ کو بُرا بھلا کہو قیس نے بجائے اُس کی فرمائش کے آپ پر اور آپ کے والد ماجد حضرت علی بن ابی طالبؑ پر درود و سلام بھیجا اور ابنِ زیاد پر لعنت کی تب ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ قلعہ کے کوٹھے سے نیچے گرا دو وہ قلعہ کے بالا خانہ سے گرائے گئے اور مر گئے یہ سُن کر حضرت امام حسینؑ کے چشم ہائے مبارک میں آنسو آ گئے اور حضرت نے یہ آیت پڑھی۔

فمنهم من قضیٰ نحبه و منهم من منتظر اور آیت کی تلاوت کے بعد یہ دعا کی۔ بارِ الٰہا ہم کو اور اُن کو جنّت میں جگہ دے اور اپنے جوارِ رحمت میں ہم کو اور اُن کو ایک جگہ رکھ۔

## ۱۴۶۔ حضرت قیس بن عبداللہ ہمدانی:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر بھی سلام وارد ہے۔

# (ک)

## ۱۴۷۔حضرت کنانہ بن عتیق تغلبی:

کنانہ بن عتیق بن مُعمریہ بن جماعت بن قیس تغلبی کوفے کے باشندے، بڑے بہادر سپاہی، عابدوزاہداور حافظِ قرآن تھے۔ جنگ چھڑنے سے پہلے امام سے جا کر ملحق ہوئے اور حملۂ اولیٰ میں شہادت پائی۔

## ۱۴۸۔حضرت کردوس تغلبی (کردوس بن زہیر بن حرث)

قاسط بن زہیر کے بیان میں اِن کا ذکر آچکا ہے۔

# (م)

## ۱۴۹۔حضرت مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانی:

سیف بن حرث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع یہ دونوں ایک ہی دادا کے پوتے تھے اور اس لیے آپس میں چچازاد بھائی تھے اس کے علاوہ وہ ایک ماں کے بطن سے پیدا بھی ہوئے تھے۔ کربلا میں یہ دونوں امام کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب عمرِ سعد سے مصالحت کی بات چیت جاری تھی۔ ان کے ہمراہ ان کے غلام جناب شبیب بھی تھے جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

یہ دونوں روزِ عاشور ایک محل پر امام کی خدمت میں آکر رونے لگے۔ فرطِ رنج وغم سے منھ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ امامؑ نے سمجھایا اور انھیں جنگ کی اجازت دے دی۔ دونوں نے یادگار جنگ کی اور آخر کار شہید ہوئے۔

## ۱۵۰۔ حضرت مجمع بن زُباد بن عَمرو جُہنی:

راستے میں دوسرے صحرائیوں کی طرح قافلہ حسینی میں شامل ہوئے۔ منزلِ زبالہ پر امام کا خطبہ سُن کر جب دنیا دار ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تو مجمع ثابت قدم رہے۔ یومِ عاشور پہلے ان کا گھوڑا شہید ہوا اور اس کے بعد آپ نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ (زُباد کے معنی ہیں خوشبودار گھاس)

## ۱۵۱۔ حضرت مالک بن انس مالکی:

نفس المہموم سے مروی ہے کہ یہ روزِ عاشور میدانِ جنگ میں جہاد کے لئے گئے اور چودہ یا اٹھارہ ملاعین کو باختلاف روایات فی النار کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۵۲۔ حضرت مالک بن اوس مالکی:

بروایت اعثم کوفی ان کو شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے۔

## ۱۵۳۔ حضرت مالک بن دودان:

نفس المہموم سے مروی ہے کہ یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمنانِ حسینؑ پر حملہ آور ہوا اور بروایت ابومخنف ساٹھ ملاعین کو جہنم پہنچا کر درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۵۴۔ حضرت مالک بن عبداللہ جابری:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہدائے کربلا میں سے تھے۔

## ۱۵۵۔ حضرت مبارک:

یہ حجاج بن مسروق کے غلام تھے اور اپنے آقا کے ہمراہ وارد کربلا ہوئے اور آخر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۵۶۔ حضرت مجمع بن عبداللہ مذحجی عائذی:

یہ حضرت علیؑ کے صحابہ میں سے تھے۔ اور ان کے والد صحابیٔ رسولؐ تھے۔ یہ مجمع جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب تھے۔ یہ اور ان کے فرزند عائذ کوفے میں مقیم تھے۔ جب امام حسینؑ کے سفیر قیس بن مسہر صیداوی نے آکر خبر دی کہ امام عالی مقام بطن رُمّہ میں پہنچ چکے ہیں تو یہ دونو باپ بیٹے اور عمرو بن خالد صیداوی اور سعد اور جنادہ بن حرث اور نافع بن ہلال کا غلام یہ کل چھ آدمی کوفے سے روانہ ہوگئے اور عذیب الہجانات کے مقام پر امام سے جا ملے۔ حر بن زید ریاحی نے مزاحمت کرنی چاہی لیکن امام حسینؑ نے ان سے کوفے کے حالات دریافت فرمائے تو مجمع بن عبداللہ نے عرض کی اے فرزندِ رسول ابنِ زیاد کی طرف سے روساء کوفہ کو رشوت بھی کافی دی گئی ہے۔ اور مکر و فریب سے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا گیا ہے۔ اور عوامِ کوفہ کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگ دل سے آپ کو چاہتے ہیں لیکن اپنے سرداروں کے دباؤ کی وجہ سے ان کی تلواریں آپ کے قتل کے لیئے تیار ہیں۔ آپ نے اپنے سفیر قیس بن مسہر صیداوی کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے جواب دیا کہ حضور! حصین بن نمیر نے اُن کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا تھا۔ ابنِ زیاد نے اُن سے آپ کے اور آپ کے والد کے اوپر سب کرنے کا حکم دیا تھا کہ وہ برسرِ منبر ایسا کریں لیکن انھوں نے منبر پر جا کر آپ پر

درود و سلام بھیجا اور معاویہ و یزید و ابنِ زیاد پر لعنت بھیجی چنانچہ ابنِ زیاد کے حکم سے اُن کو محل کی چھت سے گرا دیا گیا۔ جس سے اُن کی ہڈیاں پسلیاں چور ہو گئیں اور شہید ہو گئے۔ دسویں محرم کو جب لڑائی شروع ہوئی تو عمرو بن خالد صیداوی۔ جنادہ بن حرث، سعد غلامِ عمرو اور مجمع بن عبداللہ چاروں مل کر میدانِ کارزار میں مشغولِ جہاد ہوئے اور نہایت جانبازی سے لڑ کر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## ۱۵۷۔ حضرت محمد بن بشر حضرمی:

ان کے والد بشر بن عمرو حضرمی کے تذکرے میں گذر چکا ہے کہ ان کو عین جنگ کے وقت اپنے بیٹے کی اسیری کی اطلاع دی گئی تھی تو اُنہوں نے نہایت جرأت سے کہا تھا کہ مجھے اس کا اجر خدا دے گا۔ گویا فرزند رسولؐ کو نرغۂ اعدا میں چھوڑ کر میں بیٹے کی رہائی کے لئے ہرگز نہ جاؤں گا تو امام حسینؑ نے اِن سے بیعت اُٹھالی اور فرمایا تمہیں میری طرف سے اجازت ہے لیکن اس سراپا ایمان نے جواب دیا کہ میں کسی قیمت پر آپ سے جُدائی پسند نہیں کرتا۔ پس آپ نے ایک ہزار دینار کے قیمتی لباس اُن کو عطا فرمائے کہ اپنے بیٹے محمد کو دے کر روانہ کرو تا کہ اپنے بھائی کا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑا لائے۔

اس واقعے کے بعد تاریخ خاموش ہے کہ آیا محمد بن بشر وہ لباس لے کر بھائی کے چھڑانے کے لئے گئے یا دہیں رہ کر شہید ہو گئے۔ لیکن حالات حاضرہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کربلا میں رہ گئے اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے کیونکہ جہاں ایک طرف ان کے بھائی اسیری میں مبتلا تھے وہاں آنکھوں کے سامنے ان کے والد دشمنوں سے مصروفِ جنگ تھے تو یہ ایک غیور انسان سے کیسے ممکن ہے کہ اپنے

بھائی کی خیر خواہی کے لئے باپ کو معرضِ قتل میں چھوڑ کر چلا جائے۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ محمد بن بشر بھی اپنے والد کے ہمراہ شہدائے کربلا میں داخل ہوں گے۔

## ۱۵۸۔ حضرت محمد بن انس بن ابی دجانہ:

ریاض الشہادۃ میں ان کو شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے۔

## ۱۵۹۔ حضرت محمد بن مطاع:

ناسخ سے منقول ہے کہ یہ امام عالی مقام سے اجازت لے کر میدانِ جنگ میں گئے اور ۳۰ ملاعین کو تہِ تیغ کر کے شہید ہوئے۔

## ۱۶۰۔ حضرت مسعود بن حجاج تیمی:

زیارتِ ناحیہ ورجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ یہ مشہور شیعیانِ علیؑ میں سے تھے اپنے بیٹے عبدالرحمان کے ساتھ واردِ کربلا ہوئے اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۱۶۱۔ حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی:

یہ بزرگ باتفاق شیعہ وسنی صحابہ رسولؐ میں سے تھے اور حضرت علیؑ کی غلامی کا بھی ان کو شرف حاصل تھا چنانچہ جنگِ جمل، صفین ونہروان میں آپ کے ہمرکاب تھے۔ عبادت گذار شب بیدار اور قاری قرآن تھے۔ نیز شجاعت میں بھی اپنی آپ نظیر تھے۔ مہیج الاحزان سے منقول ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ حضرت علیؑ کو قرآن سنایا تھا۔

جب حضرت مسلمؑ کوفے میں تشریف لائے تو مسلم بن عوسجہ قبض اموال اخذ بیعت اور بیع اسلحہ میں آپ کی جانب سے وکیل تھے۔ عموماً مسجد کوفہ میں مصروفِ عبادت رہا کرتے تھے۔ حضرت سیّد الشہدا کے انصار میں سے یہ نہایت عظیم

المرتبت شخصیت کے مالک تھے۔ زیارتِ رجبیہ و ناحیہ مقدسہ میں نہایت وقیع الفاظ میں ان پر سلام وارد ہے اور اجلاّ علمائے امامیہ نے ان کی عظمتِ شان کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ علاّمہ مامقانی اپنے رجال میں فرماتے ہیں کہ مسلم بن عوسجہ کا تقویٰ و قوتِ ایمانی اور جلالت قدر و عدالت کے بیان سے نطاقِ تحریر قاصر اور قوتِ بیان عاجز ہے۔

شبِ عاشور جب امام علیہ السلام نے صحابہ کو واپس چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو مسلم بن عوسجہ نے عرض کی حضور! کیا ممکن ہے کہ ہم آپ کو نرغۂ اعدا میں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں؟ یہ ہرگز نہ ہوگا ورنہ بارگاہِ ربّ العزت میں بروزِ محشر آپ کے نانا کو کیا جواب دیں گے اور کونسا عذر پیش کریں گے؟ خدا کی قسم آپ کی رکاب میں یہ نیزہ کفار کے سینوں میں توڑ دوں گا اور جب تک قبضہ تلوار پر ہاتھ ہوگا آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا۔ اور بالفرض اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ رہا تو پتھروں سے جہاد کروں گا۔ بہرکیف آپ کی نصرت سے ہاتھ نہ کھینچوں گا اور خدا کے سامنے اِس امر کا ثبوت اپنے عمل سے فراہم کروں گا کہ ہم نے ذرّیتِ پیغمبر کی تازیست نصرت کی۔ خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہو کہ میں مارا جاؤں گا اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کیا جاؤں گا اور میری لاش کو آگ سے جلایا جائے گا۔ اور ستر دفعہ میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا جائے گا تب بھی آپ کی رکاب سے دُور نہ رہوں گا۔ حالانکہ اب تو ایک ہی دفعہ مرنا ہے اور اس کے بعد نعمتِ ابدی اور کرامت دائمی کا حاصل کرنا ہے۔ روزِ عاشور جب آتشِ حرب شعلہ زن ہوئی عمرو بن حجاج زبیدی نے امام حسینؑ کے میمنہ پر حملہ کیا۔ اور شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ پر چڑھائی کی تو مسلم بن عوسجہ غضبناک شیر کی طرح میدان میں رجز پڑھتے

ہوئے آگے بڑھے اور برق خاطف اور صرصر عاصف بن کر روباہ صفت انسانوں پر حملہ آور ہوئے۔ پس نیزہ لچکدار اور تلوار شرر بار کو خونِ کفار سے بار بار سیراب کرنے لگے اور حیدرِ کرار کا یہ جانباز وفادار غلام لشکرِ کفار کے لئے سیلِ عذاب کی شکل میں نمودار ہوئے۔ عمر بن سعد کی فوج سے ایک نابکار نکلا تو مسلم بن عوسجہ نے اس کے دائیں پہلو میں اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کے بائیں پہلو سے پار ہوگیا۔ پھر دوسرا آیا تو اس کو بھی دارالبوار پہنچایا اور اسی طرح پچاس جنگ جو بہادروں کو فی النار کیا لیکن آخر سن رسیدہ بزرگ تھے۔ زخموں کی کثرت کی تاب نہ لاکر زمین پر گرے۔ ابھی جان میں رمق باقی تھی کہ حضرت امام حسینؑ بہت تیزی سے اس پروانۂ امامت کی خبر گیری کے لئے بنفسِ نفیس تشریف لائے اور حبیب بن مظاہر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ پس امام نے ان کے حق میں دُعائے رحمت کی۔

حبیب بن مظاہر نے مسلم ابنِ عوسجہ کے بالین سر پہنچ کر کہا اے مُسلم اگرچہ آپ کی یہ حالت میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے لیکن آپ کو بہشت کی بشارت ہو۔ مسلم نے نہایت کمزور اور بھرّائی ہوئی آواز میں حبیبؑ کو خیر وسعادت کی دعا دی۔ حبیبؒ نے کہا۔ اے مسلم تمہارے بعد مجھے زندگی کا یقین ہوتا تو تمہیں کہتا کہ کوئی وصیت کرو اور اس کے پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتا لیکن میں ابھی تمہارے نقشِ قدم پر تمہیں ملنے والا ہوں۔ مسلم نے یہ سنتے ہی نہایت پامردی اور جوشِ ایمانی سے امامِ حسینؑ کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ میری وصیت صرف یہی ہے کہ اس آقا کی نصرت میں کوتاہی نہ کرنا اور جب تک جان میں جان ہے۔ اپنے سردار کی حفاظت کرنا۔ حبیبؒ نے جواب

دیا خدا کی قسم میں اس وصیت کو ضرور پورا کروں گا۔ پس مسلم نے امامِ عالی مقام کی طرف خطاب کرتے ہوئے عرض کی آقا: اب میں جاتا ہوں تا کہ آپ کے جدّ بزرگوار کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دوں۔ یہ فقرہ کہا اور جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی۔

مسلم بن عوسجہ کی ایک کنیز تھی جب اس نے اپنے آقا کو قتل ہوتے دیکھا تو نالہ وفغاں کی آواز بلند کی۔ یہ سُن کر کوفیوں نے خوشیاں منائیں۔ شیث بن ربعی نے ان سے کہا تمہاری مائیں تمہارا غم دیکھیں۔ اپنے بزرگوں اور عزیزوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے خوشیاں مناتے ہو اور مسلم کے قتل سے خوش ہوتے ہو۔ خدا کی قسم مسلم وہ شخص ہے جس کو اسلام میں مرتبہ بلند اور منزلِ رفیع حاصل تھی میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو آذر بائیجان کی جنگ میں دیکھا ہے۔ کہ اس کی شجاعت نے کفار کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور ابھی صف آرائی نہیں ہوئی تھی کہ چھ بہادروں کو ایک آن میں اس نے تہِ تیغ کر دیا تھا۔ کیا ایسے مردِ میدان اور مسلمانوں کی لاج رکھنے والے شہسوار کی موت سے تم خوش ہوتے ہو؟

مسلم بن عوسجہ کے قاتل عبدالرحمان بن ابی خشکارہ بجلی اور مسلم بن عبداللہ ضبابی ہیں جن کو بعد میں مختار نے قتل کرایا تھا۔

کتاب تحفۂ حسینیہ سے منقول ہے کہ جب امامِ حسینؑ وارِدِ کربلا ہوئے اور کوفی لوگ امام سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے تو حبیب بن مظاہر کا گذر بازار میں ایک عطار کی دوکان سے ہوا دیکھا کہ مسلم بن عوسجہ مہندی خرید کر رہے تھے حبیب نے مسلم سے احوال پُرسی کی تو مسلم نے جواب دیا مہندی خرید کر کے حمام جانا چاہتا ہوں۔ حبیب نے کہا کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ ہمارے آقا و مولا حضرت حسینؑ کربلا

میں ہیں۔ ہمیں جلدی سے ان کی خدمت میں پہنچنا چاہیئے پس سب پروگرام چھوڑ دیئے اور کربلا پہنچے۔

جنگ آذربائیجان ۲۰ھ دوسری خلافت کے زمانہ میں ہوئی تھی اس میں فوجِ عرب کی تعداد چالیس ہزار پر مشتمل تھی۔

## ۱۶۲۔ حضرت مسلم بن کثیر ازدی:

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں اُن پر اسلم بن کثیر ازدی کے نام سے سلام وارد ہے لیکن کتب رجال اور صحائف تاریخ میں اُن کا نام مسلم بن کثیر وارد ہے۔ لہٰذا غالب خیال یہ ہے کہ کاتب کی غلطی سے مسلم کی بجائے اسلم لکھا گیا ہو۔ مروی ہے کہ جنگ جمل میں ایک تیر ان کے پاؤں میں لگا تھا جس کی وجہ سے وہ لنگڑے ہو گئے تھے اور اسی لئے مسلم بن کثیر اعرج کے نام سے مشہور ہیں۔ اور عسقلانی سے اس کا صحابیِ رسولؐ ہونا منقول ہے۔ یہ بزرگوار حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

## ۱۶۳۔ حضرت مسلم بن کناد:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔

## ۱۶۴۔ حضرت مصعب (حضرتِ حرؓ کے بھائی):

یہ حرؓ کے بھائی ہیں جب حرؓ امام علیہ السلام کی خدمت میں تائب ہو کر آئے اور پھر اذنِ جہاد لے کر میدان میں پلٹے تو ان کے رجزیہ اشعار ان کے بھائی مصعب نے سنے پس گھوڑا دوڑا کر حر کے پاس پہنچے، کوفیوں نے یہ سمجھا کہ بھائی سے لڑنے جا رہے ہیں لیکن جب یہ حر کے قریب پہنچے تو حر کو مبارک باد دی اور اپنی توبہ کا تذکرہ کیا۔ پس حر ان کو امام کی خدمت میں لائے، امام نے ان کو اپنے صحابہ کی

صف میں جگہ دی۔ جب حر شہید ہوے تو انہوں نے اجازت چاہی اور میدانِ کارزار میں خُوب جوہر شجاعت دکھا کر شربتِ شہادت نوش کیا۔

## ۱۶۵۔حضرت معلّٰی بن علی:

ابومخنف سے منقول ہے کہ یہ ناصرِ امامؑ جرات وشجاعت میں یگانۂ دہر تھے۔ میدانِ جنگ میں اُنھوں نے خوب دادِ شجاعت دی اور ۶۴ نامی سر بر آوردہ اشقیاء کو تہِ تیغ کیا جب لشکر اعدا نے اس بیشۂ شجاعت کے شیر کے مقابلے میں بزدلی کا مظاہرہ کیا تو ازراہِ مکر وفریب ہر طرف سے تیر وتلوار نیزہ وسنگ بارانی سے اُن پر حملہ آور ہوئے اور بالآخر ہزاروں کا مقابلہ ایک تنہا انسان کہاں تک کرتا گرفتار ہو کر ابن سعد کے پیش ہوے۔ تو اُن نابکار نے اس کا سر تن سے جدا کرنے کا حکم دے دیا۔

## ۱۶۶۔حضرت مقسط بن زہیر بن حرث تغلبی:

قاسط کے بیان میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

## ۱۶۷۔حضرت منجح ابن سہم (امام حسینؑ کے غلام):

یہ حضرت سیّد الشہدا علیہ السلام کے غلام تھے۔ زیارتِ رجبیہ اور ناحیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ ربیع الابرار زمخشری سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے نوفل بن حرث سے ایک کنیز خریدی تھی جس کا نام حُسنیہ تھا اور آپ نے اس کی شادی سہم نامی ایک شخص سے کردی تھی اور اس سے منجح پیدا ہوئے تھے۔ پس یہ امام حسینؑ کے پروردہ تھے اور ان کی ماں حُسنیہ امام زین العابدینؑ کے گھر میں خادمہ کے فرائض انجام دیتی تھی جب امام حسینؑ عازم سفر عراق ہوئے تو یہ ماں

اور بیٹے دونو امام حسینؑ کے ہمرکاب کربلا میں آئے اور منجح روزِ عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے ان کو حسان بن بکر حنظلی نے شہید کیا۔

(مُن جِح، بتلفظ) منجح کے معنی ہیں کامیاب، فتح مند، غالب، باطل پر غالب آنا۔

## ۱۶۸۔ حضرت مُنذِر بن سلیمان:

کتب رجال میں منذر بن سلیمان کو امام حسینؑ کے اصحاب سے شمار کیا گیا ہے لیکن زیارت رجبیہ میں منذر بن مفضل پر سلام وارد ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ کاتب کی لغزش ہے یا واقع میں شخص دو ہیں۔ مُنذر کے معنی ہیں ڈرانے والا حیرہ کے ایک بادشاہ کی کنیت ابن مُنذِر تھی۔ رسولؐ اللہ کا خطاب بھی مُنذِر ہے۔

## ۱۶۹۔ حضرت منیع بن جِیاد:

زیارتِ رجبیہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ حملۂ اولیٰ میں شہادت پائی، مَنیع کے معنی ہیں غالب وقوی کہ جس پر کوئی قادر نہ ہو سکے۔ بلند ومضبوط قلعہ جس پر پہنچنا دشوار ہو۔ بعض لوگوں نے اُن کا نام منبع لکھا ہے جس کے معنی ہیں پانی کا چشمہ۔ جِیاد کے معنی ہیں بہت عمدہ اور سخی۔

## ۱۷۰۔ حضرت منیر بن عمرو احدب:

یہ بھی امام حسینؑ کے اصحاب میں سے تھے۔

## ۱۷۱۔ حضرت موقع ابن ثمامہ اسدی:

یہ تابعین میں سے ہیں۔ عمر بن سعد کے ہمراہ لشکرِ اعدا میں تھے۔ جب دیکھا کہ امام حسینؑ کی شرائط صلح کو اشقیاء نے ٹھکرا دیا ہے اور امام کے قتل کے درپے ہیں

تو روز عاشور تائب ہو کر امام کی خدمت میں پہنچے اور نہایت جانبازی سے جہاد کیا۔ جب زخموں سے چور ہو کر گرے تو اس کو اپنی قوم بنی اسد اُٹھا کر میدان سے باہر لے گئی اور اپنے ہمراہ کوفے لے آئی۔ عمر بن سعد جب کربلا سے واپس کوفے میں پہنچا تو ابنِ زیاد کو موقعے کے متعلق خبر دی۔ ابنِ زیاد نے اسے قتل کرانا چاہا لیکن قومِ بنی اسد نے مل کر اس کے حق میں سفارش کی۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے اس کو قتل نہ کیا لیکن زنجیروں میں قید کر کے بحرین کے علاقے میں ایک مقام زارہ کی طرف اس کو بھجوا دیا۔ یہ مظلوم ایک سال برابر وہاں زنجیروں میں اسیر رہ کر شہید ہو گیا۔

## (ن)

### ۱۷۲۔ حضرت نعیم ابن عجلان انصاری:

زیارتِ رجبیہ اور زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں ان پر سلام وارد ہے۔ یہ انصاری قبیلہ خزرج سے ہیں۔ ان کے دو بھائی ایک نصر بن عجلان اور دوسرے نعمان بن عجلان حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے جنہوں نے جنگِ صفین میں خوب دادِ شجاعت دی یہ تینوں بھائی نامی گرامی بہادر تھے اور فنِ شعر گوئی میں مہارت رکھتے تھے۔ نصر اور نعمان دونو امام حسنؑ کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے اور یہ نعیم کوفے میں باقی تھا۔ جب سنا کہ امام حسینؑ واردِ کربلا ہوئے ہیں تو خدمتِ اقدس میں پہنچے اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں شہادت سے مشرف ہوئے۔

### ۱۷۳۔ حضرت نعمان بن عمرو اِزدی راسبی:

اصحابِ امیر المومنینؑ کے باب میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۱۷۴۔ حضرت نافع بن ہلال جملی

بابِ اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## ۱۷۵۔ حضرت نصر بن ابی نیزر

بابِ اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## (و)

## ۱۷۶۔ حضرت واضح ترکی (حرث سلمانی کے غلام):

یہ حرث سلمانی کے غلام تھے۔ نہایت شجاع اور قاری قرآن تھے۔ جنادہ بن حرث کے ہمراہ خدمتِ امام میں پہنچے اور عاشور کے دن پیادہ جہاد کیا۔ جب زمین پر گرے تو استغاثہ کی آواز بلند کی۔ چنانچہ امام حسینؑ اُن کے بالینِ سر پہنچے واضح نے آنکھ کھولی۔ اور امام کے زانو پر اپنا سر دیکھا تو کہنے لگے۔ آج مجھ جیسا خوش نصیب کون ہوسکتا ہے کہ فرزندِ رسولؐ کے زانو پر میرا سر ہے بس راہئ ملکِ بقا ہوئے۔

## ۱۷۷۔ حضرت وہب بن وہب:

امالی صدوق سے منقول ہے کہ وہب اور اُن کی ماں نصرانی تھے۔ امام حسینؑ کے ہاتھ پر دونوں اسلام سے مشرف ہوئے۔ بحار الانوار سے منقول ہے کہ روز عاشور تک وہب کو شادی کیئے ہوئے سترہ دن سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا جب زوجہ وہب نے وہب کو آمادہ جہاد دیکھا تو عرض کی اے وہب مجھے معلوم ہے کہ فرزندِ رسولؐ کی نصرت میں شہید ہو کر تجھے بہشت میں جگہ ملے گی اور حورانِ جنّت سے تو ہم آغوش ہوگا۔ اب امام حسینؑ کے روبرو مجھ سے وعدہ کرو کہ کل بروزِ

قیامت بہشت میں مجھ کو اپنے ساتھ رکھنا۔ پس دونو خدمتِ امام میں حاضر ہوئے تو زوجۂ وہب نے عرض کی اے آقا میرے دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ میرا شوہر عنقریب تلوار و نیزہ کے زخم کھا کر بہشت میں پہنچے گا۔ اور میں اس لق و دق صحرا میں بے کس رہ جاؤں گی مجھے اپنے اہلِ حرم کے سپرد فرمایئے۔ دوسرا یہ کہ وہب شرف شہادت حاصل کر کے بہشتِ بریں میں جائے گا تو آپ گواہ رہیں کہ کل بروز قیامت مجھے فراموش نہ کریئے گا۔ امام اس خاتون کے درد بھرے کلمات سُن کر رو دیئے اور فرمایا تیری دونو باتیں قبول ہیں۔ پس وہب میدانِ جنگ میں مصروفِ جہاد ہوئے۔ بہت سے ملاعین کو تہ تیغ کیا آخر اُن کے دونو ہاتھ جُدا ہو گئے تو وہب کی زوجہ خیمہ کا عمود لے کر میدان میں پہنچی اور وہب سے کہنے لگی شاباش میرے ماں اور باپ تجھ پر نثار ہوں حرم نبوی کی حفاظت کے لئے خوب جہاد کرو۔ وہب نے زوجہ سے کہا۔ ابھی تو مجھے جنگ سے باز رہنے کی دعوت دے رہی تھی اب تو خود کیسے میدانِ جنگ میں پہنچ کر مصروفِ جہاد ہو رہی ہے اور مجھے بھی جہاد پر تحریص دے رہی ہے، زوجہ نے جواب دیا۔ میرا دل زندگیٔ دنیا سے اُکتا گیا ہے جب سے میں نے امام حسینؑ کی بے کسی کے کلمات سُنے ہیں کہ فرماتے تھے۔

وَاغُرْبَتَاهُ وَاَقِلَّةَ نَاصِرَاهُ وَاوَحدَتَاهُ اَمَامِنْ ذَابٍ بَذُبَّ عَنَّا اَمَامِنْ مُجِيْرٍ يُجِيْرُنَا

کیا کوئی ہے جو ہماری مدد کرے۔ کیا کوئی ہے جو ہمیں پناہ دے۔ خیمہ گاہ میں یہ کلمات سُن کر تمام سیدانیاں مشغولِ گریہ ہیں۔ پس میں نے اپنے جی میں کہا کہ آلِ رسولؐ کے بعد زندگی فضول ہے اور پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ جہاد کر کے زندگانی

دنیا کو خیر باد کہہ دوں۔ وہب نے کہا تو واپس جا کیونکہ تجھے جہاد کا حکم نہیں ہے۔ زوجہ نے جواب دیا میں تیرے ساتھ مل کر خون کے دریا میں غوطہ لگاؤں گی۔ وہب کے ہاتھ چونکہ کٹ چکے تھے اس لیئے اپنے دانتوں سے اپنی زوجہ کے دامن کو پکڑا اور واپس پلٹانا چاہا لیکن زوجہ نے نہ مانا۔ آخر وہب نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کی کہ آقا اس کو واپس کیجئے تو حضرت امام حسینؑ خود بنفسِ نفیس تشریف لائے اور فرمایا خدا تجھے جزائے خیر دے۔ خیموں میں واپس آجاؤ تو اُس نے عرض کی آقا! میرا جی چاہتا ہے کہ لڑ کر شہید ہو جاؤں کیونکہ موت بنی اُمیہ کی اسیری سے مجھے محبوب تر ہے۔ امام نے نہایت نرمی اور مہربانی سے حرم سرا میں اس کو واپس پہنچایا۔

ایک شقی نے وہبؒ کے سر پر آہنی گرز مارا وہ شہید ہو گئے۔ قاتل نے وہبؒ کا سر کاٹ کر وہب کی ماں کی طرف پھینک دیا۔ وہب کی ماں نے بیٹے کا سر اُٹھایا۔ سینے سے لگایا بوسہ دیا اور کہا اللہ کا شکر ہے کہ تیری شہادت سے میں امام حسینؑ کے سامنے سرخرو ہوئی ہوں۔ پھر کوفیوں سے متوجہ ہو کر کہا۔ اے اُمت بدکار تم سے تو یہود و نصاریٰ اپنے گرجاؤں میں بدرجہا بہتر ہیں پس غصے سے وہب کا سر لشکر کوفہ کی طرف پھینکا کہ وہب کے قاتل کو جا کر لگا اور وہ ملعون اسی صدمہ سے فی النار ہوا پھر عمود خیمہ لے کر ان پر حملہ آور ہوئی اور دو ملعونوں کو واصلِ جہنم کیا۔ پس امام حسینؑ نے اس کو واپس پلٹایا اور فرمایا عورتوں سے جہاد ساقط ہے۔ اور خوشخبری دی کہ تیرے اور تیرے فرزند کی جگہ میرے نانا کے پاس جنّت میں ہوگی۔ یہ سُن کر وہب کی ماں مطمئن ہوئی اور کہا کہ خدایا میری اُمیدوں کو قطع نہ کرنا تو امام پاک نے فرمایا: اے مادرِ وہب! خدا تیری اُمیدوں

کو قطع نہ کرے گا۔

## ۱۷۸۔ حضرت وہب بن عبداللہ کلبی

باب اوّل کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## (ہ)

## ۱۷۹۔ حضرت ہنفہاف راسبی:

راسب قبیلۂ ازد کی ایک شاخ ہیں۔ رجال مامقانی سے منقول ہے کہ یہ شجاع بے نظیر اور دلاور عدیم المثال تھے بصرے کے رہنے والے تھے اور مخلص شیعہ تھے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی محبت میں پروانہ تھے۔ جنگِ صفین میں حضرت نے اِن کو قبیلہ کا سردار بنایا تھا۔ حضرت علیؑ کی باقی جنگوں میں بھی یہ آپ کے ہمرکاب رہے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؑ کی خدمت میں رہے اور امام حسنؑ کی شہادت کے بعد انہوں نے بصرے کی سکونت اختیار کی جب سنا کہ حضرت امام حسینؑ مدینے سے روانہ ہوکر عازمِ عراق ہوئے ہیں تو ہنفہاف بصرے سے روانہ ہوئے۔ اور روزِ عاشور بوقت عصر کربلا میں پہنچے جب جنگ کربلا ختم ہوچکی تھی۔ اہلِ کوفہ سے دریافت کیا کہ میرے آقا و مولا حضرت امام حسینؑ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا تو کون ہے اور اب تک کہاں تھا؟ تو جواب دیا میں ہنفہاف بن مہند راسبی ہوں اور بصرے سے امام کی نصرت کے لئے یہاں آیا ہوں۔ کوفیوں نے جواب دیا ہم نے حسینؑ کو قتل کردیا اور اُن کے اصحاب وانصار تمام کو شہید کرڈالا۔ صرف ان کی اولاد سے ایک بیمار باقی ہے اور باقی مستورات موجود ہیں جن کو عمر بن سعد کے حکم سے ابھی لوٹ لیا گیا ہے اور

خیمے نذر آتش کر دیئے گئے ہیں۔ ہنہاف نے جب یہ سنا تو دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ اور ایک سرد آہ کھینچی اور پھر تلوار نیام سے نکال کر شیرِ غضبناک کی طرح دشمنانِ دین پر حملہ آور ہوے۔ اور دائیں بائیں حملہ کر کے ہر طرف کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور بہت سے ملاعین کو قتل کر ڈالا۔ اُن کی جنگ کی یہ کیفیت تھی کہ جب یہ للکارتے تھے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ اُن کے آگے قدم جمائے بلکہ اس شیر بیشہ شجاعت کے سامنے اشقیاء بھیڑ بکری کی طرح بھاگتے نظر آتے تھے۔ آخر جب انہوں نے اس سراپا ایمان کی یہ ہمت دیکھی تو ہر طرف سے حملہ آور ہوئے اور پہلے اُن کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے لیکن اب ہنہاف پیادہ ہو کر بھی کافی دیر تک لڑتے رہے اور آخر کار جامِ شہادت نوش فرما کر قافلہ حسینی سے ملحق ہوئے اور لب کوثر پہنچے۔

## ۱۸۰۔ حضرت ہانی بن عروہ مرادی

باب اول کے تفصیلی مضمون میں اِن کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

## (ی)

## ۱۸۱۔ حضرت یحییٰ بن سُلیم مازنی

ان کا ذکر ابنِ شہر آشوب نے عبدالرحمان بن عبداللہ یزنی کے بعد کیا ہے۔

(مناقب جلد ۴، صفحہ ۹۵)

اور روضۃ الصفا، جلد ۳، صفحہ ۲۸۴ میں بھی اُن کا ذکر ہے۔

## ۱۸۲۔ حضرت یحییٰ بن کثیر انصاری

ان کا ذکر سپہر کاشانی نے کیا ہے اور ابو مخنف اور شرح شافیہ کا حوالہ دیا ہے۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶، ص ۲۷۱)

## ۱۸۳۔ حضرت یحییٰ بن ہانی بن عروہ مرادی

یہ حضرت مسلمؑ کو پناہ دینے والے ہانیؒ کے فرزند تھے۔

علامہ مامقانی نے اہلِ سیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''جب ہانیؒ اور مسلمؑ شہید ہو گئے تو ہانیؒ کے فرزند یحییٰؒ بھاگ کر اپنی قوم کے پاس مخفی ہو گئے۔ جب انھیں امام حسینؑ کے کربلا میں ورود کی اطلاع ہوئی تو کربلا آ کر حضرتؑ کے ہمراہ ہو گئے اور روزِ عاشور شہید ہوئے'' (تنقیح المقال، جلد ۳، صفحہ ۳۲۲)

اہلِ سیر سے کون لوگ مراد ہیں؟ یہ راز سربستہ ہے۔

طبری کی روایت سے بالکل اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے اُس میں ان کی زبانی روایت درج ہے جو واقعہ کربلا سے متعلق ہے۔

ہشام بن محمد کلبی کہتے ہیں کہ: ''مجھ کو ابو مخنف نے اطلاع دی اُن سے یحییٰ بن ہانی بن عروہ نے بیان کیا کہ نافع بن ہلال روز عاشور جنگ کر رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

"انا الجملی انا علیٰ دین علی"

(تاریخ طبری جلد ۶، صفحہ ۲۴۹)

---

# سُوید بن عمرو خثعمی کا شہادتِ امامؑ کے بعد کارنامہ

## کربلا کے آخری پروانے نے کیونکر جان دی

بنی قحطان کے قبیلے بنی کہلان بن سبا کے ہاتھ میں عرصے تک یمن کی حکومت رہی۔ یہ قبیلہ خوب پھلا پھولا اور اس کی گیارہ شاخیں قبیلۂ ازد، قبیلۂ طے، قبیلۂ مذحج، ہمدان، کندہ، مراد، جذام، اشعریوں عاملہ، انمار خوب برگ و بار لائیں، ان میں سے قبیلۂ انمار (جس کا سلسلہ اراش بن عمرو بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان تک پہنچتا ہے۔ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ (۱) بجلیہ۔ جریر بن عبداللہ بجلی صحابیِ رسولؐ اسی شاخ سے ہیں ''جن کو یوسف الامۃ'' کہا جاتا تھا۔ دوسری شاخ خثعم ہے۔

سوید بن عمرو بن ابی مطاع خثعمی اسی سلسلے کی ایک فرد ہیں۔ یہ کربلا کے آخری شہید ہیں۔ زہد و معرفت، کثرت عبادت، شرافت نسل کے اعتبار سے انھیں اپنے زمانے میں کافی شہرت حاصل تھی۔ عمر بھی کافی گزر چکی ہے۔ فن جنگ میں بھی مہارت ہے، مختلف لڑائیوں میں ان کی قوت ارادی کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔

پیرانہ سالی، گوشہ نشینی اور عابدانہ زندگی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہنگامۂ زندگی سے دور پڑے ہیں۔ سپاہیانہ زندگی میں تیغ آزمائی کے حوصلے خوب خوب نکالے ہوں گے۔ اب بڑھاپا ہے، قناعت سے سروکار ہوگا، یادِ الٰہی میں سارا وقت گزرتا ہوگا، اللہ سے لو لگی ہوگی، سکون و خاموشی، محاسبہ نفس، تسبیح و تہلیل، رکوع و سجود باقی

زندگی کے نمایاں مشغلے ہوں گے۔

جنگوں میں شرکت کے معنی تو یہ ہیں کہ ان کا نقطۂ عبادت بلند ہوگا اور وہ صرف سجدہ ریزیوں کو عبادت کی معراج نہ سمجھتے ہوں گے بلکہ اُن کی نظر میں عبادت کے وسیع معنی ہوں گے، ان سے یہ مخفی نہ ہوگا کہ بغیر معرفت، عبادت ایک جسمانی ورزش تو ضرور ہے مگر اس سے جو حقیقی روشنی پیدا ہوتی ہے اس کے لیے فلسفۂ عبادت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ ان کو علم ہوگا کہ محمدؐ و آلِ محمد فلسفۂ اسلام کے حقیقی نکتہ داں اور معرفت الٰہی کے رازداں ہیں۔ بنی امیہ کا مادّی نقطۂ نظر، سچائی، روحانیت، پاکیزہ اور زندگی اسلام کے آفاقی تعلقات میں جس قدر رکاوٹیں ڈال رہا تھا ان کو اس پر پوری اطلاع ہوگی۔ سُوید کی پیشانی اگر خدا کی بارگاہ میں جھکی رہتی ہوگی تو ان کی عقل اس ماحول کا بھی جائزہ لینے سے غافل نہ ہوگی جو اموی دورِ حکومت نے خدا اور اس کے اعلیٰ قوانین کے خلاف قائم کر رکھا تھا، ان کا دل کڑھتا ہوگا کہ اعلیٰ قانون کے نفاذ کے لیے الٰہی حکومت قائم نہ ہو سکی اور بنی نوع میں ایک رنگی نہ پیدا ہو سکی۔ جب وہ محرابِ عبادت سے نکلتے ہوں گے اور چنگ و رباب و بربط و نے، رقص و سرود، شراب و نبیذ کی دنیا پر ان کی نظر پڑتی ہوگی، حقوق و معاملات میں حکومت و عوام کو بے پروا دیکھتے ہوں گے تو ان کا دل رنج و غم سے بھر جاتا ہوگا۔

جب ۶۰ھ میں اُنھیں معاویہ کے مرنے کی خبر ملی ہوگی اور ان کے کانوں میں یہ آواز پہنچ رہی ہوگی کہ باوجود ملکی ماحول کے پست و خراب ہو جانے کے عوام یزید کی طرح برداشت کرنے پر راضی نہیں ہیں اور ملک کے مختلف حصوں میں ایک عام بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے تو سوید نے ایک روشن مستقبل کا تصور کیا ہوگا،

جب ان کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ وارثِ اسلام حسینؑ کی طرف امت کی نگاہ اُٹھ رہی ہے اور ملک کی عام بے دینی کا ردِّ عمل شروع ہو گیا ہے اور عوام میں نیکی اور رشد و ہدایت کی تشنگی پیدا ہو گئی ہے اور اربابِ خیر و صلاح کی زنجیرِ در کھٹکھٹائی جا رہی ہے تو ان کو اپنی عبادت میں اور لذّت محسوس ہوتی ہوگی اور وہ خوش ہوتے ہوں گے کہ شاید ایسا ماحول بن جائے کہ ان کی نگاہ کسی ایسی جگہ پر پڑے جہاں خدا کی معصیت ہو رہی ہے لیکن ان کو جب یہ معلوم ہوا ہوگا کہ حکومت نے ایک اور کروٹ لی ہے اور اب مادّی نظامِ زندگی زیادہ عریانی کے ساتھ سامنے لایا جائے گا اور حکومت کی طرف سے پوری تیاری ہو رہی ہے کہ سچائی کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی بھی باقی نہ رہنے دی جائے اور وہ لوگ جو علمبردارِ حریت و انسانیت رہبرانِ پُر ہیبت ولہیت ہیں ان سے زمین کو خالی کر دیا جائے تاکہ ہماری خواہشوں پر کسی کی انگلی نہ اٹھ سکے اور ہمارے افعال کسی نگاہ میں بدنما نہ معلوم ہوں تو اس وقت سُوید جس نفسیاتی کرب میں مبتلا ہوں گے اس کا اندازہ آسان نہیں ہے۔

اسلامی تاریخ میں بہت سے وہ افراد تھے جن کے دل میں یہ حسرت چٹکی لیتی تھی کہ ہم اس وقت نہ ہوئے جب اسلام کی بنیاد رکھی گئی تاکہ ہم بھی اپنی خدمات پیش کر کے ہمیشہ کے لیے اسلام کے مددگاروں کی فہرست میں نام درج کرا لیتے۔ اب جب کہ حسینؑ نے اسلام کی تعمیرِ نو کا بیڑا اٹھایا ہے اور دوبارہ اسلام کے مُردہ جسم میں روح پھونکنے کا عزم کیا ہے ان اولالعزم اشخاص کے لیے ایک شاندار موقع پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی حسرت و آرزو کے بہترین تقاضوں کو پورا کریں۔ حسینؑ کے ساتھ جو مختصر سی جماعت ہے حسینؑ کو اس کا تعاون ایسی ہی نفسیات کے ماتحت حاصل ہے۔ کیا بریر بن خضیر نے امامؑ سے نہیں کہا تھا۔

واللہ یا ابن رسول اللہ لقد من اللہ بك علینا ان نقاتل بین یدیك وتقطع اعضاؤنا۔

فرزندِ رسولؐ خدا نے آپ کے ذریعہ سے؟ ہم پر احسان کیا ہے کہ ہم کو موقع دیا کہ ہم آپ کے سامنے جہاد کریں اور آپ کی پیروی میں ہمارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ عبداللہ بن عمیر بن جناب کلبی جن تصورات کے ماتحت کربلا میں آئے ان کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

واللہ لقد کنت علی جهاد اصل الشرك حریصا وانی لارجوان لایکون جهاد هولاء الذین یعزون ابن نبت بنیهم اقل ثوابا عنداللہ من جهاد المشرکین۔

''بخدا میری آرزو تھی کہ میں مشرکوں سے جہاد کروں۔ میرا خیال ہے کہ مشرکین کے جہاد سے باعتبارِ اجر ان لوگوں سے جہاد کسی طرح کم نہیں ہے جو فرزندِ بنتِ رسولؐ سے جنگ کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہی تصورات سوید بن عمر کے بھی ہوں گے۔ اگر چہ ان کی زندگی عبادت و زہد اور بعض جنگوں میں شرکت کے شرف سے ممتاز ہے لیکن ان کی یہ بڑی حسرت ہوگی کہ زندگی کا وہ حصہ جو عموماً بہ درازیِ سن، انحطاطِ قویٰ اور افسردگیِ جذبات کی وجہ سے عظیم الشان کارناموں سے دور رہتا ہے اگر اس میں کچھ رنگ بھر جائے اور رنگ بھی ایسا جو بہت گہرا ہو تو زندگی کا خاتمہ ایک پاکیزہ چہل پہل سے ہو''۔

خالد بن ولید جو کہ ایک خالص مادّی نقطۂ نظر کے انسان تھے لیکن چونکہ اُن کی زندگی کا ایک دور میدانِ جنگ میں گزرا تھا اور ان کے نفسیات فوجی بن گئے تھے، ان کو اپنی عادی بہت گراں تھی، ان کو بستر پر جان دینا بہت ناگوار تھا مرتے

وقت اسی فوجی نفسیات نے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا دیئے اوران کے منہ سے یہ الفاظ سنے گئے۔

لقد شهدت مائة زحف اوزهماء و مانی بدنی موضع شبير الاوفيه ضربة بسيف اورضية بسهم او طعنة بريح وهانوا اموت علی فراشی حتف انفی كما يموت البعير فلاز امت اعين الجنا۔ (اسد الغابہ ۲ / ۱۰۴ معارف بن قتیبہ ۹۰)

''میں نے تقریباً سولڑائیاں دیکھیں، میرے جسم میں ایک بالشت جگہ بھی باقی نہیں ہے جس پر کوئی زخم تلوار یا تیر یا نیزے کا نہ ہواور اس وقت میں بسترِ مرگ پر جان دے رہا ہوں جس طرح اونٹ مرتا ہے، اللہ کبھی بزدلوں کو (آرام کا) سونا نصیب نہ کرے۔

یہ تمنا اس شخص کی ہے جس کی زندگی میں عشقِ الٰہی کا کبھی کوئی سوز وگداز نہیں پایا گیا، تیغ کی جھنکار جس کے لیے بانگ اذان تھی اور قتل گاہ محراب و مسجد، یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی کے اخری لمحات بھی تیغ وسناں کے سائے میں ختم ہوں خواہ مادی نقطۂ نظر ہو یا روحانی نصب العین انجام کا خیال ہر دماغ کو پریشان رکھتا ہے۔ ایک مادّی انسان اپنے انجام کے ساتھ مادّی وجاہتوں کو دیکھنا چاہتا ہے اور ایک روحانی انسان کے لیے انتہائی مسرت یہ ہے کہ اس کا انجام روحانی خدمات سے بھرا ہوا ہو۔ سُوید بن عمرو کے مذاقِ زندگی سے کسی قدر ہم واقف ہیں۔ جنگ، عبادت یہ دو وصف ان کی کتابِ زندگی میں ملتے ہیں۔ حسینؑ کی جنگ نے ان دونوں لذتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ سوید کو اب محرابِ عبادت میں وہ کیف نہیں ملتا ہوگا جو میدانِ جنگ سے ہٹنے کے بعد انھیں مراقبِ خلوت میں مل

رہا تھا، اب انھیں ان کی معرفت کی آنکھوں نے ایک روشن مستقبل دکھایا ہوگا جس میں ان کو انجام زندگی نہایت مقدس بلند اور قابلِ رشک نظر آرہا ہوگا۔

تاریخ نے تو تفصیلات بتائی نہیں لیکن چند لفظیں اکثر حقائق کے وہ دفتر اپنے دامن میں لیے ہوتی ہیں کہ ان سے بڑی بڑی تاریخی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ سُوید کی زندگی کے آخری لحات سے جو عظمت ظاہر ہوتی ہے اس کو اگر ہزاروں سال تک کی زندگی پر تقسیم کیا جائے تو اس میں بھی رونق و جمال اور عظمت و دلکشی پیدا ہو جائے۔ جس طرح تمام انصارِ امامؑ نے وفاداری، دینی حرارت، شہامتِ نفس، شجاعت و جرأت کے معجزے دکھائے اسی طرح سُوید نے بھی دشمنوں کو اپنی ایمانی قوت سے خوب خوب مرعوب کیا، آخر کار زخمی ہو کر گر پڑے دشمنوں کو بلکہ اپنوں کو ان کی موت کا پورا پورا یقین ہو چکا تھا۔

طبری نے زہیر بن عبدالرحمن بن زہیر کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے جو خود سُوید کے قبیلے کی ایک شخصیت ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:-

كان اخر من بقي مع الحسين من اصحابه سويد بن عمرو بن ابي المطابع الخثعمي۔ ۲۵۶/۶

حسینؑ کے اصحاب میں جو آخری شخص باقی رہ گئے تھے وہ سُوید بن عمرو بن ابی المطالع خثعمی تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پیرانہ سالی کی وجہ سے امامؑ اُنھیں اجازت نہیں دے رہے تھے۔ جب سب انصار امام کے درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے تو سوید نے امامؑ سے شدید اصرار کیا اور امامؑ کو آخر کار انھیں اجازت دینا پڑی اور سُوید میدانِ جنگ میں گئے اور حربی مہارت اور دینی جوش و خروش کے جوہر دکھا کر زخموں سے چُور چُور ہو کر گر پڑے اور سب کو ان کی موت کا یقین

ہو گیا۔ یہ خون میں نہائے ہوئے ہیں، تیغ و سناں کے زخموں سے ان کا جسم چھلنی ہے، کربلا کی گرم ریت ان کے زخموں میں نشتر کا کام کر رہی ہو گی لیکن زخموں کی تکلیف نے اُن پر اس قدر اثر کر لیا ہے کہ غش سے ان کی آنکھیں بند ہیں۔ زندگی جسم میں یوں چھپی ہوئی ہے جیسے کوئی چھوٹی سی چنگاری راکھ میں دبی ہوئی ہو، انھیں کیا خبر کہ انھوں نے جس خانوادے کی حفاظت کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کیا تھا اور جس کی بقا کی تمنا نے تلوار و سناں کو ان کی نظر میں باغ و بہار بنا دیا تھا وہ ایک ایک کر کے نذرِ اجل ہو گئے۔ عباسؑ، قاسمؑ، علی اکبرؑ، عونؑ یہاں تک کہ شیر خوار بلکہ ماہِ امامت حسینؑ ابن علیؑ یہ سب کے سب کس بے دردی سے قتل کئے گئے۔ قدرت نے انصارِ حسینی کے دعوے کی تصدیق کے لیے اور حسینؑ کی حقیقت بیں نگاہ اور قوتِ انتخاب و فیصلے کی داد دینے کے لیے اور ان کے اصحاب کے متعلق آپ کی رائے کی قیمت بتانے کے لیے ایک پیرانہ سال، عابدِ شب زندہ دار کے پہلو میں زندگی کو اپنا راز بنا کر چھپا رکھا۔ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے، فتح کے شادیانے بجنے لگے اور قتل الحسینؑ کی آواز بلند ہوئی کہیں یہ آوازِ نیم جان کانوں میں بھی پہنچ گئی۔ ضعیف و مجروح مجاہد کے جسم میں جان آ گئی، چونک پڑا، اس کی عقیدت کے کان یہ آواز کہاں سن سکتے تھے۔

ابھی تھوڑی دیر کا قصہ ہے جب امام حسینؑ نے نمازِ ظہر کے لیے دشمن سے اجازت مانگی تھی تو حصین بن تمیم نے یہ گستاخی کی (نماز پڑھنا ہو تو پڑھ لو لیکن وہ قبول نہیں) حبیب ابنِ مظاہر اس کی اس جرأت کو برداشت نہ کر سکے اور اسی سلسلے میں ان کی شہادت واقع ہوئی، جب امامؑ کے اصحاب گستاخی کو برداشت نہ کر سکتے تھے تو "سُوید" یہ کہاں سن سکتے تھے کہ امام شہید ہو گئے۔ سوید بے ساختہ اُٹھے،

زندگی کی چنگاری شعلہ بن گئی، جوشِ انتقام میں بھی انھوں نے حملہ کرنا چاہا ان کے زخمی ہوکر گر پڑنے کے بعد ان کی تلوار پر تو دشمن کا قبضہ ہو ہی چکا تھا، وہ جوشِ عقیدت اور فنِ سپہ گری کا کمال دکھائیں تو کیونکر، انھیں ایک چھری مل گئی اس کو لے کر دشمن پر حملہ آور ہو گئے دیر تک حملہ کرتے رہے۔ بڑی مشکل سے دو شخص ان پر قابو پا سکے۔ ''عروہ بن بطّار ثعلبی اور زید بن رقاد جنبی'' تاریخ تو اسی قدر لکھ کر خاموش ہے۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

سوید بن عمرو ابنِ ابی المطاع زخموں سے چور چور کشتوں میں پڑے ہوئے تھے ان کے کان میں آواز آئی حسین قتل ہو گئے۔ دفعتہ وہ چونک اُٹھے اور ایک چھری سے انھوں نے دیر تک جنگ کی اس کے بعد انھیں عروہ اور زید نے قتل کیا۔ یہ واقعہ اتنا سادہ معلوم نہیں ہوتا جتنا ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ دشمن کامل فتح کے شادیانے بجانے میں مشغول ہے۔ فتح کی خوشی نے غفلت اور سکون کی ایک عام فضا بنا دی ہوگی۔ دفعتاً کشتوں میں سے ایک بڈھا زخموں سے چور چور مردہ اٹھتا ہے اور حملہ آور ہوتا ہے۔ یقیناً اس وقت ساری فوج میں کھلبلی پڑ گئی ہوگی، حواس باختہ ہو گئے ہوں گے، دہشت و ہراس کا ایک عالم ہوگا چند لمحوں میں معلوم نہیں کیا کیا خیال پیدا ہوئے ہوں گے، گھبرائی ہوئی فوج پر سوید کے حملے ٹھیک نشانے پر بیٹھ رہے ہوں گے۔ کچھ دیر کے بعد جب حواس درست ہوئے ہوں گے تو حملہ آور کی گرفتاری کی فکر ہوئی ہوگی لیکن تاریخ سے یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ سوید زندہ گرفتار کر لیے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مقابلے میں دشمن کو کافی نقصانات اٹھانا پڑے ہیں اور آخر میں دو آدمیوں نے مل کر کسی طرح ان پر قابو پایا۔ اس واقعے کو کس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے کیا اس لحاظ سے کہ اصحابِ

امامؑ نے جو کہا تھا اس میں مبالغہ نہ تھا بلکہ سُوید کے فعل نے اسے ثابت کر دیا کہ وہ جواب جو مسلم بن عوسجہ نے امامؑ کے خطبے کا انصار کی طرف سے دیا تھا جس میں امامؑ نے سب کو اجازت دی تھی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں، امامؑ نے ان کی گردنوں سے بیعت اتار لی ہے وہ جواب انصار کے دل کی آواز تھی۔ مسلم بن عوسجہ نے کہا تھا۔ ''ہم جو آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو خدا کے سامنے آپ کے ادائے حق کی نسبت کیا عذر کریں گے قسم بخدا ایسا نہ ہوگا یہاں تک کہ ہم اپنے نیزوں سے اس قوم کے سینے نہ زخمی کریں اور تلواروں سے ان کی گردنیں نہ کاٹیں۔ جب تک کہ تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہے اور اگر کوئی حربہ میرے پاس نہ ہوا تو پتھروں ہی سے مار کے سہی مگر مقابلہ کروں گا۔ قسم بخدا ہم آپ کو نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہمارا خدا جان لے کہ ہم نے رسولؐ کے نہ ہونے کے وقت میں آپ کی کیسی حمایت وحفاظت کی قسم بخدا اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ ایک مرتبہ قتل ہونے کے بعد پھر زندہ کئے جائیں گے، پھر جلا ڈالے جائیں گے پھر ہوا میں ہماری خاک اُڑا دی جائے گی اور اسی طرح ستر مرتبہ ہوگا تب بھی آپ سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ کے سامنے ہمیں موت آئے پھر کیونکر نہ ہم آپ کی حمایت میں جان دیں حالانکہ یہ ایک مرتبہ کا قتل ہونا ہے اور بعد اس کے وہ کرامت وبزرگی ملے گی جس کی کبھی انتہا نہ ہوگی۔'' زہیر بن قین نے کہا کہ ہزار مرتبہ اگر ہم قتل کئے جائیں تب بھی منہ نہ موڑیں گے۔

سُوید نے اسے سچ کر دکھایا۔ وہ جب ایک بار حوصلۂ جنگ پورا کر کے زخموں سے چُور ہو کر گرے تو انھوں نے گویا موت کی لذت چکھی اب اسے عقیدے کی مسیحا نفسی کے سوا اور کیا کہا جائے کہ تنِ مردہ میں دوبارہ جان آ گئی اور وہ مجبور جو

سسک نہیں سکتا تھا وہ دوبارہ لباسِ پیری کی آستینوں کو الٹ کر دیر تک صرف ایک چھری سے دشمن کے چھکے چھڑا دیتا ہے اور وفاداری، عشق، فضیلت اور جذبۂ دینی کا ایک بلند معیار قائم کر دیتا ہے جو دنیا کی قدیم تاریخ میں بے نظیر تھا اور آج صدیوں کے بعد بھی اس کی کوئی مثال نہیں پیدا ہوئی یا میں اس واقعے کو اس نقطۂ نظر سے دیکھوں کہ امامؑ نے اپنے اصحاب کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے (مجھے علم نہیں کہ دنیا میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ باوفا اور بہتر ہوں اور نہ مجھے کسی کے عزیز معلوم ہیں جو میرے عزیزوں سے زیادہ حق شناس اور فرماں بردار ہوں)

یہ الفاظ کسی فوجی ہمت افزائی کے خیال سے نہیں کہے گئے تھے بلکہ یہ امامؑ کا عقیدہ تھا اپنے پاکباز مومنین کے متعلق۔

سُوید کے فعل نے امامؑ کے ارشاد کے لیے ایک عملی ثبوت مہیا کر دیا۔ سوید اپنی آنکھوں میں جو منظر لے کر جنت میں گئے اور اپنے حافظے میں جو تصویر لے گئے وہ کربلا کا انتہائی دردناک عکس ہے۔ انصار، اعزّائے امام، بدر و حنین کے غازی، محراب و منبر کی رونق، قرآن کے حافظ، بچے، جوان، بوڑھے، نبیؐ کی تصویر، علیؑ کا مجسمہ سب کے سب خاک و خون میں لتھڑے ہوئے بے جان پڑے ہوئے ہیں۔

خیموں میں آگ لگی ہوئی ہے، فتح وظفر کے شادیانے بج رہے ہیں، اہلِ حرم واحسینا کہہ کر امامؑ کا ماتم کر رہے ہیں۔

یہ جان فرسا منظر، سوید نے دیکھا اور وہ اس کی تاب نہ لا سکے۔ اسی ہولناک منظر نے ان کے جسم میں توانائی پیدا کر دی اور وہ جوش وخروش سے حملہ آور ہوئے گویا نہ وہ کہن سال تھے اور نہ انھیں کوئی زخم لگا تھا۔ یہ آخری پروانہ تھا جس نے شمعِ کشتہ پر اپنی جان دی۔

---

# فطرت انسانی میں حیرت ناک انقلاب

## "ماتا کی قربانی"

حرفِ ربط نے ایسے دو لفظوں کو ملایا ہے جو بہت مشہور مانوس ہیں مگر مفہوم اور معنی کے اعتبار سے بہت وسیع اور عظیم ہیں۔ ماتا ایک ایسا مبارک اور مقدس جذبہ ہے جو ہر ماں کے اندر اولاد کے لیے اُبھرتا ہے۔ سچ پوچھیے تو اس کیفیت کی صحیح ترجمانی الفاظ کے ذریعے ممکن ہی نہیں، مظاہر و مشاہد کی عکاسی اس کے سمجھنے سمجھانے میں ضرور کچھ معین بنتی ہے ورنہ اس کی ماہیت کا سمجھنا تو بہت مشکل ہے۔ قربانی کا مفہوم بہر حال اتنا دشوار نہیں جس قدر خود قربانی دشوار ہے لیکن اگر ماتا اور قربانی کی دونوں لفظیں ایک دوسرے کی مناسبت اور رعایت سے زیرِ غور رکھی جائیں تو پھر ان کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ماتا ایک ایسا جذبہ ہے جس کے لیے دنیا کی تمام دولت، راحت بلکہ ہر نعمت قربان کر دی جاتی ہے۔ ماتا محبتِ مادری کا وہ بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کے تموّج میں کوہ پیما مصائب اور صبر آزما شدائد تک صرف ایک حقیر تنکے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ ماتا دریائے الفت کا وہ سیلابِ عظیم ہے جس کے بہاؤ نے اکثر مشکلات و مہمات کے رخ موڑ دیے ہیں۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جس کے آگے دنیا کی ہر طاقت سر ٹیک دیتی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ماتا ہی ماں کی قربانیوں کا دوسرا نام ہے۔

انسانی نسل کی طویل تاریخ ماں کی اُن بے شمار قربانیوں اور ماتا کے اُن ہزار ہا

ہزار مظاہروں سے چھلک رہی ہے جن پر فرزندانِ عالم کو آج بھی فخر و ناز کا حق حاصل ہے۔ میں اُن روشن مثالوں کو پیش کر کے مضمون کو طولانی نہیں بنانا چاہتا لیکن اگر کوئی اُن واقعات کو جمع کرے گا تو ہر عہد، ہر دور، ہر ملک، ہر قوم اور ہر خاندان میں ایسی مثالیں ضرور مل سکتی ہیں جن سے میرے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے لیکن ذرا تھوڑی دیر کے لیے آپ غور کریں اور کسی ایسے بچے کے استقرارِ وجود سے لے کر اُس کے آخری لحاتِ حیات تک جائزہ لیں جو شفقتِ مادری سے محروم نہ ہو گیا ہو تو آپ کو ماں کے قربانیوں کی ایک طویل اور مسلسل زنجیر نظر آئے گی۔ اس زنجیر میں وہ جتنی اُلجھتی جائے گی اُس کی مادرانہ طمانیت اور صنفی آسودگی میں فاتحانہ شان پیدا ہوتی جائے گی۔ کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوگا کہ اس کی تمام تر توجہ اور دلچسپی کی نظر عالم بھر سے سمٹتی ہوئی صرف اپنے لال پر جم رہی ہے۔ ماتا کے آگے فقر و امارت، گداگری اور بادشاہت کے نمایاں حدود بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس نقطۂ مشترک پر پہنچ کر معاشی و معاشرتی ہر قسم کی تفریق مٹ جاتی ہے۔ ہر حصۂ زمین پر ہر ماں کا دل خواہ وہ امیر ہو یا غریب اپنی اولاد کے لیے یکساں طور پر دھڑکتا ہے اور وہ اپنی اولاد کی راحت و رافت اور بہتری و بہبود کی خاطر ہر ممکن قربانی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہے لیکن یہ جذبہ ''ماتا'' اُن فطری تقاضوں کا نتیجہ ہے جو خلقی طور پر ماں کے دل میں بچے کے نقطۂ وجود کے ساتھ جنم لیتا ہے اس لیے اب اس راہ میں ہونے والی اُس کی تمام قربانیاں فطری اور قہری حیثیت رکھتی ہیں جس کے مظاہرات قابلِ قدر ہو سکتے ہیں مگر خود یہ جذبہ کسی شکریے کا مستحق نہیں قرار پا سکتا۔ یہ محض ایک صفت ہے ممدوح سہی مگر کوئی اختیاری کارنامہ نہیں جو کسی مخالف تحریک یا ترغیب کے بالمقابل ظاہر ہو اور ارادے اور اُمنگ سے لے کر اقدام و انجام تک یکساں طور پر باقی رہے۔ آخر

ایک ماں اپنے بچے کے لیے یہ سب کچھ نہ کرے گی، تو کیا کرے گی وہ اپنے بچے کی ماں ہے اور اُسے یہ سب کچھ اپنے بچے کے لیے کرنا ہی ہے جس کے بغیر ایک ماں ماں کہے جانے کی مستحق نہیں بن سکتی!

جب کبھی یہ فطری جذبہ کسی عقلی تحریک میں تبدیل ہو جائے اور اولاد کے لیے ہر چیز قربان کر دینے والی ہستی کبھی خود ممتا کی قربانی دینے کو آمادہ و تیار ہو تو بلاشبہ یہ غیر معمولی موقع فطرتِ انسانی کی تاریخ کا وہ انقلابی موقف ہوگا جس کی رفعت و بلندی کا اندازہ ہی بہت دشوار ہے۔ عمل کی اس بلندی اور کردار کی اس عظمت کو محسوس کرنے کے لیے ذیل کے کارناموں پر نگاہ ڈالئے اور فطرت میں ہونے والے انقلاب کی یہ تصویریں اُس دنیا کو دکھایئے جو دنیائے نسائیت کی خلقی کمزوریوں اور عقلی خام کاریوں کو روایاتِ پارینہ کی طرح مانتی چلی آرہی ہے اور اس سے زیادہ کی وہ اُن سے توقع نہیں کرتی۔

ایک حیرت انگیز موقع ۶۱ھ یومِ عاشورہ کربلا میں آگیا تھا۔ خاندانِ رسالت کی چند مخدراتِ عصمت اور ان سے متاثر ہونے والی چند اور بیبیاں صفحاتِ تاریخ پر نظر آتی ہیں جنھوں نے بے مثال شہادت اور لازوال سعادت و کرامت حاصل کرنے کے لیے اپنی ممتا کی گرانقدر قربانیاں پیش فرمائیں اور اپنے دل کے ٹکڑوں کو نثارِ حق اور فدائے صداقت کر دیا۔ ان کے مختصر حالات لکھ کر میں دنیائے نسائیت کے اُس معراجِ عمل کو پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جو دنیا کی عورتوں کے لیے عموماً اور ملت کی خواتین کے لیے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ پیش کرتا ہے۔

## فطرتِ مادری میں انقلاب اور اس کے چند نمونے:

۱۔ جنابِ جنادہ بن کعب کی شہادت کے بعد ان کی غم نصیب بیوہ بنتِ مسعود نے اپنے نوعمر یتیم بچے عمر بن جنادہ کو بلایا اور شہادت کے لیے آمادہ کیا، پھر خود ہی

لباسِ جنگ پہنایا اور امامؑ پر جان نثار کرنے کے لیے میدان کا حکم دیا۔ ان کی کمسنی دیکھ کر امامؑ نے چاہا کہ بیوہ کا یہ آخری سہارا بھی ٹوٹ جائے جہاد سے روکنا چاہا۔ بچے نے عرض کیا حضور میں اپنی ماں کے حکم سے میدان میں جا رہا ہوں۔ اثنائے گفتگو میں درِ خیمہ سے آواز آئی یہ حقیر ہدیہ بھی قبول فرمایئے۔ عمر بن جنادہ بعدِ اذن مشغولِ جہاد ہوئے۔ ماں درِ خیمہ سے اپنی ریاضت کا ثمر دیکھ رہی تھی کہ دفعتاً دل کی طاقت آنکھوں کے سامنے ضائع ہوگئی پھر بھی طاقتِ دل کا یہ عالم تھا کہ دشمن نے جب بچے کا سر کاٹ کر ماں کی طرف پھینک دیا تو ماں نے دوڑ کر ارمان بھرے دل سے سر کو اٹھایا اور پیار کیا اور اس کے بعد بچے کے قاتل پر اس زور سے پھینک مارا کہ وہ شقی واصلِ جہنم ہوگیا۔ غم و غصے اور جوش و غضب میں بھری ہوئی مومنہ خود ایک چوبِ خیمہ لے کر میدان کی طرف بڑھی، امامؑ نے منع فرمایا اور خیمے کی جانب واپس کر دیا۔

۲۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی بڑے جنگ آزمودہ بہادر اور شریف جوان تھے، کوفے میں مقیم ہوگئے تھے۔ جب ابنِ زیاد کی غیر معمولی فوجی سرگرمیاں اور لشکری نقل و حرکت دیکھی تو پوچھا "یہ سب انتظامات کس کے لیے ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوا فرزند رسولؐ حضرت امام حسینؑ کے قتل کی تیاریاں ہیں۔ عبداللہ جوشِ شجاعت اور فرطِ مودت سے بے چین ہوگئے اور مع اپنی والدہ اور زوجہ کے امام کی خدمت میں پہنچ گئے اور پھر روز عاشور بعدِ شہادت ہی امام کے قدموں سے جدا ہوئے۔ علامہ ساوی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی شدید جنگ کر رہے تھے اور ان کی والدہ درِ خیمہ پر کھڑی ہوئی شجاعت دلا رہی تھیں اور ان کے ذوقِ جہاد اور شوقِ نصرت کو بڑھا رہی تھیں۔ یہ موقع بھی لائقِ غور ہے۔ ایک ماں

کی آنکھوں کے سامنے اس کا اکیلا فرزند ہزاروں لاکھوں سے تنہا مصروفِ مقابلہ تھا اور ماں حفاظت وسلامتی کی دعاؤں کے بجائے اُسے جنگ پر اُبھار رہی تھی یعنی خطرات میں کود پڑنے کی ترغیب تھی! بعدِ شہادت دشمنوں نے سر قلم کرکے ماں کی طرف پھینکا، گود میں اٹھالیا، دادِ شجاعت دی اور پھر فوجِ دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے واپس کردیا کہ جسے ہم راہِ خدا میں دے دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے۔

(۳) جناب محمد بن ابی سعید بن عقیل کمسنی کا عالم تھا، بعدِ شہادتِ امامؑ اس اندوہناک حادثے سے پریشان ہوکر ایک چوبِ خیمہ لیے ہوئے سراسیمہ میدان میں آئے، داہنے بائیں دیکھتے جاتے تھے، کانوں کے بُندے حرکتِ قلب کے ترجمان تھے کہ اسی عالم میں ایک ننگِ انسانیت نے بچے پر تلوار چلادی جس سے وہ صاحبزادہ اپنی ماں کے سامنے خاک وخون میں تڑپنے لگا۔

۴۔ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل کی مادرِ گرامی حضرت رقیہ بنتِ امیرالمومنینؑ تھیں اور اس طرح ان کی رگوں میں عقیلی خون کے ساتھ حیدری خون بھی دوڑ رہا تھا۔ دادِ شجاعت دینے اور بقول علامہ شیخ ساوی اٹھانوے اشقیائے امت کو قتل کرنے کے بعد ذرا ٹھہرے ہی تھے کہ عمر بن صبیح صدائی نے آپ کی روشن جبیں کو نشانہ تیر بنایا۔ فطری طور پر ہاتھ پیشانی تک گیا اور پھر پیشانی کے ساتھ پیوست ہوگیا۔ بے بسی کا یہ نظارہ دل دوز ماں کی آنکھوں نے دیکھا مگر اُف نہ کی۔

۵۔ جناب عبداللہ ابن الحسین علیہ السلام۔ ابصار العین میں ہے کہ جب جہادِ حسینی ختم ہوگیا اور لقائے باری کا ہنگام قریب آیا تو امام حسینؑ فرشِ خاک پر خون کی چادر اوڑھے بیٹھے تھے۔ دشمنانِ خدا و رسولؐ تلواریں بلند کیے حضرت کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اس پُرحسرت منظر کی تاب نہ لا کر یہ نا

بالغ بچہ تڑپا اور پھوپی کی گرفت سے نکل کر خیمے سے باہر آ گیا۔ بحر بن کعب نے امامؑ پر تلوار بلند کی کمسن بچے نے اپنے دونوں ہاتھ سپر کر دیئے جو کٹ کر گر پڑے۔ امامِ مظلوم نے شبیہِ عباسؑ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور تلقینِ صبر فرمائی، غم نصیب ماں بنت شلیل اس حادثۂ جانکاہ پر آنسو بہا کر رہ گئیں اور بجز کلماتِ شکر کچھ نہ کہا۔

۶۔ جنابِ عونؑ بن عبداللہ بن جعفر و جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر کی مادرِ گرامی دنیائے نسائیت کی وہ بے مثال فرد ہیں جو رسولؐ کی نواسی، علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی اور حسنینؑ کی بہن ہونے کے شرف کے ساتھ مجاہداتِ کربلا کے عملی اقدامات میں برابر کی شریک تھیں یہ جنابِ زینبؑ ہیں۔ بقول علامہ راشد الخیری جب تک بچوں کو اذنِ جنگ نہ ملا تھا ماں کو پریشانی تھی لیکن جب شہادت کے بعد دونوں بچوں کی لاشیں خیمے کے اندر آئیں تو زینب کبریٰ نے لاشوں کے درمیان دو رکعت نمازِ شکر ادا فرمائی اور اس طرح علوی و فاطمی قوتِ قلب کا ایک ناقابلِ تصور مظاہرہ پیش کر دیا۔ بیٹی کے اس عمل نے میدانِ صفین میں علیؑ کے دونوں لشکروں کے درمیان مصلےّ بچھانے کا پُر حیرت واقعہ پھر زمانے کو یاد دلا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس اطمینانِ قلب اور ماں کی ایسی عظیم الشان قربانی کا جواب دونوں عالم میں مفقود ہے۔

۷۔ جنابِ قاسم بن الحسنؑ بھائی کی نشانی، بیوہ ماں کا سہارا آمادۂ جہاد ہوئے۔ کمسنی سدِّ راہ ہو رہی تھی، ناشاد ہو کر خیمے کے ایک گوشے میں بیٹھ کر آنسو بہانے لگے۔ ماں نے تعویذ یاد دلایا جو باپ نے بطور وصیت بازو پر باندھا تھا اور اس طرح اپنے بچے کے لیے مرحلۂ مرگ و زیست آسان بنا دیا۔ یہ تعویذ نہ تھا بلکہ

پروانۂ جہاد تھا۔ خوشی خوشی چچا کو تسلیم بجالائے اور میدان میں آ کر مصروفِ پیکار ہو گئے۔ دادِ شجاعت دی، نامی گرامی پہلوانوں کو تہِ تیغ کیا۔ اثنائے جہاد میں جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، بچہ درست کرنے لگا دشمن کو موقع مل گیا اور عمر بن سعد بن نفیل ازدی نے سر پر تلوار کا وار کیا، قاسمؑ نے امام کو آواز دی۔ امامؑ شیرِ غضبناک کی طرح حملہ آور ہوئے اور قاتل پر وار کیا، وہ زخمی ہو کر گرا اور گھوڑوں کی تگ و دو سے پامال ہو کر ہلاک ہو گیا۔ خیمے کے اندر بیوہ ماں جنابِ رملہ یتیم فرزند کی شہادت پر دل پکڑ کر رہ گئیں مگر اس مرتبۂ جلیل کے حاصل ہونے پر شکرِ خدا بجالائیں۔

۸۔ شبیہِ پیغمبرؐ جنابِ علی اکبرؑ کی والدۂ گرامی جنابِ لیلیٰ بنتِ ابی مرہ معاویہ بن ابی سفیان کی بھانجی اور یزید بن معاویہ کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ رشتے کی ان نزاکتوں کے باوجود صداقت شعاری، وفاداری، فرض شناسی اور حق گزاری میں اپنے ثباتِ قدم اور استقلالِ عمل کا وہ بے مثال نمونہ پیش فرمایا جو رہتی دنیا تک فراموش نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ پاکیزہ نفوس کے پیشِ نظر عظمتِ عمل اور صداقتِ مقصد کی وہ بلند ترین منزل ہوتی ہے جہاں سے پھر مادّی رشتوں اور نسلی تعلقات کی پستیوں پر نگاہ ہی نہیں پڑتی۔ جنابِ علی اکبرؑ جو اپنے خصوصی اوصاف اور ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے سارے کنبے میں محبوب ترین فرد تھے ماں کے لیے کس حد تک مرکزِ الفت رہے ہوں گے اس سے اندازہ کیجئے کہ جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو ماں سے خیمے کے اندر بیٹھا نہ گیا۔ درِ خیمہ پر آ کر کھڑی ہو گئیں اور امامؑ کے چہرے کو حالاتِ جنگ کا آئینہ بنا کر دیکھنے لگیں تاکہ چہرے کی فطری تبدیلیوں سے نتیجے پر مطلع ہو سکیں۔ مصلحتِ امام نے یہ بھی گوارا نہ کیا، فرمایا۔ لیلیٰ خیمے میں جاؤ اور ایک سیر و سیراب اور نامی گرامی پہلوان

کے مقابلے میں اپنے بچے کی فتح کے لیے دعا کرو۔ اس حکم کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ لیلیٰ کی توجہ امامؑ و علی اکبرؑ سے ہٹ کر اس خدائے واحد کے تصور پر مرکوز ہوگئی جس کی راہ میں یہ دلگداز اور محترم قربانیاں پیش کی جا رہی تھیں پھر پوری فوج کی یلغار نے جوان فرزند کو جامِ شہادت بھی پلا دیا مگر پسر مردہ ماں دریافتِ حال کے لیے پھر نہ اٹھیں۔

۹۔ جنابِ عبداللہ بن الحسینؑ یعنی طفلِ شیر خوار علی اصغرؑ معصوم کی مادرِ گرامی جنابِ رباب بنت امراء القیس تھیں۔ سفرِ کربلا سے چند روز قبل مدینے میں پیدا ہوئے۔ اقدامِ حسینی کے نقطۂ آغاز سے لے کر امامؑ کے جہادِ عصر تک کی ہر منزل میں بے شیر بھی اور دوسرے جانفروشوں کی طرح نظر آتا ہے۔ سب اصحاب و اعزہ کی قربانیوں کے بعد امامؑ نے طلبِ نصرت کے لیے ایک دلدوز استغاثہ بلند فرمایا۔ گہوارے میں پیاس سے جاں بلب نڈھال بچہ تڑپ کر زمین پر آ گیا۔ غمزدہ ماں اس منظر کی تاب نہ لا سکی۔ خیمے میں کہرام بپا ہوگیا۔ امامؑ نے علی اصغرؑ کی معنوی آمادگیِ شہادت محسوس فرمائی۔ درِ خیمہ پر آ کر بچہ کو طلب کیا۔ کتنا اندوہناک ہوگا وہ عالم جب پھوپی کی گود میں بے شیر مسافتِ جہاد کی منزل طے کر رہا تھا اور ستم نصیب ماں چشمِ تر، بال پریشاں، سر جھکائے پیچھے پیچھے چل رہی تھی گویا اس بیش بہا قربانی کے لیے جنابِ رباب کی بقدرِ امکان یہ سعی تھی جو درِ خیمہ تک آ کر ختم ہوگئی۔ اب بچہ باپ کے ہاتھوں پر تھا۔ عالم انسانیت بلکہ موجوداتِ عالم کو شکوہ رہ گیا۔ ایک قطرۂ آب کے بجائے ایک تیرِ ظلم سیرابیِ عطش کا ذریعہ بنا۔ بچے کی پیکانِ ظلم سے چھدی ہوئی گردن دیکھ کر ماں نے بس اتنا کہا...... "کیا تجھ سا بچہ بھی تیرِ ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے" ...... یہ نوحہ ہو یا ماتا کی پکار مگر مختصر سا جملہ

یزیدی فوج کی شقاوت و قضاوت پر ایک مکمل تبصرہ کر گیا۔ اب طرفدارانِ یزید کی ہر تاویل و تردید اور ہر صفائی و بے گناہی کے تار و پود ہمیشہ اس ایک جملے کی ضرب سے بکھرتے رہیں گے۔

دنیا کا ہر انسان جس کی نگاہ میں قربانی کی اہمیت اور دل میں مامتا کی قدر و قیمت کا ذرا بھی احساس ہوگا وہ ان ماؤں کے ایسے زرّیں کارناموں پر ہمیشہ اخلاص و عقیدت کے ساتھ سر جھکا دے گا۔ واقعی تاریخ خیمے کے اندر بیٹھنے والی بیبیوں کے حالات اور ان کی عملی جدوجہد پر کماحقہٗ روشنی ڈالنے سے قاصر رہی ہے، یہ تھوڑے بہت حالات جو کسی ممکن ذریعے سے فراہم ہو سکے وہ اُس نے محفوظ کر لئے مگر جب واقعۂ شہادت کے بعد یہ خواتین اسیر ہو کر بے پردہ اپنے اپنے وارثوں کے کٹے ہوئے سروں کے ہمراہ، جو نیزوں پر بلند تھے، کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام روز روشن میں جارہی تھیں تو اس موقع پر تاریخ نہیں بتاتی کہ کسی بی بی نے کسی منزل پر کبھی ایک جملہ یا ایک لفظ بھی ایسا کہا ہو جس سے بے صبری یا معاذ اللہ پشیمانی کا کوئی شائبہ نکلتا ہو بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان سرہائے پُرنور کو اپنی مامتا کی قربانی کا ثبوت سمجھ رہی تھیں جو خود دشمنوں کے ہاتھوں بلند تھے اور مامتا کی اس لازوال قربانی پر جو حق کی راہ میں پیش کی گئی تھیں ہر دیکھنے والے کو گواہ بنا رہی تھیں!''۔

---

# نصرت میں شہید ہونے والی خاتون

## اُمِّ وہب بنت عبد

حادثۂ کربلا میں، جس کے شدائد و مصائب کے تصور سے بھی انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے، صنفِ نازک نے بھی بڑا اہم رول ادا کیا۔ اس نے قید و بند کی سختیاں، دُرّہ و تازیانے کی اذیتیں اور مردوں سے کچھ زیادہ ہی تشنگی و گرسنگی کی تکلیفیں نہیں جھیلی ہیں بلکہ خاکِ شفا میں بہتر شہداؑ کے خون کے ساتھ صنفِ نازک کی ایک نمائندہ خاتون کا پاک و پاکیزہ خون بھی شامل ہوا ہے۔ اس جانباز اور شیر دل خاتون کا اسمِ گرامی وہ ہے جسے ہم نے اس مضمون کا سرنامہ قرار دیا ہے۔

اُمِّ وہب بنت عبد قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی کے حبالۂ عقد میں تھیں جنھیں امیرالمومنینؑ حضرت علی علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ زن و شو آپس میں ایک دوسرے سے والہانہ عشق و محبت رکھتے تھے اور اس اعتبار سے ان کی تاہلی زندگی قابلِ رشک تھی اور خوشگوار گھریلو زندگی کی بدولت یہ دنیا ان کے لیے جنتِ نعیم بنی ہوئی تھی۔ ان کے قلوب محبت کی اس روشنی کے علاوہ ضیائے ایمان اور نورِ ولائے اہلِ بیتؑ سے بھی منور و معمور تھے اور ان کا ایمانی جذبہ کمال کی اس منزل پر پہنچا ہوا تھا جہاں حق و صداقت اور دین و ایمان کی خاطر وہ اپنی تاہلی مسرتوں کو بھی قربان کر سکتے تھے جو اس مادّی دنیا میں انھیں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔

اُمِّ وہب کے شوہر جناب عبداللہ بن عمیر کلبی قبیلہ کلب اور خاندانِ علیم سے تعلق رکھتے تھے اور کوفے کے باہر باغات کے نزدیک قبیلۂ ہمدان کے کنویں کے پاس اپنے ہی مملوکہ مکان میں اپنی زوجہ کے ساتھ رہتے تھے۔ عبداللہ بن عمیر کا یہ مکان کوفے کی چھاؤنی نُخیلہ کے قریب واقع تھا۔

جب ابنِ زیاد نے حضرت امام حسینؑ کے مقابلے کے لیے فوجیں بھیجنا شروع کیں تو ان کا پہلا کیمپ یہی نُخیلہ تھا جہاں فوجوں کا جائزہ لیا جاتا اور مختلف دستوں میں تقسیم کر کے مختلف سرداروں کی زیرِ سرکردگی انھیں کربلا کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔

جب لشکروں کی چہل پہل شروع ہوئی اور فوجی بھرتی کا چرچا ہوا تو اُمِّ وہب اور عبداللہ دونوں کو استفسارِ حالات کی طرف فطرتاً توجہ ہوئی اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ یہ لام بندی اور لشکر کشی نواسۂ رسولؐ کے خلاف ہے تو دونوں کے جذبۂ ولائے اہلِ بیتؑ میں ایک تلاطمِ عظیم برپا ہو گیا۔ عبداللہ نے جب اپنی شریکِ حیات سے گفتگو کے بعد اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ مجھے حضرت امام حسینؑ کی نصرت کے لیے جانا چاہیے تو مومنہ نے اس بات کو دل سے پسند کیا اور ساتھ ہی خود بھی جانے پر آمادگی ظاہر کی۔

زوجہ کے اس اقدام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے کتنی بے پناہ محبت کرتی تھی اور اسے اس کی جدائی گوارا نہ تھی۔ یہی نہیں بلکہ اس کی اس آمادگی میں اس کے جذبۂ ایمانی کو بہت بڑا دخل تھا جب ہی تو وہ ان تمام شدائد و مصائب کو جھیلنے کے لیے تیار ہو گئی جن کے اس سفر میں پیش آنے کا امکان تھا۔ عورتوں کو ان مواقع سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے جہاں تکالیف و مصائب کے پیش

آنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کسی عورت کا باپ ہو یا بھائی یا شوہر یا کوئی دوسرا سرپرست ومحافظ خودتو شدائد ومصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے مگر اپنے ناموس کو ایسے مواقع سے دور ہی رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور خواتین خود بھی اپنی فطری جسمانی وقلبی کمزوری کی بنا پر ایسے مواقع سے الگ ہی رہتی ہیں اور خوشی سے مصائب وآلام میں پڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتیں۔

لیکن نہیں معلوم وہ کون سا بے پناہ جذبہ تھا جس سے مجبور ہوکر اُمِّ وہب خود کو گردابِ مصیبت میں جھونک دینے کے لیے بخوشی تیار ہورہی ہیں اور عبداللہ بھی اس کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ اُمّ وہب کو ساتھ چلنے سے باز رکھیں...... مگر محبتِ محمد وآلِ محمدؐ نے انسانی فطرتوں کو بدل دیا تھا۔ نہ مرد مصائب وآلام کا خیر مقدم کرنے سے جھجکتے تھے اور نہ عورتیں، جنھیں واقعی مصیبتوں میں پڑنے کی جرأت وہمت کم ہوتی ہے، مگر حضرت امام حسینؑ کی ہمراہی میں مردوں کی طرح وہ خواتین بھی جذبہ فداکاری وقربانی میں آپ اپنی نظیر تھیں جو امام کے ساتھ مجاہدۂ کربلا میں شریک تھیں۔ حسینؑ کی نصرت کرنے والے ان مردوں اور عورتوں کے جوشِ ایمانی اور جذباتِ وفاداری وجانبازی نے ان کے لیے ہر ناگوار کو گوارا اور ہر تلخ کو شیریں بنادیا تھا۔

اگرچہ راستے مسدود اور خطرات سے بھرے ہوئے تھے مگر ان دونوں کے جوشِ ایمانی نے ان کی رہنمائی اور ان کی طلبِ صادق نے ان کی دستگیری کی اور وہ آخر کربلا کے مقام پر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ ہی گئے۔

روزِ عاشورہ جب عمرِ سعد نے پہلا تیر حضرت امام حسینؑ کی طرف سر کرکے آغازِ جنگ کردیا اور اس کی تاسی میں فوجِ اشقیا کے ہزاروں کمان داروں نے

بے شمار تیر ایک ساتھ رہا کر دیئے تو گویا با قاعدہ لڑائی شروع ہو گئی۔ جس طرح تیر بارانی کر کے لشکرِ اعدا نے جنگ کی پہل کی تھی اسی طرح انفرادی لڑائی میں بھی انھوں نے جارحانہ قدم اٹھایا چنانچہ ابنِ زیاد کے دو غلام یسار اور سالم میدانِ جنگ میں آ کر مبارز طلب ہوئے۔ ان کا مقابلہ کرنے انھیں معظمہ اُمّ وہب کے شوہر عبداللہ بن عمیر نکلے۔

جب عبداللہ حضرت امام حسینؑ سے اذنِ جہاد طلب کر رہے تھے تو امامؑ نے ان کے سراپا پر نظر ڈالی، طویل القامت، مضبوط جثہ، بھرے بھرے بازو، کشادہ سینہ جوان کی اس سج دھج کو دیکھ کر مولاؑ نے ارشاد کیا کہ "بہادر جنگ آزما جوان معلوم ہوتے ہو۔ جاؤ اور شوقِ جہاد پورا کرو"۔

عبداللہ شیرِ نر کی طرح میدان جدال میں پہنچے اور پہلے ہی حملے میں یسار کو ٹھکانے لگا دیا۔ عبداللہ کا ہاتھ ابھی اس شر ربار ضرب لگانے سے فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ سالم نے تلوار سے وار کر دیا مگر عبداللہ نے اسے بڑی پھرتی اور برق رفتاری سے روکا اور اس کوشش میں ان کے ہاتھ کی اُنگلیاں کٹ گئیں۔ اب اس چوٹ کھائے ہوئے شیر نے جو پلٹ کر تلوار لگائی تو سالم بھی یسار کے پیچھے پیچھے جہنم کو چلا گیا۔

اس وقت جوشِ شجاعت میں عبداللہ نے حسبِ ذیل رجز پڑھنا شروع کر دیا۔

"مجھے جو نہ پہچانتا ہو وہ پہچان لے کہ میں قبیلہ کلب کا فرد ہوں۔ میرے حَسَب و نَسَب کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خاندانِ علیم میں میرا گھرانا ہے۔ میں ایک سخت طبیعت اور درشت مزاج کا انسان ہوں اور مصیبت کے موقع پر کبھی پست ہمتی سے کام نہیں لیتا۔ اے اُمِّ وہب! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں

دشمنوں کو بڑھ بڑھ کر نیزے اور تلواریں لگاؤں گا اور اس طرح شمشیر زنی کروں گا جو خدا پر ایمان رکھنے والے جواں مرد انسان کے شایانِ شان ہو"۔

اُمِّ وہب جو اپنے پہلو میں اپنے شوہر کی طرح ایک بہادر دل رکھتی تھیں اس موقعے پر تابِ ضبط نہ لاسکیں اور ایک عمود اٹھا کر میدانِ جنگ کی طرف یہ کہتی ہوئی لپکی:-

"میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار، اے عبداللہ! اولادِ رسولؐ کی نصرت کرنے میں کوتاہی نہ ہونے پائے"۔

اس معظمہ کا اقدام بتا رہا ہے کہ شوہر کے رجز نے اس کے جذباتِ محبت وولا کو مہمیز لگادی تھی اور اس کا جوشِ ایمانی متلاطم ہو اُٹھا تھا۔ زمامِ صبر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ بے تابانہ میدانِ جنگ میں پہنچ گئی تا کہ نصرتِ امامؑ میں اپنے مجاہد شوہر کا ہاتھ بٹائے اور اسی کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہو۔

یہ دل وجگر تو حضرتِ سیّد سجادؑ ہی کا تھا کہ وہ اپنے ناموس کو کوچہ و بازار، بلوائے عام اور دربارِ حاکم میں دیکھ کر صبر فرماتے رہے ورنہ اگر کوئی دوسرا معمولی دل گردے کا انسان ہوتا تو وہ ان ہوش رُبا اور زہرہ گداز مناظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتا تھا اور اس کی روح جسم سے مفارقت کئے بغیر نہ رہتی۔ یہ مرحلہ غریب عبداللہ کو بھی پیش آیا اور مجمعِ عام میں اس طرح بیوی کے چلے آنے پر وہ ضبط نہ کر سکا۔ وہ جلدی سے اُمِّ وہب کے قریب پہنچا اور چاہا کہ اسے میدانِ جنگ سے خیامِ اہلِ حرم میں پہنچا دے مگر وہ فرطِ جوش وغضب سے کچھ ایسی مغلوب ہو رہی تھی کہ اس پر شوہر کا قابو بھی نہ چل سکا۔ اُمِّ وہب نے اپنے آپ کو شوہر کی گرفت سے یہ کہتے ہوئے چھڑا لیا کہ "نہیں نہیں میں ہرگز واپس نہ جاؤں گی بلکہ

تمہارے ساتھ ہی شہید ہوں گی"۔

ایسے وقت جب کہ جوش و جذبات نے اُمّ وہب کی آنکھوں میں دنیا کو تاریک بنا رکھا تھا اور نتائج و عواقب کی اسے کوئی پروانہ رہی تھی بلکہ جان سے زیادہ عزیز شوہر کا سمجھانا اور میدانِ جنگ میں جانے سے باز رکھنا بھی بے سود ثابت ہو چکا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے اُمّ وہب کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے بلند آواز سے فرمایا:-

"خدا تم دونوں زن و شوہر کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اے مومنہ! اہلِ حرم کے پاس واپس جاؤ اور ان کے ساتھ خیمے میں رہو، عورتوں سے جہاد ساقط ہے"۔

اب جذبۂ عقیدت و اطاعت اور حکمِ امام کی تعمیل کرنے کے احساس نے اُمّ وہب کے بڑھتے ہوئے قدموں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس کے جوش و ولولے پر امامؑ کی آواز نے اک بارگی ایسا بریک لگا دیا کہ جو اُمّ وہب ابھی تک جذبات سے بے قابو ہو رہی تھی ایک ہی لمحے میں اس کے غیظ و غضب اور جوش و جذبات کا متلاطم دریا پُرسکون ہو گیا اور وہ زبانِ حال سمعاً و طاعتاً کہتی ہوئی خیامِ اہلِ حرم کی طرف پلٹ گئی۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت امام حسینؑ نے عبداللہ بن عمیر کو بھی مزید جنگ کرنے سے روک دیا اور وہ بھی کچھ دیر کے لیے مختصر سے لشکرِ حسینی میں اپنی مقررہ جگہ آ کر کھڑے ہو گئے۔

اس طرح عبداللہ کے سر سے موت کچھ وقفے کے لیے ٹل گئی مگر وہ وقت آ ہی پہنچا جب شمرِ ملعون کی سرکردگی میں فوجِ اعدا کے میسرہ نے لشکرِ حسینی پر پوری قوت سے حملہ کیا۔ اس حملے کو ناکام بنانے کے لیے جن اصحاب نے جدوجہد کی ان میں جناب عبداللہ بن عمیر بھی شامل تھے۔ انھوں نے دشمن کے کم سے کم دو سپاہیوں کو

داخلِ جہنم فرمایا مگر اس بے پناہ حملے میں جب کہ گھمسان کی جنگ جاری تھی عبداللہ بن عمیر کو ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تمیمی نے مشترکہ کوشش سے شہید کر ڈالا۔

اُمِّ وہب نے جب اپنے شوہر کی شہادت کی خبر سنی تو وہ بے چین و مضطرب ہوکر شوہر کی لاش پر جا پہنچی تا کہ وہ اس کا آخری دیدار کر سکے۔ وہ لاش کے سرہانے بیٹھ کر اس کے چہرے سے خاک وخون پاک کرتے ہوئے یہ کہتی جاتی تھی کہ میں تمھیں جنت کی مبارک باد دیتی ہوں۔ تمھیں بہشتِ عنبر سرشت کی سیر کرنا مبارک ہو۔

اُمِّ وہب جب پہلی مرتبہ خیمے سے نکل کر جنگ گاہ کی طرف آئی تھی تو اس کا مقصد تھا دوسرے مجاہدین کی طرح اپنے شوہر کی ہمراہی میں نصرتِ امام میں حرب وضرب کرنا مگر اس مرتبہ جو اب وہ مقتل میں آئی ہے تو بالکل دوسرے ہی مقصد سے۔ اب کی اس کا ارادہ تیغ زنی کا نہیں ہے اس لیے کہ امامؑ کے ہدایت کرنے پر وہ اچھی طرح سمجھ چکی ہے کہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے بلکہ اب کی وہ محض اس لیے خیمے سے نکل کر میدان میں آئی ہے کہ اپنے شوہر کی لاش سے آخری بار وداع ہولے اور اس کا ایک بار اور دیدار کرلے جس کے بعد پھر اس کا دیدار کبھی میسر نہ ہوگا۔

جب وہ معظمہ شوہر کی لاش پر گریہ وزاری میں مصروف تھی کہ شمرِ لعین نے اپنے غلام رستم کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ اُمِّ وہب کا کام تمام کردے۔ چنانچہ رستم نے آقا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک گرزِ آہنی اس کے سر پر مارا جس کے صدمے سے وہ اسی جگہ شہید ہوگئی اور اس طرح شہدائے کربلا کے پاک و پاکیزہ

خون میں ایک پاک و پاکیزہ خاتون کا خون ناحق بھی شامل ہو گیا اور اس طرح شہیدوں کی فہرست میں صنفِ نسواں کی ایک نمائندہ کا نام بھی نظر آنے لگا۔

اے عزّت و ناموسِ وہب پیکرِ عصمت　　اے نازشِ حورانِ جناں رُوحِ محبت

میدانِ عمل میں وہ ترے کارِ نمایاں　　ہیں سارے زمانے کے لئے شمعِ ہدایت

اُن عورتوں میں نام ترا سب سے ہے پہلے　　نصرت میں شہِ دیں کی ملی جن کو شہادت

شبیرؑ کی نصرت میں جوانی کی اُمنگیں　　اشکوں کی طرح پی گئی اللہ رے ہمت

ملبوس سے وہ بیاہ کی آتی ہوئی خوشبو　　چہرے پہ چھلکتا ہوا وہ جذبۂ عفت

وہ تازہ عروسی وہ تمنّا وہ جوانی　　ماتھے پہ پسینہ کی جگہ گوہرِ عصمت

تاروں کی طرح آنکھوں سے ڈھلتے ہوئے آنسو　　وہ چاند سے ملتی دلِ خوددار کی طینت

نیچی وہ نظر بند زباں شرم کے مارے　　اور مانگنا شوہر کا وہ مرنے کی اجازت

آتی ہوئی کانوں میں وہ جھنکار کی آواز　　وہ آنکھوں میں پھرتی ہوئی شبیرؑ کی غربت

ایمان کا جذبہ تھا، ہر احساس پہ غالب　　دل درد سے بیتاب مگر واہ رے ہمت

''جاؤ مگر اِک شرط ہے کرلو اسے منظور''　　تب دیتی ہے لونڈی یہ تمہاری تمہیں رخصت

شبیرؑ کے آگے کرو اس بات کا وعدہ　　ہونا نہ بِلا مجھ کو لئے داخلِ جنّت

یہ کہہ کے وہ آنا شہِ ذیجاہ کے آگے　　وہ عہد کی تصدیق یہ تقسیمِ ارادت

اے روحِ عمل ، پیکرِ اخلاص مُبارک

یہ رفعتیں یہ اوج یہ جنّت کی بشارت

(باقو سید پوری)

---

# ذوالجناح

## امام حسینؑ کی نصرت کرنے والا اسپِ وفادار

ناصرانِ امام حسین علیہ السلام میں صرف انسان ہی نہ تھے بلکہ آپ کی نصرت وامداد کا فریضہ جانور تک نے ادا کیا ہے۔ شہدائے کربلا میں مختلف طبقوں کی نمائندگی نظر آتی ہے۔ نصرت کرنے والوں میں اصحاب حضرت رسالت مآب بھی تھے، اصحابِ حضرت امیرالمومنین بھی، ذکور بھی، اناث بھی، احرار بھی، غلام بھی، بوڑھے بھی، بچے بھی، جوان بھی ادھیڑ بھی، غرضیکہ ہر طبقے کی نمائندگی رفقائے امام میں دکھائی دیتی ہے۔

جاندار مخلوق کو چار زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) انسان (۲) حیوان (۳) ملائکہ (۴) جنات۔

عقیدے کو اگر دخل دیا جائے تو نصرت کے لیے آمادگی کا اظہار تو ملائکہ اورا جنہ نے بھی کیا تھا۔ اول الذکر مخلوق کے نمائندگی کی حیثیت سے جناب جبرئیل اور آخر الذکر مخلوق کے نمائندے کی حیثیت سے زعفرِ جن میدانِ کربلا میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُنھیں نصرت کی اجازت نہ دی گئی۔

معرکۂ کربلا میں اس عالم کی مرئی مخلوق...... انسان وحیوان...... کی نمائندگی ایک تاریخی حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے۔ زُمرۂ حیوانات کا سب سے بڑا نمائندہ حسینؑ کا وہ وفادار گھوڑا (ذوالجناح) تھا۔ نصرت کرنے والوں میں اس وفادار

مرکب کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ عدل وانصاف سے بعید سمجھا جائے گا۔

جس طرح آدم کی اولاد میں خدا نے ایسے انسان پیدا کئے جو اپنی قابلِ قدر خصوصیتوں کے سبب سے دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا نام چھوڑ جائیں اسی طرح عالمِ کائنات میں دوسری قسم کی چیزوں کے اندر بھی ایسے ایسے نمونے خلق کئے ہیں جن کی اعلیٰ صفات اس جنس کے لیے فخر وناز کا سبب بن سکیں۔

قدردانی ہر چیز کی اس کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔ ہر گزشتہ چیز جس سے ایسے واقعات کا تعلق ہو جو آئندہ نسلِ انسانی کے لیے سبق دینے والے ہوں وہ اس کی حق دار ہے کہ اس کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے۔

قدر کے قابل صفت ہر شے میں قدر کے قابل ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی تفریق نہیں ہے۔ ایک دریا دل صاحبِ جود وسخا انسان اپنی خصوصی صفت کے باعث ہر انسان کی محبت کا سبب ہے، ایک سچائی پر جان دینے والا پُرجگر شخص ہر انسان کی عقیدت کا مرکز ہوتا ہے، ایک نیک دل، خوش اخلاق آدمی کی ہر ایک تعریف کرے گا۔ یہ تمام انسانی اوصاف ہیں جن کا قدردان ہر انسان ہے۔ یہ چیزیں مذہب وملت کی تفریق سے بالکل علیحدہ ہیں۔

اسی طرح غیر انسانی جاندار مخلوق میں امتیازی صفات ہر شخص کی توجہ کا باعث ہو سکتے ہیں۔ مہذب اور متمدن جماعتیں یادگار قائم کرتی ہیں اور یاد تازہ رکھتی ہیں ان جانوروں کی بھی جو کسی اہم واقعے میں کوئی نمایاں حیثیت رکھتے ہوں۔

آگرہ کے شاہی قلعے کے باہر سیاح کو گھوڑے کا مجسمہ ضرور نظر آئے گا سینے تک زمین کے اندر اور صرف سر وگردن اس کی باہر نمایاں ہے، اس کو جستجو ضرور دریافت کرنے پر مجبور کرے گی ”یہ گھوڑا کیسا ہے“ اسے معلوم ہوگا کہ یہ گھوڑا

ایک بہادر شیر دل انسان کو قلعے کی بالائی فصیل پر سے لے کر پھاندا تھا اور سینے تک ریگ میں دھنس گیا تھا۔

اس سے انسانی ہمت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ انسان کے دل پر کون سا نقش قائم ہوتا ہے؟ انسان کو کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟ بہر حال ایسا ہی کچھ تھا جسے بطور یادگار مجسمے کی صورت میں قائم رکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

کم از کم خود انسان کی قدر شناسی ہی ثابت ہوگی کہ وہ جانور کی بھی قدر کرتا ہے اگر اس سے کوئی نمایاں واقعہ رونما ہو جائے۔

اخبار بین طبقہ بے خبر نہیں ہوگا ان واقعات سے جو روزانہ دوسرے ممالک میں ہوتے رہتے ہیں۔ جہاں معلوم ہوتا ہے کہ حیوان بھی قدر کے قابل ہو سکتا ہے اور انسان کی انسانیت اس کی قدر شناسی پر مجبور ہو جاتی ہے۔

حیوانی نسل میں ایسی مخلوق کی کمی نہیں ہے جو اپنی جنس کے اعتبار سے بلند صفتوں کی حامل ہو۔ ایک کتا جو حیرت انگیز وفاداری کا اظہار کرتا ہے اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ اس کے مرنے پر اظہارِ غم والم کے لیے ہزاروں روپے صرف کر دیے جائیں، جلسے ہوں اور اظہارِ رنج کیا جائے جاپان کے ملک کا یہ واقعہ ابھی کچھ زیادہ دور نہیں ہوا ہے۔

مذہبی روایات میں اصحابِ کہف کے کتے کا قرآن مجید تک میں ذکر موجود ہے اور وہ بھی ان ہی خصوصیتوں میں شریک کیا گیا جو اصحابِ کہف کے لیے حاصل ہیں، وہ جدید دنیا کی جدید تہذیب کا کارنامہ تھا اور یہ قدیم تاریخ کا قدیمی ورق۔

ایک مدت تک عیسائیوں کے گرجاؤں میں اس سُم کی تعظیم ہوئی ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی سواری کے حیوان کا ان کے یہاں سمجھا جاتا تھا۔

اسلام میں اس دُنبے کی یادگار قائم کی گئی جو حضرت ابراہیمؑ کے پاس ان کے فرزند اسمٰعیلؑ کے فدیہ قربانی کے لیے آیا تھا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بقرعید میں قربانی کا حکم دے کر اس کی شبیہ بنانے کا قانون جاری کر دیا۔

مسلمانوں کے سوادِ اعظم نے اس اُونٹ اور محمل کی یادگار قائم کی جس پر اُمّ المومنین عائشہ سوار ہوئی تھیں اور کچھ عرصے پہلے مصر سے، جو عربی تہذیب و تمدّن کا گہوارہ بنا ہوا تھا وہ محمل مکہ معظمہ بھیجی جاتی تھی۔

ہندو قوم تو برابر جانوروں کی قدر شناس رہی ہے اور ہر اس جانور کو جس سے بنی نوع انسان کو فوائد پہنچے ہیں قدر کی نگاہ سے اس حد تک دیکھتی ہے جسے پرستش کی حد تک سمجھا جا سکتا ہے۔

اگرچہ پرستش غیر اللہ کی جائز نہیں ہے مگر انسان کو گزشتہ واقعات کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ضرورت ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کی یاد باقی رکھے جن کے ساتھ ان واقعات کا تعلق ہے۔

عیسائیوں نے غیر جان دار چیز یعنی وہ سُولی جس پر حضرت یسوع مسیح کو ان کے خیال میں چڑھایا گیا ہے آج تک صلیب کی شکل میں قائم رکھی ہے جو ہر گرجا گھر میں موجود رہتی ہے اور ہر عیسائی کی گردن میں آویزاں۔

اسلامی روایات میں حضرت ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ (مقامِ ابراہیم) مصلّے قرار دیا گیا کہ وہاں لوگ نماز پڑھیں، وہ پانی جو عین اسمٰعیلؑ کے پیاس سے جاں بلب ہونے کی حالت میں نمودار ہوا تھا چاہِ زمزم کی نام سے انتہائی تبرک قرار دیا گیا، کوہِ صفا اور مروہ کو جہاں حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں سرگرداں پھری تھیں سعی کا محل بنا دیا گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ارکانِ حج میں شبیہیں قائم کی گئی ہیں ان

گزشتہ واقعات کی جو اہم ہستیوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

وہ واقعات زندہ رکھنے کے قابل ہیں جو نسلِ انسانی کے لیے اچھے اچھے سبق دیتے ہوں، جو دل میں رحم و کرم کا جذبہ پیدا کرتے ہوں، جو وفاداری اور نیک شعاری کی قدر بتلاتے ہوں۔

یہ واقعات وہ ہوتے ہیں جو اگرچہ کسی خاص قوم یا جماعت ہی میں واقع ہوئے ہوں لیکن ان کا مفاد اور نتیجہ تمام نسلِ انسانی کے ساتھ یکساں حیثیت سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ان میں ہرگز کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ وہ ہرگز فرقہ وارانہ حیثیت نہیں رکھتے اور نہ فرقہ بندی کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر انھیں فرقہ بندی کے طور پر ادا کیا جائے تو یہ کسی خاص جماعت کی غلطی ہوگی جس سے خود واقعے کی افادی حیثیت اور ہمہ گیری کو نقصان پہنچے گا اس لیے خود واقعہ طرزِ عمل کا شاکی ہوگا۔

---

کربلا کا اہم واقعہ جو ۶۱ ھ میں دسویں تاریخِ محرم کو رونما ہوا وہ اگرچہ مذہبی روایات کے اعتبار سے ایک خاص جماعت یعنی مسلمانوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن حقیقتاً وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے تمام دنیا کی تاریخ کا ایک اہم سبق آموز صحیفہ ہے وہ تمام انسانی اوصاف وفضائل عملی طور پر پیش کیے گئے تھے وہاں رحم و کرم، اخلاق و مروت، ثباتِ قدم اور استقلال، تحمل و ضبطِ نفس، ایثار اور ہمدردی، حق پروری اور حقیقت کوشی۔ یہ سب اور ان کے علاوہ تمام انسانی مکمل صفات تھے جو مجسم طور پر سامنے لائے گئے۔

اس لیے ہرگز کربلا کے واقعے کی یادگار قائم کرنے اور اس واقعے سے صحیح سبق حاصل کرنے کے تنہا مسلمان حق دار نہیں ہیں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان اس

واقعے کے اہم نکات اور تعلیمات سے بہرہ مند ہونے کا موقع رکھتے ہیں۔

حسینؑ کی ذات دنیا کے لیے نقطۂ اتحاد ہے، حسینؑ کی ذات عالم کے لیے مرکزِ اجتماع ہے، حسینؑ کی ذات تمام دنیائے انسانیت کے لیے پیغامِ حیات ہے، حسینؑ کی ذات تمام نسلِ بشری کے لیے سامانِ نجات ہے۔

دنیا ہزاروں مسلکوں میں اختلاف رکھے، آپس میں دست و گریبان ہوں مگر جب شہیدِ کربلا حسینؑ کی ہستی سامنے آئے گی یہاں آکر وہ تمام افتراق دور ہو جائیں گے، یہاں اختلاف کی گنجائش نہ ہوگی، کسی مذہب کا ماننے والا ہو، کسی ملت کا پیرو ہو مذہب سے کام نہیں بالکل لامذہب انسان ہو، طبیعی ہو، نیچری ہو، دہری ہو، جو بھی ہو لیکن اگر سینے میں دل اور دل میں احساس رکھتا ہے تو واقعہ کربلا سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حسینؑ کی ذات تمام اختلافات سے بالاتر ہے شیعوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ حسینؑ صرف ہمارے ہیں، مسلمانوں کو حق نہیں وہ یہ کہیں کہ حسینؑ صرف ہمارے ہیں حقیقتاً حسینؑ تمام دنیائے انسانیت کے ہیں، انھوں نے وہ کام کیا جس نے مٹتی ہوئی انسانیت کے نقوش کو اُبھار دیا، جس نے دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نئے سرے سے زندہ کر دیا، جس نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچایا۔ انھوں نے اپنی جان دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ نمونہ قائم کر دیا جس کی پیروی ہمیشہ کے لیے معیارِ انسانیت رہے گی۔

یقیناً ایسے اہم واقعے کی یادگار قائم کرنا ہر اس صورت سے جو اس واقعے کی یاد باقی رکھنے میں مفید ثابت ہو سکے ایک اہم انسانی فرض ہے۔

کربلا میں جس طرح حسینؑ بن علیؑ کے ساتھی انسانوں نے وہ کارِ نمایاں کیے

جن کی مثال صفحۂ تاریخ پر نہیں مل سکتی اسی طرح دوسری ذی روح مخلوق یعنی جانور کو بھی یہ فخر ہے کہ اس نے اخلاص و وفا کا ایسا نمونہ پیش کیا جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔

وہ حسینؑ کا گھوڑا جو ''ذوالجناح'' کے نام سے موسوم تھا اس نے اپنے مالک کا ساتھ اس آخری وقت تک دیا جب کہ کوئی معین و مددگار، کوئی خبر گیر و خبر رساں باقی نہ تھا۔

کسے نہیں معلوم کہ کربلا میں فرزندِ رسولؐ کے لیے پانی کا قحط ہو گیا تھا بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لیے جس میں علی اصغرؑ کا سا شیر خوار بھی ہو لب تر کرنے کے لیے پانی نہ موجود ہو تو گھوڑے پانی سے سیراب کئے جا سکتے ہوں گے؟

ہرگز نہیں، اگر بچوں کے لیے سب سے آخری قطرہ پینے کے پانی کا صرف ہو سکتا ہے تو گھوڑے اس کے قبل سے پیاسے ہوں گے۔ اس کے بعد صبح سے سہ پہر کے وقت تک برابر سید الشہدا کا عرب کی تیز دھوپ، گرم ہوا میں خیمے گاہ سے میدانِ جنگ تک (جو کافی دور تھا) آنا اور لے جانا، ہر عزیز کی رخصت کے وقت خیمے کے پاس ہونا اور جان کنی کے وقت میدانِ جنگ میں اس کے سرہانے یہ ہونا تمام آمد و رفت گھوڑے کی پشت ہی پر ہوتی تھی پھر حملے، لڑائی اور وہ قیامت خیز لڑائی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ہے۔

سب سے پہلے آغازِ جنگ تیروں کی بارش ہی سے ہوا تھا۔ اس کے بعد ظہر سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے جب تمام یزیدی فوج نے مجموعی طور پر تیروں کی بارش کی ہے اور ہزاروں تیروں کی باڑھیں ایک ساتھ چلی ہیں تو تاریخ گواہ ہے کہ اس کی سب سے بڑی زد گھوڑوں پر ہوئی تھی۔ چنانچہ فوجِ حسینؑ کے زیادہ گھوڑے اس میں پے ہو گئے اور اکثر سوار پیادہ ہو گئے کون کہہ سکتا ہے کہ اس

وقت ''ذوالجناح کو کوئی زخم نہیں آیا۔

وہ وقت کہ جب ہزاروں کی فوج کے سیلاب میں ایک تنہا حسینؑ ڈوبتے تھے اور دشمنوں کو منتشر کر کے باہر آتے تھے، نیزوں کے حملے بھی تھے اور تلواریں بھی، تیر بھی تھے اور تبر بھی اس وقت کیا گھوڑا حسینؑ کا محفوظ تھا؟ اور کیا دشمنوں کے گھبرائے ہوئے حربے جو بیتابی کے عالم میں پڑتے تھے وہ مرکب کو صاف بچائے جاتے تھے؟

جنگ کا واقف کار یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس عظیم الشان جنگ میں حسینؑ کا گھوڑا ایک بہادر، جاں نثار اور ایک وفا شعار معین و مددگار کا کام انجام دے رہا تھا، وہ یقیناً دشمنوں کو زد پر لاتا تھا، وار خالی کرتا تھا اور گرے ہوئے دشمن کو روندتا بھی تھا اور شکستہ بھی کرتا تھا۔

اس گیر و دار، اس جنگ و جدال، اس ہنگامہ قتال میں، گھوڑے کی پیاس، اس کے سینے کا التہاب، اس کے جگر کی سوزش اس کے احساس سے تعلق رکھتی ہے مگر وہ وقت یادگار ہے کہ جب فوج سے میدان صاف ہوا، فرات کا دامن بالکل خالی ہوگیا، حسینؑ نہر کے قریب آئے۔ گھوڑا اپنا نہر میں ڈال دیا اور یہ کہا یا اپنے طرزِ عمل سے ثابت کیا کہ ''اے میرے باوفا تو بہت پیاسا ہوگا یہ پانی موجود ہے اپنی پیاس بجھا لے''۔ اس وقت کوئی نہیں، فرات کی موجیں گواہی دیں گی، ساحلِ فرات شہادت دے گا کہ گھوڑے نے اپنی گردن اُٹھائی تھی، اپنا سر بلند کر لیا تھا، اپنا منہ بند کر لیا تھا، مطلب یہ تھا کہ میں ہرگز پانی نہیں پیوں گا، جب تک آپ اس پانی سے سیراب نہ ہوں گے۔

حسینؑ نہر سے باہر نکل آئے اور گھوڑا بھی پیاسا نکلا۔

اب وہ وقت آیا کہ جب گھوڑے کی تمام کوشش و جنگ ختم ہو چکی، جب اس کی پشت اس کے راکب سے خالی ہوگئی، جب اس کے مالک کو چاروں طرف سے خون آشام دشمنوں کی تلواروں نے گھیر لیا، اس وقت اس کے لیے حسینؑ کی سب سے بڑی خدمت کا وقت آیا۔ اس وقت اس نے وہ کام انجام دیا جو اس کے لیے مخصوص ہو گیا۔

اس نے احساس کیا کہ اب مدافعت کا کوئی موقع باقی نہیں ہے، جنگ کا میدان دشمنوں سے بھرا ہے اور یہاں کوئی دوست نہیں ہے، وہ ابھی جاں نثاری و جانفروشی کر رہا تھا، جہاد کے راستے میں حسینؑ کا ساتھ دے رہا تھا لیکن اب جب کہ اس کا راکب اپنی منزل تک پہنچ گیا، جب کہ راستے کی مسافت ختم ہو چکی، جب کہ سواری کا کوئی سوال باقی نہیں ہے تو اس نے خود اپنے اس فرض کا احساس کیا کہ وہ بے کس و بے بس عورتوں کو جو خیموں میں اپنے والی و وارث کی خبر کی منتظر تھیں جا کر اپنے مالک کی خبر پہنچا دے۔

اس نے اپنی پیشانی خون میں تر کی، وہ سیدھا خیمۂ حسینؑ کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے ہنہنا کر اپنی آواز اندر پہنچائی۔ منتظر سیدانیاں اس کی آواز کو سنتے ہی دروازے پر آ گئیں۔ وہ دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کا خالی زین، اس کی رنگین پیشانی، اس کی کٹی ہوئی باگیں، اس کا زخمی جسم، اس کے جسم میں پیوست تیر وہ سب کچھ کہہ رہے تھے جس کی خبر دینے کو وہ دروازے پر آیا تھا۔

یہ تھی آخری خدمت جو ''ذوالجناح'' نے انجام دی اور یہ ہے وہ یادگار واقعہ جو اس یادگار جانور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہی وہ یادگار ہے جو حسینؑ ابن علیؑ کی عزاداری کے سلسلے میں ''ذوالجناح'' کی شبیہ نکال کر قائم کی جاتی ہے۔

''ذوالجناح'' زندہ ہے جب تک حسینؑ کا نام زندہ ہے۔ اپنے راکب کی بدولت وہ بھی ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی یاد ہمیشہ قائم رہے گی۔

## ''اُردو شعر و ادب میں ذوالجناح کی تعریف''

شیخ امام بخش ناسخؔ لکھنؤ کے دبستان کے بانی ہیں اور شاید اُردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے ذوالجناح کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ذوالجناح کے نقشِ قدم میری پیشانی کے لئے سجدہ گاہ ہے:-

بندۂ مرتضیٰ ہوں میں ناسخؔ
سجدہ گہہ، نقشِ پائے دُلدُل ہے

اِسی بات کا اظہار غالبؔ نے اپنے مشہور شعر میں کیا ہے:-

طبع کو الفتِ دُلدُل میں یہ سرگرمیٔ شوق
کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبیں

غالبؔ کہتے ہیں اتنا عشق ہو علیؑ سے کہ اُن کے گھوڑے دُلدُل کے جہاں جہاں قدم کے نشان پڑتے جائیں میں وہاں وہاں پیشانی رکھتا جاؤں، گویا سجدہ کرتا جاؤں۔

ایک تقریر میں راقم الحروف (ضمیر اختر نقوی) نے کہہ دیا تھا کہ پاکستان ذوالجناح کے قدموں کے صدقے میں بنا ہے بڑا وبال ہو گیا تھا۔ لیکن غالبؔ کہتے ہیں:-

گردِ رہ، سُرمہ کشِ دیدۂ اربابِ یقیں
نقشِ ہر گام، دو عالم صفہاں زیرِ نگیں

ذوالجناح کے قدموں کی خاک اہلِ یقین کی آنکھوں کا سُرمہ ہے، ذوالجناح کے قدموں کے نیچے دو عالم مثلِ اصفہان ہے، ذوالجناح کے قدم کے نیچے دو عالم زیرِ نگیں ہیں۔ گویا دو عالم پر ذوالجناح کے قدموں کی حکومت ہے۔ اب پاکستان دو عالم کے نقشے میں کہاں ہے کوئی صاحب نشان لگا کر بتا دیں؟

# حضرت سلیمان شہیدِ بصرہ

## قاصدِ تحریکِ کربلا

اسلامی انقلاب نے بشریت کا اعزاز بڑھایا، تمدن وتہذیب کو عظیم الشان رفعت دی، قومی وملکی ونسلی سطح سے انسان کو اونچا کیا، فکر وعمل اور عقیدہ وکردار پر انسانی بلندی کی بنیاد رکھی۔ جنابِ رسولؐ خدا کا یہ ارشادِ گرامی اگرچہ چند لفظوں پر مشتمل ہے مگر اس کے اثرات ونتائج لامحدود ہیں۔

''کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر کردار کی نسبت سے''۔

یہ سادہ اصول ہمہ گیر انقلاب کا باعث ہوا اور اس نے انسانی ترقی کا اتنا بڑا دروازہ کھول دیا جس کا پہلے تصور بھی نہ تھا۔ بلالِ حبشیؓ صہبلا رومیؓ اور سلمان فارسی پہلے غلام تھے لیکن اسلام نے بہت سے عربی سرداروں پر ان کو فوقیت دے دی۔ اسلام کے پہلے غلام آقا کی ملکیت تھے۔ آقا غلام کو قتل کر سکتا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر آزاد انسان غلام بنالیا جاتا تھا۔ اسلام نے غلام سازی کے تمام ذرائع کا سدِ باب کیا، صرف اُن لوگوں کے لیے اس کا دروازہ کھلا رہا جو مسلمانوں سے جنگ کرتے۔ اسلام نے غلام آزاد کرنے کا ایک جذبہ خلق کیا غلامی کو برادری تک پہنچادیا، غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیے، اہم مسائل میں ان پر اعتماد کیا۔

## کربلا کا صورِ انقلاب:

اموی حکومت نے اسلامی نقوش مٹا ڈالے۔ زندگی کا رشتہ اخلاق سے جدا کر لیا۔ ۶۰ ھ میں امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا۔ اموی گورنر نے مرکز کے حکم کے مطابق امام حسینؑ کے سامنے بیعتِ یزید کا سوال رکھا۔ اموی حکومت کے طرزِ جہانبانی خصوصاً یزید کے افعال و کردار سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ صحابہ و تابعین میں کچھ لوگوں نے یزید کے طرز زندگی پر تنقید بھی کی لیکن امام حسینؑ کی طرح کسی نے ہمت و عزیمت سے کام نہیں لیا۔ حضرت نے صاف صاف انکار کر دیا کہ یزید کی بیعت مجھ سے ممکن نہیں ہے۔ اسلامی قیادت کی کوئی صفت یزید میں نہیں ہے۔ یزید کی خواہش یہ تھی کہ اگر حضرت بیعت نہ کریں تو بجائے میدانِ جنگ کے مدینے یا مکے یا کسی دوسری جگہ اچانک حضرت کو قتل کر دیا جائے۔ امام حسینؑ نے صورِ انقلاب پھونکا اور اپنی قربانی سے مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ آپ نے آزادیِ ضمیر کا پیام ہر شخص کو پہنچایا۔ اگر حضرت مدینے میں قتل ہو جاتے تو آپ کا پیام محدود ہو کر رہ جاتا آپ نے مدینہ چھوڑا، مکے میں فروکش ہوئے۔ مکے میں بھی حکومت نے جاسوس مقرر کر دیے تاکہ اچانک آپ قتل کر دیے جائیں اور حکومت آپ کے قتل کی ذمے داری سے بچ جائے۔

دور دور یہ خبر پھیلنے لگی کہ یزید کو اپنی بیعت پر امام حسینؑ سے اصرار ہے اور حضرت اس کی بیعت کو خلافِ شرع سمجھتے ہیں، یزید حضرت کے قتل کے درپے ہے۔ اہلِ کوفہ نے حضرت کے سامنے ایک پناہ گاہ کی پیشکش کی اور اپنی اصلاح کے لیے آپ کو دعوت دی۔ امام حسینؑ نے اپنے متعلقین کو چند مقامات پر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے سلسلے میں خط لکھے۔ کوفے میں حضرت نے جنابِ مسلمؑ کو

اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ افسوس ہے کہ وہ کُل خطوط جو حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور آپ نے جو جوابات دیے آج محفوظ نہیں ہیں ورنہ تاریخ و شریعت کے بہت سے مسائل ان سے حل ہو جاتے۔ اہلِ بصرہ کو بھی حضرت نے خط لکھا تھا۔ کربلا کے سلسلے میں بصرے کے رجحانات پر اہلِ قلم نے ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی۔ مراثی میں بھی اِدھر خیال نہیں گیا۔ اس مضمون سے اس سلسلے کا آغاز کیا جاتا ہے۔

## امامؑ کا قاصد بصرہ میں:

بصرے کے شمال میں فرات، جنوب میں خلیج بصرہ اور مشرق میں حدودِ ایران اور مغرب میں نجد سے ملا ہوا صحرا ہے۔ (۱۴ھ ۶۳۵ء) میں اسے خلیفہ دوم نے آباد کیا تھا۔ یہاں سفید و نرم پتھر ہوتے تھے اسی مناسبت سے اس مقام کا نام بصرہ رکھا گیا۔ عرب و ایران سے جنگ کا سلسلہ جاری تھا اس لیے اسے فوجی چھاؤنی کی حیثیت دی گئی۔ اس کی آبادی نہایت تیزی سے بڑھنے لگی۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ خلیفۂ دوم نے ستّر ہزار خاندان یہاں آباد کئے

(مختصر تاریخ البصرہ علی ظریف الاعظمی ۱۳ مطبوعہ بغداد ۱۹۲۷ء)

نیکی و بدی کی کشمکش اور تاریخی حوادث میں بصرے کا خاص حصہ رہا ہے۔ جنگِ جمل بصرے کی سرزمین پر ہوئی۔ بصرے سے متعلق امیر المومنینؑ کے بہت سے خطوط اور ارشادات نہج البلاغہ وغیرہ میں ہیں! جب اموی حکومت قائم ہو گئی تو بصرے پر متعدد گورنر مقرر ہوئے۔ ۵۱ھ میں زیاد بصرے کا گورنر مقرر ہوا۔ ۵۳ھ میں واصلِ جہنم ہوا۔ ۵۵ھ میں ابنِ زیاد یہاں گورنر مقرر ہوا ۶۰ھ میں جب معاویہ نے یزید کی بیعت کی تحریک چلائی تو ابنِ زیاد نے اس میں کافی حصہ لیا۔ اسی سال رجب میں معاویہ مر گیا تو یزید نے بھی اسے اس جگہ رکھا۔

حضرت مسلمؑ کے کوفے پہنچنے کے بعد امام حسینؑ کے نقطۂ نظر کی ہمنوائی میں عام طور پر دلچسپی لی جانے لگی۔ کوفے کے گورنر نعمان بن بشیر نے اس رجحان کو قوت سے دبانا پسند نہیں کیا۔ یزید کو ضرورت محسوس ہوئی کہ نعمان کو معزول کر کے کوئی دوسرا گورنر مقرر کرے۔ "سرجون" غلام سے جب یزید نے مشورہ کیا تو اس نے بتایا کہ معاویہ کی تحریر موجود ہے جس میں ابنِ زیاد کو کوفے کا گورنر مقرر کیا گیا ہے، یزید نے ابنِ زیاد کو کوفے اور بصرے دونوں جگہ کا گورنر نامزد کر دیا۔ ابنِ زیاد صبح کو کوفے روانہ ہونے والا تھا کہ امام حسینؑ کے نامہ بر حضرت سلیمان بن ابورَزین امام حسین علیہ السلام کا خط لے کر بصرے پہنچے۔

## سلیمان کا نسب اور ضروری تعارف:

ان کی ماں کا نام کبشہ تھا یہ امام حسینؑ کی کنیز تھیں۔ حضرت نے ان کو ایک ہزار درہم میں خریدا تھا۔ یہ امام کی زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبداللہ تیمیہ کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت نے اس کنیز کی شادی ابورَزین سے کردی جن سے سلیمان پیدا ہوئے۔ بعض علما نے ان کو امام حسن علیہ السلام کا غلام لکھا ہے لیکن زیادہ تر تاریخوں میں انھیں امام حسینؑ کا غلام لکھا ہے۔ شیخ طوسی نے اپنی رجال میں اور ابنِ داؤد نے اپنے رجال میں یہ لکھا ہے کہ سلیمان امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے اس سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ ان کی شہادت کربلا میں واقع ہوئی حالانکہ اکثر و بیشتر تاریخیں ان کو بصرے میں قاصدِ تحریکِ کربلا کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں، زیارتِ ناحیہ میں بھی ایک فقرے سے یہ گمان پیدا ہوا ہے۔ زیارت کے الفاظ یہ ہیں۔ السّلام علی سلیمان مولی الحسینؑ بن امیر المومنینؑ ولعن اللہ قاتلہ سلیمان بن عوف الحضرمی۔

یعنی امام حسینؑ کے غلام سلیمان پر سلام جن کو سلیمان بن عوف حضرمی نے قتل کیا۔

ان سب مقامات کو پیشِ نظر رکھ کے، جن سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ سلیمان کربلا میں شہید ہوئے علامہ شیخ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال فی اسماء الرجال ۲/ ۹۵ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلیمان اگرچہ شہید تو بصرے میں ہی ہوئے ہیں لیکن وہ شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل ہیں۔

المقتول فی رسالۃ کالمقتول بالطف فی الشرف والسعادۃ

جو امام کے پیام کے پہنچانے کے سلسلے میں شہید ہوا وہ شرف وسعادت میں انھیں کے ہم پلّہ ہے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

## خط کا مضمون:

امام حسینؑ نے احنف بن قیس بن عبداللہ بن معمر، قیس بن ہیثم، مالک بن مسمع مسعود بن عمر منذر بن جارود کے نام ایک ہی مضمون کا خط تحریر فرمایا تھا۔ ابوحنیفہ دینوری ۲۸۱ھ (اخبار طوال ۲۳۴ مطبوعہ مصر) نے خط کی عبارت یہ لکھی ہے

فانی ادعو کم الی احیاء معالم الحق واماتہ المبدعۃ تجبوا تھتدو السبیل الرشاد۔

''میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ حق کے آثار کو زندہ کرو اور بدعت کو فنا کرو۔ اگر تم میری دعوت پر لبیک کہو گے تو تم راہِ راست پا جاؤ گے''

''ابصار العین فی انصار الحسین'' میں خط کا مضمون یہ ہے:۔

''بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ خدا نے محمدؐ کو ساری مخلوق سے پسند فرما کر اُن کو اپنی نبوت سے سرفراز کیا اور اپنی رسالت کے لئے اُن کو منتخب کیا اور جب وقت

آیا تو خدا نے اُن کو دنیا سے اُٹھالیا وہ جناب حد تک دنیا میں رہے بندگان خدا کو ہدایت و نصیحت فرماتے رہے اور جو کچھ خدا کا حکم تھا اُس کو اُس جناب نے اُس کے بندوں کو پہنچا دیا اور ہم اُن حضرت کے اہلِ بیتؑ میں اور اولیا اور اوصیا اور اُن کے وارث ہیں اور ہم سے زیادہ کوئی اُس جناب کے جانشینی کا حق دار اور سزاوار نہیں ہے مگر لوگوں نے یہ مقام ہمارا بہ قہر و غلبہ لے لیا ہم اس خیال سے کہ اسلام میں تفرقہ نہ پڑے جنگ و جدل نہ ہو عافیت باقی رہے خاموش رہے حالانکہ ہم خوب جانتے تھے کہ اصل مستحق اس منصب کے ہمیں ہیں کوئی دوسرا قابل نہیں ہے۔ اب اِس وقت میں اپنا یہ قاصد مع خط کے تمہارے پاس بھیجتا ہوں اور تم کو کتاب خدا اور سنت حضرت رسالتمآب کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ اب سنت بالکل مردہ کردی گئی اور بدعت کو لوگوں نے زندہ اور جاری کیا ہے۔ اگر تم میرا کہنا مانو گے میری اطاعت کرو گے تو میں تم کو دین کی راہِ راست بتا دوں گا''۔

ابنِ اثیر جزری م ۶۳۰ھ نے تاریخ کامل صفحہ ۴ میں لکھا ہے

يدعوهم الى كتاب الله وسنة بنيه وان السنة قدمات والبدعة قد حيث۔

حضرت نے انہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی طرف بلایا اور فرمایا کہ سنتِ کو مردہ کر دیا گیا ہے اور بدعت زندہ کر دی گئی ہے یہ خط اگرچہ بے حد مختصر ہے لیکن اُن کے لیے مختصر نہ تھا جو اس دور سے گزر رہے تھے اور جن کی آنکھوں کے سامنے کتاب اللہ پسِ پشت ڈال دی گئی تھی، سنتِ پیغمبرؐ دفن کی جارہی تھی اور بدعت ولادینی کا استقبال کیا جارہا تھا۔ امام حسینؑ کے ان چند الفاظ نے اہلِ بصرہ کے پیشِ نظر اس عہد کی مجسم تصویر رکھ دی۔ زیادہ مفصل خط کی اس وقت ضرورت

ہوتی جب کہ اموی ماحول کی اس نجاست سے صرف حضرت واقف ہوتے اور اہلِ بصرہ بے خبر ہوتے لیکن جب کہ اموی کردار کے چرچے عام طور پر ہر زبان پر تھے خط میں صرف اشارہ ہی کافی تھا۔

## حضرت سلیمان کی شہادت:

امام حسینؑ کا یہ خط جس نے بھی پڑھا حکومت کے خوف سے اسے راز میں رکھا۔ ''منذر بن جارود'' کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ قاصد ابنِ زیاد کا جاسوس ہے۔ ابوحنیفہ دینوری نے لکھا ہے۔

منذر کی لڑکی (بحریہ) ابنِ زیاد سے منسوب تھی، منذر کو خیال ہوا کہ کہیں میری آزمائش کے لیے امام حسینؑ کے نام سے ابنِ زیاد نے یہ خط تصنیف نہ کرلیا ہو۔ منذر قاصد کو لے کر ابنِ زیاد کے پاس پہنچے اور خط کے مضمون کی ابنِ زیاد کو اطلاع دی۔ ابن زیاد نے شہیدِ وفا حضرت سلیمان کو قتل کردیا رضوان اللہ علیہ و برکاتہٗ۔

قتل کی تفصیلات سے تاریخی صحائف خالی ہیں۔ کسی نے لکھا ہے کہ سولی دی گئی، کسی نے لکھا ہے قتل کیے گئے لیکن آپ کی وفاداری و اخلاص و ہمت و دلیری کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ آپ کی قربانی کی یاد بہت سے دلوں میں جوش پیدا کردے گی اور حق و صداقت کے تحفظ کے لیے ہمیشہ لوگوں کو اُبھارتی رہے گی اور خطروں کے مقابلے کے لیے آمادہ کرتی رہے گی۔ بصرے میں بہت سے مشاہیر کے مزارات ہیں جو اپنے عہد میں شہرت کے مالک تھے اور آج بھی علم و ادب کی دنیا میں ان کی یاد تازہ ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی حضرت سلیمان کے اوج کو نہیں پہنچ سکتا۔ شہید اپنے مقدس خون سے نئی زندگی کے چہرے کو گلنار بناتا ہے شہید کی قربانی آہنی عزم پیدا کرتی ہے شہید کے خون کی دھار سے ہمیشہ مصنف و

ادیب و شاعر و فقیہ و معلم پیدا ہوتے رہتے ہیں، حضرت سلیمان کہنے کو غلام تھے لیکن آج شہادت کے شرف سے ممتاز ہیں وہ اس بلند مقام پر ہیں جہاں شاہوں کی رسائی نہیں، ان کی بلندی پر علماء حسرت کی نظر ڈالتے ہیں اور حکماء ربانیین رشک کرتے ہیں۔ واقعۂ کربلا کا جب بھی مطالعہ ہوگا اس کی تمہید میں حضرت سلیمان کا ذکر خیر ضرور ہوگا۔ علی ظریف الاعظمی مصنف مختصر تاریخِ بصرہ (۲۴) واقعۂ کربلا کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

سردت ھذہ الحادثۃ المولۃ صحائف تاریخ بنی امیۃ

''اس المناک حادثے نے بنی اُمیہ کی تاریخ کو سیاہ کردیا''۔

حضرت سلیمان کی شہادت واقعۂ کربلا سے جدا نہیں کی جاسکتی۔ جس طرح بنی ہاشم کے قتل نے، علوی و فاطمی جوانوں کی خونریزی نے جس طرح انصارِ امام کی شہادت نے اُموی تاریخ کو سیاہ بنادیا ہے اسی ذیل میں حضرت سلیمان کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت سلیمان کی دردناک شہادت ہمیشہ اہلِ معرفت کو متاثر کرتی رہے گی اور جب بھی ان کی شہادت کا ذکر ہوگا اموی حکومت سے دلوں میں نفرت پرورش پاتی رہے گی اور حق کی بلندی کے لیے دل میں شجاعت، ارادے میں قوت اور نیت میں خلوص کی موجیں اُٹھتی رہیں گی۔

---

# حسینی سفیر

## حضرت مسلمؑ ابنِ عقیل

موجودہ دورِ آزادی میں جبکہ دنیا میں جمہوری حکومتیں جگہ جگہ قائم ہو گئی ہیں یا قائم ہونے کی سعی میں ہیں سفیر کا لفظ عام فہم ہو گیا ہے۔ ایک حکومت کا نمائندہ جو دوسری حکومت میں کارِ سفارت انجام دیتا ہے ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ کسی ملک کا سفیر اپنے ملک کا اور اپنی سرکار کا دوسرے ملک میں ذمے دارانہ طور پر نمائندہ ہوتا ہے، اس کی نقل و حرکت و عمل گویا بالواسطہ اسی کی حکومت کا عمل ہوتا ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ قبلِ مسیح اور بعدِ مسیح غرض جب سے ''معاشرے میں حکومت نے جنم لیا کارِ سفارت کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا۔ ''سفیر'' کا لفظ نہ سہی سفارت'' تو مسلّم دکھائی پڑتی ہے۔ خواہ سفیر کا نام کچھ بھی رہا ہو لیکن اس کا کام اس وقت بھی وہی تھا جو آج ہے۔ ایک ملک کے سفیر کی جان، مال کی ذمّے داری دوسرے ملک کی حکومت پر عائد ہوتی تھی اور آج کل بھی ایسا ہی ہے۔ اگر اتفاقاً کسی سیاسی بنیاد پر ملکوں میں جنگ ناگزیر ہو تو سفیر ہر دور میں بحفاظت اپنے ملک میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ ہر زمانے میں سفیر کا قتل ایک ایسے گناہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ کسی ملک کی بداخلاقی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس ملک میں دوسرے ملک کا سفیر قتل کر دیا جائے خواہ قتل

کا سبب حکومت ہو یا عوام ہوں۔

حضرت مسلمؑ دنیا کے وہ عظیم سفیر ہیں جنھیں قتل کر کے کوفے کے یزیدیوں نے انسانیت کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ لگایا تھا۔ وہ کوفہ جو حضرت علی علیہ السلام کا دارالخلافت رہ چکا تھا وہیں کے مسلمانوں نے حضرت علیؑ کے بھتیجے حضرت مسلمؑ کو شہید کر ڈالا اور اپنی بے وفائی و دغا ہی میں خود مثال بن کے رہ گئے۔

حضرت مسلمؑ خاندانِ بنی ہاشم کے ممتاز فرد تھے اور عرب کے بہادروں کی پہلی صف میں آتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے ان کو اپنا نائب اور سفیر بنا کر کوفے روانہ فرمایا تھا۔ مسلمؑ علم میں ممتاز، فنِ حرب میں یکتا اور فنِ تقریر میں فرد تھے۔ ان کے پدرِ گرامی کا نام حضرت عقیلؑ تھا۔ اس طرح یہ ابوطالبؑ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوطالبؑ نے اسلام کے پھیلانے میں رسولؐ کی حمایت کی۔ عقیلؑ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ بٹایا اور مسلمؑ نے حسینؑ کی مدد کی۔ اسلام پر جان نثار کرنا جنابِ مسلمؑ کی سرشت میں تھا۔

واقعات یوں بیان کئے جاتے ہیں کہ معاویہ کے مرنے کے بعد یزید شام کا بادشاہ ہوا اور بلادِ اسلامی پر حکومت کرنے لگا۔ امامت کے نشے میں چور اموی تاجدار نے فسق و فجور کو فروغ دیا اور نفاق کا وہ پودا جس کو اوروں نے لگایا تھا اس کے زمانے میں تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ یزید نے امام حسینؑ سے بیعت چاہی لیکن اس کی نجس خواہش پوری نہ ہوئی۔ امام حسین علیہ السلام کو ہر طرح سے مجبور کیا جانے لگا یہاں تک کہ فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے نانا کی پیروی کی اور مدینۂ رسولؐ سے ہجرت فرمائی۔ اب امام کہاں جائیں، کس جگہ آپ کو امان مل سکتی ہے یہ ایک اہم مسئلہ تھا جسے امام حسینؑ کو حل کرنا تھا۔

کوفے کے عمائد اور شہریوں نے بارہ ہزار یا اس سے زائد خطوط حسینؑ کی خدمت میں روانہ کیے تھے اور ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ امام حسینؑ کو بتلایا گیا تھا کہ کوفے کے رہنے والے حسینؑ کی محبت میں سرشار ہیں اور حسینؑ ہی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے دینی و دنیوی کامیابیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

بعض خطوط کا مضمون یہ تھا

لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنابك علی الحق۔

یعنی یہ ہے کہ "ہم امام و پیشوا نہیں رکھتے ہیں جلد تشریف لایئے شاید خدا حق کو ہمارے ہاتھ پر جاری کرے ایسی حالت میں جبکہ رسولؐ کی امت حق سے مایوس ہو چکی تھی۔ (خلاصۃ المصائب صفحہ ۴۱) اُمت کفر و الحاد میں پھنسنے والی تھی حسین علیہ السلام کا بحیثیت امام کے اس کی مدد کرنا ضروری تھا۔ کوفے سے آئے ہوئے خطوط میں امام حسین علیہ السلام کو اس امر کا یقین دلایا گیا تھا کہ اہلِ کوفہ راہِ ہدایت کی تلاش میں ہیں اور نصرتِ حق کے لیے تیار ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے لیے جن کا کام ہدایت کرنا تھا اور جنھوں نے صرف بقائے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا تھا یہ ضروری تھا کہ کوفے تشریف لے جائیں۔

امام حسینؑ نے کوفے پہنچنے سے قبل اپنے بھائی حضرت مسلمؑ کو اپنا نائب اور سفیر بنا کر کوفے روانہ کیا تا کہ وہاں کے عوام کی ذہنیت کا صحیح اندازہ لگ سکے۔ حسینؑ کا یہ سفیر کوفیوں کا بلایا ہوا مہمان تھا اور محض ان کو ہدایت کی روشنی دکھانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ کوفیوں کا یہ مہمان ان کوفی میزبانوں کے دستِ ظلم کا شکار ہو گیا۔ کوفیوں نے اپنی دغا کا ثبوت دیا اور حسینی سفیر کو بے یار چھوڑ دیا اور اعتماد و سفارت کا یہ امین کوفے میں شہید کر ڈالا گیا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جنابِ مسلمؑ ابنِ عقیل حضرت امام حسین علیہ السلام سے رخصت ہو کر کوفے پہنچے۔ پیکرِ صدق وصفا، جانِ اعتماد وروحِ وفا حضرت مسلمؑ کی ابتدا میں اہلِ کوفہ نے بڑی قدر ومنزلت کی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے آکر حضرت مسلمؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ قریب تھا کہ کوفے کی حکومت کا تختہ الٹ جاتا لیکن افسوس وہ صورت باقی نہ رہ گئی۔ جنابِ مسلمؑ نے حالات سے امام حسین علیہ السلام کو مطلع کیا اور لکھا کہ اہلِ کوفہ برابر بیعت کرتے چلے آتے ہیں اور دوستوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ کوفے کا تولائی رنگ دیکھ کر ایک ملعون نے جس کا نام عبداللہ خضرمی تھا یزید کو لکھا کہ کوفے میں دوستدارانِ اہلِ بیت کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور یزیدی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں۔ یزید نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک حاکمِ فاسق عبداللہ ابنِ زیاد کو تحریر کیا کہ وہ جلد کوفے پہنچ کر وہاں کی گورنری اختیار کرے اور لکھا کہ لاتدع من نسلِ علی الا قتلہ ایک شخص کو اولادِ علیؑ سے جیتا نہ چھوڑنا۔ یہ حاکم یزید پلید کے حکم سے کوفے پہنچا اور لوگوں کو جمع کر کے منبر پر گیا اور کلماتِ "تخویف وتہدید یزید کی جانب سے بیان کیے، مجمع میں خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی۔ ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بادشاہوں کے معاملات میں دخل دینا غیر مناسب ہے اور یہ کہہ کر وہ بدعہد وپُردغا اپنے صحیح رنگ وروپ میں ظاہر ہو گئے۔ مسلمؑ کی عزت کا خیال کیے بغیر اہلِ کوفہ نے حضرت سے ربط وضبط ختم کر دیا۔

ان واقعات کی روشنی میں ہم ان کوفیوں کے کردار سے بخوبی روشناس ہو گئے اور ہماری سمجھ میں آگیا کہ وہ بزدل اور نامردوفا کا نام تک نہ جانتے تھے، عہد ان

کے نزدیک غیر مستحکم بالو کے محل سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ان کے دلوں میں شمعِ ایماں جلوہ گر نہ تھی اور ذہن تاریک تھے یہی تو وجہ تھی کہ انھوں نے حضرت مسلمؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حاکم کا خوف ان کے دلوں پر ایسا مسلّط تھا کہ خوفِ خدا کے لیے کوئی جگہ ان کے قلوب میں باقی نہ رہ گئی تھی۔

ہر جگہ بُروں میں دو چار اچھے بھی ہوتے ہیں چنانچہ جب حضرت مسلمؑ کوفے میں بے یار، بیکس اور تنہا ہوئے تو آپ نے ایک مردِ مومن ہانی بن عروہ کے گھر میں پناہ لی۔ ہانی محبتِ اہلِ بیتؑ کو دنیا پر ترجیح دینے والوں میں تھے اور مومن تھے اور مومن سرفروش ہوتا ہے۔ وہ خاندانِ رسالت کی ایمان پرور ذات جناب مسلمؑ کو پناہ دینا اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔ ہانی بن عروہ کا یہ فعل حاکم کوردل کی نگاہ میں، جس کی آنکھوں پر امارت و دنیوی عشرت و جاہ کے پردے پڑے تھے، بڑا گناہ اور جرم ثابت ہوا اور اُس نے اِس بوڑھے مومن ہانی کو شہید کر دیا، اب تو جنابِ مسلمؑ کوفے میں مکمل طور پر غریب اور بے یار ہو گئے۔

ہانی کے واقعے نے لوگوں کو ایسا خوف زدہ کر دیا تھا کہ کوئی مسلمؑ کو اپنے مکان کے قریب بھی ٹھہرنے نہ دیتا تھا۔ کوفے کی اس نفاق پرور فضا کو دیکھ کر سفیرِ حسینیؑ بہت پریشان ہوا اور چاہا کہ کسی صورت سے آقا مولا حضرت امام حسینؑ کو واقعات کی تفصیل سے آگاہ کر دیا جائے تا کہ وہ کوفے آنے کے ارادے سے باز رہیں لیکن مجبوریوں نے جناب مسلمؑ کی تمنا کو پورا نہ ہونے دیا۔ اس عالمِ بیکسی میں جنابِ مسلمؑ کوفے میں چھپے چھپے اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ بھوک اور پیاس کی سخت تکلیف کے باعث ایک مکان کی دیوار سے سہارا لے کر بیٹھے۔ وہ مکان ایک زن مومنہ طوعہ کا تھا۔ طوعہ اتفاقاً مکان سے برآمد ہوئی جناب مسلمؑ نے اس

سے پانی طلب کیا اس نے پانی حاضر کیا۔ پانی پینے کے ایک ساعت بعد تک مسلمؑ طوعہ کے گھر ہی پر اسی طرح بیٹھے رہے۔ طوعہ نے کہا کہ اے بندۂ خدا اٹھ اور اپنے گھر جا زمانہ پُرآشوب ہے۔ حضرت مسلمؑ نے فرمایا ''میں اس شہر میں غریب الوطن ہوں اور کوئی مکان نہیں رکھتا اور نہ یہاں میرا کوئی عزیز ہے نہ قریب ہے۔ میں اس شہر میں بے یار و مددگار ہوں۔ آج کی شب تم مجھے اپنے گھر میں جگہ دو فردائے قیامت میں رسولؐ خدا تمھیں بہشت میں جگہ دیں گے۔ رسولؐ کا نام سنتے ہی زنِ مومنہ فرطِ محبتِ رسولؐ سے متاثر ہوئی اور کہا تم کون ہو۔ جناب مسلمؑ نے فرمایا اے طوعہ میں ہوں بے خانماں مسلم بن عقیل۔ نام سنتے ہی وہ زنِ مومنہ حضرت مسلمؑ کو مکان کے اندر لے گئی اور ایک کمرے میں مقیم کر دیا۔ طعام و آب حضرت کے لیے حاضر کیا لیکن حضرت کو اس عالمِ پریشانی میں بھوک مٹانے کا خیال کہاں۔ رات بھر آپ جاگتے رہے اور عبادتِ خدا میں مصروف رہے۔

تھوڑی دیر گزرنے کے بعد طوعہ کا ملعون بیٹا آیا جس نے بار بار طوعہ کو جناب مسلمؑ کے کمرے میں آتے جاتے دیکھا۔ اس نے طوعہ سے حالات کا انکشاف چاہا طوعہ نے بتانے سے انکار کیا۔ اس ملعون نے بڑی منتیں کیں۔ طوعہ نے اپنے لڑکے کو اس وعدے پر حالات سے واقف کار بنایا کہ وہ اس راز کو دوسروں سے چھپالے گا۔ رات تو ملعون نے کسی نہ کسی طرح کاٹی صبح ہوتے ہی وہ ابنِ زیاد کے پاس گیا اور تمام واقعات سے اس کو آگاہ کر دیا۔ مسلم اِدھر نمازِ صبح سے فارغ ہوئے اُدھر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ اللہ رے غیور مسلمؑ کسی طرح بھی طوعہ کے گھر کی بے حرمتی برداشت نہ کی اور تلوار لگا کر مکان سے باہر تشریف لائے اور ایک دیوار کے سہارے کھڑے ہو گئے۔ ابنِ زیاد نے حضرت مسلمؑ کی

گرفتاری کے لیے محمد ابنِ اشعث کو بھیجا تھا، جب مسلمؑ سے محمد اشعث اور اس کے ساتھیوں نے جنگ کی تو حضرت مسلمؑ نے ڈیڑھ سو منافقین کو واصلِ جہنم کیا۔ ابنِ اشعث نے مزید کمک ابن زیاد سے طلب کی۔ ابنِ زیاد نے کہلا بھیجا کہ "تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ ایک آدمی تنہا اتنے آدمی کو قتل کردے اور تو باوجود فوج کے اس کو گرفتار نہ کرسکے"۔ ابنِ اشعث نے جواباً لکھا کہ اے امیر کیا تو نے اسے کوفے کے کسی بقال کی گرفتاری سمجھ رکھا ہے بنی ہاشم کے مشہور بہادر بیشۂ شجاعت مسلمؑ کو گرفتار کرنا سہل نہیں۔

الغرض ابنِ زیاد نے مزید کمک بھیجی پھر بھی جنابِ مسلمؑ کو گرفتار نہ کرسکے۔ جب ابنِ اشعث نے دیکھا کہ کافی لوگ قتل ہو چکے ہیں تو اس نے فوج والوں کو حکم دیا کہ پیچھے ہٹیں تاکہ جنابِ مسلمؑ مردانہ وار لڑتے ہوئے بڑھیں اور کہا کہ راستے میں ایک کنواں کھود کر اس پر خس و خاشاک ڈال دیا جائے تاکہ دورانِ جنگ میں حضرت مسلمؑ دھوکے سے اس کنویں میں گر جائیں اور گرفتاری عمل میں آسکے۔ ان مکار سیاست دانوں نے بزدلانہ ذہنیت کے تحت یہ تمام ترکیبیں کیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جنابِ مسلمؑ لڑتے لڑتے یکبارگی کنویں میں جارہے اور جوں ہی وہ جناب کنویں میں گرے ابنِ اشعث نے تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ حضرت کا ایک لب کٹ گیا۔ بہر حال جنابِ مسلمؑ کو ان ترکیبوں سے گرفتار کرلیا گیا۔ گرفتار ہوجانے کے بعد جنابِ مسلمؑ ابنِ زیاد کے سامنے لائے گئے۔ انھوں نے ابنِ زیاد ملعون کو سلام نہ کیا اور وہ کیوں ایسا کرتے وہ تو روحِ اسلام حضرت امام حسینؑ کے سفیر تھے۔ حسینی سفیر کی شان سے بعید تھا کہ وہ حاکمِ ظالم اور سفاک سرشت کو سلام کریں۔ ابن زیاد نے جناب مسلمؑ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ مظلوم مسلم نے فرمایا

کہ اے ملعون اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو قتل کر دے مجھے اس کی پروا نہیں، بنی ہاشم کے افراد کا زیور شہادت ہے، وہ راہِ حق میں جاں نثاری عین مقصدِ حیات سمجھتے ہیں لیکن میری کچھ وصیتیں ہیں اگر کوئی قبیلۂ قریش کا ہو تو اس سے کہہ دو تاکہ وہ پوری کر دے۔ ابنِ زیاد نے کہا کہ وہ کون کون وصیتیں ہیں جنابِ مسلمؑ کے کردار اور سفارت کی اہلیت کا اندازہ ان کی وصیتوں سے بخوبی لگ سکتا جنابِ مسلمؑ نے فرمایا کہ پہلی وصیت میری یہ ہے کہ گواہی دیتا ہوں میں وحدانیتِ خدا اور نبوتِ رسولؐ خدا اور ولایت علیؑ مرتضیٰ کی''

اس وصیت کے ذریعے جنابِ مسلمؑ نے کتنے عمدہ طریقے پر سیّدالشہدا کی نیابت کی اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ حسینؑ نے جس کو سفیر بنا کر بھیجا تھا اس نے کارِ سفارت کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور من وعن حسینی مشن کی ترجمانی مرتے دم تک کی۔ دوسری وصیت آپ نے یہ کی کہ ''میں مقروض ہو گیا ہوں لہٰذا میری زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کر دیا جائے''۔ آپ کی دیانت، امانت کی جھلک اس وصیت میں موجود ہے۔ تیسری وصیت یہ تھی کہ جس نے یہ ظاہر کر دیا کہ آپ کس قدر قابلِ اعتماد تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے آقا و مولا حسینؑ کو مطلع کر دیا جائے کہ زمانہ ان سے برگشتہ ہے اور وہ کوفے کی سمت آنے سے باز رہیں کہ اہلِ کوفہ ان کے ساتھ بھی دغا کریں گے جیسا کہ انھوں نے میرے ساتھ دغا کی۔

واہ رے صداقت شعار ایلچی مسلمؑ مرتے دم تک حسینؑ کی زندگی کا خیال رہا۔ کوفے کے پُرہول اور غریب الوطن ماحول میں بھی اپنے آقا و مولا کی تحریک سے روگردانی نہ کی۔ کیوں نہ ہو ابوطالب کے گھرانے والوں کا تو وفا جوہر ہے۔ دنیا نے کربلا میں عباسؑ کی وفا دیکھی ہے جنابِ مسلمؑ کی زندگی سے ہم کو صداقت،

شجاعت، بلند کرداری اور اعتماد کا سبق ملتا ہے۔ مظلوم مسلمؑ کے واقعاتِ زندگی ہم کو درسِ عمل دیتے ہیں اور شمعِ ہدایت دکھاتے ہیں۔ وہ فرض شناس تھے اور دنیا کو فرض شناسی سکھا گئے۔ خود جامِ شہادت نوش کر لیا لیکن فرض کو نہ بھولے۔ اعتماد کی امانت میں خیانت نہ کی۔

مسلمؑ جوارِ کفر میں ایمان کے سفیر　　حیوانیت کے دیس میں انسان کے سفیر
مور و ملخ کی سمت سلیمانؑ کے سفیر　　گونگوں کے اژدھام میں قرآن کے سفیر

واقف امام ہی تھے فقط اُن کی شان سے
آیات منتظر تھیں کہ نکلیں زبان سے

اُن کے پدر کو حق سے ملا منصبِ جلیل　　اللہ کے رسولؐ نے جن کو کہا عقیلؑ
نام و نسب میں فرد، شرافت میں بے عدیل　　جن کو سلام کرتے تھے استادِ جبرئیلؑ

غربت کی زندگی میں بھی حاصل سکون تھا
خودداریاں وہی تھیں کہ ہاشم کا خون تھا

ایسے پدر کی گود میں مسلمؑ ہوئے جواں　　دل آسمان تھا تو بصیرت تھی کہکشاں
ہونٹوں پہ کھیلتی تھی سفارت کی داستاں　　رہ رہ کے اُٹھ رہی تھیں سوئے شام انگلیاں

ورثہ پکارتا تھا چچا کا اثر تو ہے
خیبر کا در اگر نہیں کوفے کا در تو ہے

(وحید الحسن ہاشمی مرحوم)

# اصحابِ امام حسینؑ

## ہندوستان کے دانشوروں کی نظر میں

# اصحابِ حسینؑ کا مقامِ عظمت

## پروفیسر سیّد احتشام حسین (لکھنؤ یونیورسٹی)

واقعۂ کربلا کے عناصر عظمت میں سب سے زیادہ اہم اور موثر عنصر تو خود امام حسینؑ کی ذات اور شخصیت ہے لیکن کچھ اور چیزوں نے شامل ہو کر اسے تاریخ کا منفرد واقعہ بنا دیا ہے انھیں میں اصحابِ حسینؑ کے کارناموں کو بھی شریک کیا جاسکتا ہے۔ اصحابِ حسینؑ میں سے ہر ایک اپنی منفرد حیثیت بھی رکھتا ہے اور گلدستۂ شہادت میں شامل ہو کر اس کے مجموعی جلال و جمال میں اضافہ بھی کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اصل حسینؑ تھے۔ حسینؑ نہ ہوتے تو نہ کربلا کا المیہ وجود میں آتا نہ تاریخ واقعات کا وہ ہلاکت آفریں تسلسل پیش کرتی جس نے کربلا کی دل دوز داستان تیار کر دی، نہ اعزاؑ و اصحابِ حسینؑ کے یہ رنگارنگ پُرعظمت کردار ہماری نگاہوں کے سامنے آتے اور نہ حق و باطل کا یہ بے مثال معرکہ نمودار ہوتا جو اخلاق اور بداخلاقی کے پرکھنے کے لیے کسوٹی بن گیا۔ اس لیے اصحابِ حسینؑ کو حسینؑ سے الگ کر کے دیکھنا اُن کی شخصیت کے صحیح خدوخال ہماری نگاہوں سے پوشیدہ کر دے گا۔ اسی آفتاب نے انھیں منور کیا تھا، اسی سرچشمہ فیض نے انھیں توانائی بخشی تھی۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ واقعی اسی بچی ہوئی مٹی سے بنائے گئے تھے جس سے حسینؑ کا پیکرِ عظمت تیار ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رفتار و گفتار میں، عزائم اور عقائد میں، مقاصد اور خیالات میں، خواہشِ مرگ و حیات میں کردارِ حسینی کی

جھلک ملتی ہے اور وہ نہ صرف واقعہ کربلا کا بلکہ حسینؑ کے مقصدِ حیات کا ایک جزو بن جاتے ہیں۔ ایسی عظیم الشان شخصیت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی طاقت انھیں میں تھی۔ موت پر یقین کے باوجود شکوہ کا ایک لفظ زبان پر لائے بغیر اس طرح ثابت قدم رہنا انھیں کا کام تھا۔ وہ حسینؑ کے لیے باعثِ فخر تھے اسی وجہ سے تو امامؑ نے اپنی زبان سے اُن کی تعریف و توصیف کی۔ یہ اُن کی عظمت کے لیے اتنی بڑی سند ہے کہ اس کے بعد کسی اور کے کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ان کے کرداروں کا حسین ترین پہلو جو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا اُن کی وہ انفرادیت ہے جو اتنے بڑے واقعے کے ہنگاموں میں اور عظیم المرتبت اعزائے حسینی کی قربانیوں کے باوجود ماند نہیں پڑی۔ اس کا سمجھنا اور پرکھنا ہی ان کے مقامِ عظمت کا پہچاننا ہے۔

اگر امام حسینؑ کے ان جاں نثاروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جو کربلا میں اُن کے ساتھ کام آئے تو بعض عجیب اور غور طلب پہلو پیدا ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں اصحابِ حسینؑ کہا جاتا ہے کون تھے؟ چند اہم نام یہ ہیں:-

مسلم ابنِ عوسجہ، حبیب ابنِ مظاہر، بریر ہمدانی، ہلال ابنِ نافع، زہیرِ قین، ابوثمامہ صائدی، عابس شاکری، عبداللہ بن عمیر کلبی، سعید ابنِ عبداللہ، جون غلام ابوذرغفاری، شوذب غلام عابس، وہب ابنِ عبداللہ، حضرت حُرؑ۔ یہ وہ اصحابِ حسینی ہیں جن کے نام بار بار آتے ہیں اور ان کے متعلق کسی قدر تفصیلات بھی دی جاتی ہیں۔ واقف ہونے کی بات ہے الگ، کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام حسینؑ سے کبھی پہلے زہیرِ قین یا حُر یا وہب ابنِ عبداللہ کی ملاقات رہی ہوگی۔ قرائن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ زہیرِ قین سے حج کے بعد مکّے اور

کربلا کے راستے میں ملے، حرّ سے کوفے کی راہ میں ملاقات ہوئی، وہب ابنِ عبداللہ کلبی سے پہلی بار روزِ شہادت میدانِ کربلا میں ملنے کی صورت پیدا ہوئی۔ اس کے برعکس حبیب ابنِ مظاہر تھے جنھیں ''بچپن کا دوست'' کہا جاتا ہے اور مسلم ابنِ عوسجہ تھے جنھیں کسی موقعے پر حضرت علیؑ نے ''بھائی'' کہہ کر مخاطب کیا تھا (اس سے حضرت مسلم ابنِ عوسجہ کی عمر کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے) انھیں بھی یقیناً امام کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں جب امام حسینؑ کا قیام کوفے میں تھا اس وقت بھی کچھ ایسے لوگوں سے ذاتی تعلقات قائم ہوئے ہوں گے جو بعد میں امام کے ہمراہ شہید ہوئے۔ چند ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے حج کے موقعے پر ملاقات ہوئی ہو یا جوشِ عقیدت میں مدینہ آ کر زیارت کر گئے ہوں۔ ان باتوں کی طرف اس لیے متوجہ کرنا ضروری ہے کہ اُس قوتِ اثر و نفوذ کا اندازہ ہو سکے جو حسینؑ کی ذات اور مقصد سے بجلی کی طرح دوسروں تک پہنچ رہی تھی اور ان کو اسی سانچے میں ڈھال رہی تھی۔ اصحاب کے انتخاب اور ان کے متعلق رائے قائم کرنے میں امام حسینؑ نے جو مردم شناسی ظاہر کی وہ اصحاب کے لیے زبردست سندِ عظمت ہے۔

امام حسینؑ کے سوا یہ کون جان سکتا تھا کہ زہیرِ قین کے دل میں حق و باطل کے متعلق فیصلہ کرنے میں کیا رکاوٹ ہے، کس قسم کی اُلجھن ہے، کون سا پردہ ہے جو اُٹھائے نہیں اُٹھتا۔ اسی تذبذب کے عالم میں وہ امام حسینؑ سے دور دور اپنی راہ طے کر رہے ہیں۔ ان کے دل کے اندر امام حسینؑ کے سوا اور کوئی جھانک کر نہ دیکھ سکا کہ وہ آخری فیصلے کے لیے کس اشارے کے منتظر ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت تک زہیرِ قین اُس گروہ میں گنے جاتے تھے جو حضرت علیؑ کا مخالف تھا۔

اگر ان کے اندر تبدیلی نہیں ہو رہی تھی تو وہ امام حسینؑ سے بچ بچ کر لیکن پھر بھی تھوڑے ہی فاصلے پر کیوں پڑاؤ ڈالتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ مکے میں خانۂ کعبہ کے اندر امام حسینؑ کے قتل کا جو اہتمام کیا گیا زہیرِ قین کو اس واقعے نے متاثر کیا ہو، ہو سکتا ہے کہ زوجہ نے اُن کے تذبذب میں اضافہ کیا ہو کیونکہ جیسے ہی امام حسینؑ نے زہیر کو بلا بھیجا زہیر گھبرا گئے۔ یہ گھبرانا بالکل نفسیاتی تھا۔ اُن کی اندرونی کشمکش کا راز حسینؑ کو معلوم ہو گیا تھا، فیصلے اور نئی سمت میں قدم اُٹھانے کی اُلجھن ہمیشہ بڑی قوت آزما ہوتی ہے اس لیے جب امام حسینؑ نے بلایا تو انھیں زوجہ کی پُرجوش اخلاقی تحریک کی ضرورت پڑی۔ ''حیرت ہے کہ رسولؐ کا نواسہ بلائے اور تمھیں جانے میں پس و پیش ہو''۔ اگر سارے واقعے کا مطالعہ نفسیاتی نقطۂ نظر سے کیا جائے تو بڑے معنی خیز پہلو پیدا ہوں گے جن کے متعلق قرائن اور واقعات کی بنیاد ہی پر رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ بہر حال عام انسانی فہم کے لیے یہ ایک زبردست معمہ ہے کہ زہیرِ قین امام حسینؑ کے پاس پہنچے تو اُن سے کیا گفتگو ہوئی۔ مختصر سی گفتگو لیکن نتیجے کے لحاظ سے لاکھوں منطقی دلائل پر بھاری۔ زہیر حسینؑ کے پاس سے اُٹھے تو ان کی تقدیر بدل چکی تھی، زندگی کا نقشہ بدل چکا تھا، انجام نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا کیونکہ زوجہ کو طلاق دیتے وقت یہ خیال بھی ظاہر کر دیا تھا کہ میں چاہتا ہوں تم میرے بعد قید و بند کی تکلیفیں نہ اٹھاؤ۔ زہیرِ قین بہادر تھے، عالم تھے، اموی اندازِ نظر سے واقف تھے، فوراً سمجھ گئے کہ مستقبل میں کیا کیا ہونے والا ہے۔ اُن کی اس تبدیلی میں اُن کی پاکیزگیِ نفس کا بھی ہاتھ ہے اور حسینؑ کی نگاہِ کیمیا اثر کا بھی۔ ہر دھات سونا نہیں بن سکتی۔ زہیر میں ساری صلاحیتیں موجود تھیں، موقع آیا تو پوری آب و تاب سے نمایاں ہو گئیں۔ اب وہ

اپنی نگاہِ امتیاز اور اپنے خلوص کے مطابق امام حسینؑ کو ہر قدم پر مشورہ دے رہے تھے۔ عام نقطۂ نظر سے یہ سارے مشورے بے حد مفید تھے لیکن امامؑ کے مخصوص تصورات میں اُن کی شکلیں کچھ اور تھیں اس لیے امام اپنا نقطۂ نظر پیش کر کے انھیں اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے۔ مثلاً جب حر کے مختصر لشکر نے امام حسینؑ کا راستہ روک دیا اُس وقت زُہیرِ قین نے فوجی مصالح کے خیال سے بالکل صحیح مشورہ دیا کہ حر کی فوج سے لڑ لیا جائے اور قیام ایسی جگہ کیا جائے جہاں حفاظت میں آسانی ہو لیکن امام نے حر سے لڑنا مناسب نہیں سمجھا اور خیمے ایک بے آب و گیاہ میدان میں نصب کرائے۔ امام کا نقطۂ نظر معلوم ہو گیا تو کہیں نہیں ملتا کہ زہیرِ قین نے اپنی رائے پر اصرار کیا ہو۔

یہی صورت حرؑ کے ساتھ پیش آئی۔ حر کا فوج لے کر آنا، امام حسینؑ کو کوفہ جانے، مدینے کی طرف پلٹنے یا کسی اور جانب قدم اُٹھانے سے روکنا تاریخوں میں تفصیل سے مل جاتا ہے۔ حر کی ابتدائی تاریخ کیا تھی یہ نہیں معلوم بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی جنگ آزمودہ اور بہادر فوجی افسر تھے اس لیے امام حسینؑ کے ساتھ اُن کا جو طرزِ عمل تھا اُس میں نرمی کم سختی زیادہ تھی، سختی کا ہونا فطری تھا لیکن یہ نرمی کیوں تھی؟ یہ کس جذبے کی ابتدا ہو رہی تھی؟ یہ نرمی کس رجحان کی غماز تھی؟ کچھ ضرور تھا جسے حسینؑ نے دیکھ لیا اور وہ برتاؤ نہیں کیا جو مخالف کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ چند دن کی کشمکش کے بعد ظاہر ہوا۔ حر کے قلب و دماغ نے آخری فیصلہ کرنے تک کتنی منزلیں طے کیں، اپنے ضمیر سے کتنے سوال جواب کیے اور غیر معمولی تبدیلی کے لیے خود کو کس طرح تیار کیا، ان تفصیلات کا مکمل علم کسی کو نہیں، بس فیصلے کی آخری رات کے بعض مرقعے واقعات کے آئینے

میں دکھائی دے جاتے ہیں۔ نفسیاتی جائزہ لینے والا اُس سے بہت سے نتائج اخذ کرسکتا ہے لیکن جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہی ہے کہ زہیرِ قین کی طرح حر نے بھی اپنے ضمیر کے اندر کوئی زبردست روشنی دیکھی اور زندگی، ظاہری عزت اور اعزا کے مقابلے میں موت اور ظاہری شکست کو ترجیح دی۔ حر ایک شکم سیر، فتح کے یقین سے سرشار، لاتعداد جماعت سے نکل کر بھوکے پیاسوں کی مختصر سی جماعت میں شریک ہوگئے تاکہ مرنا خوشگوار ہو اور اپنی شجاعت، ضمیر کی پاکیزگی اور قوتِ فیصلہ کی انفرادیت باقی رہے اور دنیا میں اُن محیر العقول نفوس کا اضافہ ہو جو اس عالم میں بھی حق کو باطل سے الگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حبیبؓ ابنِ مظاہر جس انداز سے کوفے کا فوجی حصار توڑ کر نکلے اور جس طرح حسینؑ کے پاس پہنچ گئے وہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ حسینؑ انھیں مردِ فقیہ اور صاحبِ کردار کہتے تھے۔ اہلِ بیتِؑ رسولؐ اُن کی موجودگی میں اپنے کو محفوظ سمجھتے تھے۔ حسینؑ کا دل بھی اُن سے قوی تھا اسی لیے تو خط لکھ کر بلایا تھا۔ حبیب نے اپنے صاحبِ کردار ہونے کا ثبوت اسی وقت دے دیا جب ابنِ نمیر نے امام کی عبادت کے متعلق نازیبا الفاظ منھ سے نکالے۔ یہ اُن کے علم و فضل کی آزمائش کا موقع بھی تھا اور غیرت کے امتحان کا بھی چنانچہ انھوں نے اس دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہا جہاں لوگ اپنے آقاؤں کی خوشنودی اور چند سکوں کے حاصل کرنے کے لیے بہترین انسان کا مذاق اُڑا سکتے تھے۔

مسلم ابنِ عوسجہ کوفے کے جنگ آزمودہ بہادروں میں سے تھے جن پر حضرت مسلم ابنِ عقیل کو بھی بھروسہ تھا۔ اس بوڑھے مجاہد کا جوش اور ولولہ اس وقت کردار کی اعلیٰ ترین بلندی کا پتہ دیتا ہے جب شبِ عاشور امام حسینؑ نے اپنے

دوستوں اور عزیزوں کو مشورہ دیا کہ وہ چاہیں تو اُن کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں۔
اُن کی جنگ ایک بہادر مبلّغ کی جنگ تھی۔ جب نزع کی حالت میں حبیب ابنِ
مظاہر قریب پہنچے تو جو فقرے مسلم کی زبان سے نکلے وہ کربلا کے المیے میں
زبردست رنگ بھرتے ہیں۔ بوڑھا مرنے والا کہتا ہے کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم
میرے بعد زندہ رہو گے تو حبیب میں تم سے کچھ وصیت کرتا لیکن جانتا ہوں کہ
میرے بعد تم بھی آ رہے ہو اس لیے کیا وصیت کروں مگر پھر بھی دیکھو جب تک
جان میں جان ہے حسینؑ سے غافل نہ رہنا اور اُن کی نصرت میں کمی نہ کرنا۔ اس
اطمینانِ قلب کی مثال مشکل ہی سے کہیں نظر آسکتی ہے جب کہ میں نے عرض کیا
ہے اصحابِ حسینؑ میں سے ہر ایک اپنی منفرد ہستی رکھتا ہے۔ اس کے کردار میں
کوئی ایسا پُرسحر بانکپن ہے جو اُسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ بُریرِ ہمدانی حافظِ
قرآن ہیں، عابد و زاہد ہیں، قاری ہیں اور جب جنگ سے پہلے بولتے ہیں تو فوجِ
مخالف کو سنا کر کہتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے
مسلمان محفوظ رہیں۔ یہ ابد الآباد تک کے لیے مسلمان کی ایک ممتاز خصوصیت کا
اعلان ہے۔ اس وقت اتنے کم لفظوں میں اتنی بڑی حقیقت کا بیان کر دینا بُریر ہی
کا کام تھا۔ واقعاتِ کربلا کا مطالعہ کرنے والا دیکھے گا کہ حسینؑ کے موقف کو
سمجھانے، حالات کو بہتر بنانے اور پُرامن راہ اختیار کرنے کی جیسی جد و جہد بُریر
ہمدانی نے کی اُس سے امام حسینؑ کا مقصد روزِ روشن کی طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔
بشیر حضرمی اپنے گرفتار بیٹوں کو چھڑانے کے لیے نہیں جانا چاہتے کہ شہادت کی
دولت سے محروم رہیں گے۔

اقدارِ حیات کی ترازو پر اس طرح مرنا بیٹوں کو آزاد کرانے سے زیادہ وزنی

تھا ورنہ بشیر عام انسانوں سے کس طرح الگ ہوتے اور اُن کے فیصلے کی کیا انفرادیت رہ جاتی! جابر ابنِ عروہ غفاری نے اسی ۸۰ سال کی عمر میں یہ فیصلہ کیا کہ حسینؑ پر جان نثار کر کے اسلام کے صحیح خط و خال کا پیش کرنا ہی حیاتِ جاوداں ہے۔ وہ جنگِ بدر میں شریک ہو چکے تھے اور نصف صدی سے زیادہ کے نشیب و فراز اُن کی نگاہوں میں تھے۔ اتی سال کی عمر میں یہ فیصلہ جذباتی نہیں ہو سکتا تھا۔

کس کس کا ذکر کیا جائے ان میں سے ہر ایک کی ادا دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ہلال ابنِ نافع سائے کی طرح حسینؑ کے ساتھ ہیں، عابس شاکری اپنی زرہ اُتار کر پھینک دیتے ہیں اور تلواروں کے زخم کھانے کو سعادت سمجھتے ہیں، جونؔ اپنی صاف گوئی سے حضرت ابوذر غفاری کی یاد دلاتے ہیں اور اسلام کے اس اصول کو اپنے خون سے لکھ دینا چاہتے ہیں کہ اچھے مقصد کے لیے قربانی دینے میں احمر و اسود کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔

یہ چند مرقعے ہیں جو پیش کیے گئے۔ ان اصحاب نے امام حسینؑ کے مقصدِ حیات پر صداقت کی مہر لگائی۔ ان کے دلوں میں ایک بار بھی یہ شک نہیں گزرا کہ اس زندگی سے بہتر کوئی اور زندگی ہے، زندگی ان پر بار نہیں تھی۔ وہ بھی جینا اور فطرت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے لیکن خوب سے خوب تر کی جستجو انھیں اس منزلِ شہادت پر لے آئی تھی۔ مرنا جینا تو لگا ہی رہتا ہے، انھوں نے اپنے طرزِ عمل سے موت اور شہادت کو معنویت عطا کی۔ امام حسینؑ ان کے لیے کہہ سکتے تھے کہ یہ لوگ انھیں سے ہیں اور انھیں کے لیے ہیں۔

گریز راز صفِ ماہر کہ مردِ غوغا نیست  کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

حسینؑ کے چھوٹے سے قبیلے کے یہی تیور تھے۔

جی نہیں مانتا کہ جناب ریاض علی بنارسی مرحوم، صاحبِ "شہیدِ اعظم" کو خراجِ عقیدت پیش کیے بغیر اس بے ربط مضمون کو ختم کردوں۔ مرحوم نے انصارِ حسینؑ کے لیے جو چند جملے لکھ دیے ہیں اُن کی قوت اور زور کو دوسرے الفاظ میں پیش کرنا میرے امکان میں نہیں ہے۔ لکھتے ہیں۔

"ان کا شوقِ شہادت، ایک دوسرے پر سبقت کرنا، اُن کا ایسے وقت حفظِ مراتب کا خیال، اُن کا زندگی سے متنفر ہونے کی حد تک متنفر ہوجانا اس لیے کہ اچھے لوگوں کے گردوپیش کے حالات اُن کی برداشت کی حد سے باہر ہوئے تھے ایسی حالتیں ہیں جو متصور دماغ کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور وہ یہ سوچتا ہے کہ کیا اس کا خواب بھی دیکھا جاسکتا تھا کہ انھیں اس خلوص، حق روی اور جانبازی کے عوض میں کسی دنیاوی آسائش کی امید تھی۔ ان کی عظمت میں اور زیادتی ہوتی ہے جب اس پر غور کیا جاتا ہے کہ ان میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جو بڑے عابد اور زاہد تھے اور جن کے تقدس کا خود فریقِ مخالف معترف تھا۔ اس کے برعکس حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دینے پر دنیا کی دلفریبیاں، مال وجاہ کے حوصلے اور زندگی کے اقرار کیے گئے تھے لیکن ان بندگانِ حق کے لیے حسینؑ کی لب تشنہ اور فاقہ کش ذات سب کچھ تھی۔ انھوں نے فاقہ، پیاس اور شہادت گوارا کی اور دشمنوں کے وعدوں کو اُن کے منھ پر کھینچ مارا کبھی حق و باطل کے تصفیے اور پسند کے لیے انسانی ارادے کو ایسا روکھا وقت نہیں ملا۔ مرقعے کھنچ جائیں گے جن میں نئی دلھن اپنے شوہر کو حسینؑ پر صدقے ہونے کے لیے بھیج رہی ہے، شوہر اپنی بیویوں کو طلاق دے رہے ہیں اس لیے کہ اپنے شہید ہونے کا یقین ہے۔ عورتیں اپنی اس شرعی مجبوری پر کہ انھیں اجازتِ جہاد نہیں ہے تاسّف کرتی ہیں، مائیں اپنے بچوں کی محبت

بھول گئیں اور اپنے لختِ جگر کو آغوش سے کھینچ کر حسینؑ پر صدقے ہونے کے لیے بھیج رہی ہیں اور دودھ بخشنے کی شرط زخم کھانا اور شہید ہونا قرار دے رہی ہیں، باپ اپنے بیٹے کو آنکھ کے سامنے دم توڑتے دیکھتا ہے اور اس کی اس پُرغم ادا پر مرحبا کہتا ہے، کمر شکستہ بوڑھے رعشے دار ہاتھوں سے تلواریں اٹھا رہے ہیں، بچے قتل ہو رہے ہیں جن کے ادنیٰ ایذا دینے کے خیال پر دنیا کا سب سے بڑا بے رحم نامرد شرمائے گا"۔

اصحابِ حسینؑ، حسینؑ کے ساتھ زندہ ہیں۔ غالبؔ کی زبان میں اُن کے قدیم اور جدید مخالفوں سے کہا جا سکتا ہے۔

مت ہو جیو اے سیلِ فنا! ان سے مقابل
جاں بازِ الم، نقش بد امانِ بقا ہیں

# شہیدوں کی باتیں ۔۔۔ زندگی کے راز

علامہ نجم آفندی

## مقصد:

میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کر رہا ہوں، نہ یہ میرا کوئی دماغی کارنامہ ہے۔ یہ تمام اقوال تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان بچوں اور نوجوانوں کی نظر سے گزرے ہوں گے جنھیں اپنی قومی تاریخ کے مطالعے کا شوق ہے۔ مگر نگاہیں شاید ہی اُن مقامات پر ٹھٹکی ہوں اور تاریخ کی دلچسپی اور کتاب کے حجم نے اُن پر غور کرنے کا موقع دیا ہو۔

میں شرافتِ نفس کے ان زرّیں کارناموں کو تاریخی ضخیم کتابوں کی دبازت سے نکال کر چند مختصر صفحات میں قوم کے نونہالوں کے سامنے لایا ہوں کہ وہ انہیں دیکھیں اور غور کریں اور ممکن ہے کہ کوئی اچھا نتیجہ نکلے۔

رسالتِ مآب کے نواسے علیؑ و فاطمہؑ کے لختِ جگر حسنؑ سبز قبا کے قوّتِ بازو کائنات کے فاتحِ اعظم، کربلا کے شہید، حسینؑ مظلوم کا یہ قول ہے:

''عزّت کی موت ذِلّت کی زندگی سے بہتر ہے''

ایک ایسا کلمۂ ہدایت ہے جس کے لئے نسلِ انسانی، تا قیامت شکر گزار رہے گی۔ مَیں اسی عدیم المثال قول سے شہیدوں کی باتوں کا افتتاح کر رہا ہوں۔

## احساسِ فرض

حسینؑ کا قاصد قیس ابنِ مسہر صیداوی جو اہلِ کوفہ کے نام حسینؑ کا خط لایا تھا گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔

حکم ہوا محل کی چھت پر چڑھ کر حسینؑ کو بُرا کہو جان بخش دی جائے گی۔

قیس بالا خانہ پر چڑھ گیا، تقریر شروع کی:۔

''حسینؑ بہترینِ خلق ہیں۔۔۔۔ان کی اطاعت کرو۔''

یہ جوان مرد بالا خانہ سے گرا کر مار ڈالا گیا۔ خط نہ پہنچا سکا تو کس خوبصورتی سے زبانی اپنا فرض ادا کر کے جان دی ہے۔ حسینؑ کے اس جان نثار نے فرض کی اہمیت بتائی۔

## اخلاقی جُرأت

ابنِ زیاد نے حسینؑ کو لکھا:

''یزید کی بیعت کرو، ورنہ مَیں اُس کے حکم کی تعمیل میں تمہیں قتل کراؤں گا۔''

حسینؑ نے خط پڑھ کر کہا۔

''وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جو بندوں کی رضا مندی کے لئے خُدا کو ناراض کرتی ہے۔''

اِس دَور میں یہ ارشاد ہر زمانہ سے زیادہ قابلِ غور ہے۔ یہ اخلاقی جُرأت کا سبق نفسِ انسانی اور شرافت وغیرت میں واسطہ پیدا کرتا ہے۔

## رمزِ حقیقت

کربلا کے راستہ میں ایک روز علی اکبرؑ نے حسینؑ کے چہرۂ مُبارک پر فکر کے

آثار دیکھ کر پُوچھا۔

''بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں''

''بلاشُبہ ہم حق پر ہیں۔'' حسینؑ نے فرمایا:

اب علی اکبرؑ کے الفاظ سُنو۔

''پھر کچھ پرواہ نہیں خواہ موت ہماری طرف آئے یا ہم موت کی طرف جائیں۔''

نوجوانو! تمہارے اٹھارہ سال کے نوجوان لیڈر نے اِن لفظوں میں یہ مسلّمہ اُصول بتایا ہے کہ

''جو حق پر ہوتے ہیں وہ موت سے نہیں ڈرتے!''

## پیغامِ امن

جب حُر کے لشکر نے حسینؑ کا راستہ روکا ہے تو زہیر قین نے مشورہ دیا:

''اس وقت ان سے جنگ کر لینا آسان ہوگا۔ پھر یزیدی لشکر ٹِڈّی دَل کی طرح آجائے گا۔''

حسینؑ نے کہا:

''ہم جنگ کی ابتداء نہیں کریں گے۔''

بچو! اگر تم میں حُسینیت ہے تو یہ اخلاقی تعلیم ہمیشہ تمہیں لڑائی کی ابتداء کرنے سے باز رکھے گی!

## زرّیں سبق

عروہ غفاری رسالت مآب کے ایک بُوڑھے صحابی جو حسینؑ پر جان فدا کرنے کے لئے زندہ تھے۔ عمرِ سعد کے خیمہ میں گئے مگر اُسے سلام نہ کیا۔

''تم نے مجھے امیرِ لشکر نہ سہی مسلمان ہی سمجھ کر سلام کیا ہوتا''

عُمرِ سعد نے عُروہ غفاری سے کہا۔

جواب ملا:

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مُسلمان محفوظ رہیں!''

یہ مرنے والا ایک جُملے میں حیاتِ اسلامی کا بہترین اُصول بتا گیا۔

حسینؑ کے نوعُمر سوگوارو! تم بھی ایسے ہو سکتے ہو کہ تُمہارا ایک لفظ کتابوں پر اور ایک جُنبش لشکروں پر بھاری ہو۔

## تاریخی انگڑائی

زہیر قین نے عباسؑ کو اُن کا فرض یاد دلانے کے لیے پُوچھا ''یا ابا الفضل آپ کو معلوم ہے آپ کے پدر، بزرگوار کی نظر میں آپ کی ولادت کا مقصد کیا تھا۔''

عباسؑ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ ''زہیر تُم مُجھے جوش دلاتے ہو۔''

ایک انگڑائی لی، شیر کی سی انگڑائی تھی۔ چٹ چٹ دونوں رکابوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔

دُوسرے دِن فرات کے کنارے زمین وآسمان نے عباسؑ کی بہادری دیکھ لی۔

یہ ہیں ہماری قوم کے بہادر جن کی انگڑائیاں تاریخ میں محفوظ ہیں۔

## جانِ ایمان

حسینؑ کے سوتیلے بھائی عباسؑ اور عباسؑ کے تینوں حقیقی بھائیوں کے لئے اُن کے ایک ننھیالی رِشتہ دار نے کُوفہ سے امان نامہ بھجوایا تھا۔

عباسؑ اور اُن کے بھائیوں نے قاصد سے کہا:

''ہم کو تمہاری امان کی ضرورت نہیں۔ خُدا کی امان چاہئے۔''

اِس جُملہ میں حق پرستی، وفاشعاری، فرض شناسی، کتنے سبق ہیں۔

عباسؑ نے کس شان کے ساتھ حسینؑ پر جان دی ہے۔

سوتیلا تھا ایسا کہ سگا بھائی نہ ہوگا

## حُسنِ انتخاب

شمر ملعون نے زُہیر قین سے کہا:-

''اللہ تعالیٰ تجھے عنقریب شربتِ مرگ پلائے گا۔''

زُہیر قین کا جواب سُنو:

''تُو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم تیرے ساتھ کی حیاتِ ابدی سے حسینؑ کے ساتھ مرجانا بہتر ہے۔''

حق و ناحق کے مسئلہ میں ایسا دلیرانہ فیصلہ ایسا دندان شکن جواب ایسے خوبصورت الفاظ کا انتخاب حسینؑ ہی کے کسی جاں نثار کا کام ہوسکتا ہے۔

## عرضِ عقیدت

انصار، حسینؑ میں سے سیف ابن الحرث اوران کا بھائی مالک اجازتِ جنگ کے لئے روتے ہوئے حاضر ہوئے۔

حسینؑ نے رونے کا سبب پُوچھا:-

عرض کیا ''ہم اپنے لئے نہیں روتے۔ اس پر روتے ہیں کہ اپنی جان دے کر بھی آپ کو نہیں بچا سکتے۔''

یہ ہے سچی محبت اور موتی جیسے کھرے آنسو!

# حضرت امام حسینؑ کے اصحاب

## مولانا سید محمد باقر (مدیر "اصلاح")

بہترین اصحاب تھے، وہ اہل وعیال، احباب وانصار سے جدا ہوئے، حضرت کی محبت میں بہادروں کی طرح لڑے اور میدانِ جنگ میں یہ کہتے ہوئے کود پڑے ہماری جانیں آپ پر قربان، ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں سے حضور کی حفاظت کریں گے۔ اس قیامت کے وقت میں ایک دوسرے سے ہنسی دل لگی کرتے تھے، موت کی ذرہ برابر پروانہ کرتے تھے، نہ یہ ڈر تھا کہ دشمن ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے جب حضرت نے اصحاب کو اجازت دے دی کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں تو انھوں نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا اور خدا کی قسم کھائی کہ ہم ہرگز حضور کو تنہا نہ چھوڑیں گے، ان کے یہ فقرے تاریخ عالم میں یادگار ہیں کہ:-

"کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسے وقت میں کہ دشمن نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا ہو، ہم آخر خدا کو کیا منہ دکھائیں اور آپ کے حقوق کے متعلق جب سوال ہوگا تو ہم کیا جواب دیں گے"۔

بعض اصحاب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے ہرگز ایسا نہ ہوگا، میں اُس وقت تک حضور کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا جب تک میں دشمنوں کے سینوں میں اپنے نیزے نہ توڑ دوں اور جب تک میرے ہاتھوں میں تلوار کا قبضہ رہے اُن پر شمشیر

زنی نہ کرلوں اور اگر کوئی ہتھیار جنگ کے لیے باقی نہ رہے تو میں انھیں پتھر دوں سے ماردوں گا۔ میں آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا یا پھر آپ کے ساتھ مرجاؤں گا۔

بعض اصحاب کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں اور ہر مرتبہ زندہ رہوں اور آپ کی آئی مجھے آجائے۔ خدا آپ سے، آپ کے اہلِ بیتؑ سے دشمنوں کو دفع کر دے۔ بعض اصحاب فرماتے تھے کہ مجھے درندے زندہ کھا جائیں اگر میں آپ سے جدا ہوں۔ حق تو یہ ہے کہ جیسا ان باوفا اصحاب نے کہا ویسا ہی کر کے دکھایا بھی۔ وہ جب تک زندہ رہے حسینؑ کو خراش نہ پہنچنے دی۔ بعض اصحاب نے تو اپنے کو حسینؑ کی سپر بنا رکھا تھا۔ حضرت کی طرف جو تیر آئے بڑھ کر اپنے سینوں پر روک لیتے تھے۔ ان اصحاب نے روزِ عاشورہ ایسی شجاعت کا مظاہرہ فرمایا جس کی مثال نہیں دیکھی گئی۔ حضرت کے مختصر لشکر میں صرف ۳۲ سوار تھے مگر وہ ۳۲ سوار لشکرِ شام کے جس حصے پر ٹوٹ پڑتے فوجوں کے قدم اُکھڑ جاتے۔ (ترجمہ از اعیان الشیعہ)

# انصارِ حسینؑ کی نادرروزگار جماعت

سیّد امیر حیدر رضوی (مہابن)

تاریخ کے دفتر دیکھ ڈالئے، اُس کے صفحات کے صفحات اُلٹ جایئے کوئی قائد، کوئی رہنما، کوئی ہادی، کوئی پیشوا، کوئی لیڈر، کوئی جنرل آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس نے اتنی قلیل مدت میں اور ایسے نامساعد حالات میں ایسے مختلف الخیال، ایسے مختلف الطبائع اور ایسے مختلف العمر لوگوں کی کوئی ایسی جماعت بنائی ہو جو اتنی ہم آہنگ، ہم رنگ، ہم خیال، ایک دل اور ایک جہت ہو جتنی امام حسینؑ کے انصار کی وہ مختصر سی جماعت تھی جس کو لے کر آپ میدانِ کربلا میں داخل ہوئے۔ کہیں اور دور کیوں جایئے تاریخِ اسلام کے اُس دور کی داستان ہی کو ایک نظر اُٹھا کر دیکھ لیجئے جس کو عام طور سے زرّیں کہا جاتا ہے اور جو پیغمبرِ اسلام کے عہدِ مبارک سے متعلق ہے۔ رسولؐ نے کتنی سرتوڑ کوششیں کیں، کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں، کتنا کتنا لوگوں کو سمجھایا ایک دو دن نہیں پورے بیس برس لیکن اس تمام جانکاہی کے بعد جو کچھ حاصل ہوا اس کو میری اور اپنی نگاہ سے نہیں بلکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ رسولؐ کی تعلیم کا پرتو معدودے چند نفوس کو چھوڑ کر بقیہ لوگوں پر پوری طرح سطحی بھی نہیں پڑا تھا۔ بیعت پر بیعت لی جاتی تھی، مالِ غنیمت کی امیدیں دلائی جاتی تھیں، جنت کی خوشخبریاں سنائی جاتی تھیں پھر بھی میدانِ کارزار میں لوگوں کے قدم نہیں جمتے تھے۔ اب ان تمام

باتوں کو فطرت انسانی کی کمزوری کہہ کر نظر انداز کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر اس کو کیا کہیے گا کہ رسولؐ کی وہ سیدھی سادھی تعلیم بھی جو توحید الٰہی، عبادات اور مکارم اخلاق سے متعلق تھی اس کا بھی کوئی گہرا اثر خود ان لوگوں کے دلوں پر نہیں ہوا جو رسولؐ کے دربار کے ہر وقت کے حاضر باش کہے جاتے تھے۔ نماز جیسے اسلام کے ضروری رکن کا یہ حال تھا کہ لوگ رسولؐ کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے تھے لیکن ادھر رسولؐ سجدے میں گئے اور ان میں سے بہت سے کھسک گئے۔ کوئی عورت اگر جماعت میں شریک ہو جاتی تو لوگ اس کے نزدیک پہنچنے کے لیے صفوں کو درہم و برہم کر ڈالتے تھے۔ کوئی کاروان تجارت یا کوئی تماشہ والا اگر نماز کے وقت آ جاتا تو پوری جماعت رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر مسجد سے باہر نکل آتی اور یہ سب کوئی نوخیز اور نو مسلم بھی نہ تھے بلکہ وہ سن رسیدہ حضرات تھے جو رسولؐ کی خدمت میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزار چکے تھے اور یہ اُس وقت کے واقعات ہیں جب رسولؐ مدینہ میں اقامت گزیں ہو چکے تھے اور اپنی تعلیم کے دس پندرہ برس پورے کر چکے تھے۔

رسولِ اسلام نے جس وقت دنیا سے رحلت کی اُس وقت مسلمانوں کی تعداد دو ڈھائی لاکھ سے اوپر ہی ہوگی۔ مدینہ مرکزِ اسلام تھا۔ وہی ایسی جگہ تھی جہاں سب سے زیادہ مسلمان آباد تھے اور چونکہ ان کو ہی سب سے زیادہ رسولؐ کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملتا تھا اس لیے اسلام کی حقیقی نمائندہ انھیں کی جماعت سمجھی جاتی تھی۔ مگر تاریخ اس افسوسناک حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکی کہ رسولؐ کی وفات کے وقت بھی مدینے کی بیشتر آبادی کا حصہ منافقین ہی پر مشتمل تھا۔ اگر ان میں اُن لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کا علم صرف خدا اور رسولؐ کو تھا تو نہیں کہا

جاسکتا کہ پھر منافقین کی تعداد کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔ اس سے زیادہ تلخ حقیقت کا انکشاف حدیثِ حوض سے ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن گنے چنے لوگوں میں بھی جن کو خود رسولؐ آخر دم تک مسلمان سمجھا کئے بہت سے نام کے ہی مسلمان تھے۔ وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اس حقیقت سے اس لیے چشم پوشی کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے سے رسولؐ کی تعلیم کی تنقیص ہوتی ہے۔ حقیقت تو حقیقت ہی رہے گی اس سے کتنی ہی چشم پوشی کیوں نہ کی جائے۔ رسولؐ کا کام تو صرف اتنا تھا کہ دنیا کے کانوں تک خدا کا پیغام پہنچا دیں وہ انھوں نے پہنچا دیا اور بہ حسن وخوبی پہنچا دیا، خود کو مصیبت اور آلام میں مبتلا کر کے پہنچا دیا، اپنے عیش وآرام کو خاک میں ملا کر پہنچا دیا۔ اب اگر کسی کے دل پر اُس تعلیم کا کچھ اثر نہیں ہوا تو یہ انھیں بدبختوں کی طینت اور ان کی طبیعت کی کھوٹ ہے۔ جن نفوسِ قدسیہ میں کسبِ فیض کی صلاحیت تھی انھوں نے حسب مراتب فیض بھی حاصل کرلیا جنھوں نے ایسا کیا ان کے کردار رسولؐ کے کردار کے مماثل اور ان کی سیرتیں رسولؐ کی سیرت کی ہو بہو تصویریں بن گئیں لیکن یہ جو کہو کہ پوری کی پوری جماعت یک جہت، یکدل، ہم آہنگ اور ہم خیال ہوگئی تو ایسا ہرگز نہیں ہوا یہ جو اُس وقت کے اسلام میں ایک جماعتی رنگ نظر آرہا تھا یہ سب حضرت صلعم کے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ تھا۔

انفرادی حیثیت سے بھی اگر دیکھو تو سو میں کوئی دو ایک ہی ایسے مشکل سے نکل سکتے ہیں جو اسلام کی ہوا خواہی کا دم پورے طور پر بھر سکتے تھے۔ وہ لوگ بھی جن کو رسولؐ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا پورا موقع ملا ہے جب کبھی اسلام پر بُرا وقت آیا ہے تو اسلام کی حمایت میں سینہ سپر ہو کر نکلنے سے کترا گئے ہیں۔ انسؓ بن

مالک سے زیادہ رسولؐ کی صحبت میں رہنے کا کس کو اتفاق ہوا ہوگا۔ برسوں رسولؐ کی کفش برداری کی لیکن جب بنی اُمیہ کے دورِ امارت میں شعائرِ اسلامی کی عام طور سے بربادی ہونے لگی اور روایاتِ اسلام کی علی الاعلان تحقیر اور تذلیل کی جانے لگی تو کہا جاتا ہے کہ حضرت انس کے دل پر اس کا اتنا تو اثر ہوا کہ وہ دمشق کی مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھے رویا کرتے تھے مگر جب نواسۂ رسولؐ نے انھیں شعائرِ اسلام کے احیا کے لیے قدم اٹھانے کے لیے دعوت دی جن کی بربادی پر انس آنسو بہایا کرتے تھے تو اُن سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اگر وہ خود کربلا نہ جا سکتے تھے تو دوسروں ہی کو امام کی مدد کے لیے جانے کی کوئی تحریک شروع کرتے۔ اس سے زیادہ اور کیا قیامت ہوگی کہ دربارِ یزید میں جب اہلِ بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ آیا اور یزید نے امام حسینؑ کے سر کے ساتھ گستاخیاں کرنا شروع کیں تو ایک عیسائی حاضرِ دربار کی حمیتِ انسانی تو حرکت میں آئی اور اس نے یزید کو سرِ دربار ٹوک دیا مگر حضرت انس کی غیرتِ اسلامی کو اک ذرا سی ٹھیس بھی نہیں لگی۔ اسلامی تاریخ سے ایسی سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اب آیئے انصارِ حسینؑ کی اُس مختصر جماعت کے کردار کی بلندی اور ان کی سیرت کی پاکیزگی کو دیکھئے جو کربلا میں آپ کی نصرت کے لیے آپ کے ساتھ تھی۔ دنیا کا یہ عام دستور ہے کہ جب کسی قائد کو کوئی اہم مہم درپیش ہوتی ہے تو وہ برسوں پہلے سے اُس کے لیے تیاریاں کرتا ہے۔ اپنے ہمدرد اور ہوا خواہوں کی ایک منتخب جماعت بناتا ہے اور اس کی کوشش کرتا ہے کہ رات دن کی تعلیم اور تربیت سے اُس جماعت کے دل میں اپنے خیالات اور اپنے طریقۂ کار کو اتنا

راسخ اور مستحکم کردے کہ بڑے بڑے تہلکے کے سامنے ان کے قدم کو لغزش نہ ہونے پائے لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ سیکھی سکھائی جماعت امتحان گاہِ عمل سے کامیابی کے ساتھ گزر گئی ہو۔ امام حسینؑ نے کوئی فوجی جماعت بنانے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی۔ آپ ایسی جماعت بناتے بھی تو کیوں بناتے آپ کے پیشِ نظر کوئی جنگی مقصد تھا ہی نہیں۔ اضطراری حالت میں آپ نے مدینہ چھوڑا، اُس سے زیادہ پریشانی کے عالم میں مکّے کو خیر باد کہا۔ آپ کو وہ اطمینانِ خاطر ہی کہاں نصیب تھا جو ایک منظم جماعت بنانے کے لیے ضروری ہے۔ رواداری کا سفر تھا، بچوں اور عورتوں کا ساتھ تھا اپنا کوئی ذاتی اقدام نہیں تھا، دوسروں نے بلایا تھا، مہمان کی حیثیت سے جا رہے تھے۔ جماعت سازی کے لیے وقت کا فیکٹر (Factor) بھی بہت اہم ہے۔ ایک معمولی انسان کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے برسوں سرتوڑ کوشش کرنا پڑتی ہے ایک پوری جماعت کی قلبِ ماہیت کے لیے تو قرنوں کی مدت درکار ہے۔ خود اپنے ہندوستان ہی میں دیکھ لیجیے کانگریس کو کانگریس بنانے کے لیے کانگریس کے لیڈروں اور خصوصاً مہاتما گاندھی کو کیا کیا جتن کرنا پڑے ہیں۔ امام حسینؑ کو اپنے انصار اکٹھا کرنے کے لیے وقت ہی کیا ملا ' کل بیس دن کی مدت، وہ بھی مکّے سے کربلا جاتے ہوئے، سفر کی تمام معمولی اور غیر معمولی صعوبتوں کے درمیان، اس پر بھی حضرت نے خود کسی کو نصرت کی دعوت نہیں دی۔ مکّے سے کربلا جاتے ہوئے لوگ از خود آپ کے قافلے کے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن آپ نے کبھی اُن سے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس میں جماعت سازی کا ذرا سا بھی کوئی شائبہ ہو یا جس میں کسی کو آپ کا ساتھ دینے کی کوئی خفیف سے خفیف تحریص یا ترغیب بھی ہو بلکہ اس کے برعکس آپ نے یہ کیا

اور یہی آپ کے مشن کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے گرد و پیش کے ان لوگوں کو بھی علیحدہ کر دیا جو کسی دنیاوی منفعت کے خیال کو اپنے دل میں لے کر آپ کے قافلے کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر نے آپ کو خطوط پر خطوط بھیجے، بڑے بڑے نام آور صاحبِ اختیار لوگوں کی حمایت کی پیشکش کی مگر آپ نے ایسے معروضات پر بھی کبھی کوئی التفات کی نظر نہیں ڈالی۔

کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ نے یزید کے خلاف خروج کیا اور اسی لیے آپ نے مدینے سے عراق کا سفر اختیار کیا۔ ہم کو تعجب ہے کہ اس زمانے میں بھی جو علم و روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے لوگ ایسی حماقت کی باتیں سنتے اور باور کرتے ہیں۔ اگر حضرت امام حسینؑ کے نفس کی پاکیزگی اور آپ کے قلب کی طہارت سے ہم قطعِ نظر بھی کر لیں اور آپ کو انتہا درجہ کا طالبِ دنیا اور حریص بھی سمجھ لیں پھر بھی ہم اس کے لیے تو کبھی تیار نہ ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ آپ اتنے کم سمجھ اور عاقبت نا اندیش تھے کہ چند کم سمجھ بچوں اور عورتوں کو لے کر ایک طاقت ور سلطنت سے مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور اپنے آپ کو تہلکے میں ڈال دیتے۔ اقبالؔ نے بڑی فیصلہ کن بات کہہ دی ہے۔

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنیں ساماں سفر

حقیقت یہ ہے کہ دنیا نے آپ کے مشن کو سمجھنے کی کبھی کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ بنی امیہ نے اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں کو چھپانے اور آلِ ابوسفیان کے پشتینی بغض و عناد پر پردہ ڈالنے کے لیے جو مکروہ پروپیگنڈہ کیا بس اُسی کو آمنّا

صدقنا کہہ کر قبول کرلیا اور آج تک اُسی پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اس پر کسی نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ اُس وقت کے حالات کیسے اور ان کے تقاضے کیا تھے۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کی روح بھی مضمحل ہونا شروع ہوگئی تھی اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا تھا حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی۔ جاہلیت نواز شخصیتیں مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھ گئی تھیں، شعائرِ اسلامی مٹ رہے تھے اور ان کی جگہ نئی نئی بدعتیں لے رہی تھیں۔ نام نہاد مسلمانوں نے حرص و آز کے پنجے تیز کر لئے تھے اور بے تحاشہ ملک و مال کی طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ ہر شخص بری طرح خدعِ نفس میں گرفتار تھا۔ امام حسین علیہ السلام اسلام کی اس تباہی کو دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔ آپ سے زیادہ کس کو اس کا حق تھا کہ مذہب کے زندہ کرنے کے لیے قدم اٹھائے۔ مذہب آپ ہی کے نانا کا لایا ہوا تھا اور آپ ہی کے گھر سے نکلا تھا۔ آپ حالات کا جائزہ لیتے رہے اور جب آپ نے دیکھ لیا کہ اب بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں کہ احیائے دین کے لیے قدم اٹھایا جائے تو آپ نے اُس کے لیے قدم اٹھا دیا۔ آپ یہ جانتے تھے کہ مادیّت کے مقابلے کے لیے روحانیت سے کام لینا پڑے گا۔ دلوں کی تسخیر آلاتِ حرب و ضرب سے نہیں ہو سکے گی۔ لوگوں کی آنکھوں پر جو غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں وہ تلوار کی نوک سے نہیں ہٹائے جا سکتے ہیں۔ خدعِ نفسی کے گرفتاروں کو نیزہ و شمشیر سے آزاد نہیں کرایا جا سکتا۔ کامیابی کی اگر کوئی صورت ہے تو یہی کہ باطل کے مقابلے میں حق کو سامنے لا کر کھڑا کر دیا جائے اور حق و باطل کا ایک ایسا تصادم کرا دیا جائے کہ دنیا ایک دم چونک پڑے اسی لیے آپ اپنے ساتھ ایسے

لوگوں کو لائے جو کامل الایمان تھے اور جو تمنّوا الموت کے جادے پر مستقیم تھے۔ جنگی زندگی کا نصب العین ہی قالو ربنا ثم استقاموا تھا جو ایسے خدا پرست تھے کہ تیروں کی بارش میں جنھوں نے نمازیں قائم کیں اور ایسے عبادت گزار کہ تلواروں کی چھاؤں میں سجدے ادا کیے۔ فاقوں پر فاقے ہوئے لیکن کسی کے چہرے پر کوئی شکن نہیں آئی۔ نیزہ و شمشیر کے زخم پر زخم کھائے اور مسکراتے ہی رہے۔ میدانِ کارزار میں ہنستے ہوئے آئے اور ہنستے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ انصار ہوں یا عزیز و اقربا جوان ہوں یا بوڑھے، حبیب ابنِ مظاہر ہوں یا ہم شکلِ پیغمبرؐ سب دنیا کو یہی پیغام دیتے ہوئے آئے اور اسی پر وہ مامور تھے کہ اسلام کا تقدس اس سے کہیں بلند و برتر ہے اور اُس کی روحانیت کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ ہر فاسق و فاجر اُس کی عنان قیادت اپنے ہاتھ میں لے لے۔؟ بدن تیغوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا مگر اُس قول سے جس پر ایمان تھا منھ نہیں موڑا۔ اس جماعت کی وفاداری، جانبازی، سرفروشی، رفعت، شان اور بلندی مرتبہ کے لیے کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے کہ جب امام خود یہ فرمائیں کہ لا اعلم اصحاباً اوفی من اصحابی اور جن کے جہادِ فی سبیل اللہ اور استقامتِ فی الدّین کی داد ثانی زہراؑ ان الفاظ میں دیں کہ وہ خدا کی تلواریں تھیں جو اپنا کام کر کے غلافوں میں چلی گئیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ایسی قلیل مدت میں اور ایسے نامساعد حالات میں ایک ایسی متحد الخیال، ہم رنگ اور ہم آہنگ جماعت اور ایسے مختلف الطبائع اور مختلف العمر لوگوں کی جماعت بنا لینا فراستِ انسانی کا ایک ایسا محیّر العقول کارنامہ ہے جس کو معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

---

# اصحاب کی شجاعت اور اطاعتِ امام

سیّد اکبر علی (پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ)

حفظِ نفس ایک جبلی سرشت ہے یہ سرشت ہر جاندار میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ بندر بندوق یا غلیل کی شکل دیکھتے ہی بھاگتا ہے۔ ڈھیلا اٹھانا دیکھتے ہی پرندہ اُڑ جاتا ہے۔ جنگ کے وقت اسی فوج میں بھرتی آسانی سے اور کثیر تعداد میں ہوجاتی ہے جس کے جیتنے کا یقینِ کامل ہوتا ہے۔ اسی بنا پر موجودہ زمانے میں جبکہ صحیح واقعات نہایت سُرعت و آسانی سے اخبار، ٹیلی گراف، ٹیلیفون، لاسلکی وغیرہ سے نشر کیے جاسکتے ہیں ہر جتلائے جنگ ملک اپنے فتوحات ہی کو بڑی شدومد سے نشر کرتا ہے اپنی شکست نشر ہونے نہیں دیتا تاکہ اس کی فوج میں افسردگی اور مایوسی پیدا نہ ہو۔ ہر آن ہر لمحہ اس قسم کا لٹریچر شائع کیا جاتا ہے جس سے ملک کے ہر باشندے اور فوج کے ہر سپاہی کو اپنی فتح کا یقین ہو۔ نہرِ سوئز پر حملے کے وقت فرانسیسی اور انگریزی فوجوں کا جوائنٹ کمانڈر اپنی فوج کو یہ یقین دلاتا ہوا جزیرۂ قبرص پہنچا کہ ہم ڈھائی گھنٹے میں مصر فتح کرلیں گے۔ اسرائیلی فوج نے ریگستان سنا کی جانب سے بڑھنا شروع کیا۔ مصری چونکہ یہ سمجھ چکے تھے کہ نہرِ سوئز پر سب کے دانت لگے ہوئے ہیں بس اسی کی حفاظت کرنا مقدم ہے اس لیے اُس نے اپنی فوجوں کو ریگستان میں کٹوانا پسند نہیں کیا وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اسرائیلی بڑھتے چلے گئے۔ دنیا کے اخباروں میں موٹے موٹے حرفوں میں یہ خبریں شائع

ہونے لگیں کہ اسرائیلی فوج بڑی تیزی سے مصر فتح کرتی چلی جا رہی ہے۔ مصر نے اس کی مزاحمت نہ کی۔ دنیا کو یہ یقین ہو گیا کہ "صرف اسرائیل کی فوج تین دن میں نہ صرف نہر سوئز بلکہ پورے ملک مصر پر قبضہ کر لے گی اور یہ کہ صدر ناصر نے بڑی حماقت اور عاقبت نا اندیشی سے کام لیا" اسرائیلیوں کے فتوحات سن کر فرانسیسی اور انگریزی فوجوں کے حوصلے بڑھے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے جن بحری جہازوں نے نہر سوئز پر حملہ کیا وہ سب غرق کر دیے گئے۔ نہر کا راستہ بند ہو گیا۔ اسرائیلیوں کی فوج جو ریگستان کو فتح کر چکی تھی اور یہ اعلان کر چکی تھی کہ آئندہ چوبیس ۲۴ گھنٹے میں نہر پر قبضہ کر لے گی وہ مزید ایک انچ بھی باوجود سخت جنگ کے آگے نہ بڑھ سکی۔ اب انگریزوں اور فرانسیسیوں کو کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ فضائی حملے کیے جائیں۔ ان کے پہلے ہی حملے میں مصری ہوائی جہاز چند گھنٹے مقابلہ کر کے نہ معلوم کہاں چلے گئے اور دوسرے حملے کے لیے آسمان صاف کر دیا گیا۔ دوسرے دن صبح پانچ بج کر بیس منٹ پر قبرص سے پہلے فرانسیسی ہوائی جہازوں کا بیڑا اُڑا اور جب تک اس نے جزیرے کا ایک چکر لگایا انگریزوں کے ہوائی جہازوں کا بیڑا بھی آسمان پر چھا گیا پھر دونوں بیڑے مصر کی جانب روانہ ہوئے۔ جیسے ہی بندر سعید پر پہنچے ہوائی جہازوں پر سے چھتری بردار فوجیں اترنا شروع ہو گئیں جب ساری فوج زمین پر اُتر گئی کپتان نے جوائنٹ کمانڈر کو اطلاع دی کہ ہماری پوری فوج نہایت آسانی سے زمین پر اتر گئی ہے۔ مصریوں کی جانب سے بس جو مزاحمت ہوئی اس سے ہم کو صرف اتنی دِقت محسوس ہوئی جتنی اس شخص کو ہوتی ہے جسے خاردار تار پھاندنا پڑتا ہے۔ جوائنٹ کمانڈر نے اس کی اطلاع فوراً وزیر فرانس اور وزیر انگلینڈ کو دی۔ انگلستان میں

یہ خبر اس وقت پہنچی جب کہ پارلیمنٹ کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اس خبر کو سنتے ہی وزیرِ اعظم اور دیگر وزرائے کابینہ خوشی میں تالیاں بجانے لگے۔ حزبِ مخالف کے لیڈر مسٹر گیکل نے پوچھا کہ اس خوش آئند خبر سے ہم کو بھی باخبر کیا جائے تاکہ ہم بھی خوشی منائیں۔ جواب دیا گیا ابھی ہم کو جوائنٹ کمانڈر کے ٹیلی گراف سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہماری چھتری بردار فوج بغیر کسی مزاحمت کے ملک مصر میں اُتر گئی ہے۔ بندر سعید اس کے قبضے میں آ گیا ہے۔ مصری گورنر کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر ایک چیز اپنی اصلی حالت میں ہم کو سپرد کر دو۔ مصری فوج ہتھیار ڈال کر ایک طرف کھڑی ہو جائے۔ اور جدھر ہم جانے کا حکم دیں ادھر وہ بغیر چون و چرا چلی جائے۔ ''ملک مصر فتح ہو گیا'' دنیا بھر کے اخباروں میں یہ خبر موٹے موٹے حروف میں شائع ہو گئی۔

صبح آٹھ بجے جب فرانسیسیوں اور انگریزوں کی چھتری بردار فوج کے پورے بریگیڈ ملک مصر پر اتر کر اسے اپنے قبضے میں لے چکے تو صدر ناصر نے مسجدِ قاہرہ سے اعلان کیا کہ ''حسینی مجاہدوں کے جذبے سے گھر سے نکلو اور اپنے ملک کی ایک ایک انچ زمین کے لیے جنگ کر کے دکھا دو''۔ یہ اعلان سنتے ہی عورتیں تک تلواریں لے کر گھروں سے نکل پڑیں۔ دُو بدُو جنگ شروع ہو گئی۔ بارہ بجے دن تک مصریوں نے پوری چھتری بردار فوج کو کاٹ کر ڈال دیا ایک بھی نہیں بچا۔ صدر ناصر نے اپنی فتح کا اعلان نہیں کیا۔ دوسرے دن پھر ہوائی جہازوں سے حملہ کیا گیا اور چھتری بردار فوج اتاری گئی۔ اس کی مار کاٹ شروع ہوئی جو دن بھر جاری رہی۔

مڈل ایسٹ ایجنسی کے رپورٹر نے مصر کے متعلق یہ بیان دیا کہ باوجود اس کے

کہ مقابلہ دنیا کے دو بڑے ملکوں کی قہار تربیت یافتہ فوجوں کا ہے لیکن مصریوں کے حواس باختہ نہیں ہوئے ہیں ہر ایک اپنے کام میں مشغول ہے اور اس طرح مشغول ہے کہ اس کے بشرے سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اس کا ملک جنگ میں مبتلا ہے۔ کسان اپنی کھیتی باڑی میں مصروف ہیں، سڑکوں پر طالبِ علم اپنی اپنی سائیکلوں پر اسکول جاتے نظر آتے ہیں، قہوہ خانوں اور ہوٹلوں وغیرہ میں حسبِ معمول چہل پہل ہے یہ اطمینانِ قلب اور سکونِ دماغ کسی خاص مذہبی جذبے کی برکت ہے۔ قدیم روایات اور تاریخی واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر مصر کا بچہ بچہ غلامی کی زندگی کی بہ نسبت مومنین مسرت محسوس کر رہا ہے۔

اُدھر قبرص میں بچی ہوئی انگریزی اور فرانسیسی فوج کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے جس قدر ساتھی مصر گئے تھے اُن سے پھر ملاقات نہ ہو گی تو افسران نے بھی بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ جنگ موقوف کر دینا ہی بہتر ہے۔

میرے ایک دوست ڈاکٹر مرزا باقر حسن صاحب مرحوم نے گزشتہ جنگِ عظیم میں فوجی ملازمت کر لی۔ کپتان کے عہدے پر فائز کئے گئے، چھ مہینے لکھنؤ میں ٹرینگ دی گئی۔ ایسا آرام دیا گیا کہ فوجی ملازمت کے تحصیل دار پڑھتے پھرے؟۔ پھر ہر تین مہینے دوسرے شہر میں ان کو منتقل کیا جاتا۔ فوج میں خوب خاطر مدارات کی گئی یہاں تک کہ مرحوم کو یہ یقین کامل ہو گیا کہ فوجی ملازمت پھولوں کا بستر ہے۔ دو برس کے بعد رخصت پر آئے تو ہر ایک کو فوج میں بھرتی ہونے پر آمادہ کرنا اپنا فرض سمجھا۔ مدتِ رخصت ختم ہوئی۔ اس مرتبہ فلسطین روانہ کر دیئے گئے وہاں سے بھی چین کی بنسی بجانے کے خطوط آتے رہے۔ چار مہینے کے بعد مصر کے میدانِ جنگ پر تعینات کئے گئے تب آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوا

حالانکہ میدانِ جنگ سے کوسوں دور محفوظ مقام پر تھے۔ زخمی ہوتے کسی ایک سپاہی کو نہیں دیکھا تھا صرف زخمیوں کے نظارے سے اختلاجِ قلب کے دورے شروع ہو گئے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جہاں شراب کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن جنگ کے موقعے پر سپاہیوں کے لیے جائز ہے۔ کسی مہم پر جانے کا حکم دینے سے پہلے کمانڈر اپنی فوج کو شراب پینے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد روانگی ہوتی ہے۔

یہ نشے کی صفت ہے کہ اسے پینے کے بعد انسان کی طبیعت جنگ وجدال پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ارضِ کربلا پر مظلومِ کربلا نے اپنے اصحاب وانصار کو نہ معلوم کون سی شرابِ ولا پلا دی تھی کہ اُن کی سمجھ میں سوائے جان نثار کرنے کے کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ حضرت حسینؑ ابنِ علیؑ سے جس دن گورنر مدینہ نے یزید کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا آپ اسی رات کو روضہ رسولؐ پر پہنچے، نانا کی قبر سے لپٹ کر عرض کیا کہ "آپ کی قبر کو چھوڑنا مجھے شاق ہے مجبوری یہ ہے کہ اگر یزید کی بیعت کرتا ہوں تو آپ کا دینِ اسلام مٹتا ہے اور اگر اس سے انکار کرتا ہوں تو قتل کیا جاتا ہوں۔ مجھے قتل ہونا گوارا ہے لیکن آپ کے دینِ اسلام کا مٹنا گوارا نہیں ہے"۔

یہ فرما کر آپ دولت سرا پر واپس ہوئے اور مدینے سے کُوچ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جو لوگ آپ کے ہمراہ ہو گئے ان سے صاف اور واضح الفاظ میں اسی ارادے کو بیان کر دیا جس کا اظہار نانا کی قبر پر کر آئے تھے۔ مدینے سے کربلا تک ہر منزل پر اپنے ساتھیوں کو یہ یقین دلاتے رہے کہ جسے مرنا ہو وہ میرے ساتھ رہے ہر منزل پر لوگ ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں آپ ان کو بہ رضا و رغبت ساتھ چھوڑنے کی اجازت دیتے ہیں یہاں تک کہ شبِ عاشور آ جاتی

ہے۔آپ نے ایک خیمے میں اصحاب وانصار کو جمع کر کے ایک بلیغ خطبہ دیا۔سب کو یقین دلایا کہ یزیدی فوج صرف میرے خون کی پیاسی ہے صرف مجھے ہی قتل کرنا چاہتی ہے اس لیے اگر تم اس وقت میرا ساتھ چھوڑ کر کسی امن کی جگہ پر جانا چاہو گے تو کوئی تم سے مزاحمت نہ کرے گا۔یہ پردۂ شب ہے اس میں چلا جانا آسان بھی ہے میں نے اپنی بیعت بھی تمھاری گردنوں سے اُٹھالی ہے اور لو میں اس شمع کو بھی گل کیے دیتا ہوں۔مقصد یہ تھا کہ کسی جانے والے کو جاتے وقت شرم نہ آئے اور تاریکی میں لوگ اسے دیکھ بھی نہ سکیں۔سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ اے حسینؑ اگر آپ کی نصرت میں ہم ایک ہزار بار مارے جائیں اور ہماری خاک ہوا میں منتشر کر دی جائے اور پھر ہر بار خلق کیے جائیں تب بھی ہم آپ کی نصرت سے نہ جھکیں گے۔

حضرتِ عیسیٰ کو جب یہودیوں نے گھیرا ہے تو آپ کے دسوں حواری آپ کو چھوڑ کر چل دیے۔ایک حواری نے تو آپ کا پتہ تک بتا دیا جس سے آپ آسانی سے گرفتار کر لیے گئے اور جب آپ کو سولی دینے کے لیے لے جایا جا رہا تھا تو راہ میں چلاّ چلاّ کر کہہ رہے تھے۔

"ایلی ایلی لما سبقتنی؟" یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کہاں اکیلا چھوڑ دیا۔

(۱) کیا اس جملے میں اپنے دسوں حواریوں کی بے وفائی کی شکایت نہیں ہے۔

(۲) کیا اس میں خدا سے شکوہ و شکایت نہیں ہے۔

(۳) کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ کا دل موت کے خوف سے لرز رہا تھا۔

واقعی موت سے ڈرنا امرِ فطری ہے یہ تو بنی ہاشم کے بچے تھے جو موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے تھے۔ یہ مظلومِ کربلا کے اصحاب وانصار تھے جودم توڑنے والوں کو مسکرا کر شہادت کی مبارک باد دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر تمہارے بعد ہم کو اس دارِ دنیا میں چند دن بھی اور زندہ رہنا ہوتا تو تم سے وصیت کرنے کی استدعا کرتے۔ چنانچہ مسلم نے کہا وصیت کچھ بھی نہیں۔ وصیت جو کچھ بھی ہے وہ (امام حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے) یہ ہے کہ تم بھی انھیں پر جان نثار کر دینا۔ حبیب نے جواب دیا کہ بیشک ایسا ہی ہوگا۔

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ دنیا کے سپہ سالار سپاہیوں کو میدانِ جنگ میں شراب پلا کر اور سبز باغ دکھا کر بھیجتے اور کٹواتے ہیں خود کوئی سپاہی مرنے پر کمر نہیں کستا۔ پس کربلا ہی کا معرکہ ایسا نظر آتا ہے جہاں حسینؑ کی سپاہ کا ہر مجاہد از خود جان دینے پر بے چین تھا بلکہ روکنے پر بھی جان دینے سے نہ رکتا تھا جیسا کہ غلام شوذب کے شوقِ شہادت سے ظاہر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ایڈورڈ رسل کا قول ہے کہ فوجِ یزید کے پیر میدانِ جنگ میں دو وجہ سے جمے ہوئے تھے۔ اول ہزار گنی کثرت اور اپنی فتح کا یقین دوسرے یہ ڈر کہ اگر میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگے تب بھی قتل کر دیئے جائیں گے اس لیے حسینی سپاہ کے بہادروں کے مقابلے پر مجبوراً جمے ہوئے تھے۔ ہوشیاری یہ کرتے تھے کہ جب کوئی جوانِ نبرد آزما حسینی فوج سے نکل کر ان کے دس بارہ سورماؤں کو تہِ تیغ کر دیتا تھا تو پھر اس کے پاس نہیں پھٹکتے تھے دور سے پتھر اور تیر برساتے تھے جیسا کہ حضرت قاسمؑ ابنِ حسنؑ نے جب ازرق کو اس کے چاروں بیٹوں سمیت واصلِ جہنم کر دیا تو پھر کسی کی ہمت اس بچے سے مقابلے کے لیے نہ پڑی۔ اس

وقت یزیدیوں نے اس بچے کو چاروں طرف سے گھیر کر دور سے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ جب بچہ تیس ۳۰ تیروں سے گھائل ہو گیا تب زمین پر گر گیا۔ مختصر یہ کہ اسی طرح کی جنگ سے یزیدی بزدلوں نے بہتر ۷۲ سورماؤں کو شہید کیا اور وہ بھی زوالِ عصر تک۔ اصحاب و انصارِ حضرت حسینؑ ابنِ علی اطاعتِ امام سے مجبور تھے۔ بغیر اذنِ امام کے جہاد کرنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے شجاع اور بہادروں کو تیغ آزمائی کے حوصلے نکالنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ اطاعتِ امام کی بندشیں ان کی شجاعت پر لگی ہوئی تھیں۔

سرلوئس پلے انگلستان کا ایک ادیب و مورخ لکھتا ہے کہ عابس بن ابی شبیب شاکری کوفے کے عالی مرتبت بزرگ تھے، ان کی شجاعت شہرۂ آفاق ہو چکی تھی۔ بہت سی جنگوں میں کارہائے نمایاں کر چکے تھے۔ ایک جنگ میں ان کی پیشانی پر ایک زخم لگا تھا جس کا نشان گویا فتح کا تمغہ تھا۔ اس نشانی سے وہ آسانی سے پہچانے جاتے تھے اس لیے کوفے کا بچہ بچہ ان کو پہچانتا تھا اور دل میں ان کی شجاعت کا اثر لیے ہوئے تھا۔ کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ عابس حسینؑ کم سپاہ کے ساتھ ہیں تو ان کے دل پر بڑی مایوسی چھا گئی۔ یزیدی فوج میں یہ سنسنی پھیل گئی کہ جب عابس میدانِ جنگ میں آئیں گے تو ایک ہی حملے میں ساری فوج کو کوفے کے پھاٹک تک پہنچا کر دم لیں گے۔ یزیدی فوج کے ایک کوفی سردار ربیع ابن تمیم نے اپنے مخصوص عزیزوں اور دوستوں سے کہا۔

''اے فوج والو ذرا خبردار ہو جاؤ یہ عابس ابن ابی شبیب شاکری شیروں کا شیر ہے۔ ہرگز تم میں سے کوئی اس کے مقابلے کے لیے باہر نہیں نکلے''۔

عابس بن ابی شبیب شاکری اپنے غلام شوذب کے ساتھ امام کی نصرت کو

آئے تھے۔ اپنے خیمے میں بیٹھے تھے کہ خیام حسینی سے العطش العطش کی صدائیں آئیں۔ خیمے سے باہر نکلے تو دیکھا کہ بچے خالی کوزے لیے ہوئے پیاس پیاس کہتے ہوئے پھر رہے ہیں۔ بچوں کی یہ حالت آپ سے دیکھی نہ گئی خیمے کے اندر واپس گئے۔ سولوئس پلے لکھتا ہے:-

اپنے غلام شوذب سے کہا کہ میرے لیے کفن نکالو۔ غلام نے کفن نکال کر پیش کیا اُسے زیب تن کیا پھر اوپر سے زرہ بکتر وخود وغیرہ سے آراستہ ہوئے۔ خیمے سے باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اپنے غلام شوذب سے مڑ کر کہا کہ جا تجھے میں نے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

شوذب نے کہا۔ آقا کیا نصرتِ امام کا حق صرف آقاؤں کو حاصل ہے غلاموں کو شہادت کا شرف نہیں حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت عابس نے اپنے غلام کے یہ کلمات سنے تو دل بھر آیا اور فرمایا کہ اے شوذب میں تجھ کو بہت عزیز رکھتا تھا، میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ تو میرے ساتھ جان دے۔ اچھا لے یہ میری تلوار اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اذنِ جہاد حاصل کر۔

شوذب اجازتِ امامؑ سے میدانِ قتال میں گئے اور بہت سے ناریوں کو واصلِ جہنم کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت عابس میدانِ جنگ سے ان کی لاش اٹھا کر لائے اور فرمایا۔

اس وقت اگر تجھ سے زیادہ کوئی شخص مجھے عزیز ہوتا تو میں اسے بھی حضرت حسین ابنِ علیؑ پر نثار کر دیتا، اس کے غم کو برداشت کرتا اور ثواب حاصل کرتا۔ آج کا دن تو ثواب لوٹنے کا ہے۔

اب خود حضرت عابس فرزندِ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اذنِ جہاد چاہا۔ عرض کیا اب مجھ سے بچوں کی پیاس دیکھی نہیں جاتی اجازت دیجئے کہ میں ان کے لیے پانی لے آؤں۔

فرزندِ رسولؐ نے پوچھا کہ مقصد جنگ ہے یا پانی؟

عابس نے جواب دیا کہ مقصد پانی لانا ہے اگر اس میں جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ مختصر یہ کہ پانی لانے کی اجازت ملی۔ عابس نے ایک مشک اپنے کاندھے پر دھری۔ گھوڑا نہرِ فرات کی جانب دوڑایا۔ پہرے دار فوج نے مزاحمت کی۔ ان سب کو مار کر بھگا دیا۔ فرات سے مشک بھری اور کندھے پر لٹکا کر خیامِ حسینی کی طرف بڑھے ہی تھے کہ بھاگی ہوئی فوج نے پھر آپ کو گھیر لیا۔ آپ نے مشک کی حفاظت کی اور ان سب حملہ آوروں کو مار بھگا دیا۔ یزیدی فوج کے سردار نے جب یہ دیکھا کہ میری فوج عابس کے مقابلے پر نہیں ٹھہرتی تو چلّا کر بولا اے عابس تم مرنے آئے ہو یا مارنے۔

حضرت عابس نے جواب دیا کہ میں تم سب کو مار کر واصلِ جہنم کرنے آیا ہوں۔

پھر سردار نے کہا۔

اگر شوقِ شہادت تھا تو زرہ کیوں پہنی ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت عابس نے زرہ اتار کر پھینک دی۔ یہ دیکھ کر یزیدی فوج کے سپاہیوں کی ہمت بڑھی لیکن جیسے ہی قریب آئے تو دیکھا کہ عابس کفن پہنے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر یزیدی فوج کے سپاہی یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ ایسے مجاہد کے سامنے جانا جو کفن پہن کر میدانِ جنگ میں اُترا ہو اپنی قبریں اپنے ہاتھوں سے کھودنا ہے۔

اب یزیدیوں نے دور سے تیر برسانا شروع کیے۔ نیزوں کی بارش سے مشک بھی چھدی اور آپ کا جسم بھی چھلنی ہوا۔ آبِ مشک سے زیادہ جسم سے خون بہا۔ حالت غیر ہوئی تو یزیدی فوج کے بزدل سپاہی قریب آ گئے۔ نیزوں اور تلواروں کے واروں سے آپ کو گھوڑے سے زمین پر گرا دیا۔

سر لوئس پلے اس موقعے پر لکھتا ہے کہ:-

"اِدھر عابس نے جامِ شہادت نوش فرمایا اُدھر فوجِ یزید میں فتح وظفر کے نقارے بڑے زور وشور سے بجنے لگے اور دیر تک بجتے رہے۔ ہر ایک کوفی کی زبان پر تھا بڑے نامور شجاع کو مارا گیا۔ اب خطرہ کم ہو گیا فتح زیادہ یقینی ہو گئی۔

بیشک اگر جنابِ عابس کی شجاعت پر پانی لانے کی فکر کا بریک نہ لگا ہوتا تو یزیدی فوج کے کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ اطاعتِ امامؑ کے بریک کے باعث بہادروں کی شجاعت کا پورا پورا مظاہرہ نہ ہو سکا۔ جناب عابس کی طرح حضرت عباسؑ بھی حکم امام کی پابندیوں کی وجہ سے اپنی شجاعت سے کام نہ لے سکے۔ راہ میں جب لشکرِ حُر نے راستہ روکا حضرت زہیر نے امام سے عرض کیا تھا ان کی تعداد کم ہے ان سے لڑ لینے دیجئے۔

امام نے فرمایا نہیں ہم جنگ کی ابتداء نہیں کرنا چاہتے۔ حضرت زہیر اپنی شجاعت کا گلا گھونٹ کر خاموش ہو گئے۔ ارضِ کربلا پر جب عمر ابنِ سعد نے نہر کے قریب سے خیمے ہٹانے کا حکم دیا اس وقت بھی حضرت زہیر کو اپنی شجاعت سے کام لینے نہ دیا۔ بس انھیں مجبوریوں میں جنابِ عابس بھی ہر موقعے پر گھٹ گھٹ کر رہے۔ واقعی کربلا کا یہ واقعہ عقلِ انسانی کی سمجھ سے باہر ہے۔

---

# اصحابِ امام حسینؑ

## ہندوستان کے علما کی نظر میں

# حسینؑ کے لاثانی اصحاب

## علّامہ ڈاکٹر سیّد مجتبیٰ حسن کاموںپوری

الامان والحفیظ! گرمی کا زمانہ شباب پر ہے۔ تند و تیز آندھیاں جسمانی ایوانوں کی چولیں ہلا دیتی ہیں پناہ بخدا لُو اور کس شدت کی لُو۔ زمین تپ رہی ہے، دانہ بھی گر جاتا ہے تو بھن جاتا ہے۔ آفتاب کی گرم کرنیں جسم کے لیے سلاخوں کا کام دیتی ہیں۔ چلچلاتی دھوپ، فضا آتشِ سیّال بنی ہوئی ہے اور ایک لق و دق غیر مانوس جنگل اور چٹیل میدان میں کچھ شیر ہتھیلیوں پر سر رکھے زرہوں پر اپنے دل لپیٹے ہوئے جان کی بازی لگا کر اتر پڑے۔

یہ لوگ گنتی کے چند نفوس ہیں ۳۲ سوار ۴۰ پیادے ہیں (جلاء العیون مجلسی ۱۱۱۱ھ)

سپہر کاشانی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ جمعیت ۱۴۵ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی (ناسخ التواریخ ۲۴۲/۲/۶۱) امام محمد باقر کا ارشاد بھی اسی کا موید ہے لیکن اس اختلاف کی وجہ یوں ہو سکتی ہے کہ میدانِ کربلا میں آنے والے ۱۴۵ تھے مگر یومِ قربانی جرعہ تو شانِ شہادت صرف ۷۲ فردیں رہ گئیں اس لیے کہ شبِ عاشور جب سیدالشہدا نے عام اجازت دے دی تو اتنے واپس چلے گئے کہ صرف ۷۲ رہ گئے اور جن لوگوں نے حسینی لشکر کی تعداد (۱۱۰۰) تک لکھی ہے (مسعودی ۳۴۶ھ) اس سے یہ مراد ہے کہ کربلا میں آنے سے پہلے یہ جمعیت اس قدر یا اس سے زیادہ تھی مگر جب ''منزلِ زردو'' پر امام نے مسلم کی خبرِ شہادت سن کر عام

اجازت لوگوں کو واپس جانے کی دے دی تو بڑی تعداد نے ساتھ چھوڑ دیا۔

''تم میں سے جو شخص تلواروں اور نیزوں کے وار گوارا کرسکتا ہو وہ چلے ورنہ اسی جگہ سے واپس چلا جائے میں اسے مجبور نہیں کرتا۔ یہ سن کر سب کے سب خاموش ہو گئے اور داہنے بائیں متفرق ہونا شروع کر دیا''۔ (ناسخ ۶/ ۲۱۷)

یہ مضبوط دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ کسی مجاہد گروہ نے اپنے رئیس کے سامنے اس دلیری اور شجاعت سے کام نہیں لیا۔ بڑے بڑے قائدین کے مددگاروں کی فہرست دہرائی جاسکتی ہے مگر کسی کو حسینی اصحاب کے تناسب سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

جنابِ موسیٰ نے جب اپنے انصار سے کمک مانگی تو انھوں نے نہایت خشک لہجے میں کہہ دیا کہ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں آپ اور آپ کا خدا اس مہم کو سر کریں۔

(المائدہ ۹۲۵/ ۶)

عیسیٰ کو انھیں کے کاسہ لیس صحابی (یہودا) نے تیس روپیہ کی ننگ انسانیت طمع میں آکر گرفتار کرا دیا اور انھیں کے حاشیہ نشین (پطرس) نے معاذ اللہ تین بار مسیح علیہ السلام پر لعنت بھیجی (مرقس ۱۵/ ۱۴ متی ۱۴۔ ۷۵/ ۲۶)

خود مقنن اسلام کے بعض صحابہ کا معاشرتی عنون نہایت الم انگیز ہے۔ جس وقت دشوار گزار اور سنگ لاخ راہیں طے کرنا پڑتی تھیں اس وقت کھرے کھوٹے میں فرق ہو جاتا تھا۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ ابوذر، سلمان و مقداد جیسے ارادت کیش رسول کے ساتھ نہ تھے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس مسلک میں کل موتی سچے نہ تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تمام صحابہ مرتبہ شناس اور وقت پر کام آنے والے تھے۔ قرآن مجید

سے ذیل کی بعض آیتیں اس دعوے کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔

''تم موت کے آنے سے پہلے لڑائی میں مر مٹنے کی تمنا کیا کرتے تھے''۔

''اب تو تم نے اس کو دیکھ بھی لیا اور اب بھی دیکھ رہے ہو۔''

(پھر کیوں جی چُراتے ہو) اور محمدؐ تو صرف رسولؐ ہیں جن سے قبل اور بھی رسولؐ گزر گئے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں گے یا قتل ہو جائیں گے تو تم اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے (۱۴۴/ ۲ آلِ عمران)

اللہ نے (جنگِ اُحد میں) اپنا وعدہ والفتح کے متعلق سچ کر دکھایا جبکہ تم اللہ کے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے بزدلا پن کیا اور حکمِ رسولؐ کے موافق مورچے پر جمے رہنے کے متعلق جھگڑا کیا اور مالِ غنیمت دیکھ کر رسولؐ کی نافرمانی کی۔ تم میں سے بعض تو طالبِ دنیا ہیں اور بعض آخرت کے طلب گار (جیسے عبداللہ بن جبیر، حضرت حمزہ، ابودجانہ اور علیؑ) (۱۲۵/ ۴ آلِ عمران) (تم اس وقت کو یاد کر کے جھینپو) جبکہ تم پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مُڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے اور رسولؐ تم کو تمہارے پیچھے کھڑے پکار رہے تھے (۱۵۳/ ۴ آلِ عمران) اگر وقتی فائدہ ہوتا اور آسان سفر ہوتا تو وہ ضرور تمہارا ساتھ دیتے مگر ان پر مسافت کی مشقت طولانی ہو گئی (۱۴۲/ ۱۰ توبہ)

آیاتِ بالا سے واضح ہے کہ بعض اصحابِ رسولؐ موقعے کے قبل لڑائی میں جان دینے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے اور رسولؐ کے بعد الٹے پاؤں پھر جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور طمعِ دنیا میں رسولؐ کی نافرمانی کی پروا نہ کرتے تھے۔ رسولؐ انھیں پکارتے تھے اور وہ منہ موڑے پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور وقتی فائدے اور آسان سفر کے علاوہ ایثارِ سفرِ دراز کی مشقت سے گریز کرتے تھے مگر

حسینی جان نثاران حالات کے خلاف آخر تک موت کی تمنا کرتے رہے۔ وہ حسین کے بعد زندہ نہ رہنے کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے اور اسی وجہ سے تکمیلِ معرکے میں ایسے جمے اور ایسی ثابت قدمی دکھلائی اور ایسی اولعزمی سے کام لیا کہ بڑے سے بڑے شجاعوں اور بہادروں کو حیرت کی لاانتہا گرانی میں ڈال دیا۔ ذیل کی آیت کا ایک ایک لفظ ان پر منطبق ہو رہا ہے:-

"خدا ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں"۔ (۴/۶۱ الصف)

اوچھی نظر والے اس شخص کو اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ جس کے دو فعل بظاہر باہمی موافقت نہیں رکھتے۔ حسین کی یہ اعلیٰ ترین سیاست بعض حضرات کو متحیر بنا دے گی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو رخصت بھی کرتے جاتے ہیں اور دوسروں کو طلبی کے خطوط بھی لکھتے ہیں مگر ان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت حسینؑ کے سامنے مسئلۂ انتخاب درپیش تھا جسے آپ نے انتہائے تدبّر سے انجام دیا۔

گذشتہ رہبروں کے سرحدِ مقصود تک نہ پہنچنے کی دو وجہیں تھیں۔ کسی کو تو بالکل انتخاب کا موقع ہی نہ ملا اور کسی کو اگر ملا بھی تو کامل انتخاب کا موقع نہیں ملا۔

جنابِ موسیٰ کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھیں انتخاب کی مہلت تو ضرور ملی مگر کامل انتخاب کی فرصت نہیں ملی۔ کلیم اللہ نے جب قوم کے اصرار سے انھیں بالائے طور لے جانے کا فیصلہ کیا تو اس وقت ان کے سامنے ۷ لاکھ کی جمعیت تھی جن میں سے انھوں نے ۷۰ ہزار کو چُنا پھر ان میں سے ۷ سو منتخب کئے پھر سات سو میں سے ۷۰ آدمی چھانٹے مگر یہ ۷۰ بھی سرکشی کی وجہ سے نذرِ صاعقہ ہو گئے (تفسیر صافی ۱۸۵)۔

اسلام کے اس مقدس ہیرو (حسینؑ) کے سامنے ایک طرف تو سلف کے سچے سوانح تھے۔ دوسری طرف مشائخ کا پورا احساس۔ اس نے ڈھونڈ کر انتخاب کا وقت نکالا اور انتخاب میں پوری دانائی سے کام لیا۔ وہ جس کام کے لیے اٹھا تھا وہ اہم تھا اس لیے وہ ایک رنگ، ایک میل، ایک مذاق کے آدمی ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک بڑی جماعت جو حسین کے ساتھ ہوگئی تھی اور حسین کے مقدس ارادے میں عملی شرکت کی طاقت نہیں رکھتی تھی یہ لوگ بے جوڑ تھے اس لیے حسین نے ان کو رخصت کر دیا مگر حسین کو تسبیح کا مکمل کرنا بھی ضروری تھا اس لیے جتنے دانوں کی کمی تھی اتنے دانے دور دور سے خط بھیج کر منگائے اور اس طرح ایک مختصر مگر زبردست فہرست اعوان وانصار کی مرتب فرمائی۔ حسینؑ کا انتخاب نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ یہ احرار جس بات پر کمر باندھ چکے تھے انتہائی مدارجِ تکمیل تک پہنچا کر رہے اور اپنے وعدے کے ایک ایک حرف کو سچا کر دکھایا اور خدا کے کلام کی بہتر سے بہتر تصدیق کر کے اپنی ذات کو اس کا مصداقِ صحیح ثابت کر دیا۔

"ایمانداروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا"۔ (۲۲/۱۲۱ احزاب)

## رسولؐ اور آئمہؑ کی نظر میں حسینی مجاہدوں کا درجہ:

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مختصر جماعت خلاصۂ روزگار اور حاصلِ انتخابِ سیدالشہدا تھی۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے بڑے بڑے ارکان کی نظروں میں ان کی کیا حیثیت تھی اور اسلام کے پہلے ان کو کیا درجہ دیا جاتا تھا۔

ا۔ کعب احبار نے کہا کہ ہماری کتابوں (توریت) میں لکھا ہے کہ ایک شخص محمد (رسولؐ اللہ) کی اولاد میں قتل کیا جائے گا اور اس کے اصحاب کے مرکب کا

پسینہ خشک بھی نہ ہونے پائے گا کہ وہ سب جنت میں داخل ہو کر حوروں سے معانقہ کریں گے۔ اسی اثنا میں امام حسنؑ حاضرین کی طرف سے گزرے سب نے کہا کیا وہ یہی ہیں؟ کہا نہیں۔ پھر امام حسینؑ ادھر سے گزرے سب نے کہا کہ کیا وہ یہ ہیں؟ کہا ہاں۔ (انوار نعمانیہ)

۲۔ شیخ صدوق نے رسولؐ اللہ تک سلسلۂ سند کو منتہی کر کے ذیل کی روایت لکھی ہے۔

رسولؐ اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کیا غم ہے؟ کہا آپ فرمائیں۔ ارشاد کیا ہائے رے میرا شوق! ان بھائیوں کی ملاقات کا جو میرے بعد پیغمبرانہ شان کے ہوں گے۔ رضائے خدا کے لیے اپنے باپ سے بھاگیں گے، خدا کے لیے ماں کو چھوڑیں گے، تواضع کے ساتھ بذلِ نفس کریں گے ان میں سے ہر ایک کا اجر ستر اہلِ بدر کے برابر ہوگا، ہر ایک خدا کے نزدیک ہر شے سے زیادہ محترم ہوگا، ان کے دل اور عمل خاص خدا کے لیے ہوں گے، ہنسی ان کی عبادت، فرصت ان کی تسبیح، نیند ان کا صدقہ، سانسیں ان کا جہاد۔

(اسرار الشہادت ملا دربندی ۲۷۰)

۳۔ قطب راوندی نے کتاب الخرائج میں امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ امام حسینؑ نے قبل اپنی شہادت کے فرمایا:-

میرے نانا رسولؐ خدا فرماتے تھے کہ اے حسین! تم عنقریب عراق کی ایک زمین پر قتل ہو گے اور تمہارے ساتھ اصحاب کی ایک جماعت شہید ہوگی جو الم آہنی تلواروں اور نیزوں سے متاثر نہ ہوگی، اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی "یا نار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراھیم"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا

کہ اے حسین تم پر اور تمہارے اصحاب پر سلام۔

یہ کہہ کر خود حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا خوش رہو اگر ان لوگوں نے ہمیں خدا کی راہ میں قتل کر ڈالا تو ہم رسولؐ خدا کے پاس پہنچ جائیں گے۔

(اسرار الشہادۃ ۱۶۷ شفاء الصدور ۳۶۱)

۴۔ امام جعفرِ صادقؑ سے روایت ہے کہ ایک روز جنابِ سیدہؑ امام حسینؑ کو اٹھائے ہوئے تھیں۔ پیغمبرؐ نے حسینؑ کو ان سے لے لیا اور فرمانے لگے۔ خدا تیرے قاتل پر لعنت کرے۔ سیدہؑ نے عرض کیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا میرے اور تمہارے بعد جو مظالم ان پر ہوں گے وہ یاد آ گئے۔ اس وقت ان کے ساتھ ایک گروہ ہوگا جن کے چہرے تاروں کی طرح چمکتے ہوں گے وہ خوشی خوشی قتل ہو جانے کی طرف اقدام کریں گے۔ (شفاء الصدور ۳۶)

۵۔ امیر المومنینؑ کی ایک حدیثِ طویل میں مروی ہے حسینؑ کے اصحاب قیامت کے دن تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے اور انھیں تمام شہدا پر فضیلت ہے۔

۶۔ امام زین العابدینؑ سے مروی ہے۔

امام حسینؑ نے شام کے قریب اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ آپ نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے علم میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں گزرے اللہ تم سب کو میری جانب سے جزائے خیر دے"۔

۷۔ امام موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت ہے کہ جب قیامت میں حوارئینِ رسولؐ پکارے جائیں گے تو سلمان، ابوذر و مقداد اٹھیں گے اور جب حوارئینِ علیؑ پکارے جائیں گے تو عمر بن حمق، محمد بن ابوبکر، میثم تمار اور اویسِ قرنی اٹھیں گے اور جب حوارئین حسن پکارے جائیں گے تو سفیان ابنِ لیلی اور حذیفہ بن اسد

اٹھیں گے اور جب حوارئینِ حسینؑ پکارے جائیں گے تو وہ تمام شہدا اٹھیں گے جنھوں نے ان کی نصرت کی تھی۔

۸۔ صاحب الامرؑ امامِ زماں نے زیارتِ ناحیہ میں ان اصحاب کو ذیل کے الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے۔

''تم پر سلام۔اے بہترین مددگار۔سلام تم پر تمہارے صبر و تحمل کے عوض۔ دیکھو آخرت کا گھر کیسا اچھا گھر ہے خدا تم کو کاشانۂ ابرار میں جگہ دے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا نے تمہارے سامنے سے پردہ اٹھا دیا اور جنت میں تمہارے لیے فرش بچھا دیا اور عطا و انعام کو تمہارے لیے بڑھا دیا۔تم نے حق میں تاخیر نہیں کی اور تم حلم سے آگے بڑھ گئے اور حلم دار بقا میں تمہارے دوست ہیں (پیشینگوئی کے مبحث پر ہم نے ایک تحقیق کتاب لکھی ہے یہاں اس کے امکان اور عدم امکان پر بحث کا موقع نہیں ہے)۔

## احادیثِ بالا پر تبصرہ:

احادیثِ بالا سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ گزشتہ انبیا کی کتابوں میں رسولؐ اور ائمہ کی نگاہوں میں اصحابِ حسینؑ کا کیا درجہ ہے۔ان احادیث میں وہ حدیث قابلِ بحث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اصحابِ حسین الم آہنی سے متاثر نہ ہوں گے تیر و نیزہ و شمشیر وغیرہ سے انھیں کوئی صدمہ محسوس نہ ہوگا۔ بظاہر حدیث کے الفاظ قواعدِ تکلیف کے خلاف ہیں اس لیے کہ شعور و ادراک سے قدم میں لغزش پیدا ہوتی ہے۔ایک مخبوط الحواس یا بے ہوش کو بڑی جرأت کرتے دیکھو گے مگر ایک حساس انسان ہمیشہ وہمی خطرے سے بھی جان بچاتا ہے لہٰذا اگر ان حق شناس اصحاب کو تلوار اور نیزوں کی چوٹ کی پوری تکلیف کا احساس ہوتا اور یہ

ثابت قدم رہتے تو ان کا یہ فعل ضرور قابلِ ستائش ہوتا۔ ایک وہ شخص جس کا بے ہوشی سنگھا کر آپریشن کر دیا گیا ہو وہ یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کو مظاہرۂ مردانگی کے موقع پر پیش کرے۔

بیہوشی کے ذریعے سے ایک صغیر السن بچے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکتا ہے لیکن ہم جب یہ خیال کرتے ہیں تو کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ تمام اعمال کی روح یہ ہے کہ انسان نفس کو موت پر آمادہ کرے اور خدا کی رضا جوئی میں دنیاوی زندگی سے ہاتھ اٹھا لے اس سے بلند کوئی عمل نہیں یہی ثواب کا منشا ہے اور اس پر اجر مرتب ہوتا ہے۔

اگر نفس پہلے سے تیار نہیں اور بغیر قصد کوئی فعل ہو گیا تو اگرچہ اس سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے مگر اس سے کسی ثواب کا استحقاق حاصل نہیں ہوتا لیکن اگر نفس میں آمادگی کی پوری اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے اور اس کے بعد کسی ناگہانی یا قدرتی سبب سے وہ فعل واقع نہیں ہوا ہے تو اجر کا حاصل ہونا یقینی ہے اس لیے کہ منشائے اجر نیت و ارادہ ہے۔ جنابِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے واقعات دہرا جاؤ۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہایت استقلال سے آتشِ نمرود کا استقبال کیا۔ اگرچہ بعد میں آگ ٹھنڈی ہو گئی مگر ان کو اجر ملا۔ (۵۹/۱۷ انبیا)

حضرت اسمٰعیلؑ نے کمالِ اطمینان سے چھری کے نیچے لیٹنا گوارا کیا اگرچہ بعد میں ذبح ہونے سے بچ گئے مگر ان کو اجر کا استحقاق حاصل ہو گیا۔ (۱۰۱/۲۳ صافات) کیوں؟ صرف عزمِ مصمم کی وجہ سے، علاوہ اس کے علومِ عقلیہ میں مسلّم ہے کہ دو علتوں کا توارد معلولِ واحد پر محال ہے۔ اصحابِ حسین تکالیفِ اہلِ بیت کے احساس میں از سرتا پا ڈوبے ہوئے تھے۔ عضو عضو اہلِ بیت کے مصائب

سے متاثر تھا اس لیے وہ تلوار اور نیزوں کی تکلیف سے متاثر نہیں ہوئے۔ خدا نے کسی شخص کے دو دل اس کے سینے میں نہیں پیدا کئے۔ (۴/۲۱، احزاب)

فلسفۂ دوادی اور جذبۂ شوق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ شوق میں کس قدر کشش اور قوت ہے۔ انوارِ نعمانیہ میں ایک دلکش واقعہ مذکور ہے۔ ایک شخص اپنے محبوب کی طرف ملتفت تھا اور کفگیر کو ہاتھ سے حرکت دے رہا تھا۔ جذبۂ شوق اس قدر بڑھا اور نظارۂ جمال میں اس قدر محو ہوا کہ کفگیر ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ہاتھ اس کا قائم مقام ہوا۔ رفتہ رفتہ ہاتھ جل کر خاک ہو گیا مگر مشتاقِ جمال کو کچھ خبر نہیں ہوئی۔

مصر کی عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر انتہائے محویت میں بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ (۲۱/۱۲ یوسف)

جب شوق میں اتنی قوت ہے اور اصحاب کا شوقِ شہادت معلوم ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ باوجود اس کامل شوق کے اصحابِ حسینؑ کو کوئی اذیت، کوئی تکلیف اپنی طرف متوجہ کر سکے۔

## دشمنوں کے دلوں میں حسینی شیروں کا دبدبہ:

تمہارے لیے ان دونوں گروہوں میں جو باہم گتھ گئے ایک نشانی تھی۔ ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں مقابلہ کرتا تھا اور دوسرا کافر تھا۔ جنھیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دُگنا دیکھ رہے تھے۔ (۱۳/۳ آلِ عمران)

یہ آیت بدر کے موقعے کی یاد دلا رہی ہے جس میں کافروں کا گروہ مسلمانوں سے دوگنا تھا لیکن پھر بھی مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ آخر اس میں کیا راز تھا اسے دوسری آیت ظاہر کر رہی ہے۔

اگر تم میں سے بیس پُر جگر صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر بھاری ہوں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں ہزار کاروں پر غالب رہیں گے۔ (انفال ۶۵/۱۰)

فلسفہ تربیت عسکری پر بجز اسلام کے آج تک کوئی کار بند نہیں ہوا۔

اسلام فنونِ قاہرہ کا دست نگر نہ تھا اُس نے چند ہی آدمیوں میں وہ روح پھونک دی انھیں اس قدر پر جگر اور ارادہ کا پکا بنا دیا کہ وہ بڑی بڑی کثیر جماعتوں سے مڈبھیڑ کر سکے۔

اٹھارہ بنی ہاشم اور چوّن اصحاب کی تعداد ہی کیا جس میں ششماہے مجاہد کا بھی شمار تھا۔ یہ لوگ دو ایک کے مقابلے میں نہیں آئے بلکہ ہتھیار بندوں کی بہت بڑی اور کثیر جماعت کے مقابلے میں ڈٹ گئے جن کی تعداد بقول بعض ۲۲ ہزار (امام شافعی اور بقول بعض ۵۰ ہزار (ابومخنف) اور بعض کا خیال دو لاکھ سے ۱۵ لاکھ ہے۔ بہر حال ۲۰ ہزار سے کم اور ۵۱ ہزار سے زیادہ نہیں۔ (ناسخ ۲۴۲)۔

(اکاون ہزار سے زیادہ جو تعداد بتائی جاتی ہیں ان میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو لشکر کی مختلف ضروریات کے متکفل تھے)۔

حسینی فوج کے ایک ایک سرفروش نے بڑی بڑی جماعتوں کو زیروزبر کر ڈالا۔ صرف پسرِ حر نے بقول ابی مخنف کم از کم ستر اشخاص قتل کیے۔ وہب بن عبداللہ نے بارہ پیادے، انیس سوار "بریرِ بنِ خضیر" نے ۱۴۰ اشخاص، مسلم بن عوسجہ نے پچاس اشخاص، پسرِ مسلم نے ۱۳۰ اشخاص، حبیب نے ۱۶۲ اشخاص۔

ممکن تھا کہ ہم تمام اصحاب کے مقتولوں کی فہرست پیش کر دیتے لیکن انفرادی حیثیت سے اس میں اختلافات ہیں اور ہم سرسری بحث کے ساتھ گزرنا چاہتے ہیں اس لیے اس بیان کو کافی سمجھتے ہیں تاہم یہ نتیجہ صاف طور سے نکالا جاسکتا ہے

کہ آسمان وزمین کے بادشاہ کا ہاتھ اصحابِ حسینؑ کی پشت پر تھا اس لیے کہ آیت بالا میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ۲۰ صابر ۲۰۰ پر غالب آئیں گے اور ۱۰۰ ایک ہزار پر۔ معرکہ کربلا میں جو صورت اصحاب کے سامنے پیش تھی اس کا عجب عنوان تھا۔ ایک ایک آدمی کے مقابلے میں ایک ایک ہزار کا پرا تھا بلکہ ایک ایک آدمی کے مقابلے میں ہزاروں کا لشکر سمٹ آتا تھا اور یہ سب کو بھگا دیتے تھے اور اس وجہ سے دشمنوں کے دل اُن سے دہلے ہوئے تھے۔ ہم ذیل میں چند عبارتیں پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ لشکرِ یزید کو حسینی سرفروشوں سے کس قدر دہشت اور ہراس تھا اور اصحابِ حسینی کے متعلق ان کے دلوں میں کیسے خیالات موجزن تھے۔ جب عابس بن شبیب جنگ کے لیے آئے ہیں تو انھوں نے الا رجل۔ الا رجل (کیا کوئی مرد ہے) کی آواز بلند کی، ربیع بن تمیم لشکرِ عمرِ سعد میں ایک شخص تھا کہنے لگا کہ میں عابس کو خوب پہچانتا ہوں ایھا الناس ھذا اسد لاسود ھذا ابن شبیب خبر ہے یہ شیروں کا شیر ابنِ شبیب ہے جو اس کے سامنے جائے گا وہ پنجۂ موت سے نجات نہیں پا سکتا (ناسخ ۶/ ۲۷۵)

(طبری) عمر بن حجاج (سردار لشکرِ ابنِ سعد) نے باوازِ بلند کہا "تمہیں معلوم ہے تم کس سے لڑ رہے ہو۔ یہ ملک کے شہسوار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ تم میں سے فرداً فرداً ان سے کوئی مقابلہ نہ کرے یہ تھوڑے ہیں اور تھوڑی دیر زندہ رہیں گے۔ مگر خدا کی قسم اگر تم سب مل کر ان پر پتھر نہ برساؤ گے تو یہ تم کو فنا کر دیں گے۔ ابنِ سعد نے کہا بیشک تمہاری رائے صحیح ہے۔ (طبری)

کسی شخص نے لشکرِ یزید کے کسی سپاہی سے کہا۔ افسوس تم نے فرزندِ رسولؐ سے

جنگ کی، کہا تمھیں پتھر چبانا نصیب ہو، جو ہم نے دیکھا اگر تم بھی وہی دیکھتے تو ہم نے کیا کیا ایک جماعت ہم پر ٹوٹ پڑی جو حملہ آور شیروں کی طرح تلواروں کے قبضے میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے (داہنے بائیں شہ سواروں کو چور کئے دیتی تھی اپنے کو موت کے منہ میں ڈالے دیتی تھی! نہ وہ امان کو قبول کرتی تھی؟ نہ مال و دولت کی طرف رغبت کرتی تھی اور نہ کوئی شے اس کے اور موت کے چشموں پر اترنے اور ملک پر غالب آنے کے درمیان حائل ہوتی تھی۔ اگر ہم تھوڑی دیر کو بھی اپنا ہاتھ روک لیتے تو وہ تمام لشکر کو فنا کر دیتی پھر ایسے وقت ہم بجز اس کے اور کیا کرتے (تیری ماں مر جائے) (ناسخ ۶/ ۲۴۲)

## سرفروشوں کے جوش سے اُبلتے ہوئے کلمات:

ایمان والو! تم ایسی بات کیونکر کہتے ہو جس کو کر کے نہیں دکھاتے۔ خدا کے نزدیک بڑے غضب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جس کو پورا نہ کر سکو۔

(۲/ ۲۸ صف)

آیت کے تیور بتاتے ہیں کہ بے بنیاد دعوؤں کے رد پر تلی ہوئی ہے۔ تاریخ سے اُن لوگوں کے زمانے کی تعین ہو جاتی ہے جو بڑھ بڑھ کے باتیں کرتے تھے اور علمی میدان ان سے خالی رہتا تھا۔ اصحاب رسولؐ ایک روز بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے کہ اگر ہماری نظر میں وہ عمل معین ہو جائے جو خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم اس کی تعمیل میں اپنی جان و مال سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ جب آیت (ان اللہ یحب الذین ۴/ ۲۸ صف) نازل ہوئی تو یہی لوگ جنگِ احد میں بھاگتے دکھائی دیئے اور رسولؐ کو دشمنوں کے مجمعے میں چھوڑ گئے

(درمنشور سیوطی ۲/ ۹۱۱ و ۶/ ۲۱۳)

ہم اس عنوان کے تحت میں اصحابِ حسینؑ کے پُرشوکت اور بہادرانہ الفاظ نقل کریں گے جن سے ان کی قلبی حالت معلوم ہو سکے گی اور ناظرین کو اس موازنے کا موقع ملے گا کہ حسین کے اصحاب کے دہن سے جو لفظیں نکلی تھیں وہ کہاں تک سچائی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

اصحاب نے اہلِ بیتؑ سے کہا کہ ہماری جانیں آپ پر قربان، ہمارا خون آپ پر نثار، ہماری روحیں آپ پر فدا خدا کی قسم جب تک ہمارے دم میں دم ہے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ ہم نے تلواروں کے لیے اپنی جانیں اور نیزوں کے لیے اپنے جسم ہبہ کر دیئے ہیں، ہم آپ کے سامنے موت کا شرف حاصل کریں گے۔ جس نے آج نیکی کی اور آپ کو موت سے بچا لیا کل کامیابی اس کے لیے ہے۔

مسلم بن عوسجہ نے کہا میں آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا نیزہ اعدا کے سینے میں نہ ٹوٹ جائے۔ میں انھیں اپنی تلوار سے ماردوں گا اور اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ رہے گا تو میں اُن پر سنگ باری کروں گا۔ یہاں تک کہ مجھ کو موت آجائے۔ (کامل ابن اثیر)

سعد بن عبداللہ حنفی نے کہا خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں قتل کیا جاؤں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر جلا دیا جاؤں گا اور یہ سلوک میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا تو بھی آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک موت سے بغل گیر نہ ہو جاؤں اور جب یہ معلوم ہے کہ ایک ہی بار مرنا ہے اور اس کے بعد وہ کرامت ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی تو کس طرح اس سے باز رہ سکتا ہوں پھر زہیر بن قین نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں یہاں تک کہ اس طرح ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں مگر اللہ میرے اس قتل سے آپ کی

اور آپ کے جوانانِ اہلِ بیتؑ کی جانوں سے اس مصیبت کو دفع کر دے۔ پھر باقی اصحاب نے بھی ملتی جلتی تقریریں کیں اور سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اپنی جانیں آپ پر نثار کر دیں گے۔ ہم اپنے گلوں، پیشانیوں اور ہاتھوں سے آپ کو بچائیں گے۔ جب قتل ہو جائیں گے تو ہمارا عہد پورا اور ہمارا فریضہ ادا ہو جائے گا۔ (طبری)

یہ کلمات اس خطبے کا جواب ہیں جس میں سید الشہدا نے شبِ عاشورا اصحاب کی گردنوں سے اپنی بیعت نکال کر سب کو رخصت دے دی تھی کہ تم سب مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ محمد بن حضرمی کو اطلاع ہوئی کہ تمہارا بیٹا ملک رَے میں گرفتار ہو گیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا میں نے تم سے اپنی بیعت اُٹھالی تم اپنے لڑکے کی رہائی کی فکر کے لیے چلے جاؤ۔ محمد نے کہا اگر میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے درندے کھا جائیں۔ (ناسخ ۶ صفحہ ۲۱۸)

مولا کوئی مخلوق روئے زمین پر قریب ہو یا بعید میرے نزدیک آپ سے زیادہ عزیز و محبوب نہیں ہے اور اگر مجھے قدرت ہوتی کہ میں آپ سے ظلم و قتل کو کسی ایسی شے سے دفع کرتا جو میری جان، میرے خون سے زیادہ مجھے عزیز ہوتی تو میں اسے بھی صرف کر کے دفع کرتا۔ (ناسخ ۶ / ۲۲۴)

## امام کے خطبے پر حسینی شیروں کا جوش و خروش:

امام نے کربلا پہنچ کر ایک خطبہ فرمایا۔ لوگ باطل سے باز نہیں آتے اور حق کی طرف قدم نہیں اٹھاتے۔

میں تو موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو ناگوار سمجھ رہا ہوں۔

حضرت کی یہ تقریر سن کر جان نثار اُبل پڑے اور اُبل کر پُرجوش تقریروں

سے امام کا خیر مقدم کیا۔

زُہیر بن قین نے کہا فرزندِ رسولؐ! ہم نے آپ کا ارشاد سنا اگر دنیا باقی رہے اور ہمیں اس میں ابدی زندگی ملے تو بھی ہم دنیا کی ابدی زندگی پر آپ کی ہمراہی کو ترجیح دیں گے۔

پھر ہلال بن نافع بجلی نے کہا خدا کی قسم ہم نے اپنے خدا کی ملاقات کو مکروہ نہیں سمجھا اور ہم اپنی نیتوں، بصیرتوں پر قائم ہیں۔ آپ کے دوستوں سے محبت رکھیں گے اور آپ کے دشمنوں کے دشمن رہیں گے پھر بریر بن خضیر نے خدا کی قسم کھا کر کہا فرزندِ رسولؐ ہم پر تو اللہ نے آپ کے سامنے جہاد کا موقع دے کر احسان کیا۔ اعضا ہمارے آپ کی نصرت میں ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے پھر آپ کے نانا قیامت میں ہمارے شفیع ہوں گے۔ بریر بن خضیر نے کہا فرزندِ رسولؐ! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے نانا رسولؐ خدا اپنی محبت کا پیالا لوگوں کو نہ پلا سکے کچھ ان میں منافق تھے جو زبان سے محبت کا وعدہ کرتے تھے اور دل میں عذر کا ارادہ رکھتے تھے ملتے وقت شہد سے زیادہ شیریں اور غیبت میں اندرائن سے زیادہ تلخ۔ یہ صورت ان لوگوں نے رسولؐ کی وفات تک رکھی۔ یہی حالت آپ کے والد علی کی بھی تھی۔ ایک جماعت نے ان کی مدد پر اتفاق کیا اور ان کے ساتھ مل کر ناکثین (جمل) وقاسطین (صفین) اور و مارقین (خوارج) سے جہاد کیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ آپ بھی آج ہمارے سامنے اس حالت میں ہیں، جو شخص آپ سے عہد شکنی کرے اور بیعت توڑے وہ اپنے نفس کو ضرر پہنچائے گا اور خدا اس سے بے نیاز ہے۔ آپ ہمیں خواہ مشرق خواہ مغرب میں لے چلیں نہ ہم تقدیرِ الٰہی سے ڈرتے ہیں اور نہ خدا کی ملاقات ہم کو ناگوار ہے۔ ہم نیتوں اور

بصیرتوں پر قائم ہیں۔آپ کے دوست کے دوست آپ کے دشمن کے دشمن رہیں گے۔ (ناسخ ۲/ ۲۶۷) جون غلام ابوذر غفاری جب امام کی خدمت میں اجازت کے لیے آئے ہیں تو حضرت نے فرمایا میں اجازت نہیں دیتا تم یہاں سے چلے جاؤ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔ جون نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا وہ قابلِ غور ہے۔

جون نے کہا اے رسولؐ کے بیٹے راحت کے زمانے میں تو میں آپ کا پیالہ چاٹوں اور سختی کے موقعے پر آپ کو چھوڑ دوں، بیشک میرے جسم کی بو ناگوار اور میرا حَسَب ذیل ہے۔ رنگ میرا سیاہ ہے آپ مجھے جنت میں پہنچا کر میری تکلیف دور فرمائیں تاکہ میرے جسم کی بُو بھلی حَسَب شریف، رنگ سفید ہو جائے۔ خدا کی قسم میں آپ کو نہ چھوڑوں گا جب تک میرا خونِ سیاہ آپ کے خون میں مخلوط نہ ہو جائے۔ (ناسخ صفحہ ۲/۶ ۲۷۲)

## اصحاب کی دشمنوں کی رہنمائی کے لیے تقریریں:

قانونِ الٰہی کے موافق جو ہلاک ہو وہ حجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے۔ (انفعال ۴۲/ ۱۰)

اسی وجہ سے اہلِ ایمان اتمامِ حجت کو ایک زبردست فریضہ جانتے ہیں اور مواعظ و نصائح و ہدایات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ اصحابِ حسینؑ نے ایسے تنگ وقت میں کہاں تک اس اصول کو پیش نظر رکھا۔ موعظت و نصیحت کو کس انداز و اسلوب سے عمل میں لائے، عقول اس کا معیار مقرر کرنے میں حیران ہیں۔ وہ جوش تھا جو آج تک اسٹون اور برگ کی مشہور اسپیچوں کو نصیب نہیں۔ فصاحت و بلاغت وہ کہ جس کے جواب کی ہزاروں کے مجمعے میں سے کسی ایک کو

بھی جرأت نہیں ہوئی۔

بریر بن حضیر کا خطبہ:-

اے قوم خدا سے ڈر، یقین مانو کہ محمدؐ کی گراں مایہ امانت تمہارے سامنے ہے۔ یہ محمدؐ کی ذرّیت اور ان کی عزت، ان کی بیٹیاں اور ان کے حرم ہیں۔ تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے، ان کے متعلق کیا ارادہ ہے کیا تمہیں ان کی یہ خواہش منظور نہیں کہ یہ جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں وائے ہو تم پر اے اہلِ کوفہ تم کیا اپنے خطوط کو بھول گئے اور اپنے عہد فراموش کر دیے۔ ہائے افسوس تم نے ان کو اپنے نبیؐ کا اہلِ بیت سمجھ کر بلایا اور یہ گمان کیا کہ تم ان کے سامنے اپنی جانیں دے دو گے مگر جب وہ آ گئے تو تم نے انھیں ابنِ زیاد کے سپرد کر دیا اور انھیں آبِ فرات سے روک دیا۔ تم نے اپنے نبیؐ کی ذرّیت کے ساتھ کس قدر بُرا سلوک کیا۔ خدا تمہیں قیامت میں سیراب نہ کرے تم بہت بُری قوم ہو۔

(تاریخ ۶ صفحہ ۲۵۱)

اسلام نے آخری حربہ جو مخالفین کے مقابلے میں استعمال کیا تھا وہ بظاہر کچھ زیادہ وزنی نہیں تھا مگر حقیقت میں نہایت سنگین تھا جس کا نام مباہلہ ہے۔ جو لوگ عیسیٰؑ کے بارے میں تم سے حجت کرتے ہیں ان سے کہہ دو ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم سب مل کر، گڑگڑا کر خدا سے ایک دوسرے پر لعنت کی درخواست کریں۔ (آل عمران ص ۳/ ۶۲)

یہ حربہ ہر شخص استعمال نہیں کر سکتا اس حربے سے وہی کام لے سکتا ہے جسے اپنی حقانیت کا پورا علم ہو۔ جس کے سامنے سے حجاب اُٹھ گئے ہوں۔ دیکھو حسینی

مجاہد دشمن پر کیوں کر حجت تمام کرتا ہے اور کس اطمینان کے ساتھ مباہلے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یزید بن معقل نے میدان میں نکل کر کہا اے بریر تمہیں احساس ہوا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا، بریر نے کہا بخدا میرے ساتھ اس نے بڑی بھلائی کی اور تیرے ساتھ بُرائی سے پیش آیا۔ یزید نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو ذرا اس وقت کو یاد کرو جب ہم تمہارے ساتھ میں بہوواں جا رہے تھے اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان اپنے نفس پر اسراف کرتے ہیں اور معاویہ گمراہ کن ہے اور امامِ برحق علیؑ ہیں بریر نے کہا بیشک میری رائے اور میرا قول اب بھی یہی ہے۔ یزید نے کہا میں تم کو گمراہ سمجھتا ہوں، بریر نے کہا! اچھا تم اس بات پر ہم سے مباہلہ کر سکتے ہو۔ خدا جھوٹے پر لعنت کرے اور باطل پرست کو قتل کرے پھر ہم تجھ سے مقابلہ کریں۔ دونوں نے میدان میں نکل کر مباہلہ اور مقابلہ کیا دونوں طرف ردو بدل ہوئی۔ یزید کا وار خالی گیا اور بریر نے ایسی تلوار ماری جو خود کو کاٹ کر دماغ تک پہنچ گئی اور تلوار زخم سے نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ وہ گر کر ہلاک ہو گیا اور میدانِ مباہلہ بریری کے ہاتھ رہا۔ حنظلہ بن سعد (شاید یہی سعد بن حنظلہ ہیں) امام کے سامنے کھڑے تھے اور جتنے تیر لشکرِ یزید سے آتے تھے اپنے سینے پر روک لیتے تھے اور اسلام کش لشکر سے کہتے تھے اے قوم میں تجھ پر یوم الاحزاب اور قومِ نوح عاد و ثمود اور ان کے مابعد والے لوگوں کی طرح عذاب کا خوف کرتا ہوں اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ اے قوم میں تجھ پر عذابِ روزِ قیامت کا خوف کرتا ہوں جس روز کہ تم منہ پھیر کر جہنم کی طرف پلٹو گے اور عذابِ خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اے قوم، حسینؑ کو قتل نہ کرو ورنہ عذابِ خدا میں گرفتار ہو جاؤ گے دیکھو جس نے خدا پر افترا کیا وہ گھاٹے میں رہے۔

(تاریخ صفحہ ۲۷۱/۶)

زہیر بن قین اپنے گھوڑے پر ہتھیار لگائے برآمد ہوئے اور فرمایا کہ اے اہلِ کوفہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی نصیحت کا حق حاصل ہے اور ہم تم ایک دین پر ہونے کی وجہ سے بھائی بھائی ہیں جب تک ہم سے تم سے تلوار نہ چلے اور جب تلوار چل گئی تو برادری منقطع ہو گئی۔ ہم تم ایک امت ہیں، اللہ نے ہمیں اور تمہیں ذرّیت محمدؐ کے بارے میں آزمایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم تم کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ ہم تم کو ذرّیت محمدؐ کی نصرت اور عبید اللہ بن زیاد سرکش سے دستبردار ہونے کی دعوت دیتے ہیں اس لیے کہ تم اس سے اور عمرِ سعد سے سوا برائی کے کچھ نہ پاؤ گے وہ دونوں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے اور درختِ خرما کی شاخوں میں تم کو لٹکائیں گے اور تم لوگوں کو حجر بن عدی اور ان کے ساتھی ہانی بن عروہ کی طرح قتل کریں گے۔ راوی لکھتا ہے کہ اس تقریر کا جواب دشمنوں کی طرف سے دشنام کے ساتھ دیا گیا مگر بریر نے تحمل کر کے جواب دیا۔ بندگانِ خدا! اولادِ فاطمہؑ بہ نسبت سمیہ کے بیٹے ابنِ زیاد کی محبت و نصرت کی زیادہ حقدار ہے۔ اگر تم ان کی نصرت نہیں کرتے تو میں ان کے قتل کرنے سے تم کو خدا سے ڈراتا ہوں ان کے قتل ہی سے باز آؤ۔ (اسرار الشہادۃ صفحہ ۲۲۸۔ ابنِ اثیر ۳۲۔ ۴)

حُر نے کہا! کوفیو! تمہاری مائیں روئیں پیٹیں تم نے اس نیک بندے کو بلایا اور جب وہ تمہارے پاس آیا تم نے اس کو چھوڑ دیا، پہلے تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم اس کی مدد کرو گے، پہلے تم نے یہ کہا تھا کہ تم اپنی جانیں اس پر نثار کرو گے پھر تم اس کے ساتھ دھوکے سے پیش آئے اور اس کے قتل کا ارادہ کر کے اسے مجبور بنا دیا اور اسے ہر طرف سے گھیر لیا تاکہ وہ خدا کے وسیع ملک میں نہ جا سکے۔ اب وہ تمہارے ہاتھوں میں گویا اسیر ہے۔ نہ اپنے کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نصرت کو دور

کرسکتا ہے، تم نے اسے اور اس کے بچوں کو فرات کے آبِ جاری سے روک دیا جسے یہود و نصاریٰ پی رہے ہیں اور عراق کے سوٴر اور کتے اس میں لوٹ رہے ہیں اور وہ سب پیاس کے مارے تڑپ رہے ہیں، کیسا بُرا سلوک کیا تم نے ذرّیتِ محمدؐ سے خدا تم کو قیامت میں سیراب نہ کرے۔ (تاریخ ۶/ ۲۵۸، ابن اثیر ۴/ ۴۳)

## تبصرہ:

ان خطبوں کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد جہاں ان خطبوں میں حسن تکلم، قادر الکلامی، فصاحت و بلاغت، جوشِ ایمانی، انتہائی استقلال و شجاعت کی کھلی ہوئی نشانیاں موجود ہیں وہاں جدالِ حسن اور اتمامِ حجت کے بھی بے نظیر نمونے نظر آرہے ہیں۔ حقیقتاً ایسے نازک وقت میں اصولِ تبلیغ کی یہ مراعات اور اتمامِ حجت کا یہ لحاظ انھیں بہادروں کا کام تھا۔ وقت اور موقعے کا خیال، مخاطبین کی حیثیت کا لحاظ، ادائے مطلب کا طرزِ حجت کے تمام کرنے کا طریقہ، استدلال کا عنوان یہ سب ہی باتیں تو ان خطبوں میں قابلِ غور ہیں۔

دیکھو ایک مختصر سی مظلوم اور مجبور اور چاروں طرف سے گھری ہوئی جماعت کا ایک تشنہ لب خطیب بُریر بن خُضیر ایک ظالم و جابر و متغلب اور اسلام کش کلمہ گویوں کی بے شمار جماعت کو حدیثِ ثقلین یاد دلا کر حجت تمام کر رہا ہے اور اس مرجعِ ملامت قوم کو اس کی ناروا حرکات اور غدّارانہ چالوں پر متنبہ کر کے جدالِ حسن کی تفسیر کر رہا ہے اور کس خوبی سے اس معاویہ شاہی مجمعے میں بھی علیؑ کی حقیقت اور اغیار کی ناحق کوشی کو واضح کر کے انتہائی شجاعت اور یقین کے مظاہرے میں مباہلے کی دعوت دیتا ہے اور دوسرا خطیب حنظلہ بن سعد کس طرح مثالیں دے دے کر اس منحوس قوم کو عذابِ الٰہی اور اس کے عدل سے ڈراتا ہے

اور تیسرا خطیب زہیر بن قین کیسے کیسے نرم الفاظ و ناصحانہ انداز، برادرانہ اور مخلصانہ طور سے اس ناانصاف قوم کو سمجھاتا ہے اور دشنام کا جواب صبر و تحمل سے دے کر کس طرح اپنے مطلب پر آتا ہے۔ اس خونخوار مجمعے کو دخترِ رسول کا واسطہ دے کر مظلوم حسینؑ کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور چوتھا خطیب حرؑ ایک تازہ ناصر ہونے کی حیثیت سے غیظ و غضب اور جوش میں ڈوبا ہوا ہے اس لیے اس کے ابتدائی الفاظ کس قدر سخت ہیں مگر فوراً ہی وہ اپنے مطلب پر آجاتا ہے اور اس ظالم قوم کو متنبہ کر کے اپنے حق کو ادا کر دیتا ہے۔

## اصحاب اور نظّارۂ جنت:

مسکرا کر شہِ والا نے کہا کیا دیکھا
وہ پکارے ثمرِ الفتِ مولا دیکھا

جیتے جی جنتِ فردوس کا جلوہ دیکھا
اپنے گھر دیکھ لیے سایۂ طوبیٰ دیکھا

دیر اب کتنی ہے مرنے میں ہمارے مولا
جان و دل لے گئے حوروں کے اشارے مولا

شاعر نے جس مضمون کو ادا کیا ہے وہ اسلام کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔

شیخ قطب الدین راوندی ابوحمزہ ثمالی سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی ابن الحسین فرماتے ہیں حسینؑ جس شب کی صبح کو شہید ہونے والے تھے آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے فرمایا۔ یزیدیوں کو میرے سوا کسی سے غرض نہیں۔ پردۂ شب حائل ہے تم واپس چلے جاؤ میں اپنی بیعت تم سے اُٹھائے لیتا ہوں۔ صحابہ نے ایک زبان ہو کر کہا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ امامؑ نے

فرمایا کل کوئی نہیں بچے گا۔ صحابہ نے کہا خدا کا شکر اس نے ہمیں آپ کے ساتھ شہید ہونے کے شرف سے ممتاز فرمایا۔ امامؑ نے اس آزمائش کے بعد فرمایا:-

اچھا اپنا سر اٹھا کر دیکھو، ان لوگوں کو اپنی منزل جنت میں نظر آنے لگی۔ امام فرماتے جاتے تھے اے فلاں یہ تیری منزل ہے۔ یہ تیری منزل ہے اور اسی وجہ سے نیزوں اور تلواروں کو اپنے سینوں سے روکتے تھے کہ جنت میں اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ (شفاء الصدور)

امام نے فرمایا یقین جانو یہ جنت ہے جس کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور نہریں اس کی متصل ہیں اور پھل اس کے رسید ہو گئے، قصر اس کے مزین ہیں، حور و غلماں اس کے آراستہ ہیں، یہ رسولؐ اللہ اور ان کے ساتھ کے شہدا اور میرے والدین تمہارے آنے کے منتظر ہیں، تم کو بشارت دے رہے ہیں اور تمہارے مشتاق ہیں۔

صدوق عمارہ کی مسند سے علل الشرائع میں روایت ہے کہ صادقِ آل محمدؐ سے پوچھا گیا کہ حسینؑ کے اصحاب مرنے پر اس قدر کمر بستہ کیوں تھے۔ فرمایا ان کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیے گئے تھے تاکہ حوروں سے بغلگیر ہوں اور جنت میں اپنی جگہ پر قابض ہوں۔ (شفاء الصدور ۲۶۶)

معزز اصحاب کی آنکھوں سے پُر کدورت دنیا میں پردوں کا اٹھنا اور ان کا جنت کو گہری نظر سے دیکھ لینا ہماری آنکھوں سے ان کے فضائل اور خصوصیات کے پردے اٹھائے دیتا ہے کیونکہ یہ مشاہدہ عرفا کے مکاشفے سے کہیں بلند ہے۔ اصطلاحی مکاشفہ یہ ہے کہ ''جسم برزخی'' عین کاشف'' کے سامنے آجائے اور یہاں جسم برزخی کا مشاہدہ نہ تھا بلکہ عین جنت آنکھوں کے سامنے تھی

(اسرار صف ۲۷۱)

## تبصرہ:

کہا جاتا ہے کہ (۱) اس دنیا میں جنت کوئی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ جو روایات بتاتی ہیں کہ جنت دنیا میں دیکھی گئی ان کی تائید جب تک قرآن سے نہ ہو اس وقت تک میزانِ اعتبار میں ان کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کی ذیل کی آیت اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہے:

''وہ لوگ جو خدا کی راہ میں قتل ہو گئے ان کی کارگزاریوں کو خدا اکارت نہ کرے گا اور عنقریب ان کو منزلِ مقصود پر پہنچا دے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا اور انھیں جنت میں داخل کر دے گا جس کا انھیں پہلے سے شناسا کر رکھے گا۔ جملہ ''عرفها لهم'' اس امر پر کہ دنیا میں جنت کے دیکھنے کا امکان ہے کافی روشنی ڈال رہا ہے اور شہیدوں کے لیے دنیا میں بھی معائنہ جنت کی تجویز کو تقویت دے رہا ہے۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ حسین کے اصحاب نے جنت و حور و قصور کی زیارت کر لی تو ان کا جنت کی طرف کھنچ جانا ایک لابدی امر تھا اور ایسی صورت میں ان کے کارنامے اپنے اختیار سے نہ تھے بلکہ جو کچھ اس موقعے پر کہا جا سکتا ہے وہ جنت کی پُرزور کشش ہے۔ مقناطیس اگر لوہے کو کھینچ لے تو اس سے لوہے کی کوئی مدح نہیں کی جا سکتی بلکہ مقناطیس کا زورِ تجاذب بیان کیا جا سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جنت کے دیکھنے اور انسان کے کھنچ جانے میں کوئی لزومِ عقلی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جنت کا نظارہ قلب میں کوئی تڑپ نہ پیدا کرے۔ شیطان نے جنت کے زاویوں کا جس اطمینانی نظر سے معائنہ کیا ہو گا وہ ظاہر ہے مگر باوجود اس کے جنت اس کو کھینچ نہ سکی۔ اس نے نہایت آزادی سے خدا کی نافرمانی کی اور جنت کو ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ (اعراف ۱۳/ ۳۰)

ہمیں جنت کے جاذبِ نظر ہونے میں کلام نہیں لیکن اگر ناظر جذب ہونے کا ارادہ نہ کرے تو وہ کمند ڈال کر جذب نہیں کر سکتی۔ اب رہا جذبِ مقناطیسی پر معائنہ جنت کا قیاس، وہ کسی طرح درست نہیں ہے۔ مقناطیس میں قوتِ جاذبہ ضرور ہے مگر لوہے کو اس لیے کھینچتا ہے کہ لوہے میں بھی جذب ہونے کی صلاحیت ہے وہ پتھر کو جذب نہیں کر سکتا کیونکہ پتھر میں جذب کی صلاحیت نہیں ہے۔ مقناطیس میں قوتِ جاذبہ ہے لیکن اگر لوہے اور مقناطیس کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل ہو جائے اور پھر بھی لوہا مقناطیس کی طرف اڑ جائے تو ہم جانیں۔ معائنۂ جنت میں کشش ہے اور اصحابِ حسینؑ میں کھنچ جانے کی صلاحیت مگر وصال اور جنت کی شاہراہ میں جب نس کا بڑا وزنی پتھر حائل ہے اپنی گردن کے خون کے ریلے سے اس پتھر کو بہائیں تو منزلِ مقصود تک پہنچیں پھر قابلِ غور بات یہ ہے کہ جنت تو ان کو ایک مرتبہ دکھادی گئی تھی اگر جنت کی تصویر بروقت ان کے پیشِ نظر رہتی تو وہ تصویر کو سامنے رکھ کر اپنی جان تلف کر کے اپنے خون سے اس میں رنگ بھر سکتے تھے حالانکہ یہ بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ اقلیدس کے اصولِ موضوعہ کی طرح یہ امر محتاجِ دلیل نہیں ہے کہ اگر پتیلی کو لبریز کر کے آگ پر رکھیں گے تو وہ اُبل پڑے گی۔ ایک بھوکے کے سامنے لطیف کھانے چن دیے جائیں گے۔ تو وہ ٹوٹ پڑے گا ایک شخص کو اگر اس کی امید سے بہت زیادہ بلند بامِ ترقی پر چڑھا دیا جائے تو وہ انتہائی مسرت میں اپنے کو کوٹھے سے گرا کر ہلاک کر دے گا۔ وہ مخبوط الحواس ہو جائے گا۔ دیکھو ایک وصال کا بھوکا جب کامیاب ہوتا ہے اور اسے دوست کی زیارت نصیب ہوتی ہے تو اس نعمت کے ملنے کی وجدانی مسرت

اسے شادیِ مرگ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ غالب نے اس فلسفہ کو ذیل کے شعر میں نظم کیا ہے۔

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنا میرے آگے

اس نظریے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جنت کا معائنہ اصحاب کے کمالِ عرفان کی دلیل ہے۔ اگر اس موقعے پر کچھ اور تنگ نظر افراد ہوتے تو وہ اس سے اپنے بہبود کے خلاف جلد بازی سے کام لے کر جنت کے دیدار کا خوبی سے استقبال کرتے۔ انتہائی شوقِ بے امتیاز اور غیر معتدل عنوان سے گردنوں کو نا پتا اور اس خیال کی اجازت نہ دیتا کہ ہم جنگ کی ابتدا کر رہے ہیں یا دفاعی اقدام کر رہے ہیں علاوہ اس کے ایک بے دین جماعت کہہ سکتی ہے کہ معاذ اللہ یہ بنی ہاشم کی طلسم کاریاں اور ساحرانہ کرشمے ہیں۔ مگر حسین کے جاں نثاروں نے خود سے اپنے ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال لی تھیں اگر اس جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو فرطِ شوق میں امام سے اجازت کی بھی ضرورت نہ سمجھتا اور اپنے کو لشکرِ مخالف پر ڈال دیتا مگر حسینؑ کے اصحاب کی شانِ شوق بالکل جداگانہ تھی۔ کوئی شخص بغیر اذنِ امام کے ایک قدم آگے نہیں بڑھاتا تھا اگر کوئی اتفاق سے بڑھ گیا تو فوراً واپس آتا تھا اور امام سے عفو کا طالب ہوتا تھا۔ اتنے بڑے معرکے میں ان امور کا خیال ایک حیرت انگیز اطمینان اور سکون کا پتہ دیتا ہے۔ عروہ (حر کا غلام) اپنے مالک کی شہادت کے بعد بے خود ہو کر بغیر اجازتِ امام جنگ کے لیے چلے گئے تھے جب خیال آیا تو فوراً پلٹے اور عرض کیا فرزندِ رسولؐ مجھے عفو فرمائیے میں آپ سے بغیر رخصت ہوئے حر کے قتل سے بے خود ہو کر بڑھ گیا تھا۔

---

# میرے مولاؑ کے سپاہی

## مولانا سیّد ابرار حسین پاروی

رزمگاہِ عالم میں بقائے ملک وسلطنت کے لیے کروڑوں لڑائیاں ہوئیں اور آئے دن سلطنتوں میں جہد للبقا کے لیے جنگیں ہوتی رہتی ہیں۔ اربابِ تاریخ ان لڑائیوں کی پوری کیفیت اوران کے عنوان سے بخوبی واقف ہوں گے۔ دنیا کا کوئی لشکر کامیابی کے ساتھ اس وقت تک جنگ نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کو فتح کی کچھ بھی امید نہ ہو۔ میدانِ جنگ میں قدم رکھنے والا سپاہی اگر شروع سے آخر تک ناکامیابی ہی کی صورت دیکھتا رہا اور آئینۂ سیف میں اپنی موت کی تصویر دیکھے اور فتح کی کوئی جھلک ہی نہ دکھائی دے تو کبھی بازوؤں میں کس بل نہیں پیدا ہوسکتا اور نہ بہادر کا قدم آگے بڑھ سکتا ہے۔ اسی نظریے کے ماتحت اربابِ سلطنت بقاءِ سلطنت کے لیے اپنی فوج کے آرام کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔ غذا کا بہترین سامان، عیش وراحت کے سارے طریقے ہر وقت مہیا رہتے ہیں کسی طرح کی کوئی تکلیف فوج کے لیے روا نہیں رکھی جاتی۔ سلطنت کے ادارے میں ابتری ہوجائے، اخراجات کی تخفیف ہوجائے مگر فوج کے اخراجات میں اربابِ سلطنت کمی کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے یہ اس لیے کہ اگر بہترین غذا اور آرام وآسائش نہ پہنچایا گیا تو پھر سپاہی میدانِ جنگ میں کیا کام کرے گا۔ آج کی متمدن قوموں اور منظم سلطنتوں کا ذکر جانے دیجیے بلکہ آج سے ہزار برس قبل

بھی دیکھے گا تو فوج کے لیے ایسی ہی راحت کا سامان مہیا کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ روحانیت رکھنے والے سپاہی بھی جب تک آرام سے سیر نہ ہو جاتے تھے میدان میں قدم نہ رکھتے تھے۔ صفین کی جنگ میں ایک روز گھاٹ رک گیا تھا۔ لشکر اسلام میں ہلچل مچ گئی، سپاہیوں نے اسلحہ ڈال دیئے اور امیرِ عرب نے حضرت علیؑ کے پاس آکر شکایت کی کہ اگر ہم کو پانی اور کھانا نہ ملے گا تو خاک جنگ ہوگی ہم سے جنگ کرنی ناممکن ہے واقعہ بھی یہی ہے کہ جب تک سپاہی کو آرام اور بہتر غذا نہ ملے جنگ کیونکر کر سکتا ہے۔ عقل اور دنیا کے مشاہدات اس کی تائید کرتے ہیں کہ سپاہی کو بہتر غذا اور دنیا کی فکر سے علیحدہ رکھنا آئین جنگ کا پہلا اصول ہے بغیر ان خصوصیات کے نہ سپاہی فوج میں رہ سکتا ہے اور نہ جنگ کر سکتا ہے۔ دنیا کی کوئی جنگ ایسی نہ ملے گی جس میں سپاہی ان تمام شدائد و آلام کو بھی جھیل کر دنیا کی سختیوں سے مقابلہ کرتا ہوا میدان جنگ میں بہادری سے لڑے، اس قسم کی جنگ اگر کوئی ہے تو ایک اور صرف ایک اس شان کے سپاہی اگر ملیں گے تو صرف ایک جنگاہ میں اور بس وہ کون؟ وہ کربلا کی جنگ اور حسینی سپاہ کے بہتر ۷۲ سپاہی ہیں۔ کربلا کے جان نثارو! میرے مولا کے سپاہیو! تم پر سارے بہادروں کی جانیں نثار، ہم غلاموں کی روحیں فدا۔ تم نے اس شان سے جنگ کی کہ اپنی نظیر آپ قائم کر گئے۔ دنیا کے بہادر تمہاری بہادری کے سامنے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ باوجود یقینِ شکست تمھارا فاتحانہ انداز سے اقدام دنیائے شجاعت میں ہلچل ڈالے ہوئے ہے۔ بھوک اور پیاس میں تمھارے پے در پے حملے دلوں پر اثر جمائے ہوئے ہیں۔ بہادرو! تمہاری جنگ پر اب تک دنیا کو ناز ہے اور جب تک صفحۂ ارض باقی ہے تمہاری جنگ کا نقشہ قائم ہے۔

## مولا کے سپاہیوں کے خصوصیات:

میرے آقا کے سپاہیو! تمہاری خصوصیات کو زمانہ بھولا نہیں، بھوک اور پیاس میں جنگ کرنا، موت کا یقین کئے ہوئے میدان میں آنا، مرنے کی رات عبادت میں گزارنا۔ پپڑائے ہوئے ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم، ایک کی دوسرے پر سبقت، مرتے دم تک سردارِ لشکر کے احترام کی فرمائش، اوصیك بهذا الامام کا نعرہ، باوجود شدائد امامؑ سے کوئی شکایت نہ کرنا، علیؑ کے لال کی بچانے کی انتھک کوششیں، حمایتِ اہلِ حرم میں جانیں دینا، حالتِ نزع میں مولا کی گود پا کر تمہارا مسکرانا، بہادرو! تمہاری یہ وہ خصوصیات ہیں کہ جن کو دنیا بھلا نہیں سکتی۔ عاشور کی خاموش رات میں تمہارا تلواریں لے کر ٹہلنا۔ اشجع عرب کے گرد تمہارا جھرمٹ، بنتِ علیؑ کی فرمائش پر تلوار قبضے سے نکال کر درِ خیمہ پر پھینک دینا، یہ وہ مرقع ہے جو عالم کے پردے پر نظر نہیں آتا۔ اس کی ابتداوانتہا دونوں عاشور کی وسط شب سے عصر کے وقت تک محدود ہے۔ حسینؑ کے فدائیو! روحِ نبیؐ کے جاں نثارو! دنیا کے سپاہی تمہاری جنگ دیکھ کر متحیر ہیں کہ کس قوت سے کام لے کر عاشور کی جنگ سر کی۔

## لشکر حسینؑ کی ایک زبردست خصوصیت:

دنیا کی لڑائیاں جو جہد للبقا کے لیے لڑی گئیں ان میں بہ کثرت آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ لاکھوں سپاہی اور سپہ سالار لشکر ایک فوج سے نکل کر دشمن کی فوج میں جا ملے۔ تاریخ عالم اپنے دامن میں ایسی ہزار ہا مثالیں لیے ہوئے موجود ہے۔ ایسے غداروں کو دنیا اچھی نظر سے نہیں دیکھتی بلکہ ان کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہوتا ہے جو ہمیشہ کے لیے رہ جاتا ہے۔ مگر فوج حسینؑ کے سپاہیوں کی یہ مخصوص

شان ہے کہ اگر دشمن کی صف سے بہادرانہ طریقہ سے نکل آیا تو دنیا ان کو کسی طرح برا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے کربلا کی رزمگاہ میں پہلا مجاہد حر جری دشمن کی فوج کو آگاہ کر کے لشکر سے علیحدہ ہوتا ہے اور بارگاہِ حسینی میں حاضر ہو کر مظلوم کی فوج کا ممتاز سپاہی بننا چاہتا ہے۔ حُر کا ضمیر اس کی روش پر ملامت کر رہا تھا کہ تو ایک ظالم غدار کے ساتھ کیوں شریک ہو کر مظلوم کے خون سے اپنے خون کو آلودہ کرتا ہے، اب مجھے مولا کے پاس پہنچنا چاہیے، ضمیر کے اس سچے فتوے سے حضرت حر متاثر ہو کر فوجِ یزید سے علیحدہ ہوتے ہیں اور مظلومِ کربلا کے قریب آنے میں شرم دامن گیر ہے مگر اخلاقِ حسینی جرأت دلا رہا تھا کہ حسینؑ کریم ابنِ کریم ہیں اعترافِ قصور پر سب خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ یہ خیال کر کے حضرتِ حُر آگے بڑھتے ہیں اور مولا کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برسانے لگتے ہیں، مولا فرطِ محبت سے گلے لپٹا لیتے ہیں اور اپنے لشکر کا سپاہی بنانا منظور فرماتے ہیں۔ آج دنیا کی تاریخیں حر کے کریکٹر کو برا کیوں نہیں کہتیں۔ حر ایک صف سے علیحدہ ہو کر دوسری فوج میں مل جانے سے برا کیوں نہیں کہے جاتے صرف اس لیے کہ راحت سے تکلیف اور غالب سے مغلوب کی طرف آ گئے ہیں۔ اگر مغلوب و مفتوح کی جانب سے علیحدہ ہو کر مال و زر و سلطنت کی غرض سے غالب و فاتح کی صف میں جاتے تو یقیناً معاذ اللہ غدّار، بے وفا، بزدل کہے جانے کے مستحق ہوتے مگر یہ تو سمجھ کر آئے تھے کہ مرنا ضروری ہے، نہ مال و دولت ہے اور نہ ظاہری فتح ہونا نصیب میں ہے بلکہ حق سمجھ کر آئے تھے اور غالم سمجھ کر اسے چھوڑا تھا ایسے جاں بازوں کی بہادری میں اور جلا پیدا ہو جاتی ہے کہ باوجود تمام ظاہری تکلیفوں کے حق و باطل کی جنگ کا صحیح نقشہ دیکھ کر حق کی

طرف کھنچ آئے۔ راحت کے ساتھ فتح وغلبہ پانے والوں کے رفیق ہیں جدھر ان کی کامیابی اور مالِ غنیمت ملنے کی امید نظر آئی اسی طرف مائل ہو گئے لیکن اب تک دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکی کہ کوئی سپاہی غالب اور فاتح کا ساتھ چھوڑ کر مفتوح ومغلوب کے ساتھ سر کٹانے کے لیے تیار ہو جائے اور ٹڈی دل، آب و طعام سے سیر ہونے والی فوج سے نکل کر چند بھوکے پیاسوں کے ہمراہ تیر کھانے کے لیے آمادہ ہو۔ ایثار و بہادری کی وہ شان ہے جو سوائے میرے مظلوم مولا کے سپاہی (حضرت حرؑ) کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔

## لشکرِ حسینؑ کی ایک اور خصوصیت:

اس لشکر میں سپاہیوں کی بھرتی قد وقامت، قوت وطاقت کے لحاظ سے نہیں ہوئی بلکہ اس لشکر میں ایسے سن کے سپاہی بھی شریک ہیں جن کو دنیا کی فوجیں کبھی اپنی صف میں بلینے کے لیے تیار نہ ہوں گی۔ اس لشکر میں حبیب ابنِ مظاہر جیسا سن رسیدہ بڈھا بھی ہے جو دربارِ امام میں کمر خمیدہ آیا تھا مگر میدانِ جنگ میں غیرت مند جوان بن کر آیا۔ اس کی کمر سیدھی ہو گئی تھی جھرّیاں مٹ چکی تھیں، بازوؤں میں قوت بھی آ گئی تھی۔ بڈھوں کے ساتھ علی اکبرؑ ایسا نوجوان اور عباسؑ ایسا علمبردار بھی تھا۔ کربلا کے بہتّر ۷۲ جاں نثاروں کی یہ مخصوص کیفیتیں ہیں جو دنیا کے کسی لشکر کے سپاہی میں نہیں ملیں گی۔ حق وباطل میں امتیاز، نصرتِ حق کے لیے قربانی، بھوک اور پیاس میں جنگ، اگر دنیا والوں کو سیکھنا ہے تو وہ ان سپاہیوں سے سیکھیں۔ دنیا کے بہادرو! اگر معرکۂ جنگ دیکھنا ہو تو میرے مولا کے سپاہیوں کی لڑائی دیکھو۔ نوجوانانِ قوم! اگر اپنے میں عزم واستقلال پیدا کرنا چاہتے ہو تو ایثار وہمت کے ان مجسموں کو دیکھو اور ان سے سبق حاصل کر کے

حمایتِ حق میں قدم باہر نکالو اور ناصرانِ دین میں اپنا نام لکھوا کر حسینی سپاہیوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی مبارک سعی کرو۔

## حسینی فوج کی ایک بڑی خصوصیت:

حسینی فوج کی سب سے بڑی خصوصیت جو دنیا کے پردے پر نظر نہیں آسکتی وہ یہ ہے کہ اس لشکر میں جہاں اور طرح طرح کے سپاہی تھے وہاں ایک ششماہہ مجاہد بھی تھا۔ اسے شاعری نہ سمجھئے بلکہ واقعہ ہے کہ جو بڑے بڑے مجاہدوں نے کیا وہ علی اصغرؑ شیر خوار نے بھی کیا۔ کیا کہنا میرے کمسن دلیر اور ششماہے مجاہد کا جس کے سامنے شیروں کی بھی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔ یہ مجاہد سپاہی تھا اور ضرور تھا مگر تیغ و تبر سے بے نیاز، زرہ و بکتر اور سپر سے کوئی کام نہ تھا صرف مرضیٔ داور میں مرنے کا ارادہ تھا۔ تُو نے بے تیر و کمان فوجوں کے منہ پھرا دیئے، سنگدلوں کو اپنے وار سے رلوا دیا۔ اے میرے ننھے مجاہد تو خاموش تھا لیکن تیری شجاعت کا ڈنکا فوجِ روم و شام میں بج رہا تھا۔ تُو دنیا سے مسکراتا ہوا گیا لیکن اہلِ دنیا کو رلواتا ہوا گیا۔ تیری شجاعت دیکھ کر شجاعانِ عرب عاجز ہو گئے، تیرا تیر کھا کر مسکرانا یہ وہ وار تھا جو عرب کے سنگدل قلوب کو برما گیا، میرے مظلوم و کمسن مجاہد کس قدر تو قوی و بہادر تھا کہ ایک گلے کے تیر سے کشتیٔ اسلام کو کربلا کے طوفانی دریا سے کھیلتا ہوا پار نکال لایا۔ جب تک دنیا ہے تیری شجاعت کے کارنامے باقی ہیں۔ تو محسنِ اسلام ہے، اسلام تیرا ممنون ہے، اسلام اور اہلِ اسلام کی جانیں تجھ پر فدا۔

---

# امام حسینؑ کی تقریریں
# اور انصار کے جوابات

## خطابت اور خُطبہ:

منبر وغیرہ پر یا کھڑے ہو کر نثر میں جو کلام بغیر کسی خاص مخاطب کو پیشِ نظر رکھے ہوئے کیا جائے اُسے عربی زبان میں خطبہ کہتے ہیں۔ غالباً ہماری اردو زبان میں تقریر کا بھی یہی مفہوم ہے اس کلام کے کرنے کو عربی زبان میں ''خطابت'' کہتے ہیں۔ جو بہ فتح خا ہے۔ عام طور پر لوگ کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ خطبہ کی لفظ کبھی اس مفہومِ مصدری کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، اس شخص کو جو یہ کام اچھی طرح انجام دیتا ہو ''خطیب'' کہتے ہیں۔

## عرب اور فنِ خطابت:

خطابت کے ضروری اجزا ہیں بلاغت اور خیال اور عرب میں یہ دونوں عنصر جس کمال کے ساتھ تھے وہ ان کی شاعری سے خطابت ہے بلکہ ان کا قومی نام عرب خود ہی اُن کی قوتِ تکلّم کا ترجمان ہے۔ پھر شاعری میں بلاغت کا طریق عمل بعض اوقات رقیق جذبات کے اظہار کی طرف مائل ہو جاتا ہے جن میں

انفرادی جذبات یا بعض "نقادوں کی زبان میں محض داخلیت ہوتی ہے مگر خطابت کا تعلق ایک جماعت کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے اس میں بلند آہنگی اور اقدام پسندی اور تاثیر کا عنصر زیادہ کارفرما ہوتا ہے اس لیے وہ قومیں خطابت میں پیچھے ہوتی ہیں جنھیں اقدام کے مواقع نصیب نہیں ہوتے اور جذبات میں تحریکات کا کوئی تقاضہ نہیں پیدا ہوتا لیکن عرب قوم میں ان کے ماحول اور آب و ہوا کی تاثیر نے آزادی، بلند ہمتی اور شدتِ احساس کُوٹ کُوٹ کر بھر دی تھی اس لئے بلاغت ان کے نقوش میں ایک عجیب برقی رَو پیدا کرتی تھی۔ چند مختصر جملے جو شرائطِ بلاغت کے ساتھ کسی خطیب کی زبان سے نکل جاتے تھے ایک بڑی سے بڑی جماعت کو اٹھا دیتے اور بٹھا دیتے تھے پھر ان میں جو باہمی نزاعیں اور خانہ جنگیاں ہوتی رہتی تھیں اور جو قبائلی تصادم ہوتے تھے ان میں خطابت کے استعمال کے مواقع زیادہ سے زیادہ ملتے تھے۔ یہ خطبے اکثر موقع ومحل کے تقاضے سے کمانوں کو زمین پر ٹیک کر اور نیزوں یا تلواروں سے اشارے کر کے پڑھے جاتے تھے اور کبھی خطیب اپنے مرکب پر سوار ہو کر تقریر کرتا تھا۔

(البیان والبنین ، حافظ ج۱ ص ۱۳۹، ج ۲ ص ۲۲)

چونکہ شاعری اور خطابت کے بہت سے اہم عناصر مشترک ہیں اس لیے زیادہ تر شعرا خطیب اور زیادہ تر خطبا شاعر ہوتے تھے اور جس قبیلے میں شاعر اچھے ہوتے تھے اس میں خطیب بھی اچھے پیدا ہوتے تھے پھر بھی شاعری اور خطابت میں باعتبارِ جاہلیت اور اسلام کے فرق نظر آتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں شاعری خطابت پر مقدم تھی اس لیے کہ خطابت کا تعلق اجتماعی زندگی کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے اور جاہلیت میں تمدن کے دائرے عرب کے بہت محدود تھے لیکن اسلام میں

خطیب کا درجہ شاعر سے مقدم ہوگیا کیونکہ اسلام نے شخصی عیش کو اجتماعیت کے دریا میں فنا ہوجانے کی عشرت میں تبدیل کردیا تھا اس لیے یہاں وعظ وارشاد، تحریکِ جہاد، تنظیمِ اعمال، اِنھیں چیزوں کا دور دورہ تھا اور یہ کوئی بات بغیر خطابت کے نہیں ہوسکتی اس لیے پیغمبرِ اسلام جبکہ قدرت کی جانب سے شاعری سے اس درجہ الگ رکھے گئے کہ اعلان ہوگیا۔(وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ) پھر بھی خطابت میں آپ کا مقام نہایت بلند ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اگرچہ کبھی رجز وغیرہ کے موقعے پر اشعار نظم فرمائے مگر آپ کے کلام کا کوئی مستند مجموعہ تک راویانِ اخبار اور علما سلف کا جمع کیا ہوا ہمارے ہاتھ میں موجود نہیں ہے مگر خطبے آپ کے اس وقت تک وہ ہیں جو تواریخ کے صفحات پر زریں حروف میں الگ نمایاں ہیں اور نہج البلاغہ اور دستورِ معالم الحکم وغیرہ مستقل کتابوں کی شکل میں علیحدہ موجود ہیں اور ایک دنیا سے خراجِ عقیدت حاصل کرتے ہیں۔

## محرکاتِ خطابت کے لحاظ سے کربلا کے موقعے کی اہمیت:

۱۰ رمحرم ۶۱ ۱۳ھ کو واقع ہونے والا واقعہ کربلا، جس کے سلسلے کی قریبی کڑیاں رجب ۶۰ ۱۳ھ سے شروع ہوئی تھیں اس میں خطابت کے جتنے محرکات جمع تھے اتنے دنیا کی تاریخ میں کہیں مشکل سے نظر آسکتے ہیں۔

یہ ایک عظیم الشان حق و باطل کا مقابلہ تھا۔ مادّیت وروحانیت کا لافانی تصادم تھا، ایک انتہا قلیل التعداد جماعت کے عزم و ہمت اور ولولہ و امنگ کے اس مظاہرے کا ہنگام تھا جو اسے اپنے سے بدرجہا زیادہ کثرت اور مشکلات و مصائب کے سیلاب کے مقابلے میں پُر استقلال اور باعمل رکھ سکے اور حق سے بے خبر یا تعصب برتنے والے دشمن گروہ کے سامنے اظہارِ حقیقت اور اتمامِ حجت

کی وہ کوشش تھی جو اس کی غلط کرداری میں معذرت یا تاویل کا کوئی پہلو باقی نہ رکھے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے سامنے اس غیر متوازن مقابلے کے اسباب کو پیش کر دیتا تھا جو آئندہ تاریخ کے لیے حق شناسی اور معاملہ فہمی کا سرمایہ بن سکیں۔ یہ تمام مقاصد خطبوں ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتے تھے۔

اور اس لیے کربلا سے متعلق خطبوں کو صرف ادبی حیثیت سے اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ فلسفۂ شہادتِ حسینؑ کے سمجھانے میں بھی ان کا بڑا دخل ہے۔

## واقعۂ کربلا کے تمہیدی واقعات سے متعلق سب سے پہلا خطبہ:

جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت امام حسینؑ نے مدینۂ منورہ سے روانگی کے وقت کوئی خطبہ ارشاد نہیں فرمایا اور نہ اس کا موقع تھا اسی طرح مکۂ معظمہ پہنچنے کے بعد بھی کوئی خطبہ حضرت کا نہیں ملتا اس لیے کہ آپ کی حیثیت مکۂ معظمہ کے قیام میں صرف ایک پناہ گزین کی تھی حکومتِ یزید کے خلاف کوئی تنظیم یا تحریک مدِ نظر نہ تھی۔ ہاں آپ کے مکۂ معظمہ میں قیام کی اطلاع جب کوفے میں ہوئی تو اہلِ کوفہ میں حرکت پیدا ہوئی اور سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر اجتماع ہوا۔ اس موقعے پر جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کے الفاظ یہ ہیں:-

"اہلِ کوفہ کو معاویہ کی ہلاکت کا حال معلوم ہوا تو یزید (کے افعال و اعمال) کا چرچا ہونے لگا اور امام حسینؑ اور آپ کے بیعتِ یزید سے انکار اور ابنِ زبیر کے واقعات اور ان دونوں کے مکہ کی طرف جانے کے حالات بھی معلوم ہوئے تو کوفے کے شیعہ سلیمان ابنِ صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہوئے اور ان لوگوں نے معاویہ کی ہلاکت کا ذکر کیا اور شکرِ خدا ادا کیا"۔

اس موقعے پر سلیمان بن صرد خزاعی نے کہا معاویہ کی ہلاکت ہو گئی اور حضرت

امام حسینؑ نے بیعت سے انکار کیا ہے اور مکۂ معظمہ چلے گئے اور تم لوگ ان کے اور ان کے پدرِ بزرگوار کے شیعہ ہو اب اگر تم یقین کے ساتھ سمجھتے ہو کہ ان کی مدد کرو گے اور ان کے دشمن سے جنگ کرو گے تو ان کے نام خط لکھو اور اگر سستی و کمزوری کا اندیشہ محسوس کرو تو دیکھو خبردار دھوکہ دے کر ان کی جان کو خطرے میں نہ ڈالو۔ سب نے کہا نہیں بلکہ ہم ان کے دشمن سے جنگ کریں گے اور ان کے سامنے اپنی جان نثار کریں گے تو پھر خط لکھو۔ چنانچہ خط لکھا گیا۔

سیاقِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مجمعے میں سلیمان سے پہلے کچھ اور مقررین نے اظہارِ خیالات کیا تھا اور اس کے بعد سلیمان نے یہ دور اندیشی کی تقریر کی تھی مگر افسوس ہے کہ پہلے مقررین کے اسما اور ان کے خطبے ہم تک نہیں پہنچ سکے اس لیے ہم جہاں تک ہماری دسترس کا تعلق ہے سلیمان ہی کے الفاظ کو اس سلسلے کا پہلا خطبہ قرار دے رہے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سلیمان کا پورا خطبہ نہیں بلکہ اس کا ایک خلاصہ ہے جو ہم تک پہنچ سکا ہے۔

## حضرت عابس شاکری کی تقریر:

جب سید الشہدا نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو اپنا نائب بنا کر کوفہ روانہ کیا اور وہ کوفے پہنچے اس موقعے کے حالات میں طبری نے لکھا ہے۔

مسلم نے کوفے میں پہنچ کر مختار بن ابی عبیدہ کے مکان میں جو آج کل خانہ مسلم بن مسیب کے نام سے مشہور ہے قیام کیا اور شیعہ لوگ ان کے پاس آنے جانے لگے۔ جب ایک کافی جماعت ان کے پاس جمع ہو گئی تو انھوں نے ان کے سامنے حضرت امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا سب لوگ رونے لگے اس وقت عابس بن ابی شبیب شاکری کھڑے ہوئے اور انھوں نے حمد و ثنائے الٰہی ادا کی پھر کہا

صاف بات تو یہ ہے کہ میں آپ کو ان لوگوں کے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتا اور نہیں سمجھ سکتا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور ان کے متعلق آپ کو دھوکہ دینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں بخدا جو کچھ میں نے اپنے دل میں ٹھان رکھا ہے وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ بخدا جب آپ لوگ بلائیں گے تو میں فوراً لبیک کہوں گا اور آپ کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جنگ کروں گا اور ان حضرت کے سامنے اپنی تلوار سے آخر دم تک حرب و ضرب کروں گا جس سے میری نیت صرف اللہ کی خوشنودی ہوگی اور کچھ نہیں۔

اگرچہ ان الفاظ سے تخاطب بظاہر جناب مسلمؑ کی طرف ہے اس لحاظ سے اسے خطابت نہیں بلکہ مکالمات میں داخل ہونا چاہیئے مگر اس کے پیش ہونے کا انداز، کھڑا ہونا، حمد و ثنا ادا کرنا اور پھر اس کا پس منظر اور مضمون یہ بتاتا ہے کہ اس میں اس مناسبت سے کہ جناب مسلمؑ نے حضرت امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تھا اگرچہ مخاطب جنابِ مسلمؑ ہیں مگر مقصود اس سے تمام مجمعے کو متاثر کرنا اور ایک طرف ان کی خالی خولی گریہ و بکا کی بے وقعتی ظاہر کرنا اور دوسری طرف اپنے عزم و ارادے کی اطلاع دے کر انھیں اپنے دل کی گہرائیوں میں جائزہ لینے کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے اور اس لیے ان کے الفاظ کو ایک خطبے کی حیثیت دینا درست معلوم ہوتا ہے۔

## حبیب ابنِ مظاہر کی تقریر:

اسی جلسے میں عابس بن ابی شبیب شاکری کے بعد طبری کا بیان ہے۔

''حبیب ابنِ مظاہر کھڑے ہوئے اور کہا خدا کی رحمت تم پر، تم نے اپنے دل کی بات بڑے مختصر الفاظ میں ادا کر دی پھر کہا میں بھی قسم اس خدا کی جس کے سوا

کوئی معبودِ برحق نہیں ہے یہی ارادہ رکھتا ہوں جوان کا ارادہ ہے"۔

## سعید بن عبداللہ حنفی کی تقریر:

حبیب ابنِ مظاہر کی تقریر کے بعد طبری نے لکھا ہے۔

"پھر سعید بن عبداللہ حنفی نے ایسا ہی کہا۔" "ایسا ہی" کے معنی وہی الفاظ تو نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ ایسی تقریر کہ جس کا مضمون وہی تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اصل الفاظ ہم تک نہیں پہنچ سکے کہ وہ کیا تھے۔

یہ تینوں تقریریں جس سچائی کے ساتھ ہوئی تھیں اس پر کربلا میں ان بہادروں کے خون سے مہر تصدیق ثبت ہو گئی۔

## دربارِ دشمن میں ایک مختصر مگر معرکہ آرا خطبہ:

یہ خطبہ ہی نہیں بلکہ ایک جرأت آمیز اقدام تھا جس کے خطیب نے انتہائی نازک اور ہیبت ناک ماحول میں اپنے اس خطبے سے جہادِ حسینی میں وہ امکانی شرکت کی ہے جو تاریخ میں یادگار حیثیت رکھتی ہے۔ یہ خطیب قیس بن مسہر صیدادی ہیں جنھیں حضرت امام حسینؑ نے مکۂ معظمہ سے عراق کی طرف روانگی کے بعد بطن الریمہ کے مقام حاجر سے اہلِ کوفہ کے نام خط دے کر بھیجا تھا۔ وہاں صورتِ حال یہ تھی کہ مسلم بن عقیل شہید ہو چکے تھے اور ابنِ زیاد کی طرف سے کوفے کی ناکہ بندی ہو گئی تھی اور اسی ذیل میں قادسیہ کے ناکے پر حصین بن تمیم ہزاروں کا لشکر لیے تعینات تھا۔

شیخ مفید لکھتے ہیں اور طبری کی روایت بھی اس سے متفق ہے:۔

"قیس بن مسہر امام حسینؑ کا خط لے کر کوفے کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک

کہ جب قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے انھیں گرفتار کرلیا اور انھیں عبداللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابنِ زیاد نے ان سے کہا منبر پر جاؤ اور حسینؑ ابنِ علیؑ کو برا کہو۔ یہ سن کر قیس منبر پر گئے اور حمد وثناءِ الٰہی کے بعد کہا کہ اے لوگوں تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حسینؑ ابنِ علی مخلوق خدا میں سب سے بہتر فاطمہ دخترِ پیغمبر کے فرزند ہیں اور میں ان کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا ہوا آیا ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کی مدد کے لیے روانہ ہو جاؤ اس کے بعد انھوں نے ابنِ زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور حضرت علی ابن ابی طالب پر درود بھیجا اور آپ کی توصیف وثنا کی فوراً ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ انھیں قصر کے کوٹھے سے نیچے گرایا جائے وہ گرا دیئے گئے اور ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑ گئے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ اس حال میں زمین پر آئے کہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور ان کی ہڈیاں شکستہ ہو گئیں مگر ان میں رمقِ جان باقی تھی تو ایک شخص جس کا نام عبدالملک بن عمیر لخمی تھا بڑھا اور اس نے انھیں ذبح کر دیا۔ جب اس بارے میں اسے بُرا کہا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے چاہا تھا کہ انھیں تکلیف سے چھٹکارا دلا دوں"۔

اس خطبے کی اگر شرح کی جائے تو کافی طولانی ہوگی۔ قیس کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جانتے تھے کہ اس خطبے کے ختم ہونے سے پہلے ان کی زندگی کے خاتمے کا امکان ہے اس لیے وہ اس مختصر وقفے میں وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتے تھے جو انھیں کہنا تھا اس لیے انھوں نے ابنِ زیاد کی مذمت یا امیر المومنین کی منقبت کو مقدم نہیں رکھا کیونکہ پھر ان کا اصل مقصد رہ جاتا۔ انھوں نے ابنِ زیاد کی فرمائش پر ایک لمحے بھی توقف نہیں کیا جس سے ابنِ زیاد کو یہ سمجھنے کی کافی وجہ تھی کہ ماحول کی ہیبت نے قیس کو اپنی جان کی خیر منانے پر آمادہ کر دیا ہے اور وہ اب اپنے

تحفظِ جان کے لیے وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہیں جو میں کہوں۔

انھوں نے شدید قلبی اضطراب کے باوجود اپنی تقریر متوازن اور مطمئن حالات اور وقتی تقاضوں کے مطابق حمد وثنائے الٰہی سے شروع کی جس سے ابنِ زیاد کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کے بعد یہ کیا کہیں گے۔ انھوں نے آغازِ مقصد ''لوگو تمہیں معلوم ہے یہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں'' کے ساتھ کیا جس سے ابنِ زیاد اور تمام مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اب اس کے بعد حسین کا دوست اور حسین کا قاصد وہ کچھ کہے گا جو حسین کے دشمنوں کا دل چاہتا ہے مگر اس کے بعد اگرچہ راویوں نے نہیں بتایا مگر یقیناً ان کے بیان کی رفتار تیز ہو گئی۔ انھوں نے رعد کی سی گرج اور بجلی کی سی تڑپ کے ساتھ حسینؑ کی رفعتِ ذاتی (خیرِ خلق اللہ) اور خصوصیتِ نسبی (ابنِ فاطمہ بنتِ رسول اللہ) اور اپنے منصبِ سفارت (انّی رسول علیکم) اور اہلِ کوفہ کے فرض (فاجیبو) کا اعلان کیا اور اب اپنے سفر کا مقصد اور زندگی کے ما حصل کو پورا کر کے موت کو یقینی سمجھتے ہوئے اتنی دیر میں جب تک جلّاد ان تک پہنچے مدح وقدح کے ساتھ اپنے جذبات وضمیر دونوں کی تشنگی کو بجھانے کا سامان کیا اور اب ان کی زندگی ابنِ زیاد کے لیے ناقابلِ برداشت ہونے کا یہ عالم تھا کہ قتل کے کسی ایسے فرمان کے بجائے جس میں کچھ دیر لگے مضطربانہ اور غیر فطری طریقے سے ان کو قصر کے اوپر سے نیچے گرا دینے کے حکم کی صورت میں اختیار کرنا پڑا۔ یہ ہو گیا اور قیس کی اکھڑی ہوئی سانسیں فخر کر رہی تھیں کہ۔

''شادم از زندگیِ خویش کہ کاری کردم''

تاریخ طبری سے پتہ چلتا ہے کہ قیس بن مسہر کی شہادت کی خبر حضرت حر سے

ملاقات کے بعد پہنچی ہے۔ کربلا کے بہت قریب منزلِ عذیب الہجانات پر جب کوفے کے چار آدمی جو مجمع بن عبداللہ عائذی وغیرہ تھے نافع بن ہلال کا کوتل گھوڑا اپنے ساتھ لیے طرماح بن عدی کی رہنمائی میں کربلا پہنچے۔

طبری میں لکھا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا کہ "ذرا وہاں کے لوگوں کے حالات تو بتاؤ"۔ مجمع بن عبداللہ عائذی نے جو ان چار آنے والے آدمیوں میں سے ایک تھے کہا کہ "جو بڑے بڑے لوگ ہیں ان کو بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اس طرح ان کو طرف دار بنایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ سب آپ کے خلاف متفق ہیں، رہ گئے دوسرے لوگ ان کے دل تو آپ کی طرف جھکتے ہیں مگر تلواریں ان کی کل آپ کے خلاف ہی بلند ہوں گی"، کہا "اچھا کچھ تمہیں میرے قاصد کی بھی خبر ہے؟" "کہا وہ کون۔؟ فرمایا: "قیس بن مسہر صیداوی"۔

"کہا۔ جی ہاں! ان کا واقعہ یہ ہے کہ حصین نے اُن کو گرفتار کر لیا اور انھیں ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابنِ زیاد نے انھیں حکم دیا کہ وہ آپ کی اور آپ کے والدِ بزرگوار کی شان میں کلماتِ نازیبا استعمال کریں مگر انھوں نے آپ پر اور آپ کے پدرِ بزرگوار پر درود بھیجا اور ابنِ زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور لوگوں کو آپ کی مدد کی طرف آنے کی دعوت دی اور انھیں آپ کے آنے کی اطلاع دی اس پر ابنِ زیاد نے حکم دیا اور وہ قصر سے نیچے پھینک دیے گئے"، یہ سن کر حضرت کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حضرت گریہ فرمانے لگے پھر قرآن کی آیت پڑھی جس کا مضمون یہ ہے کہ کچھ گزر گئے اور کچھ وقت کے منتظر ہیں اور ان سب نے اپنی بات کو بدلا نہیں۔ پھر کہا "خداوندا ان کے اور ہمارے لیے بہشت کو محلِ

ضیافت قرار دے اور ہمارے اور ان کے درمیان اپنی قرارگاہِ رحمت اور اپنے ذخیرہ کردہ ثواب کے مرکز میں یکجائی پیدا کر دے"۔

اسی سے ملتا ہوا عبداللہ بن یقطر کا واقعہ ہے۔

قیس بن مسہر صیداوی کے واقعے سے بہت مشابہ ایک واقعہ طبری نے عبداللہ بن یقطر کے متعلق لکھا ہے لیکن اس کا ذکر انھوں نے راہ کے واقعات میں اس منزل پر نہیں کیا ہے جہاں سے عبداللہ بن یقطر کو روانہ کیا ہے بلکہ اس منزل کے حالات میں ذکر کیا ہے جہاں ان کی خبرِ شہادت پہنچی ہے وہ لکھتے ہیں۔

مجھ سے ابو علی انصاری نے بیان کیا بکر بن مصعب مدنی کی زبانی۔ اس نے کہا "حسین جس چشمے کی طرف سے گزرتے تھے وہ لوگ آپ کے ساتھ ہو جاتے یہاں تک کہ جب آپ منزلِ زبالہ پر پہنچے تو آپ کو آپ کے برادرِ رضاعی عبداللہ بن یقطر کے قتل کی خبر پہنچی اور آپ نے انھیں مسلم بن عقیل کی طرف راستے سے بھیجا تھا۔ بظاہر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ قادسیہ میں حصین بن نمیر کی فوج نے انھیں گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس بھیج دیا اس نے کہا کہ قصر کے اوپر چڑھو اور حسینؑ ابنِ علی پر (معاذ اللہ) لعنت کرو پھر اترو تو تمہارے بارے میں کچھ فیصلہ کروں یہ سن کر وہ قصر کے اوپر گئے جب لوگوں کے سامنے پہنچے تو کہا اے لوگو! میں دخترِ رسولِ خدا حضرت فاطمہ کے فرزند امام حسین کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تم ان کی مدد و نصرت کرو"۔

ابنِ مرجانہ کے خلاف، جو سمیہ کے بے باپ کی اولاد ہے، یہ سننا تھا کہ عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا اور انھیں قصر کے اوپر سے زمین پر پھینک دیا گیا جس سے ان کی ہڈیاں شکستہ ہو گئیں اور ان میں رمقِ جان باقی رہ گئی تو ایک شخص آیا

جس کا نام عبد الملک بن عمیر لخمی تھا اس نے انھیں ذبح کیا تو جب لوگوں نے اسے بُرا بھلا کہا تو اس نے کہا۔ ''میں نے تو چاہا تھا کہ انھیں راحت دے دوں''۔ ہشام کا بیان ہے کہ ہم سے ابوبکر بن عیاش نے ایک شخص کی زبانی بیان کیا انھوں نے کہا وہ درحقیقت عبد الملک بن عمیر لخمی نہ تھا جس نے اٹھ کر انھیں ذبح کیا بلکہ ایک دوسرا لمبے قد اور گھونگھر والے بالوں والا دوسرا شخص تھا جو عبد الملک بن عمیر لخمی سے کچھ ملتا جلتا تھا۔ یہ خبر امام کو اس وقت پہنچی جب آپ منزلِ زبالہ پر تھے۔ حضرت نے لوگوں کے سامنے ایک تحریر پڑھی جس میں لکھا تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم واضح ہو کہ ہم کو نہایت دردناک خبر پہنچی ہے اور وہ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبد اللہ بن یقطر کے قتل ہونے کی اور یہ کہ ہمارے لوگوں نے ہم سے تعاون ترک کر دیا لہٰذا جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہے وہ چلا جائے۔ اس پر ہماری طرف سے کوئی ذمے داری نہیں ہے۔

اس میں جہاں تک قادسیہ میں گرفتار ہونے، ابن زیاد کے پاس بھیجے جانے، اس کی طرف سے قصر پر چڑھ کر امام حسینؑ کو برا بھلا کہنے کا حکم اور پھر قصر پر جا کر اس کی مرضی کے خلاف تقریر کرنے اور وہاں سے گرا دیے جانے کا اصل واقعہ ہے۔ وہ قیس بن مسہر کے واقعے کے ساتھ اتنا یکساں ہے کہ انھیں دو مستقل واقعے ماننا مشکل ہوتا ہے اور اسی لیے شیخ مفید علیہ الرحمہ نے قیس بن مسہر صیداوی کے واقعے ہی کو اصل قرار دیا ہے اور عبد اللہ بن یقطر کے نام کو اسی میں بطور ایک قول کے نقل کیا ہے انھوں نے تحریر فرمایا ہے۔

''جب امام حسینؑ بطن الرمہ کے مقام حاجر تک پہنچے تو قیس بن مسہر صیداوی کو کوفے کی طرف روانہ کیا اور ایک قول یہ ہے کہ انھیں نہیں بلکہ اپنے رضاعی بھائی

عبداللہ بن یقطر کو روانہ کیا تھا"۔

نیز آخر میں عبداللہ بن یقطر کے قتل کا یہ حال ہے کہ عبدالملک بن عمیر لخمی نے ذبح کیا اور کہا میں راحت دینا چاہتا تھا۔ انھوں نے قیس کی شہادت کے حال میں ایک قول قرار دے کر نقل کر دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس صورت میں ایک شکل تو یہ ہے کہ ہم قیس بن مسہر کے واقعے کو اصل تسلیم کریں اور یہ سمجھیں کہ کسی وجہ سے بعض راویوں نے اسی کو عبداللہ بن یقطر کی طرف منسوب کر دیا مگر طبری نے حضرت امام حسینؑ کی جو تحریر منزلِ زبالہ پر پڑھنے کا حال درج کیا ہے اس تحریر کے الفاظ میں صراحتاً عبداللہ بن یقطر کا نام ہے دوسری شکل یہ ہے کہ عبداللہ بن یقطر ہی کے متعلق اس واقعے کو صحیح سمجھیں اور قیس بن مسہر کے لیے اس واقعے کی نسبت تسلیم نہ کریں مگر قیس کا ذکر شیخ مفید اور طبری دونوں ہی کر رہے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ بطن الرمہ کے حاجر سے بھیجے گئے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی شخصیت اور ان کا امام حسینؑ کی طرف بھیجا جانا متفق علیہ ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قیس اور عبداللہ دونوں کی رسالت کو تسلیم کیا جائے اور مشترکہ حصے کو دونوں کے لیے یکساں طور پر واقع ہونا تسلیم کریں اور مختص امور کو ہر ایک سے الگ متعلق کریں یعنی یہ کہیں کہ قیس اور عبداللہ کے بارے میں اتنا فرق ہے کہ قیس نے ابتداء میں حضرت امام حسینؑ کی تعریف و توصیف میں خیر خلق اللہ ابن فاطمہ بنت رسولؐ کے الفاظ کہے تھے اور اس کے بعد اپنے جانے کا ذکر کیا تھا عبداللہ بن یقطر نے شروع ہی سے بس اپنے بھیجے جانے کا ذکر کیا۔ اور اسی میں یہ کہہ دیا کہ ان کی مدد و نصرت کرو اور قیس نے بعد میں ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور امیر المومنین پر صلوٰت بھیجی اور عبداللہ بن

یقطر نے امام حسینؑ کی امداد کی دعوت کے ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ ابنِ مرجانہ کے خلاف جو سمیہ کی بے باپ کی اولاد ہے اور اس کے بعد یہ فرق سمجھا جائے کہ قیس بن مسہر کا جسم کوٹھے پر سے زمین پر گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا مگر عبداللہ بن یقطر کی صرف ہڈیاں شکستہ ہوگئیں اور ان میں رمقِ جان باقی رہی اور عبدالملک بن عمیر لخمی نے انھیں ذبح کیا اور جب بُرا کہا گیا تو کہا کہ میں انھیں راحت دینا چاہتا تھا۔

بظاہر تو جمع بین الروایات کی یہی صورت ہے مگر جن کو مذاقِ تاریخی ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں کیسے استبعادات ہیں ان میں سے جس کو پہلے امام نے روانہ فرمایا ہو اس کے بعد دوسرے کے روانہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

دوسرے یہ کہ نوعیتِ واقعہ سے ظاہر ہے کہ ابنِ زیاد کا یہ حکم دینا کہ قصر پر جا کر حسینؑ کو برا کہو مگر اسی سے امام حسینؑ کے قاصد کا یہ فائدہ اٹھانا کہ وہ امام حسینؑ کے سلسلے میں اپنے مشن کی تبلیغ کر دے ایک حاکم اور وہ بھی ابنِ زیاد کا سا اس کے لیے کتنی خجالت آمیز شکست تھی۔ اب ایک دفعہ وہ اتنی بڑی زک اٹھانے کے بعد پھر بالکل اسی طرح کی زک اٹھانے کے لیے دوبارہ تیار ہو جاتا یا دھوکہ کھا جاتا اس میں سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ تیسرے یہ کہ اس صورت میں امام حسینؑ نے منزلِ زبالہ میں جو تحریر پڑھی ہے اس میں مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے ساتھ دو شخصوں کی شہادت کا ذکر ہونا چاہیے ایک قیس بن مسہر اور دوسرے عبداللہ بن یقطر مگر آپ کے یہاں ذکر ایک ہی شخص کا ہے دوسرے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ مجمع بن عبداللہ عائذی سے امام نے صرف اپنے ایک قاصد کو پوچھا اور وہ قیس بن مسہر صیداوی تھے دوسرے قاصد یعنی عبداللہ بن یقطر کا کچھ

حال نہ پوچھا کہ ان پر کیا گزری۔ ہاں ان آخری دو باتوں کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن یقطر کی خبر جنابِ مسلم وہانی کے ساتھ پہلے آچکی تھی جس کی حضرت نے منزلِ زبالہ پر خبر دی اور قیس کی خبر حرؓ سے ملاقات کے بعد تک کوئی نہیں آئی تھی اس لیے مجمع بن عبداللہ سے حضرت نے اِنھیں کو دریافت فرمایا۔

پھر بھی تاریخی حیثیت سے یہ مسئلہ ابھی تک میری نگاہ میں ایک مشکل کی حیثیت رکھتا ہے جو پورے طور پر حل ہوتے نظر نہیں آتی۔

## لشکرِ حُر کے سامنے امام کا خطبہ:

عراق کی طرف جاتے ہوئے جب حُر کا ایک ہزار کا لشکر امام سے آکر ملا اور حضرت انھیں سیراب کرا چکے اور اس کے بعد ظہر کی نماز کا وقت آیا تو حضرت نے نماز کے قبل اس کے لشکر کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس کا ذکر شیخ مفید اور طبری دونوں نے اس طرح کیا ہے:۔

''حُر امام کے ساتھ رہا یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت آیا اور امام حسین علیہ السلام نے حجاج ابنِ مسرور (مسروق) کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ جب اقامت کا ہنگام آیا تو امام حسینؑ برآمد ہوئے۔ ایک تہبند، ایک چادر اور نعلین پہنے ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا ''ایھا الناس'' میں تمھاری جانب اس وقت تک نہیں آیا جب تک تمھارے خطوط نہیں گئے اور قاصد پہنچے نہیں کہ آیئے ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے ذریعے سے ہمیں خدا حق و ہدایت پر مجتمع کر دے۔ اب اگر تم لوگ اس بات پر قائم ہو تو میں آگیا ہوں تم مجھ سے اطمینانی طریقے سے ازسرِ نو عہد و پیماں کرو کہ میرا ساتھ دو گے۔ اگر تم ایسا نہیں کرنا چاہتے اور تم مرا آنا ناپسند کرتے ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں''۔ یہ سن

کر سب خاموش رہے اور کسی نے ایک لفظ بھی جواب میں نہیں کہا۔ حضرت نے مؤذن کو حکم دیا کہ اقامت کہی جائے۔

## لشکرِ حُر کے سامنے دوسرا خطبہ:

عصر کی نماز کے بعد جبکہ آگے روانہ ہونے کی تیاری بھی ہو چکی تھی حضرت نے دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا جسے شیخ مفید اور طبری نے اس طرح نقل کیا ہے:-

''پھر حضرت نے سلام پھیرا اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا۔ "ایھا الناس" تم لوگ اگر خوفِ الٰہی سے کام لو اور صاحبِ حق کے حق کو پہچانو تو یقیناً اللہ کی رضا کا اچھا ذریعہ ہوگا۔ ہم رسولؐ کے اہلِ بیتؑ ہیں اور اس منصب کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو اس کا غلط دعویٰ کرتے ہیں اور جو تمہارے ساتھ ظلم و تعدی کا سلوک کرتے ہیں اور اگر تم بہر حال ہمیں ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے چشم پوشی کرتے ہو اور تمہاری رائے اب تمہارے خطوط کے مضامین اور قاصدوں کے بیانات کے خلاف ہے تو میں واپس چلا جاؤں۔ اب حُر نے جواب دیا کہ ''بخدا میں نہیں جانتا کہ یہ خطوط اور قاصد جن کا آپ ذکر کرتے ہیں کیا ہیں؟'' یہ سن کر امام حسینؑ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ ''اے عقبہ بن سمعان وہ دونوں تھیلے تو لے آؤ، جن میں لوگوں کے خطوط ہیں وہ دو تھیلے لے آؤ''۔

## اس کے بعد کا ایک اہم خطبہ:

طبری کی روایت ہے:-

ابو مخنف نے عقبہ بن ابی غیرار کی زبانی نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے

اصحاب اور حُر کے ساتھیوں کے سامنے مقامِ مبضہ پر خطبہ ارشاد فرمایا کہ "اے گروہِ مردم! حضرت پیغمبرِ خدا کا ارشاد ہے کہ جو کوئی کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ محرماتِ الٰہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہے، عہدِ خدا کو توڑے ہوئے سنّتِ پیغمبرِ خدا کے مخالف ہے اور بندگانِ الٰہی میں گناہ اور ظلم وتعدی کے افعال کا مرتکب ہوتا ہے وہ اس کے قول وفعل میں کسی صورت سے تبدیلی کی کوشش نہ کرے تو اللہ کے لیے زیبا ہوگا کہ وہ اس شخص کو اسی ظالم کے درجے میں داخل کرے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ لوگ (اہلِ شام) شیطان کی اطاعت کے پابند ہو گئے ہیں اللہ کی اطاعت کو چھوڑ چکے ہیں، انھوں نے فتنہ وفساد ظاہر کیا ہے، حدود اللہ کو معطل کر دیا ہے، مسلمانوں کے مشترک اموال کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے، حرام الٰہی کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیا ہے اور میں سب سے زیادہ اس کا حق دار ہوں کہ اس وقت انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کروں اور تمہارے خطوط میرے پاس آ چکے ہیں اور تمہارے قاصد پہنچ چکے ہیں اس عہد وپیان کے ساتھ کہ تم مجھے چھوڑ دو گے نہیں، میرے تعاون کو ترک نہ کرو گے۔ اب اگر تم اپنے معاہدے پر قائم ہو تو راہِ راست حاصل کرو اور اس صورت میں میں (حسینؑ) جو علیؑ کا اور دخترِ رسولؐ خدا کا فرزند ہوں میری جان تمہاری جانوں سے وابستہ اور میرے اہل وعیال اور تمہارے اہل وعیال ساتھ ہوں گے اور جو مجھ پر گزرے اس میں تم کو شریک رہنا ہوگا اور اگر تم ایسا نہ کرو اور اپنے معاہدے کو توڑ دو اور میری بیعت کا حلقہ بھی اپنی گردنوں سے اتار پھینکو یہ کوئی عجیب امر نہ ہوگا۔ تم نے ایسا ہی میرے باپ، میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم کے ساتھ کیا۔ بڑا فریب خوردہ ہے وہ جو تمہارے فریب میں آئے مگر اس سے کوئی اور نقصان نہ ہوگا۔ تمہیں اپنے حصے کو

ہاتھ سے دو گے اور اپنے نصیب کو برباد کرو گے اور جو عہد توڑے گا عہد شکنی سے اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ مجھے عنقریب تم سے بے نیاز کر دے گا"۔

## راستے کا ایک اور خطبہ:

طبری رقمطراز ہیں:-

عقبہ بن ابی الغیرار کا بیان ہے کہ "امام حسین علیہ السلام مقامِ ذی حسم میں کھڑے ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ صورتِ حال جو ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا بدل چکی ہے اور اجنبی ہو چکی ہے، اس کی نیکیاں رخصت ہو گئی ہیں اور وہ انتہائی تلخ و ناگوار ہو چکی ہے اب نہیں رہ گیا ہے اس میں سے مگر بہت کم جیسے پانی بہائے جانے کے بعد اس کے اندر بچ رہنے والے پانی کے قطرے کے اندر ایک حقیر زندگی جو زہریلی چراگاہ کے مثل ہے۔ کیا تمہاری نظروں کے سامنے یہ علم نہیں ہے کہ حق پر عمل نہیں کیا جاتا اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا اس وقت جو سچا مومن ہے وہ تو دل سے مرنے کا طلب گار ہو گا اس لیے کہ اس صورتِ حال کے مقابلے میں مرنا میرے نزدیک سوائے شہادت کے اور کچھ نہیں ہے اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا سوا دل کی تنگی کے اور کچھ بھی نہیں۔

## زُہیر بن قین کی جوابی تقریر:

مذکورہ بالا امام کے خطبے کے بعد طبری کے راوی نے کہا ہے۔

زُہیر بن قین بجلی کھڑے ہو گئے اور اپنے اصحاب سے کہا کہ "تم کچھ کہتے ہو یا میں کہوں"۔ سب نے کہا "نہیں تم کہو"، انھوں نے حمد و ثنائے الٰہی ادا کی پھر کہا۔ "ہم نے سنا اے فرزندِ رسولؐ اللہ آپ کو منزلِ مقصد تک پہنچائے۔ آپ کے

ارشاد کو بخدا اگر دنیا باقی رہنے والی ہوتی اور ہم ہمیشہ اس میں رہتے مگر جدائی اس سے صرف آپ کی امداد و ہمدردی کی وجہ سے ہوتی تب بھی ہم آپ کا ساتھ دینے کو اس دنیا میں رہنے پر ترجیح دیتے"۔ زہیر کی تقریر سن کر امام نے اُن کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

## نہم محرم کی شام کو یا شبِ عاشورا امام کا یادگار خطبہ:

روز نہم محرم گفتگوئے صلح ختم ہو چکی عمرِ سعد نے ابنِ زیاد کے حکم فوری کے ماتحت حملہ کر دیا اور حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابوالفضل العباس کو بھیج کر ایک شب کی مہلت حاصل کی۔ اس رات کو مہلت ملنے کے بعد امام نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جہاں تک مجھے علم ہے کربلا میں صرف یہ ایک خطبہ ہے جو آپ نے اپنے ساتھیوں کی جماعت کے سامنے پڑھا ہے حالانکہ خطبے کے مقاصد یعنی تحریص و ترغیب، جوش انگیزی اور ولولہ خیزی کے لحاظ سے کربلا کے سے مقتضیات خطبہ کے بہت کم جمع ہوا کرتے تھے۔ ظاہر ہے اتنی قلیل التعداد جماعت میں عددی قلت کو اگر کسی حد تک پورا کر سکتی ہے تو وہ ہے جوش کی زیادتی اور ہمت کی بلندی۔ مثل مشہور ہے "حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی"۔ اس کے مقابلے میں جتنے موانع زیادہ اور ہمت کی پستی کے اسباب فراواں ہوں اتنی ہی قائد کو زیادہ تقریریں کرنا پڑیں گی۔ اگر دور کی مثال ڈھونڈنے کی زحمت گوارا نہ کیجیے تو ماضی قریب میں جنگ جرمنی کی شدت کے عالم میں چرچل کی وزارت کا ابتدائی دور دیکھ لیجیے جبکہ حالات ناسازگار تھے اور تقریروں کے زور پر جنگ کا انحصار رہ گیا تھا۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو ایک ناواقف انسان جو کربلا کے واقعات سے مطلع نہ ہو۔ یہ خیال کرے گا کہ تیس ہزار

کے مقابل میں اپنے کم وبیش سوسوا سو افراد کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھنے کے لیے ان کے قائد کو پے در پے اپنے خدا کی دی ہوئی اعجاز بیانی کی تمام طاقتوں کو آتشینِ الفاظ اور پُر رعد و برق انداز میں تقریریں کرنا پڑتی ہوں گی۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ کربلا میں وہ مختصر سی جماعت قلیل سہی مگر عزم و ارادہ کی طاقتوں اور استحکامِ ایمانی کے تقاضوں سے اتنی معمور تھی کہ امام حسینؑ کو کربلا پہنچنے کے بعد سے نویں محرم کی سہ پہر تک آٹھ دن اور اس کے بعد شبِ عاشور اور روزِ عاشور کے تقریباً بیس اکیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ آپ ان کے سامنے جوش وخروش پیدا کرنے کے لیے کوئی خطبہ ارشاد فرمائیں۔

نہم کی شام کو...... جو خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اس کی نوعیت وہ انفرادی حیثیت رکھتی ہے جسے ہم چاہیں جو کہیں مگر ترغیب وتحریص تو کہہ ہی نہیں سکتے۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

امام حسینؑ نے شام کے وقت اپنے اصحاب کو جمع فرمایا امام زین العابدین کا بیان ہے کہ ”میں اس موقعہ پر بیمار تھا مگر قریب آ گیا تا کہ سنوں کہ حضرت اپنے اصحاب سے کیا فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے والدِ بزرگوار کو سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی بہترین تعریف کا فریضہ ادا کرتا ہوں خدا تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے منصب کی عزت عطا کی اور علم قرآن کی دولت دی اور دینی حقیقت کے بارے میں فہم وتفصل کرامت فرمایا اور ہمیں گوشِ شنوا چشم بنایا اور دلِ دانا عطا فرمائے لہٰذا ہمیں شکر گزاروں میں محسوب فرما۔ اس کے بعد یہ ہے کہ حقیقتاً مجھے نہیں معلوم کہ دنیا میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر ہوں اور نہ کسی کے اعزا جو میرے عزیزوں سے زیادہ نیکوکار اور باوفا

ہوں۔ اللہ تمھیں میری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ واضح ہونا چاہیئے کہ میرے خیال میں ہمیں ان دشمنوں کے ہاتھوں ایک خوں ریز معرکے کا سامنا ہوگا۔ ہاں تو خوب سمجھ لو کہ میں تمھیں اجازت دیتا ہوں، تم سب چلے جاؤ۔ بالکل جائز طور پر، تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ میری طرف سے کوئی ذمے داری ہے یہ رات کی تاریکی اب تمہارے سامنے آ رہی ہے اس کو اپنا مرکب بناؤ اور روانہ ہو جاؤ''۔ یہ سننا تھا کہ آپ کے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں اور عبداللہ بن جعفر کے فرزندوں نے کہا ہم کیوں ایسا کریں کیا اس لیے کہ آپ کے بعد دنیا میں باقی رہیں اللہ ہمیں وہ دن نصیب نہ کرے'' سب سے پہلے یہ الفاظ عباس بن علی کی زبان پر جاری ہوئے اور پھر تمام مجمعے نے ان کے ساتھ اتفاق کیا اور اسی سے ملتے جلتے ہوئے الفاظ عرض کیے۔

اس روایت کو طبری نے دو طریقوں سے نقل کیا ہے ایک وہ طریقہ جو ضحاک بن قیس مشرقی تک منتہی ہوتا ہے۔ یہ اصحاب امام حسین کی ایک ایسی فرد ہیں جو بقول طبری واقعہ کربلا سے زندہ بچ گئے تھے۔ اس کیفیت کا بیان اور اس پر تبصرہ مولانا مجتبیٰ حسن صاحب کاموپوری نے مقتل ضحاک بن قیس کے مقدمے میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

امام زین العابدینؑ کی زبانی جو روایت درج کی ہے وہ تقریباً شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بالکل متحد ہے۔ اختلاف کچھ لفظوں کا ہے جن میں بعض میں فقط طول و اختصار کا فرق ہے معنی پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض میں وہ دونوں میں سے ایک کے بعض نسخوں میں کاتب یا درمیانی راوی کی غلطی یا اشتباہ معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روایت ضحاک بن عبداللہ مشرقی کی ہے۔ یہ حسبِ ذیل ہے۔

جب رات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ "یہ رات تم پر پردہ ڈال چکی ہے لہٰذا اس کو اپنا مرکب بناؤ پھر ہر ایک تم میں سے میرے ایک ایک عزیز کا ہاتھ پکڑے اور پھر تم اپنی بستیوں اور شہروں میں منتشر ہو جاؤ اور اس وقت تک کے لیے کہ جب کشائش حاصل ہو اس لیے کہ یہ لوگ بس میرے طلب گار ہیں اور اگر مجھے پا جائیں تو پھر کسی دوسرے کی تلاش کی طرف متوجہ نہ ہوں گے" یہ سن کر آپ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور عبداللہ بن جعفر کے فرزندوں نے کہا کہ ہم ایسا کیوں کریں اس لیے کہ آپ کے بعد باقی رہیں، اللہ وہ دن ہمیں کبھی نہ دکھائے۔ سب سے پہلے یہ صدا عباس بن علی نے بلند کی اور پھر سب نے قریب قریب یہی کہا اس پر امام حسینؑ نے فرمایا کہ "اے عقیل کے فرزندوں تمہارے لیے مسلم کا قتل ہونا کافی ہے تم چلے جاؤ، تمہیں میں خاص طور پر اجازت دیتا ہوں"۔ انھوں نے کہا اس صورت میں لوگ کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگ اور سردار اور اپنے چچاؤں کی اولاد کو جو بہترین چچا تھے، چھوڑ دیا اور نہ ان کے ساتھ کوئی تیر لگایا اور نہ کوئی نیزہ اور نہ تلوار سے مقابلہ کیا اور نہ خبر لی کہ آپ پر کیا گزری، نہیں بخدا ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ آپ پر اپنی جان و مال اور گھر بار کو قربان کر دیں گے اور آپ کے ساتھ رہ کر جنگ کریں گے تا کہ جو کچھ آپ پر گزرے اس میں ہم شریک رہیں، خدا بُرا کرے اس زندگی کا جو آپ کے بعد ہو"۔

اس میں اور قبل کی روایت میں علاوہ لفظی اختلافات کے معنوی اختلافات بھی ہیں مگر ایسے جن سے خطبے کے ماحصل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان دونوں طرح کے اختلافات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:-

(۱) پہلی روایت میں خطبے کا وقت بتایا ہے "شام کے قریب" اور دوسری روایت میں ہے "جب رات ہوئی"۔ شہرتِ عامہ اس دوسری روایت کے مطابق ہو گئی ہے۔ یہ خطبہ شبِ عاشور ارشاد ہوا ہے۔

(۲) پہلی روایت میں خطبے کا تمہیدی حصہ مذکور ہے جس میں حمد و صلوٰۃ و شکرِ الٰہی اور اپنے خاندانی مراتب کے اظہار کے ساتھ اصحاب کی وفاداری اور اعزا کی قرابت پروری پر فخر و نازش مذکور ہے اور یہ کہ کل موقعِ جنگ یا روزِ قربانی ہے اور پھر یہ کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں اور دوسرے لفظوں میں "بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھائے لیتا ہوں اور اس کے علاوہ یہ کہ "رات کی تاریکی تمہارے سامنے ہے"۔ دوسری روایت میں ابتدائی حصہ بالکل حذف کر دیا گیا ہے بس یہیں سے شروع کیا گیا ہے کہ جب رات ہوئی حالانکہ اس فقرے کے معنی میں پہلی اور دوسری روایت کے بتائے ہوئے وقت کے لحاظ سے فرق ہو جاتا ہے۔

وہاں چونکہ خطبے کا وقت عند قرب المساء بتایا گیا ہے لہٰذا "ھذا اللیل قد عشیکم" کے معنی یہ ہوں گے کہ رات اتنی قریب ہے کہ گویا آ ہی گئی ہے یعنی قرب کے انتہائی اظہار کے لیے مجازاً فعلِ ماضی لایا گیا ہے اور دوسری صورت میں حقیقی طور پر یہ معنی ہوں گے کہ رات آ ہی گئی ہے ہاں پہلی روایت میں عند قرب المساء کے معنی اگر یہ سمجھے جا سکتے ہیں (اگرچہ لفظی طور پر ذرا بعید ہیں) کہ رات کو شام سے قریب یعنی رات کے ابتدائی حصے میں حضرت نے یہ خطبہ پڑھا۔ اس طرح دونوں راویوں کے بیچ کا اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور اس فقرے کے معنی بھی دونوں جگہ ایک ہو جائیں گے۔

(۳) پہلی روایت کا مضمون اس فقرے پر ختم ہو جاتا ہے، مگر دوسری

روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے کہ "ہر ایک تم میں سے، میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ہاتھ پکڑ لے اور پھر تم لوگ اپنی بستیوں اور شہروں میں منتشر ہو جاؤ اس وقت تک کے لیے جب کہ کشایش حاصل ہو اس لیے کہ یہ لوگ بس میرے طلبگار ہیں اور اگر مجھے پا جائیں تو پھر کسی دوسرے کی تلاش کی طرف متوجہ نہ ہوں گے"۔

پہلی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے مگر صورتِ واقعہ سے ظاہر ہے کہ یہ الفاظ حضرت نے ضرور ارشاد فرمائے ہوں گے اس لیے اعزّا و اقارب اور خصوصیت سے حضرت ابوالفضل العباس کو بھی اپنے تاثرات کے اظہار کی ضرورت پڑی۔

(۴) حضرت ابوالفضل کے جواب کے الفاظ، جس سے تمام اعزّا نے اتفاق کیا، دونوں روایتوں میں یکساں ہیں مگر دوسری روایت میں حضرت کا اولادِ عقیل سے جو خصوصی تخاطب اور اس کا جواب ہے وہ پہلی روایت میں بیان نہیں ہوا ہے۔ عام طور سے یہ روایت جو بیان ہوتی ہے اس میں دونوں کے اجزا سمو دیے جاتے ہیں اور یہ طریقۂ کار بظاہر غلط نہیں ہے اس لیے کہ کسی ایک میں دوسرے کے مضمون کی نفی نہیں ہے بلکہ کچھ اجزا خطبے کے اس روایت میں درج ہوئے ہیں کچھ اُس میں اور سب امام نے ارشاد فرمائے تھے لیکن اختصاراً ہر ایک راوی نے کچھ اجزا بیان کیے ہیں اور کچھ بیان کرنا ضروری نہیں سمجھے۔ پورے خطبے کا ان تمام اجزا پر مشتمل ہونا بعید نہیں بلکہ تقریباً یقینی ہے۔

## اصحابِ امام کی جوابی تقریر:

طبری نے لکھا ہے۔

ابومخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن عاصم نے کہا ضحاک بن عبداللہ

مشرقی کی زبانی انھوں نے بیان کیا کہ (امام کے خطبے کو سن کر اعزّا و اقارب کے جوابات کے بعد) مسلم بن عوسجہ اسدی کھڑے ہوئے اور کہا کیا بھلا ہم آپ کو چھوڑ کو چلے جائیں اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کے حق کو ادا کر کے جواب دہی کا سامان نہ کریں بخدا میں انھیں نیزے لگاؤں گا) یہاں تک کہ ان کے سینوں میں اپنا نیزہ توڑ دوں گا اور انھیں تلوار لگاؤں گا جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں برقرار رہے اور آپ سے جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ آپ کے ساتھ جان بحق تسلیم ہوں اور سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا بخدا ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ اللہ کے علم میں ثابت ہو جائے کہ ہم نے رسولِ خداؐ کے بعد آپ کے بارے میں آپ کے حق کا تحفظ کیا۔ بخدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں قتل کیا جاؤں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر جلا دیا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں منتشر کر دی جائے گی، یہی میرے ساتھ ستّر مرتبہ ہوگا جب بھی آپ سے جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ (آخری بار بھی) مجھے موت آپ کے سامنے آئے (جانتا ہوں کہ) یہ ایک دفعہ کا قتل ہونا ہے پھر میں ایسا اب کیوں نہ کروں گا جبکہ پھر عزت و راحت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے اور زہیر بن قین نے کہا مجھے تو آرزو تھی کہ میں قتل کیا جاتا اور پھر زندہ ہوتا پھر قتل کیا جاتا یہاں تک کہ اسی طرح ہزار دفعہ مارا جاتا اور اس ذریعے اللہ قتل ہونے کی مصیبت کو آپ سے اور آپ کے خاندان کے جوانوں کی جان سے رد کر دیتا ہے (ضحاک کا) بیان ہے کہ آپ کے اصحاب میں سے کئی آدمیوں نے اسی سے ملتی جلتی تقریریں کیں اور سب نے کہا کہ ہم بخدا آپ سے جدا نہ ہوں گے بلکہ ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں گی۔ ہم اپنے سینے، پیشانیاں اور ہاتھ آپ کی سپر بنائیں گے جب ہم قتل ہو جائیں گے تو سمجھیں

گے کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا اور جو فرض ہمارا تھا وہ پورا ہو گیا۔

ان تقریروں کے آغاز میں ضحاک بن عبداللہ کی سند کے دوبارہ ...... ذکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تقریروں کا ذکر حضرت امام زین العابدین والی روایت میں نہیں ہے اور غالباً اسی لیے شیخ مفیدؒ نے ان کا ذکر نہیں کیا مگر امام کی روایت میں بھی اس کی نفی نہیں ہوئی ہے بلکہ خود امام کے بعض فقرات کی طرح جو بہ نظرِ اختصار اس روایت میں درج نہیں ہوئے تھے۔ یہ اجزا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیان نہیں کیے گئے تھے لیکن وہ کسی طرح بھی قابلِ انکار نہیں ہیں۔

## لشکرِ اعدا کے سامنے امام کا خطبہ:

صبحِ عاشورہ جب صفوفِ لشکر مرتب ہو چکے شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنی سواری کا اونٹ منگوایا اور اس پر سوار ہوئے اور بآوازِ بلند فرمایا اس طرح کہ فوج کے بڑے حصے تک آپ کی آواز پہنچ رہی تھی کہ اے اہلِ عراق، اے لوگو! میری بات سنو اور جلدی سے کام نہ لو۔ میں چاہتا ہوں کہ جو تمہارا حق مجھ پر ہے اس کو ادا کروں اور تمہیں نصیحت کر کے اپنا عذر ختم کر دوں۔ اس کے بعد اگر تم نے انصاف سے کام لیا تو یہ تمہارے لیے باعثِ سعادت ہوگا اور اگر انصاف نہ کیا تو پھر جو کرنا ہو وہ کرنا اور کوئی حسرت دل میں نہ اٹھا رکھنا اور نہ میرے ساتھ مراعات دلت دہی سے کام لینا۔ میرا مددگار وہ اللہ ہے جس نے قرآن نازل کیا اور وہی تمام نیک کرداروں کا مددگار ہے۔ اس کے بعد آپ نے حمد و ثنائے الٰہی ادا کی اور خداوندِ عالم کے شایانِ شان توصیف و تمجید کی اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور دیگر انبیا اور ملائکہ پر درود بھیجا اس شان سے کہ کوئی بولنے والا آپ کے پہلے اور آپ کے بعد فصاحت و بلاغت

میں آپ سے بڑھ کر بولتے نہیں سنا گیا۔ پھر فرمایا میرا نسب تو دیکھو، غور کرو میں کون ہوں۔ پھر ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے افعال کو دیکھو اور سوچو کہ میرا قتل اور میری بے حرمتی تمہارے لیے مناسب ہے، کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ اور ان کے وصی، چچازاد بھائی اور سب سے پہلے ان پر ایمان لانے والے شخص کا فرزند نہیں ہوں۔ کیا سید الشہداء حمزہ میرے (باپ کے) چچا اور جعفرِ طیار جو قدرت کے عطا کردہ بازوؤں سے جنت میں پرواز کرتے ہیں میرے چچا نہیں تھے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں سردارِ جوانانِ جنت ہیں۔ اب اگر تم مجھ کو بھی سچا سمجھ لو اور حقیقتاً جو میں کہتا ہوں درست ہے اور بخدا میں نے جب سے مجھے معلوم ہے کہ اللہ اسے ناپسند کرتا ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو خیر، اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھو تو تم میں سے ایسے لوگ ہیں جن سے تم اس کے متعلق دریافت کرو تو وہ تم کو بتادیں گے۔ پوچھ لو جابر بن عبداللہ انصاری سے، پوچھ لو ابوسعید حذری سے، سہیل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم، انس بن مالک سے یہ تمہیں بتلائیں گے کہ انھوں نے یہ حدیث رسولؐ خدا سے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں سنی ہے۔ کیا یہ تمہیں میری خوں ریزی سے مانع ہونے کے لیے کافی نہیں۔ شمر نے کہا میں خدا کی ایک حرف پر عبادت کرتا ہوں اگر یہ سمجھ میں آتا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ حبیب ابنِ مظاہر نے کہا بخدا میں یہ سمجھتا ہوں کہ تو ستر حرفوں پر عبادت کرتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ٹھیک کہتا ہے۔ تیرے فہم سے بالاتر ہے کہ حضرت کا ارشاد تیرے دل پر موثر ہو تیرے دل پر تو خدا نے مہر لگادی ہے۔

پھر امام حسینؑ نے فرمایا کہ اچھا اگر تمہیں اس میں شک ہے تو اس میں بھی

شک ہے کہ میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم مشرق اور مغرب کے درمیان اس امت بلکہ کسی دوسری امت میں بھی کسی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے۔

سوچو تو کیا تم مجھ سے کسی مقتول کے خون کا عوض لینا چاہتے ہو جسے میں نے قتل کر دیا ہو یا کسی مال کا مطالبہ رکھتے ہو جسے میں نے تلف کر دیا یا کسی زخم کا قصاص لینا چاہتے ہو، اب سب خاموش ہو گئے۔ کوئی کچھ نہ پوچھتا تھا۔ حضرت نے پکارا اے شیدت بن ربعی، اے حجاز بن الجبر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث کیا تم نے مجھے نہیں لکھا کہ میوے پختہ ہو گئے ہیں، باغ سرسبز وشاداب ہیں اور آپ کی مدد کے لیے ایک تیار لشکر موجود ہے۔ قیس ابن اشعث نے کہا۔ ہم نہیں جانتے آپ کیا کہتے ہیں۔ بہرحال آپ اپنے رشتے داروں کے فیصلے پر سر جھکا دیں اور آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ برتاؤ کبھی نہ کریں گے! حضرت نے فرمایا بخدا میں ذلیل آدمیوں کی طرح اپنے کو تمہارے سپرد نہ کروں گا اور نہ غلاموں کی طرح فرار کروں گا۔ پھر آپ نے بلند آواز سے فرمایا۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے پناہ مانگنا چاہیئے اس وقت سے جب تم مجھے اپنے حملوں کا نشانہ بناؤ۔ میں پناہ مانگتا ہوں ہر اس مغرور سے جو قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ اس کے بعد آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھالیا اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا، انھوں نے لے جا کر اُسے باندھ دیا۔

طبری (ج ۶ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳) میں یہ پورا خطبہ ضحاک بن قیس مشرقی کی زبانی نقل کیا ہے جس کے الفاظ شیخ مفید کی بیان کردہ روایت ہے۔

تقریباً بالکل موافق تو نہیں مگر تھوڑا تھوڑا اختلاف شروع سے آخر تک برابر چلا گیا ہے پھر بھی معنوی فرق بہت کم پایا جاتا ہے۔

## حضرت زُہیر بن قین کی تقریر:

ابومخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن حنظلہ بن سعد شامی نے کہا اپنی قوم کے ایک ایسے شخص کی زبانی سن کر جو واقعہ کربلا میں موجود تھا اس شخص کا نام کثیر بن عبداللہ شعبی تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب ہم حسین پر حملہ آور ہوئے تو زہیر بن قین (صفِ حسینی) سے باہر نکل کر سامنے آئے، اپنے گھوڑے پر سوار مکمل آراستہ و پیراستہ اور انھوں نے کہا اے اہلِ کوفہ ڈرو عذابِ خدا سے، ڈرو یقینا مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نصیحت کرتے اور ہم ابھی تک باہم بھائی ہیں ایک ہی دین اور ایک ہی ملت پر جب تک ہمارے درمیان تلواریں چلی نہیں ہیں اور تم ابھی تک ہماری نصیحت کے مستحق ہو۔ جب تلواریں چلنے لگیں گی تو پھر تعلقات ختم ہو جائیں گے اور ہم ایک امت اور تم دوسری امت قرار دیے جاؤ گے یقینا اللہ نے ہماری اور تمہاری آزمائش کی ہے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد کے ساتھ تاکہ ظاہر ہو کہ ہمارا عمل کیا ہوتا ہے اور تمہارا عمل کیا ہوتا ہے۔ ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ تم ان کی مدد کرو اور ظالم عبیداللہ ابنِ زیاد کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو کیونکہ تمہیں اس سے اور اس کے کارنامے میں سے پہلے؟) اس کے باپ سے سوائے برائی کے کبھی کوئی نتیجہ نہیں مل سکتا ہے۔ اپنے اقتدار کے زمانے میں وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھرواتے، اچھے آدمیوں اور حافظانِ قرآن کو قتل کراتے رہے ہیں جیسے حجر بن عدی اور ان کے رفقا اور ہانی بن عروہ اور دوسرے ایسے ہی لوگ۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر فوجِ شام کے لوگ گالیاں دینے لگے اور عبیداللہ ابنِ زیاد کی تعریفیں اور اس کے لیے دعائیں کرنے لگے اور کہا کہ بخدا ہم نہ مانیں گے جب تک کہ

تمہارے سردار (حسینؑ) اور ان کے ساتھ والوں کو قتل نہ کریں، انھیں اور ان کے اصحاب کو زندہ امیر ابنِ زیاد کے پاس نہ بھیجیں۔ زُہیر نے ان سے کہا کہ اے بندگانِ خدا اولادِ فاطمہ زہراؑ امداد و اعانت کی مستحق سمیہ کے فرزند سے زیادہ ہے۔ اچھا اگر تم ان کی مدد نہ کرو تو خدا کا واسطہ انھیں قتل تو نہ کرو بلکہ ان کے معاملے کو براہِ راست یزید پر چھوڑ دو وہ اس قتلِ حسینؑ کے بغیر بھی تم سے خوش رہ سکتا ہے۔ یہ سن کر شمر نے ان کو ایک تیر لگایا اور کہا چپ رہو خدا تمہاری آواز بند کرے۔ تم نے اپنے طویل کلام سے ہمیں پریشان کر دیا۔ زہیر نے کہا اے جاہل و وحشی کے بچے میں تجھ سے بات نہیں کر رہا ہوں، تو تو جانور ہے بخدا میرے خیال سے تجھے دو آیتیں بھی قرآن مجید کی یاد نہیں ہیں تجھے روزِ قیامت رسوائی اور عذاب کے سوا کچھ نہیں۔ شمر نے کہا دیکھو تھوڑی دیر میں اللہ تمہیں اور تمہارے سردار کو قتل کرا دے گا۔ انھوں نے کہا موت سے مجھے ڈراتا ہے۔ بخدا ان کے ساتھ مرنا مجھے تم لوگوں کے ساتھ حیاتِ جاودانی حاصل کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ اس کے بعد پھر وہ فوج کی طرف مخاطب ہوئے اور بلند آواز سے کہا اے بندگانِ خدا اپنے مذہب کے بارے میں اس جاہل احمق اور اس کے ایسے دوسرے لوگوں کے دھوکے میں نہ آؤ۔ بخدا شفاعتِ محمد مصطفیٰؐ ان لوگوں کو نصیب نہیں ہوسکتی کہ جو ان کی اولاد و اعزاؑ کا خون بہائیں۔ زہیر اتنا کہہ چکے تو ایک شخص نے (اصحابِ حسینؑ میں سے) پکار کر کہا کہ حضرت امام حسینؑ فرما رہے ہیں کہ بس چلے آؤ اگر مومنِ آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کا حق ادا کر دیا اور پوری کوشش سے انھیں حق کی طرف دعوت دی تو یقیناً تم نے ابھی انھیں نصیحت کر دی مگر یہ نصیحت اور کوشش و ہدایت کوئی فائدہ بھی تو رکھے۔

## حضرت حُر کی تقریر:

فوجِ عمرِ سعد سے حُرؑ نے جدا اور امام کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازتِ جہاد حاصل کی۔ اس کے بعد لشکرِ ابنِ زیاد کے سامنے جا کر تقریر کی۔ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں۔

انھوں نے کہا اے اہلِ کوفہ تمہاری مائیں ماتم میں بیٹھیں (کیا غضب ہے کہ) تم نے اس نیک اور بزرگ کو دعوت دی۔ جب وہ آئے تو تم نے ان کو چھوڑ دیا اور تم نے یہ خیال ظاہر کیا کہ تم ان کے سامنے اپنی جانیں نثار کرو گے پھر خود انھیں کے خلاف قتل کرنے کے لیے دوڑ پڑے اور تم نے ان کی سانس کا راستہ بند کر دیا۔ ان کا گلا گھونٹ رکھا ہے اور ہر طرف سے گھیر لیا کہ انھیں اللہ کی وسیع و عریض زمین میں کسی طرف جانے کا موقع نہیں دیتے ہو۔ وہ تمہارے...... مثل قیدی کے بے بس ہو گئے ہیں کہ نہ اپنے نفع کا کوئی سامان کر سکتے ہیں نہ ضرر کو دفع کر سکتے ہیں اور اس نے انھیں، ان کی عورتوں، بچوں اور تمام اعزا کو روک رکھا ہے اس بہتے فرات کے پانی سے جسے یہودی، عیسائی اور مجوسی اور عراق کے سوّر اور کتے تک پیتے اور لوٹتے ہیں۔ (اب ان) لوگوں کا یہ عالم ہے کہ پیاس نے انھیں زمین پر ڈال دیا ہے۔ کیا برا تم نے سلوک کیا ہے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی اولاد کے ساتھ، خدا کرے تمہیں قیامت کی پیاس میں سیراب ہونا نصیب نہ ہو''۔

تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ کچھ لوگوں نے آپ پر تیروں سے حملہ کر دیا۔ وہ وہاں سے ہٹ کر پھر امام کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

طبری نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے جلد ۶ ص ۲۴۵ اور شیخ مفید علیہ الرحمہ کی روایت میں کچھ جزوی اختلافات ہیں۔

## حضرت حنظلہ بن اسعد کا مخاطبہ:

حنظلہ بن اسعد شامی حافظِ قرآن مجید تھے ان کا مخاطبہ بھی آیاتِ قرآن ہی کے ساتھ طبری نے لکھا ہے (جلد ۶ ص ۲۵۴)

حنظلہ بن اسعد شامی آئے اور امام کے سامنے کھڑے ہوئے اور پکار کے کہنے لگے (آیاتِ قرآنی جن کا ترجمہ یہ ہے) ''اے قوم میں تمہارے لیے ڈرتا ہوں معتوب گردوں کے انجام کار سے جیسے قومِ نوحؑ اور عاد و ثمود اور جو ان کے بعد تھے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں چاہتا اور اے قوم میں تمہارے لیے ڈر رہا ہوں روزِ قیامت کے ہول سے جس وقت تم بھاگ رہے ہوگے مگر خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد کہا'' اے قوم حسین کو قتل نہ کرو۔ نہیں تو تم عذاب کے مستوجب ہوگے اور افترا پرداز ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ امام حسین نے فرمایا اے ابن سعد اللہ اپنی رحمت تمہارے شامل حال کرے۔ عذاب کے مستحق تو یہ اس وقت ہوگئے کہ جب انھوں نے دعوت حق کو ٹھکرا دیا اور تمہارے خلاف چڑھ دوڑے اس مقصد سے تمہارا اور تمہارے اصحاب کا خون بہائیں حالانکہ اب تو انھوں نے تمہارے نیک بھائیوں کو قتل بھی کر دیا۔

## شہیدِ کربلا کی آخری تقریر:

یہ تقریر ایسے نازک موقعے پر ہوئی تھی جب کسی دوسرے مقرر کی نہ زبان میں طاقت ہوسکتی ہے نہ دل میں کہ وہ ایک جملہ بھی بطور تقریر کے کہہ سکے۔ یہ وہ موقع

ہے جب مجاہدِ کربلا گھوڑے سے رُوئے زمین پر تشریف لا چکے ہیں، دل پر ڈیڑھ سو داغ تھے ہی اب جسم پر سینکڑوں زخم بھی لگ چکے تھے۔ طبری نے لکھا ہے۔

ابومخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے صعب بن زبیر نے کہا حمید بن مسلم کی زبانی (حمید سے کسی نے بیان کیا ہے اس کا ذکر نہیں ہے کیونکہ خود حمید واقعۂ کربلا میں موجود نہ تھے) کہا (راوی نے) کہ حضرت (روزِ عاشورہ) ایک خز کا جبہ پہنے تھے اور عمامہ باندھے تھے اور دسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا۔ کہا میں نے سنا آپ کو کہ آپ شہید ہونے کے قبل فرما رہے تھے اس حالت میں کہ جب پیادہ پا ایک نہایت بہادر شہسوار کی حیثیت سے جنگ کر رہے تھے۔ حربوں کو پہچانتے تھے اور دشمن پر ہر مناسب موقعے پر وار بھی کرتے تھے۔ "تم میرے قتل پر باہم ایک دوسرے کو ترغیب دے رہے ہو۔ بخدا مجھ سے بڑھ کر کوئی ایسا نہ ہوگا جس کے قتل کرنے پر خدا ناراض ہو۔ بخدا میں امید کرتا ہوں کہ تمہاری اس تذلیل و توہین کی بدولت خدا مجھ کو عزت دے گا"۔

امام حسینؑ کا خطاب:-

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے
کوثر یہیں رسولؐ کے احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے
لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے

چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

(میر انیسؔ)

# امام حسینؑ اور اصحاب واعزاؑ کی عظیم گفتگو

میں اپنی بیعت کی گرہ تمہاری گردنوں سے کھولے دیتا ہوں تم اپنی قوم و قبیلے اور رشتے داروں سے جاملو۔ آپ نے اپنے عزیزوں سے فرمایا کہ تمہارے لیے مباح کئے دیتا ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ، تم ان دشمنوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے، ان کی تعداد اور ان کی قوت بہت زیادہ ہے اور یہ صرف مجھے چاہتے ہیں مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دو خداوندِ عالم میری مدد کرے گا اور اپنی اچھی نگاہ مجھ سے نہ ہٹائے گا جیسا کہ میرے پاکیزہ اسلاف کے ساتھ اس کا دستور رہا ہے اس حکم کے بعد لشکر والے تو جدا ہو گئے لیکن آپ کے اعزاؑ اور قریبی رشتے داروں نے ساتھ چھوڑ کر جانے سے انکار کیا۔ انھوں نے کہا ”ہم آپ سے جدا نہ ہوں گے جو آپ پر گزرے گی وہ ہم پر بھی گزرے گی اور جو دکھ آپ جھیلیں گے وہی ہم بھی جھیلیں گے، جو مصیبت آپ پر آئے گی وہ ہم پر بھی آئے گی۔ ہم آپ کے ساتھ رہ کر خدا سے زیادہ قریب رہ سکتے ہیں“۔

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”اگر تم نے بھی اپنے نفوس کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے جس پر میں اپنے نفس کو آمادہ کر چکا ہوں تو یہ جان لو کہ خداوندِ عالم اپنے بندوں کو اچھے مدارج، مصائب جھیلنے میں صبر کرنے پر عنایت فرماتا ہے۔ اللہ نے مجھے میرے ان بزرگوں کی شرکت میں جن کی میں آخری فرد ہوں مصائب برداشت کرنے کی وجہ سے جو عزتیں عطا کی ہیں ان خداوندی اعزازوں میں

تمہارا بھی حصہ ہوگا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا اور اس کا تلخ و شیریں جو کچھ ہے سب خواب ہی خواب ہے اور اسی خواب سے بیداری آخرت میں ہوگی، جو آخرت میں کامیاب رہا در حقیقت وہی کامیاب ہے اور جو آخرت میں بد بخت رہا وہی دراصل بد بخت ہے۔ اے ہمارے دوستو! ہمارے ماننے والوں اور ہمارا دامن پکڑنے والو! کیا مناسب نہ ہوگا کہ میں تم سے اپنا اور تمہارا پہلا پہلا ماجرا بیان کروں تا کہ تمہارے لیے ان مصائب کی برداشت آسان ہو جائے جو تمہیں درپیش آنے والے ہیں"۔ انصار نے کہا اے فرزندِ رسول ضرور بیان فرمائیں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ "جب خداوندِ عالم نے آدم کو پیدا کیا اور انھیں استقامت بخشی اور انھیں تمام چیزوں کے نام بتائے اور اب ملائکہ کے سامنے پیش کیا تو حضرت محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، اور حسنؑ و حسینؑ کی پانچ پانچ شکلیں پشتِ آدم میں ودیعت کیں۔ اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے نور سے آفاق روشن تھے، کل آسمان تمام زمین، پردہ ہائے عرش و کرسی اور جنتیں سبھی ان کے نور سے منور تھے اس کے بعد خداوندِ عالم نے آدم کی تعظیم کی خاطر ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ آدم کو خداوندِ عالم نے اس وجہ سے یہ فضیلت بخشی کہ انھیں خزینہ دار بنایا تھا ان شکلوں کا جن کے انوار سے تمام آفاق نورانی تھے سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے آدم کی عظمت اور ہم اہلِ بیت کے انوار کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا حالانکہ کل ملائکہ نے سر جھکایا مگر شیطان نے اپنے کو بڑا اور رفیع المنزلت سمجھا اور اپنے اس انکار اور تکبر کی وجہ سے کافروں میں سے قرار دیا گیا۔

---

# اصحابِ امام حسینؑ کے اسمائے مبارک معنی (بہ لحاظِ حروفِ تہجی)

## (الف)

ابوثُمامہ: خوشبودار گھاس، خوشبودار بیل جو زمین پر پھیلی ہو۔

ابوالحُتُوف، حُتُوف: موت کو شکست دینے والا۔

الادھَم: سیاہ رنگ، نئے اور پُرانے نشانات، بیڑی۔

اسلم: طاعت، فرماں برداری۔

اُنَس: اُنسیت، محبت، جس سے محبت کی جائے۔

امراءُالقیس: حکومت وولایت کا اندازہ کرنے والا۔

اسعد: سعد، مبارک۔

ابی المطاع: وہ شخص جس کی اطاعت کی جائے۔ حاکم۔

احدُوث: بات، افسانہ، کہانی، اَحادِیث۔

## (ب)

بدر: چاند

بُریر: نیکی کرنے والا

بشیر: خوش خبری دینے والا۔

## (ث)

ثبیط: کسی کام سے روکنا۔

## (ج)

جابر: قدرت، طاقت، عظمت، مُصلح

جبلہ: جس کی فطرت میں قوت وطاقت اور نیکی ہو۔

جُنادہ: فوج کا سپاہی۔

جُندب: جس پر ظلم کیا جائے۔

جون: سفید، سیاہ، سرخ، سبزی جو سیاہی مائل ہو۔

جوین: عشق میں غمگین رہنا۔

## (ح)

حسّان: پارسا۔

حرث: کھیتی کرنا، کاشتکاری، شیر

حُباب: محبت کرنے والا۔

حُبشی: عقاب

حبیب: محبوب، جس سے محبت کی جائے۔

حُجاج: اَبرو۔آفتاب کا کنارہ۔

حر: آزاد، شریف، (وہ اپنی قوم کے اشراف میں سے تھے)۔

حلاس: سرسبز ہونا، لگاتار ہلکی بارش ہونا، ٹاٹ کا فرش، کجاوہ، زین، بہادر

حنظلہ: اِندرائن، ایک پھل جو دیکھنے میں خوبصورت اور مزے میں تلخ ہوتا ہے۔

حجیر: وہ جگہ جہاں پتھر پائے جاتے ہیں۔

مُحرّاق: شمشیرِ برّاں، بہت تیز دوڑنے والا گھوڑا

## (خ)

خُضیر: ہرا بھرا، سبز۔

## (ر)

رَافِع: بلند ہونا، بجلی چمکنا، بلند مرتبہ۔

رَزِین: پختہ رائے والا

## (ز)

زاہیر: خوشنما پودہ، مشرق، بہت سرخ، چمک دار صاف رنگ والا۔

زُہیر: خوبصورت و بارونق ہونا، روشن چہرہ، صاف رنگ والا، چمکنا، چمکدار چہرہ، پھول اور کلیاں، چمک دار، صاف رنگ والا۔

## (س)

سلیم: آفات سے محفوظ، سنجیدہ طبع، مطمئن۔

سَلامہ: عُیوب و آفات سے پاک۔

سَریع: تیز تر۔

سالم: صحیح سلامت، کامل، تندرست، اِسلام پر چلنا۔

سعید: مبارک ہونا، مسعود، نیک بخت۔

سلمان: عیب سے پاک، سلیم۔ سلیمان۔

سوار: طاقت ور بادشاہ، کنگن، فوجی افسر، تیر انداز۔

سُوَید / سُوَیدہ: خوبصورت چہرے پر کالا تِل۔

سیف: تلوار۔

سہم: تیر۔

سہیم: شریک۔

## (ش)

شبیب: شباب، بلوغ سے تیس برس کا زمانہ۔

شَوذَب: خوبصورت، لمبے خوبصورت قد والا، ہر چیز کا عمدہ حصہ۔

## (ص)

صَلت: تلوار، کشادہ پیشانی والا۔

## (ض)

ضرغامہ: شیر، بہادر، قوی۔

ضبیعہ: دعا کے لئے ہاتھ اُٹھانے والا۔

## (ع)

عائذ: غِزال، ہرن۔ گھوڑا، ستارہ، تعویذ۔

عابس: شیر، تیور بدلنا، شیر کی چتون۔

عامر: گھر کا رہنے والا، گھر کا مالک، آباد جگہ، صاحبِ وقار، سر کا تاج۔

عِباد: (عَبد کی جمع ہے) اللہ کا عبادت گزار بندہ۔

عبداللہ: اللہ کا خالص بندہ، عبادت گزار۔

عبدالاعلیٰ: اللہ کا بندہ (بلند ترین کا غلام)

عقبہ: بعد میں آنے والا اچھا جانشین، عقب میں آنے والا۔

عُمرو: آبادی

عَمرو: آبادی

عَمّار: قوی الایمان، موت تک امر و نہی پر قائم رہنے والا، بُردبار، صاحبِ وقار۔

عوسجہ: ایک درخت کا نام (پھول دار جھاڑی)

عرب: فصیح البیان۔

عروہ: جانور باندھنے کی رسّی۔

عُمیر: گھر کو آباد کرنے والا۔

## (ق)

قارب: چھوٹی کشتی، ناؤ، رات کو پانی ڈھونڈنے والا۔

قاسِط: انصاف کرنے والا، عادل، میزان، ترازو۔

قَعنَب: ہیبت ناک شیر۔

قیس: اندازہ معلوم کرنا، ایک قبیلے کا نام، قبیلۂ قیس (عیلان کا قبیلہ)

قین: آہن گر، زِرہ بنانے والا۔

قَرَظَہ: درخت کے پتّے۔

## (ک)

کعب: بزرگی والا، اعلیٰ وارفع۔

کثیر: بہت زیادہ مقدار میں (خیر کثیر)

کُردوس: کندھے کی ہڈّی۔

کَدَن: مٹیالا رنگ، کمر میں پٹکا باندھنا

## (م)

مَا لِک: بادشاہ، عزّت وقدرت والا، شان وشوکت والا۔

مُجَمَّع: مرکزیت جہاں سب جمع ہوجائیں۔

مُقسِط: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے ہے اور معنی اس کے عادل کے ہیں۔

مُنجح: کامیاب، فتح مند، غالب، باطل پر غالب آنا۔

مُوَقِّع: شاہی فرمان لکھنے والا، مُہر شاہی کا محافظ، آہستہ قدم رکھنے والا۔

مسروق: گلا بیٹھ جانا، آواز پڑنا، کنکھیوں سے دیکھنا، چوری چوری ایک دوسرے کو دیکھنا۔

مہاجر: ہجرت کرنے والا، شریف، خوبصورت۔

منعم: مال دار، نعمت والا، آقا، سخی۔

مُسہر: رات بھر جاگنے والا، بیداری پر قادر۔

مُغفّل: دنیا سے بے خبر۔

مضارب: کسی کے مال سے تجارت کرنا اور نفع میں شریک ہونا۔

## (ن)

نَافِع: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے ہے۔ فائدہ پہنچانے والا۔

نَصر: مددگار، ناصر، دشمن سے نجات دلانے والا۔

نُعیم: آسودہ حال، آرام، مال، سکونِ قلب والا مرد، اللہ کا فضل۔

**نبھان:** زِیرک، عقل مند، سمجھ دار۔

## (و)

**وَاضح:** ظاہر، نمایاں، پاک، صاف حسب والا، بہت خوبصورت چہرے والا۔

## (ہ)

**ہانی:** شیر

**ہلال:** باریک چاند۔

## (ی)

**یقطر:** اُونٹوں کی قطار۔

----------

# اصحابِ امام حسینؑ کی تعداد پر تحقیقی نظر

حضرت امام حسینؑ کے جو اصحاب یومِ عاشورا میدانِ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ان کی تعداد اور ان کے ماقبل اور مابعد شہید ہونے کے متعلق مابین علما تاریخ کربلا اختلاف ہے اب باحتراز طوالت و باختفار تفاوت ان علما تاریخ کربلا کی آرا کا مختصر ترین خاکہ پیش کیا جاتا ہے جن کی کتب ماخذ کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے لوط بن یحییٰ المشہور ابومخنف مؤلف مقتل الحسین معروف بہ مقتل ابی مخنف مطبع النجف کے چشم دید بیان کا مختصر ترین خاکہ درباره تعداد ونوبت شہادت اصحابِ امام حسینؑ جامع التواریخ میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) حبیب (۲) زہیر بن قین (۳) زید بن مظاہر اسدی (۴) یحییٰ بن کثیر انصاری (۵) ہلال بن نافع (۶) ابراہیم (۷) علی بن مظاہر (۸) معلیٰ (۹) جون غلام ابی ذر غفاری (۱۰) عمیر ابن مطاع (۱۱) عبداللہ بن وہب کلبی (۱۲) طرماح بن عدی۔

لوط بن یحییٰ نے مقتل ابی مخنف میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کے تمام اصحاب وانصار شہید ہو چکے اور حضرت نے استغاثہ کیا تو حرؑ اس وقت خدمتِ امام زماں میں حاضر ہوا اور بعد تحصیل اجازت جہاد کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

اس کے علاوہ علامہ سیّد ابن طاؤس مؤلف مقتل لہوف کی تحقیق کا مختصر ترین

خاکہ درباب تعداد ونوبت شہادت اصحاب امام حسینؑ نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) حر (۲) بُریر بن خضیر ہمدانی (۳) محمد بن بشیر (۴) وہب پسر حباب کلبی (۵) مسلم بن عوسجہ (۶) عمر بن قرظہ انصاری (۷) جون غلام ابی ذر (۸) عمر بن خالد صیداوی (۹) حنظلہ بن اسعد (۱۰) سعید بن عبداللہ (۱۱) زہیر بن قین (۱۲) سوید بن عمر بن ابی مطاع۔

سید علامہ ابن طاؤس کہتے ہیں کہ بمطابق روایات، حر کے آنے سے پہلے بہت سے اصحاب حسینؑ درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ سید علامہ ابن طاؤس نے ان شہدا کے اسما گرامی نقل نہیں کئے ہیں۔

اب شیخ الامۃ محمد بن محمد النعمان الملقب بالمفید متوفی ۴۱۳ھ مؤلف الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، کی رائے کا مختصر ترین خاکہ نقل کیا جاتا ہے۔ (۱) حرؒ (۲) عبداللہ بن عمیر (۳) نافع بن ہلال (۴) مسلم بن عوسجہ (۵) حبیب بن مظاہر (۶) زہیر بن قین (۷) حنظلہ بن سعد (۸) شوذب (۹) عابس بن شبیب شاکری۔

شیخ مفید جیسے ممتاز مورخ نے کتاب الارشاد میں جو مورخین ماخذ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، حضرت امام حسینؑ کے دیگر اصحاب کے اسماء گرامی نقل نہیں کئے ہیں۔

اس کے بعد احمد یا محمد بن علی اعثم کوفی مؤلف تاریخ اعثم کوفی کی رائے کا مختصر ترین خاکہ راجع بہ تعداد اور نوبت شہادت اصحاب امام حسینؑ لکھا جاتا ہے۔

(۱) حر (۲) بُریر ہمدانی (۳) عمر بن خالد ازدی (۴) مسلم بن عوسجہ اسدی (۵) مالک بن اوس مالکی (۶) ہلال بن نافع (۷) حباب بن ارت انصاری

(۸) عمر بن جنادہ

خواجہ اعثم کوفی جیسے ممتاز مورخ نے بھی فقط مذکورہ بالا اصحاب امام حسینؑ کی شہادتوں کے واقعات نقل کئے ہیں۔

اب علامہ محمد بن علی بن شہرآشوب مازندرانی مؤلف مناقب آلِ ابی طالب کی تحقیق کا مختصر ترین خاکہ جامع التواریخ میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) حر (۲) بُریر بن خضیر ہمدانی (۳) وہب بن عبداللہ کلبی (۴) عمرو بن خالد ازدی (۵) سعد بن حنظلہ تمیمی (۶) عبداللہ مذحجی (۷) مسلم بن عوسجہ (۸) عبدالرحمان بن عبداللہ یزنی (۹) یحییٰ بن سلیم مازنی (۱۰) قرہ بن ابی قرہ انصاری (۱۱) عمرو بن مطاع جعفی (۱۲) جون غلام ابی ذر (۱۳) انیس بن معقل اصبحی (۱۴) زید بن مہاجر جعفی (۱۵) حجاج بن مسروق جعفی (۱۶) حبیب ابن مظاہر (۱۷) زہیر بن قین (۱۸) جنادہ بن حارث انصاری (۱۹) حر کا ایک ترکی غلام (۲۰) مالک بن دودان (۲۱) ابوثمامہ مائدی (۲۲) ابراہیم بن حصین اسدی (۲۳) عمرو بن قرظہ انصاری (۲۴) احمد بن محمد ہاشمی اس کے بعد علامہ ابوجعفر بُریر طبری مؤلف تاریخ الامم والملوک کی رائے کا خاکہ متعلق بہ تعداد و نوبت شہادت امام حسینؑ نقل کیا جاتا ہے۔ (۱) حر (۲) وہب بن عبداللہ (۳) بُریر بن خضیر (۴) علی بن قرظہ (۵) مسلم بن عوسجہ (۶) عبداللہ بن عمیر کلبی (۷) حبیب ابن مظاہر (۸) ابوثمامہ حنفی (۹) زُہیر بن قین (۱۰) نافع بن ہلال (۱۱) عزرہ غفاری کے فرزند عبداللہ، عبدالرحمان (۱۲) حنظلہ بن اسعد شبامی (۱۳) سیف و مالک (۱۴) شوذب (۱۵) عابس بن ابی شبیب (۱۶) زید بن زید (۱۷) عمر بن خالد صیداوی (۱۸) سعد (۱۹) جابر بن حارث سلمانی

(۲۰) مجمع بن عبداللہ عائذی۔

اب مُلّا حسینؒ مؤلف روضۃ الشہدا کی رائے کا خاکہ متعلق بہ تعداد و نوبت شہادت اصحاب امام حسینؑ جامع التواریخ میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) حر (۲) مصعب برادر حر (۳) پسرِ حر (۴) حر کا غلام غرہ (۵) زُہیر بن حسان اسدی (۶) عبداللہ بن عمیر کلبی (۷) بُریر بن خضیر ہمدانی (۸) وہب بن عبداللہ کلبی (۹) عمرو بن خالد ازدی (۱۰) خالد بن عمرو (۱۱) سعد بن حنظلہ (۱۲) عمرو بن عبداللہ مذحجی (۱۳) حماد بن انس (۱۴) شریحی بن عبید رومی (۱۵) مسلم بن عوسجہ (۱۶) پسر مسلم بن عوسجہ (۱۷) ہلال بن نافع (۱۸) عبداللہ یزنی (۱۹) یحییٰ بن سلیم مازنی (۲۰) عبدالرحمان بن عروہ غفاری (۲۱) مالک بن انس بن مالک (۲۲) عمرو بن مطاع جعفی (۲۳) قیس بن منبہ (۲۴) ہاشم بن عتبہ (۲۵) حبیب بن مظاہر (۲۶) حرہ یا حریر آزاد کردہ غلام ابی ذر غفاری (۲۷) زید بن مہاجر جعفی (۲۸) انیس بن معقل اصبحی (۲۹) عابس بن شبیب و شوذب (۳۰) حجاج بن مسروق جعفی (۳۱) سیف بن حرث بن سریع و مالک بن عبداللہ سریع۔ (۳۲) امام زین العابدینؑ کا ترکی غلام (۳۳) حنظلہ بن سعد (۳۴) زید بن جیاد (۳۵) سعد بن حنفی (۳۶) جنادہ بن حارث انصاری (۳۷) عمرو بن جنادہ (۳۸) مرہ بن ابی مرہ غفاری (۳۹) محمد بن مقداد و عبداللہ بن ابودجانہ (۴۰) سعد غلام امیر المومنین (۴۱) قیس بن ربیع و اشعث بن سعد و عمرو بن قرطہ و عظمہ و حماد۔

مُلّا حسینؒ نے روضۃ الشہدا صفحہ ۲۹۶ پر لکھا ہے میدانِ کربلا میں یاران، چاکران اور ملازمان امام حسینؑ میں سے ترپن افراد نے شربت شہادت نوش فرما

کراس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

اس کے بعد مُلّا محمد باقر مجلسی مؤلف بحار الانوار جلد دہم کی تحقیق کا خاکہ در باب تعداد و نوبت شہادت اصحاب امام حسین ملفل کیا جاتا ہے۔

(۱) حر (۲) بُریر (۳) وہب کلبی (۴) عمر بن خالد ازدی (۵) خالد بن عمرو (۶) سعد بن حنظلہ (۷) عمیر بن عبداللہ (۸) مسلم بن عوسجہ (۹) نافع بن ہلال بجلی (۱۰) سعید بن عبداللہ (۱۱) عبدالرحمان بن عبداللہ (۱۲) عمرو بن قرطہ (۱۳) جون غلام ابی ذر (۱۴) عمر بن خالد (۱۵) حنظلہ بن سعد۔ (۱۶) سوید بن عمرو (۱۷) یحییٰ بن سلیم (۱۸) قرہ غفاری (۱۹) مالک بن انس (۲۰) عمرو بن مطاع جعفی (۲۱) مسروق موذن امام حسینؑ (۲۲) زہیر بن قین (۲۳) سعید بن عبداللہ (۲۴) حبیب بن مظاہر (۲۵) ہلال بن نافع (۲۶) ایک یتیم بچہ (۲۷) جنادہ بن حرب (۲۸) عمر بن جنادہ (۲۹) عبدالرحمان بن عروہ (۳۰) عابس بن شبیب شاکری وشوذب غلام ترکی (۳۱) عبداللہ وعبدالرحمان غفاری (۳۲) ایک ترکی غلام (۳۳) یزید بن زیاد شعثا (۳۴) ابو عمر نہشلی (۳۵) زید بن مہاجر (۳۶) سیف بن حریث و مالک بن عبداللہ۔

اب مُلا محمد باقر مجلسی مولف جلاء العیون کے تفحص کا مختصر ترین خاکہ راجع بہ تعداد و نوبت شہادت اصحاب امام حسینؑ قلمبند کیا جاتا ہے۔

(۱) حر (۲) بُریر بن خضیر (۳) وہب بن عبداللہ (۴) عمر بن خالد ازدی (۵) خالد بن عمرو ازدی (۶) سعید بن حنظلہ تمیمی (۷) عمرو بن عبداللہ مذحجی (۸) مسلم بن عوسجہ (۹) زہیر بن قین (۱۰) حبیب ابن مظاہر (۱۱) ہلال ابن حجاج (۱۲) نافع ابن ہلال (۱۳) عبدالرحمان بن عبداللہ (۱۴) جون غلام ابی ذر

غفاری (۱۵)عمرو بن صیداوی (۱۶)حنظلہ بن اسعد (۱۷)سوید بن عمر (۱۸)یحییٰ بن سلیم (۱۹)قرہ بن قرہ غفاری (۲۰)عمرو بن مطاع جعفی (۲۱)حجاج بن مسروق (۲۲)جنادہ بن حارث (۲۳)عمرو بن جنادہ (۲۴)عبدالرحمان بن عروہ (۲۵)عابس بن شبیب شاکری و شوذب (۲۶)عبداللہ و عبدالرحمان غفاری (۲۷)ترکی غلام (۲۸)زیاد بن شعثا (۲۹)ابوعمر نہشلی (۳۰)سیف بن ابی حارث و مالک بن عبداللہ۔

مؤلف عرض کرتا ہے کہ امام حسینؑ کے جو اصحاب یوم عاشورا میدان کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ان کی تعداد مع اسماء گرامی حضرت صاحب العصر والزمان صلوات اللہ علیہ نے بھی زیارت ناحیہ میں دی ہے جو یہ ہے۔

(۱) سلیمان (۲) قارب (۳) منجح (۴) مسلم بن عوسجہ (۵) سعد بن عبداللہ (۶) بشر بن عمر حضرمی (۷) زید بن حصین ہمدانی (۸) عمر بن کعب انصاری (۹) نعیم بن عجلان انصاری (۱۰) زہیر بن قین بجلی (۱۱) عمر بن قرظہ انصاری (۱۲) حبیب بن مظاہر اسدی (۱۳) حر (۱۴) عبداللہ بن عمر کلبی (۱۵) نافع بن ہلال بن نافع مرادی (۱۶) انس بن کاہل اسدی (۱۷) قیس بن مسہر صیداوی (۱۸) عبداللہ، عبدالرحمان غفاریان (۱۹) عون بن حوی غلام ابی ذر (۲۰) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۲۱) حجاج بن زید سعدی (۲۲) قاسط و کرش پسران ظہیر (۲۳) کنانہ بن عتیق (۲۴) ضرغامہ بن مالک (۲۵) حوی بن مالک ضبعی (۲۶) زید بن ثبیت قیسی (۲۷) عامر بن مسلم (۲۸) قعنب بن عمر تمری (۲۹) سالم غلام عامر بن مسلم (۳۰) سیف بن مالک (۳۱) زہیر بن بشر خثعمی (۳۲) زید بن معقل جعفی (۳۳) حجاج مسروق جعفی (۳۴) مسعود بن حجاج

(۳۵)مجمع بن عبداللہ عائذی (۳۶)عمار بن حسان بن شریح طائی (۳۷)حیان بن حارث سلمانی ازدی (۳۸) جندب بن حجر خولانی (۳۹)عمر بن خالد صیداوی اوراس کا غلام سعید(۴۰)زید بن جیاد مطاہر کندی (۴۱)زاہد غلام عمر بن حمق خزاعی (۴۲)جبلہ بن علی شیبانی (۴۳)سالم غلام مدینہ کلبی (۴۴)اسلم بن کثیر ازدی اعوج (۴۵)زہیر بن سلیم ازدی (۴۶) قاسم بن حبیب ازدی (۴۷) جندب حضرمی (۴۸)ابو ثمامہ عمر بن عبداللہ صائدی (۴۹)حنظلہ بن اسدی شیبانی (۵۰)عبدالرحمان بن عبداللہ کدری ارحبی (۵۱)عمار بن سلامہ ہمدانی (۵۲)عابس بن شبیب شاکری۔ شاکر کا غلام شوذب (۵۳)شبیب بن حارث سریع (۵۴)مالک بن عبداللہ (۵۵)زخمی اسیر سوار بن ابی صمیر فہمی ہمدانی (۵۶)عمر بن عبداللہ جذعی۔

❁❁❁

# اسمائے مبارک شہیدانِ کربلا

# بہ لحاظِ حروفِ تہجی

## (الف)

۱۔ حضرت ابوثمامہ، عمرو بن عبداللہ بن کعب صیداوی

۲۔ حضرت ابنِ شبیط عبدی

۳۔ حضرت اِدہم بن اُمیہ عبدی بصری (حملۂ اولیٰ کے شہید)

۴۔ حضرت ابوعامر زیاد بن عمرو ہمدانی

۵۔ حضرت ابوعمرو نہشلی

۶۔ حضرت ابوالحتوف بن حرث انصاری

۷۔ حضرت ابوالشعثاء کندی

۸۔ حضرت اسد کلبی

۹۔ حضرت ابراہیم بن حصین اسدی

۱۰۔ حضرت اسلم ترکی (امام حسینؑ کے غلام)

۱۱۔ حضرت اُمیہ بن سعد بن زید طائی (حملۂ اولیٰ کے شہید)

۱۲۔ حضرت انس بن حرث اسدی کاہلی (صحابیٔ رسولؐ)

۱۳۔ حضرت انیس بن معقل اصبحی

## (ب)

۱۴۔ حضرت بکر بن حی بن تیم اللاّت بن ثعلبہ تیمی

۱۵۔ حضرت بُریر بن خضیر ہمدانی

۱۶۔ حضرت بشیر بن عمرو بن الاحدوث حضرمی کندی

۱۷۔ حضرت بدر بن رقیط

## (ج)

۱۸۔ حضرت جنادہ بن کعب بن حرث انصاری۔ خُزرجی

۱۹۔ حضرت جابر بن حجّاج تیمی (غلام عامر بن نہشل تمیمی)

۲۰۔ حضرت جابر بن عروہ غفاری (صحابیٔ رسولؐ)

۲۱۔ حضرت جبلّہ بن عبداللہ

۲۲۔ حضرت جبلہ بن علی شیبانی (حملۂ اولیٰ)

۲۳۔ حضرت جنادہ بن حرث انصاری سلمانی اِزدی (صحابیِ رسولؐ)

۲۴۔ حضرت جُندب بن حُجیر خولانی

۲۵۔ حضرت جون بن حوّی (غلامِ ابوذر)

۲۶۔ حضرت جُوَین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی

## (چ)

۲۷۔ چار یمنی جوان

# (ح)

۲۸۔ حضرت حباب بن حرث (حملۂ اولیٰ)

۲۹۔ حضرت حباب بن عامر بن کعب تیمی (حملۂ اولیٰ)

۳۰۔ حضرت حبشہ بن قیس نہی (حبشہ)

۳۱۔ حضرت حجاج بن زید سعدی تمیمی (حجاج بن زید) سعدی (حملۂ اولیٰ)

۳۲۔ حضرت حنظلہ بن عمر شیبانی

۳۳۔ حضرت حنظلہ بن اسعد شبامی

۳۴۔ حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری کا برادر زادہ

۳۵۔ حضرت حیان بن حرث

۳۶۔ حضرت حبیب بن مظاہر اسدی

۳۷۔ حضرت حجاج بن مسروق جعفیؑ (امام حسینؑ کے موذن)

۳۸۔ حضرت حرؑ

۳۹۔ حضرت حلاس بن عمر و ازدی راسبی

۴۰۔ حضرت حرث بن امراؤالقیس بن عابس کندی

۴۱۔ حضرت حرث بن نبہان (غلام حضرت حمزہؑ)

(نبہان۔ بیدار ہونا، سمجھدار، شرافت، شہرت، مشہور ہونا، شریف ہونا)

۴۲۔ حضرت حجیر بن جندب

۴۳۔ حضرت حنظلہ بن عمرو شیبانی

## (خ)

۴۴۔ حضرت خالد بن عمرو بن خالد ازدی

۴۵۔ حضرت خلف بن مسلم بن عوسجہ

## (د)

۴۶۔ حضرت داؤد بن طرّماح

## (ر)

۴۷۔ حضرت رافع بن عبداللہ (مسلم بن کثیر کے غلام)

۴۸۔ حضرت ربیعہ بن خوط (صحابی رسولؐ)

۴۹۔ حضرت رجُل خزیمی (قبیلۂ خزیمہ کا ایک شخص)

۵۰۔ حضرت رُمیث بن عمرو

## (ز)

۵۱۔ حضرت زہیر بن بُشر خشعمی

۵۲۔ حضرت زائدہ بن مہاجر

۵۳۔ حضرت زُہیر بن سُلیم بن عمرو ازدی

۵۴۔ حضرت زُہیر بن سیار

۵۵۔ حضرت زُہیر بن قین بجلی

۵۶۔ حضرت زاہر بن عمرو اسلمی (صحابیٔ رسولؐ، ابن حُمق کے غلام)

۵۷۔ زوجۂ عبداللہ بن عمیر کلبی

۵۸۔ حضرت زید بن ضاد بن مہاجر

۵۹۔ حضرت زید بن حصین مشرقی

۶۰۔ حضرت زید بن مظاہر اسدی

۶۱۔ حضرت زید بن مغفل جُعفی

۶۲۔ حضرت زید بن جیاد کندی

## (س)

۶۳۔ حضرت سوار بن منعم

۶۴۔ حضرت سیف بن مالک عبدی بصری

۶۵۔ حضرت سلمان بن مضارب بن قیس اَنماری بَجلی

۶۶۔ حضرت سیف بن حرث بن سریع بن جابر ہمدانی

۶۷۔ حضرت سالم بن عمرو بن عبداللہ (بنی المدینہ کے غلام)

۶۸۔ حضرت سالم (عامر بن مسلم عبدی کے غلام)

۶۹۔ حضرت سعد (عمرو بن خالد صیداوی کے غلام)

۷۰۔ حضرت سعد بن بشر حضرمی

۷۱۔ حضرت سعد بن حرث انصاری (حضرت علیؑ کے غلام)

۷۲۔ حضرت سعید بن حنظلہ تمیمی

۷۳۔ حضرت سفیان بن مالک

۷۴۔ حضرت سلیمان بن سلیمان ازدی

۷۵۔ حضرت سلیمان بن کثیر (امام حسینؑ کے غلام)

۷۶۔ حضرت سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی

۷۷۔ حضرت سوار بن ابی عمیر نہمی

۷۸۔ حضرت سُلیم (امام حسنؑ کے غلام)

۷۹۔ حضرت سعید بن عبداللہ حنفی

## (ش)

۸۰۔ حضرت شبیب بن جرادا کلابی وحیدی

۸۱۔ حضرت شبیب بن عبداللہ نہشلی

۸۲۔ حضرت شبیب بن عبداللہ

۸۳۔ حضرت شوذب بن عبداللہ (عابس کے غلام)

## (ض)

۸۴۔ حضرت ضرغامہ بن مالک تغلبی

۸۵۔ حضرت ضاد بن عُریب ہمدانی (ضاد کے معنی ہیں جھگڑے میں غالب آنے والا)

۸۶۔ حضرت ضبیعہ بن عَمرو

## (ط)

۸۷۔ حضرت طرماح بن عدی

## (ظ)

۸۸۔ حضرت ظہیر بن حسان اسدی

# (ع)

۸۹۔ حضرت عمرو بن خالد صیداوی

۹۰۔ حضرت عائذ بن مجمع عائذی

۹۱۔ حضرت عامر بن مسلم عبدی بصری

۹۲۔ حضرت عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جُہنی

۹۳۔ حضرت عبدالرحمان بن عبداللہ بن کدن ارحبی

۹۴۔ حضرت عبداللہ اور عبیداللہ شبیط قیسی

۹۵۔ حضرت عمار بن حسان طائی

۹۶۔ حضرت عمران بن کعب بن حرث اشجعی

۹۷۔ حضرت عمرو بن قُرظہ بن کعب انصاری

۹۸۔ حضرت عابس بن ابی شبیب شاکری

۹۹۔ حضرت عامر بن حسان

۱۰۰۔ حضرت عامر بن خلیدہ

۱۰۱۔ حضرت عامر بن مالک

۱۰۲۔ حضرت عبدالرحمان الیزانی

۱۰۳۔ حضرت عبدالرحمان بن عروہ بن حراق غفاری

۱۰۴۔ حضرت عبدالرحمان کدری اور اس کا بھائی

۱۰۵۔ حضرت عبدالرحمان بن مسعود تیمی

۱۰۶۔ عبدالرحمان بن زید

۱۰۷۔ حضرت عبداللہ بن بُشر خثعمی

۱۰۸۔ حضرت عبداللہ بن عروہ غفاری

۱۰۹۔ حضرت عبداللہ بن عُمیر کلبی اوران کی زوجہ

۱۱۰۔ حضرت عبداللہ بن زید بن شبیط بصری

۱۱۱۔ حضرت عبیداللہ بن زید بن شبیط بصری

۱۱۲۔ حضرت عمران بن عروہ غفاری

۱۱۳۔ حضرت عقبہ بن سمعان

۱۱۴۔ حضرت علی بن حرؒ

۱۱۵۔ حضرت علی بن مظاہر اسدی

۱۱۶۔ حضرت عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی انصاری

۱۱۷۔ حضرت عمرو بن جندب حضرمی

۱۱۸۔ حضرت عمرو بن خالد صیداوی

۱۱۹۔ حضرت عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی

۱۲۰۔ حضرت عمرو بن عبداللہ جندعی

۱۲۱۔ حضرت عمرو بن کعب انصاری

۱۲۲۔ حضرت عمرو بن مطاع جعفی

۱۲۳۔ حضرت عمیر بن عبداللہ مذحجی

۱۲۴۔ حضرت عمیر بن کناد

۱۲۵۔ حضرت عبداللہ بن یقطر

۱۲۶۔ حضرت عبداللہ بن زید عبدی

۱۲۷۔ حضرت عبدالاعلیٰ بن زید کلبی

۱۲۸۔ حضرت عبدالرحمان بن عبدالرّب انصاری

۱۲۹۔ حضرت عقبہ بن صلت جہنی

۱۳۰۔ حضرت عمار بن ابی سلامہ دالانی

۱۳۱۔ حضرت عمار بن صلحب ازدی

۱۳۲۔ حضرت عبدالرحمان بن عبداللہ یزنی

## (غ)

۱۳۳۔ حضرت غیلان بن عبدالرحمان

۱۳۴۔ حضرت غرّہ (غلامِ حرؓ)

۱۳۵۔ غلام نافع بن ہلال

۱۳۶۔ غلام حجاج بن مسروق

۱۳۷۔ غلامِ ترکی

## (ف)

۱۳۸۔ حضرت فیروزان

## (ق)

۱۳۹۔ حضرت قارب بن عبداللہ بن اُریقط (امام حسینؑ کے غلام)

۱۴۰۔ حضرت قُرہ بن ابی قُرہ غفاری

۱۴۱۔ حضرت قاسط بن زہیر بن حرث تغلبی

۱۴۲۔ حضرت قاسم بن حبیب بن ابی بُشر ازدی

۱۴۳۔حضرت قاسم بن حرث کاہلی

۱۴۴۔حضرت قعنب بن عمرو نمری

۱۴۵۔حضرت قیس بن مسہر صیداوی

۱۴۶۔حضرت قیس بن عبداللہ ہمدانی

## (ک)

۱۴۷۔حضرت کنانہ بن عتیق تغلبی

۱۴۸۔حضرت کردوس تغلبی (کردوس بن زہیر بن حرث)

## (م)

۱۴۹۔حضرت مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانی

۱۵۰۔حضرت مجمع بن زُیاد بن عُمرو جُہنی

۱۵۱۔حضرت مالک بن انس مالکی

۱۵۲۔حضرت مالک بن اوس مالکی

۱۵۳۔حضرت مالک بن دودان

۱۵۴۔حضرت مالک بن عبداللہ جابری

۱۵۵۔حضرت مبارک

۱۵۶۔حضرت مجمع بن عبداللہ مذحجی عائذی

۱۵۷۔حضرت محمد بن بشر حضرمی

۱۵۸۔حضرت محمد بن انس بن ابی دجانہ

۱۵۹۔حضرت محمد بن مطاع

۱۶۰۔حضرت مسعود بن حجاج تیمی

۱۶۱۔ حضرت مسلم ابن عوسجہ اسدی

۱۶۲۔ حضرت مسلم بن کثیر ازدی

۱۶۳۔ حضرت مسلم بن کناد

۱۶۴۔ حضرت مصعب (حضرتِ حرؑ کے بھائی)

۱۶۵۔ حضرت مُعلیٰ بن علی

۱۶۶۔ حضرت مقسط بن زہیر بن حرث تغلبی

۱۶۷۔ حضرت منجح ابن سہم (امام حسینؑ کے غلام)

۱۶۸۔ حضرت منذر بن سلیمان

۱۶۹۔ حضرت منیع بن زیاد

۱۷۰۔ حضرت منیر بن عمر واحدب

۱۷۱۔ حضرت موقع ابن ثمامہ اسدی

## (ن)

۱۷۲۔ حضرت نعیم ابن عجلان انصاری

۱۷۳۔ حضرت نعمان بن عمر وازدی راسبی

۱۷۴۔ حضرت نافع بن ہلال جملی

۱۷۵۔ حضرت نصر بن ابی نیزر

## (و)

۱۷۶۔ حضرت واضح ترکی (حرث سلمانی کے غلام)

۱۷۷۔ حضرت وہب بن وہب

۱۷۸۔ حضرت وہب بن عبداللہ کلبی

## (ہ)

۱۷۹۔ حضرت ہفہاف راسبی

۱۸۰۔ حضرت ہانی بن عروہ مرادی

## (ی)

۱۸۱۔ حضرت یحیٰی بن سُلیم مازنی

۱۸۲۔ حضرت یحیٰی بن کثیر انصاری

۱۸۳۔ حضرت یحیٰی بن ہانی بن عروہ مرادی

❁❁❁

# اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ

## جو اصحابِ رسالت مآبؐ تھے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | جناب مسلم بن عوسجہ | ۲۔ | جناب زاہر بن عمرو اسلمی کندی |
| ۳۔ | جناب شبیب بن عبداللہ مولیٰ ہمدانی | ۴۔ | جناب عبدالرحمان بن عبدربہ انصاری خزرجی |
| ۵۔ | جناب عمار بن ابی سلامہ دالانی | ۶۔ | جناب مسلم بن کثیر صدنی |
| ۷۔ | جناب حبیب بن مظاہر | ۸۔ | جناب انس بن حرث اسدی |

# اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ

## جو اصحابِ امیر المومنینؑ تھے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | جناب عبداللہ بن عمیر کلبی | ۲۔ | جناب مجمع بن عبداللہ مذحجی |
| ۳۔ | جناب جنادہ بن حرث سلمانی | ۴۔ | جناب جندب بن حجیر کندی |
| ۵۔ | جناب اُمیہ بن سعد طائی | ۶۔ | جناب جبلہ بن علی شیبانی |
| ۷۔ | جناب حرث بن نبہان | ۸۔ | جناب حلاس بن عمرو ازدی |
| ۹۔ | جناب شبیب بن عبداللہ نہشلی | ۱۰۔ | جناب قاسط بن زہیر تغلبی |
| ۱۱۔ | جناب کردوس بن زہیر تغلبی | ۱۲۔ | جناب مقسط بن زہیر تغلبی |
| ۱۳۔ | جناب نعمان بن عمرو ازدی | ۱۴۔ | جناب نعیم بن عجلان انصاری |

| ۱۵۔ | جناب ابوثمامہ صائدی | ۱۶۔ | جناب شوذب بن عبداللہ |
|---|---|---|---|
| ۱۷۔ | جناب جون غلام ابوذرغفاری | ۱۸۔ | جناب حجاج بن مسروق جعفی |
| ۱۹۔ | جناب سعد بن حرث | ۲۰۔ | جناب زید بن مغفل جعفی |
| ۲۱۔ | جناب عمر بن جندب حضرمی | | |

# اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ

## جو حفاظ قرآن تھے

| ۱۔ | جناب بُریر بن خضیر ہمدانی | ۲۔ | جناب عبدالرحمان بن عبدالرب انصاری |
|---|---|---|---|
| ۳۔ | جناب کنانہ بن عتیق تغلبی | ۴۔ | جناب نافع بن ہلال جملی |
| ۵۔ | جناب حنظلہ بن اسعد | ۶۔ | جناب غلام ترکی |

# اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ

## جو علما اور راویانِ حدیث تھے

| ۱۔ | جناب مسلم بن عوسجہ | ۲۔ | جناب حبشہ بن قیس نہمی |
|---|---|---|---|
| ۳۔ | جناب زاہر بن عمرو اسلمی | ۴۔ | جناب سوار بن ابی امیر فہمی |
| ۵۔ | جناب عبدالرحمان بن عبدالرب انصاری | ۶۔ | جناب حبیب بن مظاہر اسدی |
| ۷۔ | جناب نافع بن ہلال | ۸۔ | جناب شوذب بن عبداللہ |
| ۹۔ | جناب انس بن حرث اسدی | ۱۰۔ | جناب عقبہ بن صلت جہنی |

# اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ

## جو شجاعانِ روزگار تھے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | جناب حُر | ۲۔ | جناب مسلم بن عوسجہ اسدی |
| ۳۔ | جناب حرث بن امراء القیس کندی | ۴۔ | جناب عبدالرحمان بن عبداللہ بن کدن ارحبی |
| ۵۔ | جناب سعید بن عبداللہ حنفی | ۶۔ | جناب مسعود بن حجاج تمیمی |
| ۷۔ | جناب زہیر بن قین بجلی | ۸۔ | جناب عابس بن ابی شبیب شاکری |
| ۹۔ | جناب زیاد بن عریب ہمدانی | ۱۰۔ | جناب سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی |

# وہ انصارِ حسینؑ

## جو واقعۂ کربلا سے پہلے ہی شہید ہو گئے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | جناب مسلم بن عقیل | ۲۔ | جناب ہانی بن عروہ |
| ۳۔ | جناب قیس مسہر صیداوی | ۴۔ | جناب عبداللہ بن یقطر |
| ۵۔ | جناب سلیمان شہید بصرہ | | |

# وہ انصار جو فوجِ یزیدی کو چھوڑ کر خدمتِ امام میں چلے آئے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | جناب جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تمیمی | ۲۔ | جناب حرث بن امراء القیس بن عابس کندی |
| ۳۔ | جناب جابر بن حجاج تمیمی | ۴۔ | جناب حلاس بن عمرو ازدی راسبی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۵۔ | جناب نعمان بن عمر واردی راسبی | ۶۔ | جناب زہیر بن سلیم بن عمر واردی |
| ۷۔ | جناب ضرغامہ بن مالک تغلبی | ۸۔ | جناب مسعود بن حجاج تمیمی |
| ۹۔ | جناب عبدالرحمان بن مسعود | ۱۰۔ | جناب عبداللہ بن بشر خثعمی |
| ۱۱۔ | جناب عمر بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تمیمی | ۱۲۔ | جناب قاسم بن حبیب |
| ۱۳۔ | جناب بکر بن حی تمیمی | ۱۴۔ | جناب حر |

# وہ انصارِ حسینؑ جو غلام تھے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | جناب شبیب بن عبداللہ | ۲۔ | جناب سلیم |
| ۳۔ | جناب سعد موئی عمرو بن خالد | ۴۔ | جناب نصر بن ابی نیزر |
| ۵۔ | جناب منجح بن سہم | ۶۔ | جناب جابر بن حجاج |
| ۷۔ | جناب سالم موئی عامر بن مسلم العبدی | ۸۔ | جناب سلیمان شہید بصرہ |
| ۹۔ | جناب جون غلام ابوذر غفاری | ۱۰۔ | جناب قارب حضرت امام حسینؑ کے غلام |
| ۱۱۔ | جناب غلام ترکی | ۱۲۔ | جناب سعد بن حرث |
| ۱۳۔ | جناب شوذب ابن عبداللہ | ۱۴۔ | جناب رافع بن عبداللہ |

# اصحابِ حسینؑ کے قبیلوں کا تعارف

## ہاشمی :-

قبیلۂ بنی ہاشم میں آلِ حضرت ابو طالب اور اُن کے غلام جو معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے علاوہ حضرت امام حسینؑ کے اٹھارہ بنی فاطمہؑ ہیں۔ اور ایک امام حسینؑ کی ملازمہ کے بیٹے، عبداللہ بن یقطر اور سات اہلبیتؑ کے غلام شہید ہوئے۔

## قبیلۂ بنی اسد:

قبیلۂ بنی اسد کے سترہ شہید ہیں جن میں ایک غلام بھی شہید ہوا، صیداوی قبیلۂ بنی اسد کی ایک شاخ ہے۔

## قبیلۂ آلِ ہمدان:

قبیلۂ آلِ ہمدان کے چار شہید ہیں اُن میں دو غلام تھے۔

قبیلۂ ہمدان کی شاخ قبیلۂ شاکری ہے۔ شبامی بھی قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔ ارحبی بھی قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

بنو دالان بھی قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

بنو نہی بھی قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

قبیلۂ جندعی بھی قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

## قبیلۂ بنی مذحج:

قبیلۂ مذحج کے آٹھ شہید ہیں اُن میں ایک غلام بھی شہید ہوا۔

## انصارِ مدینہ:

انصارِ مدینہ کے سات افراد شہید ہوے۔

## قبیلۂ بجلی:

بجلی چار تھے جو کربلا میں شہید ہوے۔

## قبیلۂ کندہ:

قبیلۂ کندہ کے چار شہید ہیں۔

## قبیلۂ غفاری:

قبیلۂ غفاری کے تین شہید ہیں ایک غلام بھی شہید ہوا۔

## قبیلۂ بنی کلب:

قبیلۂ بنی کلب کے تیرہ افراد شہید ہوے اُن میں ایک غلام تھے۔

## قبیلۂ اِزد:

قبیلۂ اِزد کے سات شہید ہیں جن میں ایک غلام شہید ہوا۔

## قبیلۂ عبدی:

قبیلۂ عبدی کے سات افراد شہید ہوے اُن میں ایک غلام بھی شہید ہوا۔

## قبیلۂ تیم:

قبیلۂ تیم کے سات افراد شہید ہوے۔

## قبیلۂ طائی:

قبیلۂ طائی کے دوافراد شہید ہوے۔

## قبیلۂ تغلبی:

قبیلۂ تغلبی کے پانچ افراد شہید ہوے۔

## قبیلۂ جُہنی:

قبیلۂ جُہنی کے دوافراد شہید ہوے۔

## قبیلۂ بنی تمیم:

قبیلۂ بنی تمیم کے دوافراد شہید ہوے۔

## قبیلۂ افرادی:

قبیلۂ افرادی کے تین افراد شہید ہوے۔

# شہدائے کربلا کے قبیلوں

# کے نام اور اُن کے معنی

## (الف)

۱۔ اسدی — شیر جیسا

۲۔ اِزدی — سلوک کرنا، بھلائی کرنا، نیزہ مارنا

۳۔ اَرحَبی — بہتر طریقے سے استقبال کرنا، مرحبا کہنا، کشادہ زمین، کشادہ دل، زیادہ عقل والا

۴۔ انصاری — مدد کرنے والا

۵۔ اِنماری — شیر، چیتا، صاف شیریں پانی، بادل، (نمازی) دھاری دار چادر

## (ب)

۶۔ بَجَلی — خوش ہونا، معزز ہونا، تعظیم کرنا۔

۷۔ بَصری — دیکھنا، غور سے دیکھنا۔

## (ت)

۸۔ تَغلَبی — بہت غالب ہونے والا

۹۔ تیمی بکری

## (ث)

۱۰۔ ثعلبی لومڑی

## (ج)

۱۱۔ جُعفیؔ تمام چیزوں کو بہالے جانے والا سیلاب، روز آنہ کی آمدنی
۱۲۔ جَملیؔ خوبصورت ہونا، حسین وجمیل
۱۳۔ جُندعیؔ فوج کا محافظ دستہ، بارش کے پانی میں بُلبُلوں کا بننا
۱۴۔ جُہنی قریب ہونا
۱۵۔ جَوّی فضائی، خلائی، ہَوائی

## (ح)

۱۶۔ حَضرمی حضرِ موت کا رہنے والا، کمان کو مضبوط کسنا۔
۱۷۔ حَنفی ٹیڑھے پاؤں والا، جُھکنا
۱۸۔ حولانی تغیّر، انقلاب، صورتِ حال کا بدلنا
۱۹۔ حَوِئی چھوٹا حوض

## (خ)

۲۰۔ خَثعمی خثعم یعنی شیر، شیر جیسا، جنگی معاہدہ کرنا۔

## (د)

۲۱۔ دالانی راستہ دکھانا، رہنمائی کرنا

## (ر)

۲۲۔ راسبی حلیم، بُردبار، ثابت قدم

۲۳۔ ریاحی رحمت، غلبہ وقوت

## (س)

۲۴۔ سعدی مبارک ہونا

۲۵۔ سلمانی فرماں بردار ہونا، امن پسند ہونا

## (ش)

۲۶۔ شاکری خدمت گذار، شکر گذار

۲۷۔ شبامی سردی، ٹھنڈا پانی

۲۸۔ شیبانی برف باری

## (ص)

۲۹۔ صیداوی صَید بمعنی بادشاہ کا فخر سے گردن بلند کرنا، دوا فروش، چاندی کی سِل، عطر فروش، سخت زمین

## (ط)

۳۰۔ طائی بیابان، میدان، پہاڑ کی چٹان

## (ع)

۳۱۔ عائذی ہرن

۳۲۔ عبدی آدمی، غلام، غلام بنانا

۴۳۔ عجلانی — سبقت کرنا، کسی کام میں جلدی کرنا

۴۴۔ علیمی — تیز فہم، جاننے والا، باخبر

(غ)

۴۵۔ غفاری — اوڑھنے کی چادر، کسی چیز کو ڈھانکنا، خربوزے والا، چھوٹی چھوٹی گھاس

(ک)

۴۶۔ کلبی — مچھلی، لوہے کا زنبور، تلوار کا قبضہ، کانٹے دار درخت خشک زمین

۴۷۔ کندی — پہاڑ کا ایک ٹکڑا

(م)

۴۸۔ مرادی — گردن

۴۹۔ مطری — موسلا دھار بارش ہونا

(ن)

۵۰۔ نمری — پہاڑ پر چڑھنا

۵۱۔ نہمی — شیر کا دھاڑنا، ہاتھی کی چنگھاڑ

(ہ)

۵۲۔ ہمدانی — ہمدان یعنی پرانے درخت، بنجر زمین

❁❁❁❁

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی:

# اصحابِ حسینؑ

# کلامِ میر انیسؔ کے آئینے میں

اصحابِ حسینؑ میں سے ہر ایک اپنی منفرد حیثیت بھی رکھتا ہے اور گلدستۂ شہادت میں شامل ہو کر اس کے مجموعی جلال و جمال میں اضافہ بھی کرتا ہے۔ ان اصحابِ باوفا میں امام حسینؑ آفتاب کی مانند تھے اس لئے اصحابِ حسینؑ کو حسینؑ سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اسی آفتاب نے انہیں منور کیا تھا، اسی سرچشمۂ فیض نے انہیں توانائی بخشی تھی اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی اس بچی ہوئی مٹی سے بنائے گئے تھے جس سے حسینؑ کا پیکرِ عظمت تیار ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رفتار و گفتار میں عزائم اور عقائد میں مقاصد اور خیالات میں خواہش مرگ اور حیات میں کردارِ حسینیؑ کی جھلک ملتی ہے اور نہ صرف واقعۂ کربلا بلکہ حسینؑ کے مقصدِ حیات کا ایک جزو بن جاتے ہیں۔ ایسی عظیم الشان شخصیت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی طاقت اِنہیں میں تھی موت پر یقین کے باوجود شکوہ کا ایک لفظ زبان پر لائے بغیر اس طرح ثابت قدم رہنا انہیں کا کام تھا۔ وہ امام حسینؑ کے لئے باعثِ فخر تھے۔ اسی وجہ سے تو امام حسینؑ نے اپنی زبان سے ان کی تعریف و توصیف کی۔ یہ ان کی عظمت کے لئے اتنی بڑی سند ہے کہ اس کے بعد کسی اور

کے کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ان کے کرداروں کا حسین ترین پہلو جو کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا ان کی وہ انفرادیت ہے جو اتنے بڑے واقعے کے ہنگاموں میں اور عظیم المرتبت اعزائے حُسینی کی قربانیوں کے باوجود ماند نہیں پڑی۔ اس کا سمجھنا اور پرکھنا ہی ان کے مقامِ عظمت کو پہچاننا ہے۔

ان معمارانِ حقانیت اور محافظانِ نورِ امامت میں صحابہٴ رسولؐ بھی تھے اور حافظانِ قرآن بھی زاہدانِ شب زندہ دار بھی تھے اور شجاعانِ آزمودہ کار بھی قبیلوں کے رئیس بھی تھے اور اپنے عہد کے فصیح بھی، انہیں میں وہ بہادروں کے بہادر حبیب ابنِ مظاہر بھی تھے اور وہ مجاہدوں کے مجاہد بُریر ہمدانی بھی تھے اور انہیں میں اکثر وہ بھی تھے جو کڑی چوکیوں اور پہروں سے بچ بچا کر اور اپنی جانوں پر کھیل کر گویا ہفت خواں طے کر کے حُسینؑ کی نصرت کو آئے اور اپنی شجاعت اور صداقت کا نقش جما کر ملکِ بقا کو سدھار گئے۔

ایک عام اعتراض واقعہٴ کربلا پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ دو خاندانوں کی جنگ تھی اور امام حسینؑ مقابلے کے لئے اپنے خاندان کو لائے تھے۔ لیکن اصحاب حسینؑ نے اس نظریئے کو ہر عہد میں باطل قرار دے دیا۔ ان اصحاب کی شرکت واقعہٴ کربلا کی نوعیت کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت ضروری تھی اگر حضرت امام حسینؑ صرف اپنے خاندان کے لوگوں کو لے کر کربلا کی سرزمین پر آگئے ہوتے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ ایک خاندانی یا گھریلو جنگ تھی۔ لیکن امام حسینؑ کے اصحاب میں تقریباً عرب کے ہر قبیلے اور مختلف مقامات کے ممتاز افراد موجود تھے۔

اکثر مورخین کے بیان کے مطابق لشکر حسینؑ بتیس سواروں اور چالیس پیادوں پر مشتمل تھا اور فوجِ مخالف کی تعداد کم سے کم تیس ہزار بتائی جاتی ہے زیادہ سے

زیادہ چھ لاکھ اور نو لاکھ بتائی جاتی ہے۔ مگر حسینیؑ ناموں کی تفصیلات اور بعض دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فوج حسینی کی تعداد ۱۰۰ اور ۲۰۰ کے درمیان تھی ان میں سے تقریباً نوے انصار کے تھوڑے بہت حالات کتب میں ملتے ہیں۔ چند اہم ترین نام یہ ہیں۔ حضرت مسلم ابن عوسجہ، حضرت حبیب ابن مظاہر، حضرت بُریر ہمدانی، حضرت ہلال ابن نافع، حضرت زہیر قین، حضرت ابوثمامہ صیداوی، حضرت عابس شاکری، حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی، حضرت سعید ابن عبداللہ، حضرت جون غلام ابوذر غفاری، حضرت شوذب غلام عابس، حضرت وہب ابن عبداللہ، حضرت حُر، یہ وہ اصحاب حسینی ہیں جن کے نام بار بار آتے ہیں۔ ان کے متعلق کسی قدر تفصیلات بھی موجود ہیں۔

صاحب الامرؑ امام زماں علیہ السلام نے زیارتِ ناحیہ میں ان اصحاب کو ذیل کے الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے۔

"تم پر سلام اے بہترین مددگار، سلام تم پر تمہارے صبر و تحمل کے عوض، دیکھو آخرت کا گھر کیا اچھا گھر ہے۔ خدا تم کو کاشانہ ابرار میں جگہ دے، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا نے تمہارے سامنے سے پردہ اُٹھا دیا اور جنّت میں تمہارے لیئے فرش بچھا دیا اور عطا و انعام کو تمہارے لئے بڑھا دیا۔ تم نے حق میں تاخیر نہیں کی اور تم حلم سے آگے بڑھ گئے اور حلم وار بقا میں تمہارے دوست ہیں"۔

اصحابِ حسینی کے اس مختصر تعارف اور عظمت کے بیان کے بعد آیئے اس بات کا جائزہ لیں کہ اُردو ادب میں اگر میر انیسؔ کا وجود نہ ہوتا تو ہماری یہ عظیم زبان ان عظیم اخلاقی نمونوں سے خالی ہوتی۔ یہ میر انیسؔ کا احسان ہے کہ انہوں نے امام حسینؑ کے سیرت و کردار کے بیان کے ساتھ اصحابِ حسینؑ کے سیرت و

کردار کے ہر پہلو کو عوام کے ذہنوں میں محفوظ کر دیا۔ میر انیسؔ کے مختلف مرثیوں سے ہم ایسا انتخاب پیش کر رہے ہیں جس میں صرف اصحابِ حسینؑ کی کردار نگاری اور ان کی عظمت و بزرگی کا بیان ہے۔

امام حسینؑ کے اصحاب کی خصوصیت کو زمانہ بھول نہیں سکتا وہ ان کا بھوک اور پیاس میں جنگ کرنا، موت کا یقین کئے ہوئے میدان میں آنا، مرنے کی رات عبادت میں گزارنا۔ خشک لبوں پر فاتحانہ تبسم، ایک دوسرے پر سبقت، مرتے دم تک سردار لشکر کے احترام کی فرمائش، "اوصیك بهٰذا الامام" کا نعرہ، باوجود شدائد امام سے کوئی شکایت نہ کرنا، علیؑ کے فرزند کو بچانے کی انتھک کوششیں، حمایت اہل حرم میں جانیں دینا، حالت نزع میں مولا کی گود پا کر ان کا مسکرانا، عاشور کی خاموش رات میں ان کا تلوار لے کر ٹہلنا، اشجع عرب کے گرد ان کا جھرمٹ، بنت علیؑ کی فرمائش پر تلوار قبضے سے نکال کر درِ خیمہ پر پھینک دینا، ایمان کی قوت سے کام لے کر عاشور کی جنگ سر کرنا، ان کارناموں اور خصوصیاتِ اصحابِ حسینؑ کو کلام انیسؔ کے آئینے میں ملاحظہ کیجئے۔

ظاہر میں گرچہ تھے رفقاء شاہ کے قلیل　　پیشِ خدا مگر وہ حقیقت میں تھے جلیل
جرأت میں بے نظیر شجاعت میں بے عدیل　　سرگرم جان دینے پہ سب صورتِ خلیل
فاقوں میں صبر و شکر سے دل ان کے سیر تھے
جاں باز تھے جری تھے مجاہد تھے شیر تھے

سر پر عمامے چاند سی پیشانیوں پہ نور　　حاضر گلا کٹانے کو سب شاہ کے حضور
لب برگِ گل سے سوکھے ہوئے پیاس کا وفور　　یکتا ہر اک مگر نہ تکبر نہ کچھ غرور
پیرو امام کے تھے نہ کیوں خوش طریق ہوں
آقا حسینؑ سا ہو تو ایسے رفیق ہوں

ہر دم فروتنی کا لبوں پر کلام تھا　　شکر خدا سے ان کی زبانوں کو کام تھا
ایک ایک دل سے عاشق شاہ انام تھا　　آنکھوں میں نشۂ مئے حُبِ امام تھا

ہر حال میں وہ لوگ رضا جوئے شاہ تھے
رُخ ان کے مثل قبلہ نما سوئے شاہ تھے

ذی جاہ وذی جلالت وذی فہم وذی شعور　　شائق ریاضِ خلد کے مشتاقِ وصلِ حور
ہر شخص نشۂ مئے حُبِ علیؑ میں چُور　　ذکرِ دعائے نور سے پیشانیوں پہ نور

ذرّہ نہ مہر و ماہ میں اور ان میں فرق تھا
اک اک جوان حُسن کے دریا میں غرق تھا

حضرت امام حسینؑ کو جیسے اصحاب ملے اس سلسلے میں خود امامؑ نے فرمایا ہے کہ ایسے اصحاب نہ میرے نانا رسولؐ خدا کو ملے نہ میرے بابا علیؑ مرتضیٰ کو ملے اور نہ میرے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کو ملے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حسینؑ کے اصحاب قیامت کے دن تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے اور انہیں تمام شہدا پر فضیلت ہے۔ ادھر لشکرِ یزیدی کی کثرت کا جوش تھا تو ادھر بھی مختصر سپاہ حسینی کا ایک ایک سپاہی اپنے آقا پر جان دینے کو تیار تھا۔ میر انیسؔ کے ایک مرثیے سے اصحاب حسینی کا سراپا ملاحظہ کیجیے۔

تھے جمع اِدھر بھی درِ مولا پہ موالی　　ماتھوں پہ نشاں سجدے کے چہروں پہ بحالی
دل صبر سے معمور شکم کینے سے خالی　　کیا علم تھا، کیا زہد تھا کیا ہمتِ عالی

ہوتے تھے فدا نام پہ فرزندِ نبیؐ کے
وہ عاشقِ صادق تھے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

باندھے ہوئے عمامے سروں پہ وہ خوش اطوار تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار رُخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبرؑ کے سپر تھے

وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل منھ قبلۂ ایماں کی طرف سوئے خدا دل
تسبیحِ زباں سارے امامت کے فضائل قرآن بھی تیغیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق ان کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

قلب ان کے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خوش باطن و آگاہ دل و صاحبِ ادراک خاکِ پسر فاطمہؑ میں ان کی ملی خاک
روشن ہے کہ فرزند نبیؐ نورِ خدا ہے
یہ خاک انہیں غازیوں کی خاکِ شفا ہے

قانع تھے، مجاہد تھے، شجاع ازلی تھے ہشیار تھے اور مست مئے حبِ علیؑ تھے
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے حقا کے ولی تھے، وہ ولی تھے وہ ولی تھے
پیدا نہ کئے مالک تقدیر نے ویسے
دیکھے نہ جواں پھر فلک پیر نے ویسے

جس جا پہ گرے سبطِ پیمبرؑ کا پسینہ خوں اپنا گرا دیں یہ وہاں گر ہو قرینہ
تیغ آئے جو سر پر تو سپر کر دیں یہ سینہ آتش میں گریں حکم جو دیں شاہِ مدینہ
تنہا شہِ مظلوم کا مدفن نہیں چھوڑا
مر کر بھی تو شبیرؑ کا دامن نہیں چھوڑا

ایسے نہ محمدؐ کو ملے یار موافق　　واں ایک موافق تھا تو تھے بیس منافق
یکتا یہ شجاعت میں وفاداری میں صادق　　ایسے کسی معشوق نے پائے نہیں عاشق
تھے زہد میں سلمان و ابوذر کے برابر
اور زور میں تھے مالک اشتر کے برابر

کہتا تھا کوئی سبطِ پیمبر کے تصدق　　عباسؑ کے صدقے علی اکبرؑ کے تصدق
سو جاں سے میں لختِ دلِ شبرؑ کے تصدق　　بے شیر ہے دو روز سے اصغرؑ کے تصدق
صابر انہیں کہتے ہیں یہ خاصانِ خدا ہیں
معصوم کے معصوم بھی راضی بہ رضا ہیں

کہتا تھا کوئی وقت پھر ایسا نہ ملے گا　　یہ فوج، یہ میدان یہ دریا نہ ملے گا
ڈھونڈو گے جو دنیا میں تو کیا کیا نہ ملے گا　　پر فاطمہؑ کے لال سا آقا نہ ملے گا
کیا غم ہے اگر پانی سے ناکام رہیں گے
گر آج مرے حشر تلک نام رہیں گے

کہتا تھا کوئی دیکھو ذرا آنکھ اُٹھا کر　　وہ گلشنِ جنّت ہے وہ ہے چشمۂ کوثر
وہ حوریں ہیں ہاتھوں میں لئے پانی کا ساغر　　وہ ہیں حسنؑ سبز قبا اور وہ پیمبرؐ
زہراؑ ہیں یہ سر کھولے جو کوثر کے درے ہیں
حیدرؑ ہیں وہ جو ہاتھ کلیجے پہ دھرے ہیں

---

# صبح عاشور، آغازِ جنگ اور اصحاب کی قربانیاں

فوجِ شام میں جنگی باجوں کا شور ہوا اور فوجِ یزید نے تیروں سے جنگ کا آغاز کیا۔ میر انیسؔ نے اس منظر کو نہایت پُراثر انداز سے پیش کیا ہے:۔

ناگاہ فوجِ شام میں بجنے لگا دہل    تیغیں کھنچیں چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
کڑکیں کمانیں آنے لگے ناوکِ اجل    شیروں کے تیوروں پر پڑے اس طرف بھی بل
تن تن کے ہونٹ چاب کے تھرا کے رہ گئے
تیروں کے زخم شاہ کو دکھلا کے رہ گئے

بولے یہ رنگ دیکھ کے شبیرؑ خوش نہاد    ہاں اے مجاہدو، رہِ حق میں کرو جہاد
جوں غنچہ کھل گئے وہ جواں ہو کے شاد شاد    سرخی لبوں پہ آگئی پایا گُلِ مراد
بڑھ بڑھ کے پیدلوں نے سواروں سے جنگ کی
ایک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی

جس غول پہ جھپٹ کے گئے صورتِ اسد    بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی حد
لاکھوں میں ان کا وار کوئی کر سکا نہ رد    نعرہ ہر ایک ضرب میں تھا یا علیؑ مدد
دو کرتے تھے وہ مجمعٔ قوم جہول میں
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے    اس شان سے کبھی نہ عجم نے عرب لڑے
دریا کی سمت رُخ نہ کیا تشنہ لب لڑے    پیاسے تھے تین روز کے لیکن عجب لڑے
بے دست ہو گئے تو یہ جوہر دکھا گئے
لوہے کو مثلِ شیر درندہ چبا گئے

الحق تھے شیر بیشۂ ہیجا وہ صف شکن    مرنے کی یہ خوشی تھی کہ خنداں تھے زخم تن
کھا کھا کے تیر کہتے تھے وہ غیرتِ چمن    قربان بندہ پروریٔ سرورِ زمن
غازی ستم گروں سے دغا کر کے مر گئے
حقِ نمک جو تھا وہ ادا کر کے مر گئے

حرّ و بریرؔ و وہبؔ و عمیرؔ فلک مقام وہ مسلمِؔ ابن عوسجہؔ عرش احتشام
سعدؔ و زہیرؔ قین و حبیبؔ خجستہ کام وہ شیر جس کا بو عمرؔ نہشلی تھا نام
جس غول پر جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
ایک ایک مرتے مرتے پروں کو اُلٹ گیا

## حُرِ دلاور کا جہاد:

میر انیسؔ نے حضرت حر کی سیرت و کردار جنگ و شہادت پر مستقل مرثیے لکھے ہیں اس موضوع کے لئے ایک مضمون درکار ہے۔ یہاں صرف ایک بند دیکھئے جس میں انہوں نے حضرت حران کے بھائی اور فرزند کی شہادت ایک ہی بند میں نظم کی ہے:-

پہلے حر غازی نے صفیں کی تہ و بالا پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہ والا
کہرام تھا مہماں کے لئے اہلِ حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھیں میدانِ ستم میں

## حضرت مسلم ابنِ عوسجہؑ کا جہاد:

میر انیسؔ نے حضرت مسلم ابنِ عوسجہؓ کے کارنامے متعدد مرثیوں میں نظم کئے ہیں یہاں صرف ایک بند مثال میں پیش کیا جاتا ہے:-

میدان میں مسلم پسر عوسجہ آیا تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اُٹھایا چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

## حضرت حبیبؑ ابنِ مظاہر کا جہاد:

میر انیسؔ نے ایک مکمل مرثیہ حبیبِ ابنِ مظاہر کے حالات پر مشتمل کہا ہے جس میں ان کے بچپن کے حالات بھی نظم کئے ہیں دو مرثیوں میں سے چند بند دیکھئے۔

وہ ابنِ مظاہر کہ حبیبوں میں جو تھے فرد    دنیا میں کسے ملتے ہیں اس طرح کے ہمدرد
اعدا کے لئے تیغ ہلالی ، دم نادرد    پیری میں اولوالعزم بڑھاپے میں جواں مرد
سب چھوٹے مگر دامنِ حضرت نہیں چھوڑا
مرنے پہ بھی اب تک درِ دولت نہیں چھوڑا

یکتا وہ حبیبوں میں حبیب ابنِ مظاہر    یکساں صفت مہر مبیں باطن و ظاہر
عصیاں سے بری طیّب و پاکیزہ و طاہر    جاں باز، جہاندیدہ، فنِ جنگ کے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے قدِ راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی    پروانۂ جاں باز بھی ، شمعِ سحری بھی
ابرار بھی دیندار بھی عصیاں سے بری بھی    زاہد بھی، مجاہد بھی، نمازی بھی، جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

## نمازِ ظہر کے وقت اصحاب کا ایثار:

میر انیسؔ نے ایک مرثیے میں نماز اور ابوثمامہ وزہیر کے ایثار کو اس طرح پیش کیا ہے۔

آیا زوال رن میں جو مہر منیر پر	غم کا فلک گرا شہ گردوں سریر پر
نرغہ تھا شامیوں کا جہاں کے امیر پر	پڑتی تھی تیغ تیغ پہ اور تیر تیر پر
مرنے لگے رفیق شہ کم سپاہ کے
دس بیس تارے رہ گئے ہمراہ ماہ کے

واں ہل رہی تھی نالۂ شہنا سے سب زمیں	فکرِ نمازِ ظہر میں تھے یاں امامِ دیں
تھے منحرف جو قبلۂ ایماں سے وہ لعیں	غل اقتلوالحسینؑ کا کرتے تھے اہلِ کیں
دشمن تھی سب سپاہ، شہِ سرفراز کی
ملتی نہ تھی امام کو مہلت نماز کی

بڑھ کر ابوثمامہ نے اس دم کیا خطاب	اے ظالمو نہ خانۂ دیں کو کرو خراب
ہے کون سی خطا کہ جو ہو مانعِ ثواب	شہ کو نماز پڑھنے کی مہلت دو اب شتاب
مارو نہ تیر ربِ دو عالم کے واسطے
تیغوں کو کر لو میان میں ایک دم کے واسطے

تیوری چڑھا کر ابن انس نے یہ تب کہا	کیسی نماز کہتے ہیں کیا شاہِ کربلا
مانیں گے ہم کبھی نہ یہ باتیں دمِ دغا	کچھ ہو مگر بچے گا نہ فرزندِ مرتضیٰ
پوچھو کہ بندگی سے انہیں کیا حصول ہے
اس وقت کی نماز بھلا کب قبول ہے

تھرا گئے یہ سن کے شہِ عرش بارگاہ	رو کر عجیب یاس سے گردوں پہ کی نگاہ
حق سے دعا یہ کی کہ الٰہی تو ہے گواہ	ایذا ترے حسینؑ کو دیتے ہیں روسیاہ
ناحق ستاتے ہیں دلِ زہراؑ کے چین کو
ملتی نہیں نماز کی مہلت حسینؑ کو

مولا کی اس فغاں سے ہلا آسمان پیر　بولے یہ دست بستہ زہیر فلک سریر
حضرت پڑھیں نماز ستاتے ہیں گو شریر　روکوں گا اپنے تن پہ میں زخمِ سنان و تیر
ٹوکے یہ کیا مجال کسی پُر غرور کی
تیغوں میں اب غلام سپر ہے حضور کی

اس باوفا کا جب یہ سخن آپ نے سنا　فرمایا اے زہیرِ خوش انجام مرحبا
اس امر خیر کی تجھے اللہ دے جزا　تجھ کو لکھے نماز گزاروں میں کبریا
جنت سے فاطمہؑ ترے لاشے پہ آئیں گی
حوریں تجھے شرابِ طہورا پلائیں گی

یہ کہہ کے شاہ محو عبادت ہوئے اِدھر　وہ دونوں شیر سامنے آ کر بنے سپر
جب تک نماز پڑھتے رہے شاہِ بحر و بر　سر کے نہ ان کے پاؤں، خوشا دل زہے جگر
کچھ زخم پہلے کھائے تھے کچھ تیر پھر پڑے
شہؑ پڑھ چکے نماز تو وہ شیر گر پڑے

میر انیسؒ نے ایک ہی بند میں کئی اصحاب کی شہادت کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے اس طرح کا ایک بند شروع مضمون میں درج کیا گیا ہے دوسرا بند ملاحظہ ہو:-

ضرغامہؒ، وہبؒ و انسؒ و مالکؒ دیندار　حجاجؒ و زبیرؒ و جبلہؒ، عامرؒ و عمارؒ
عمرانؒ و شبیبؒ و عمر و عابسؒ ابرار　قربانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہو گئے اکبار
جس سمت یہ جاں باز تھے خالی وہ پرا تھا
دو روز تلک دشت ستم خوں سے بھرا تھا

آخر میں مختلف مرثیوں سے اصحابِ باوفا کی مدحت کے بند درج کئے جاتے ہیں۔ جہاں میر انیسؒ نے حسن و کمال سے ادبی، شاعرانہ و تاریخی نکات نظم کئے ہیں۔

## اصحابِ حسینؑ کے لئے جنابِ فاطمہ زہراؑ اب تک اشکبار ہیں:

کیا فوجِ حسینؑ کے جوانانِ حسیں تھے کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہ دل و اہل وفا اہل یقیں تھے غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؑ
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہراؑ

## ہر صحابی چاہتا تھا کہ ہم پہلے حضرت امام حسینؑ پر نثار ہو جائیں:

دنیا کے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہشِ اجلال تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حُبِ زر و مال
نے یادِ وطن تھی نہ انہیں الفتِ اطفال شبیرؑ کے عاشق تھے زہے بخت خوشحال
مذکور یہ تھا جی سے گزر جائیں گے پہلے
اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے

## ان کے سینے معرفتِ الٰہی سے لبریز تھے:

مستِ مئے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش تھی غیر خدا سب کی انہیں یاد فراموش
دنیا سے بری بار علائق سے سبکدوش دل یادِ الٰہی میں جو یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سر تسلیم تھا خم راہ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہ خدا میں

ہمت سے توانا پہ ریاضت سے بدن زار مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار
غربت، المِ فاقہ کشی، زردیٔ رخسار سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار
تسبیح خدائے دو جہاں وردِ زباں تھی
بیداریٔ شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

## عالم امکان میں ایسے وفادار نہ پہلے تھے اور نہ اب پیدا ہوں گے:

مقبول خدا صاحب دیں زاہد و ابرار　ایسے نہ پیمبرؐ کو ملے یاور و انصار
برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبد دوّار　پیدا نہ ہوں اس طرح کے اصحابِ وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر ان لوگوں نے ہم رو نہیں سکتے
کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر　مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر
سر دینے کو موجود فدا ہونے کو حاضر　اس بھوک میں ثابت قدم اس پیاس میں صابر
کھائے تبر و تیر یہ غم خواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفاداری کا حق تھا

## اصحابِ حسینؑ کے ایسے عابد و زاہد، جانباز و سرافراز، صابر و شاکر، جرار، وفادار تاریخ اسلام میں دوسرے نہیں۔

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے سبحان اللہ　کیا رفیقانِ وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرار تھے سبحان اللہ　زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا
اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے　عجب اسوار تھے بے مثل تازی تھے
لائق مدح و سزاوار سرافرازی تھے　گو بہت کم تھے پر آمادۂ جانبازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

وہ تخشع وہ تضرع وہ قیام اور وہ قعود　　وہ تذلل وہ دعائیں وہ رکوع اور وہ سجود
یادِ حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود　　یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِ ودود
یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
مگر احمدؐ کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز　　اپنے معبود سے سجدوں میں عجب رازو نیاز
سر تو سجادوں پہ تھے عرشِ معلیٰ پہ نماز　　شیر دل منتخبِ دہر وحید و ممتاز
چاند شرمندہ ہو چہرے متجلی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلی ایسے

## اصحابِ باوفا کو اس پر ناز تھا بعد شہادت رسولؐ خدا ہم کو سینے سے لگائیں گے

افضل ہے عبادت سے مددگاریٔ شبیرؑ　　خود دوڑو، کماں داروں کی جانب صفت تیر
بجلی سے گرو، واں کوئی چمکائے جو شمشیر　　کس شخص کے یاور ہو، ہے عزت و توقیر
چھاتی سے ہمیں آج لگا دیں گے محمدؐ
رونے کے لیئے لاشوں پہ آویں گے محمدؐ

## اصحاب باوفا کا دم زانوئے شبیرؑ پہ نکلا:

مارے گئے لڑ بھڑ کے جو وہ مومن کامل　　جا جا کے اُٹھا لائے انہیں سرورِ عادل
کس طرح بشر سے ہوں بیاں ان کے فضائل　　رتبے ہیں ملک ہو نہ سکے جن کے مقابل
رونے کو نہ مادر تھی نہ ہمشیر سرہانے
تھا وقتِ اجل زانوئے شبیرؑ سرہانے

## اصحابِ باوفا امام حسینؑ سے پہلے جنّت میں پہنچے:

اللہ نے دل ان کے وفا سے بنائے تھے — اور جسمِ پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
سینے خمیر صدق و صفا سے بنائے تھے — دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سرنوشت میں
پہنچیں گے یہ حسینؑ سے پہلے بہشت میں

وہ عاشق صادق تھے وہ تھے مومنِ کامل — دی تھی انھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا ہوش تھا، کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل — کیا حُسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محرابِ عبادت خم شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے

کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر — قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیش نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر — تھا شوق کہ اب حوروں سے ہوویں گے بغلگیر
نے پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مست مے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش — تھی غیر خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بری بارِ علائق سے سبکدوش — دل یادِ الٰہی میں، جو یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سرِ تسلیم تھا راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صوتِ حسن اور وہ اثر دار دعائیں — وہ چاند سے رُخ اور وہ نورانی عبائیں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں — وہ دوش پہ شملے وہ عمامے وہ ردائیں
نے حور میں یہ حُسن نہ انساں نہ پری میں
گویا ملک اترے تھے لباسِ بشری میں

مرقوم ہیں قرآن میں رتبے شہدا کے　　بے جاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اُٹھا کے
وہ چاہنے والے تھے امامِ دوسرا کے　　طالب تھا خدا ان کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیلِ سعادت کا صِلا تھا
آقا بھی انھیں سبطِ پیمبرؐ سا ملا تھا

اللہ ری شان واہ رے لشکر زہے حشم　　مشتاق ان دلیروں کا تھا کوثر و ارم
کیا ان کے میں ثباتِ قدم کو کروں رقم　　سر کٹ گئے مگر نہ ہٹے گھاٹ سے قدم
پروانۂ سراج نبیؐ وہ سعید تھے
زاہد تھے، متقی تھے، جری تھے شہید تھے

سائے میں تھے علم کے شجاعانِ ارجمند　　روشن تھے آفتاب سے چہرے ہزار چند
مانندِ برق کوندتے تھے زیرِ راں سمند　　ہر دم نقیبِ فوج کی تھی یہ صدا بلند
ہے سامنے بہشت دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے　　لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے　　فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد　　ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد　　مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے　　شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنیٔ قمر اُن کے سامنے　　اُڑتا تھا رنگِ روئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود　　دیکھیں جوان کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رُخ سے عیاں جلال و جوانمردی و نمود　　شیدائے آلِ شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی انھیں صحبتِ امام　　تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدرؑ سے دل کے جام　　ذی قدر، ذی شعور دلاور خجستہ کام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب　　تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور وہ جلال وہ صورت وہ آب و تاب　　زہراؑ کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بیک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال ان پہ آ گیا

---

حق کے ولی مصاحب سردار انس و جن　　کوئی جواں، کوئی متوسط، کوئی مِسن
فاقوں میں باحواس لڑائی میں مطمئن　　کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسینؑ پہ رن میں تو عید ہو

نکلے حرم سرا سے شہِ آسماں شکوہ　پُرنور ہو گئے رُخِ روشن سے دشت وکوہ
ہاتھوں پہ سر دھرے تھے جوانانِ حق پژوہ　حقا کہ بادشاہ عجب تھا عجب گروہ
ایذا تھی عشقِ شاہ میں چین ان کے واسطے
بہرِ حسینؑ وہ تھے حسینؑ ان کے واسطے

دیندار سرفروش وفادار اہلِ درد　سرمہ ہے چشمِ حور کا جن کے قدم کی گرد
لب پیاس سے کبود تو فاقوں سے رنگ زرد　دم میں مگر صفوں کو اُلٹ دیں دمِ نبرد
رستم نظر ملا نہ سکے ان کی چشم سے
مر جائے ڈر سے شیر کو دیکھیں جو خشم سے

ہر بات میں خشوع و خضوع و فروتنی　محتاج پر حسینؑ کی دولت سے دل غنی
قبضے میں جوں کماں ہنرِ ناوک افگنی　جنگ آزما ہزبرِ وغا تیغ کے دھنی
گر آسماں گرے تو زمیں پر کھڑے رہیں
ٹل جائے کوہ پر قدم ان کے گڑے رہیں

تھا ولولہ جہاد کا مشتاقِ جنگ تھے　کمریں کسی کھنچے ہوئے گھوڑوں کے تنگ تھے
رانوں میں بے قرار کمیت و سرنگ تھے　تھے بحر میں نہنگ تو بر میں پلنگ تھے
گھوڑے اُڑا کے تیغ سے بجلی کو پے کریں
پانی تو کیا ہے آگ کے دریا کو طے کریں

---

آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں　اُس طرف طبل بجے یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلّی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں　وہ نمازی کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے تلواروں میں

عرشِ اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں اُن کی　　وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں اُن کی
وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں اُن کی　　حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں اُن کی
ذکرِ خالق میں لب ان کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

زہد میں حضرتِ سلماں کے برابر تھا کوئی　　دولتِ فقر و قناعت میں اباذر تھا کوئی
صدق گفتاری میں عمار کا ہمسر تھا کوئی　　حمزۂ عصر کوئی مالک اشتر تھا کوئی
ہوں گے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے　　سر کٹے پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے　　جس طرح تیغِ دو دم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی اُن کو
آبرو ساقیٔ کوثر نے عطا کی اُن کو

---

اللہ رے وفائے رفقائے شہِ ذی جاہ　　کرتے تھے سفر چوم کے پائے شہِ ذی جاہ
سر دیتے تھے ہنس ہنس کے برائے شہِ ذی جاہ　　دل سینوں میں لبریز ولائے شہِ ذی جاہ
دنیا کی نہ جانب ہیں نہ دریا کی طرف ہیں
مرتے ہوئے آنکھیں شہِ والا کی طرف ہیں

مرنے پہ کسے تھا کمر ایک ایک سے پہلے　　کر دیتا تھا سینہ سپر ایک ایک سے پہلے
دیتا تھا بصد شوق سر ایک ایک سے پہلے　　کرتا تھا دلِ شہ میں گھر ایک ایک سے پہلے
دشوار انھیں زیست کی ایک ایک گھڑی تھی
کوثر سے نظر خلد سے جان ان کی لڑی تھی

ایماں شہِ والا کی وِلا جانتے تھے وہ　　مرجانے کو تو عین وفا جانتے تھے وہ
جینے کو ہوس دم کو ہوا جانتے تھے وہ　　فاقوں کے بیاں کو بھی گلا جانتے تھے وہ
کچھ فرق اطاعت میں وہ ناکام نہ لائے
پانی کا زبانوں پہ کبھی نام نہ لائے

---

پہنچے جو وہ مردانِ وغا دشتِ وغا میں　　تھا غلغلۂ صلِّ علیٰ ارض و سما میں
سرگرم تھے سب الفتِ شاہِ شہدا میں　　ثابت تھے دلیروں کے قدم راہِ خدا میں
کہتے تھے کہ آقا کی یہ تائید کا دن ہے
کٹوایئے ہنس ہنس کے گلے عید کا دن ہے

یہ روز مبارک ہے سعادت ہے یہ مرنا　　سجدے میں سرِ تیغ سر اس جنگ میں دھرنا
ہاں غازیو، اس کثرتِ اعدا سے نہ ڈرنا　　ہر زخم پہ دم الفتِ شبیرؑ کا بھرنا
گھوڑوں کی عنانوں کو عنانوں سے ملا دو
تیغوں سے گلے سینے سنانوں سے ملا دو

معلوم نہ ہوگا یہ کئی روز کا فاقا　　جب تیغوں کے پھل کھائیں تو حاصل ہوا فاقا
اولاد سے مطلب ہے نہ گھر سے ہے علاقا　　دنیا میں کہاں پائیں گے شبیرؑ سا آقا
پایا ہے یہ کس نے جو ہمیں پایا ملے گا
قبروں کو بھی شبیرؑ کا ہمسایا ملے گا

کیا فوج تھی کیا لوگ تھے اللہ رے ارادے　　اس پر بھی بہتر تھے سوار اور پیادے
ایک ایک جب آقا کے لئے جان لڑا دے　　کیوں کر نہ بھلا فاطمہؑ ان سب کو دعا دے
سردار مجاہد ہو تو انصار ہوں ایسے
آقا جو ہو ایسا تو مددگار ہوں ایسے

ہتھیار چمکتے ہوئے اور برق سے تازی دیں دار خوش اطوار وفادار نمازی
مکی و قریشی و حسینی و حجازی زور آور و لشکر شکن و صفدر و غازی
جب آنکھ ملا دیں تو دلیروں کو بھگا دیں
قبضے پہ رکھیں ہاتھ تو شیروں کو بھگا دیں

---

حاضر درِ حضور پہ وہ خاصگانِ رب ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
غربت زدہ، گرسنہ و مظلوم و تشنہ لب سن کر سحر کا شور اُٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کر کے تیمم امام پاک سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
اکبرؑ نے دی اذاں جو بہ آواز دردناک آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
اور مقتدی تھے سب عقبِ شاہِ کربلا مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
جیسا امام ویسی ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوشخصال جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکلِ دال
خم ہو گئے سجود میں گہہ صورتِ ہلال پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

---

وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور    دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشم حور
دیندار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور    کمریں کسے جہاد پہ، راحت دلوں سے دور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

حُبِ حسینؑ دل میں زبانوں پہ ذکرِ حق    نے فکر کچھ عیال کی نے مرگ کا قلق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نہ طبق    حقا کہ سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
آقا کا دم بھرا کئے جب تک کہ دم رہے

---

اللہ رے جوانانِ حُسینی کے ارادے    سادنت نہ ہوں کیوں جنھیں توفیق خدا دے
کُل تیس تو اسوار تھے چالیس پیادے    ایک ایک پر ایسا تھا کہ لاکھوں کو بھگا دے
جنّت ہی شہیدوں کی شہادت کا صِلا تھا
ہفتم سے دہم تک انہیں پانی نہ ملا تھا

کچھ پیاس کا شکوہ تھا نہ فاقوں کی شکایت    ایک ایک تھا پروانۂ مصباحِ ہدایت
تھی دل میں ولائے پسرِ شاہِ ولایت    لب پر فَسَیَکفیکُھُمُ اللہ کی آیت
ہر چند یہ سامانِ وغا ان کی طرف تھا
حضرت کے یہ تھے ساتھ خدا ان کی طرف تھا

پڑھ پڑھ کے نمازیں شبِ عاشور گذاری    خشکیدہ زبانوں پہ رہا شکر ہی جاری
ہر دم ہی یہ نعرہ تھا کہ یا ایزدِ باری    ہے فکر کہ عزّت ہے ترے ہاتھ ہماری
خوشنود رہے فاطمہؑ وہ کام کریں ہم
پہلے ترے محبوب کے پیارے سے مریں ہم

نوٹ :- فَسَیَکفیکَھُمُ الله،(فَ سَ یَکفِیِ لَکَ ھُمُ الله) وَھُوَ السَّمِیعَ العَلیمُ (البقرۃ،آیت ۱۳۷)

ترجمہ: تمہیں خدا کافی ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

واں ظلم پہ باندھے تھا کمر لشکرِ کفار　　تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پہ تیار
ذی قدر، جواں مرد، خوش اطوار، وفادار　　خاصانِ خدا ، متقی و زاہد و ابرار
آغوشِ محمدؐ کا مکیں اُن کی طرف تھا
دنیا تو ادھر جمع تھی دیں اُن کی طرف تھا

تھا فتح کے سورے کا مفسّر کوئی ذی جاہ　　پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہ
کہتا تھا کوئی نفس کے توکلتُ علی اللہ　　بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
گو رحم نہ یہ لشکرِ نا اہل کرے گا
اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا

تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر　　مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جہاں پر
صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دو جہاں پر　　لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
تسبیحِ امامت کو عجب دانے ملے تھے
یا فاطمہؑ کی شمع کو پروانے ملے تھے

عاشق شہِ والا کے ، مطیعِ اسداللہ　　سر دینے کو سب ہادیٔ کونین کے ہمراہ
مستغنی و حق بین و حق آئین و حق آگاہ　　دنیا کو وہ دیندار سمجھتے تھے گزرگاہ
فاقوں میں توکل تھا جنابِ اَحدی پر
پڑتی تھی نظر اُن کی نعیمِ ابدی پر

---

خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر کا جاری معشوقِ امام دو جہاں عاشقِ باری
کوئی تو محدّث کوئی حافظ کوئی قاری ہم رتبۂ سلمان و اباذرِ غفاری
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذّات جہاں کو
تھا چاشنئ فقر سے کام اُن کی زباں کو

گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
دانائے جہاں سیفِ زباں صاحبِ شمشیر طینت میں وفاداروں کے تھی الفتِ شبیرؑ
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
سر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے

اک ایک مئے وحدتِ اللہ سے سرمست ثابت قدم و صفدر و جانباز و زبردست
سر کائیں نہ سینوں کو جو سو تیر ہوں پیوست سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
نے گھر کا نہ اولاد کا نے مال کا غم تھا
غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
زرہیں تنِ پُرنور میں شیروں کے لڑی تھیں
آنکھیں سپہِ شام کی تیغوں سے لڑی تھی

پہلو میں کوئی اور کوئی پیش شہ خوش خو کوئی سپرِ حفظ ، کوئی جوشنِ بازو
رُخ چاند سے روشن تو بدن پھولوں سے خوشبو رخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
تیروں سے نہ تلواروں سے منھ پھرتا تھا اُن کا
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

کیا شانِ حبیب ابنِ مظاہر کا لکھوں حال وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
کیا رتبۂ اعلیٰ تھا زہے حشمت و اقبال فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہؑ کا لال
جو عشق تھا سلمان و ابوذر کو نبیؐ سے
ان کو وہی الفت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ سے

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی پروانۂ جاں باز بھی شمعِ سحری بھی
ابرار بھی دیں دار بھی عصیاں سے بری بھی زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہ نامی میں رہے تھے
تر سٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

تھا وہ قدمِ گشتۂ شجاعت سے نہ خالی مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغ ہلالی
پسپا تھی وہ صف جس پہ نظر شیر نے ڈالی نعرہ تھا یہ ہر دم کے نثارِ شہِ عالی
صدقے ہوئے یوں لختِ دلِ ختم رسلؐ پر
بلبل بھی جس طرح فدا ہوتی ہے گل پر

اصحاب باوفا کی عظمت و شکوہ کے بیان میں میر انیسؔ کے بہت سے بہترین اشعار مثالوں میں نہیں دیئے گئے۔ یہ موضوع طویل ترین مقالے کا موضوع ہے مرثیوں کے علاوہ رباعیات اور سلاموں میں بھی اصحابِ باوفا کا ذکر میر انیسؔ نے کیا ہے آخر میں ایک سلام سے تین شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

کیا کیا لڑے ہیں رن میں بہتر جدا جدا مجرائی شہ پہ صدقے کئے سر جدا جدا
رن میں ہر اِک نے ابنِ شہ ذوالفقار کو دکھلائے اپنی تیغ کے جوہر جدا جدا
ہوتے جوان کے سامنے ستر دو تن شہید ماتم سبھوں کا کرتے پیمبرؐ جدا جدا

---

(زیرِ اشاعت)

# خواتینِ کربلا

کربلا میں موجود خواتینِ کربلا
کے عزم واستقلال کی پُردرد داستان
جو لہو کے آنسوؤں سے لکھی گئی

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

(زیرِ اشاعت)

# کربلا کے
# شہدائے بنی ہاشم

"اولادِ ابو طالبؑ کے حالاتِ زندگی
جنھوں نے کربلا میں انسانیت
کی حقیقی تقدیر تحریر کر دی اور اپنے
خون سے توحید کا شجرہ لکھ دیا"

## علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

(زیرِ اشاعت)

# کربلا میں بچوں کی قربانیاں

کربلا میں شہید ہونے والے
بچوں کے پُردرد حالات
اور اُن کی شہادتوں کا بیان

علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

(زیرِ اشاعت)
تاریخِ شہرِ کربلا
شہرِ حسینؑ کی مکمّل تاریخ
وتفصیلات
علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

(زیرِ اشاعت)

# فرزندانِ امام علی رضا علیہ السلام

بے وقوف کہتے ہیں

امام علی رضا علیہ السلام کے ایک فرزند

کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی؟

جی نہیں صاحبانِ علم کو معلوم ہے

امام علی رضا علیہ السلام کے پانچ بیٹے اور

ایک بیٹی بھی تھی،

تو پڑھیئے نہ یہ کتاب!!

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی